بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ

یہ ہمارا دفتر ہے، بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک (الجاثیہ)

اُردو زبان میں قرآنِ پاک کی ضخیم ترین مُستند تفسیر

مواہب الرحمٰن

جلد ۱

بحر العلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء — ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ

۳۲-اے شاہ عالم مارکیٹ - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھٰذا کتٰبنا ینطق علیکم بالحق

یہ ہمارا دفتر ہے، بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک (الجاثیہ)

اردو زبان میں قرآنِ پاک کی ضخیم ترین مستند تفسیر

مواہب الرحمٰن

بحرالعلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء — ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء

پارہ ۱۲

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ

۳۲-اے شاہ عالم مارکیٹ - لاہور

نام کتاب ——— مواہب الرحمٰن

موضوع ——— تفسیر قرآن شریف (اردو)

تالیف ——— علامہ سید امیر علیؒ

ناشر ——— مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور

مطبع ——— کنول آرٹ پریس جان محمد روڈ انارکلی لاہور

صفحات ——— ۸۵۶

تعداد ——— ۱۱۰۰

جلد چہارم ——— بار اول ——— محرم ۱۳۹۸ھ دسمبر ۱۹۷۷ء ———

ھم نے اس تفسیر کے متن قرآن پاک کو لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔ ہمارے علم میں اس میں کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی لفظ چھوٹا ہے

عبدالرشید ارشد۔ مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور

مولانا محی الدین۔ خطیب جامع گارڈن ٹاؤن

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ

اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر
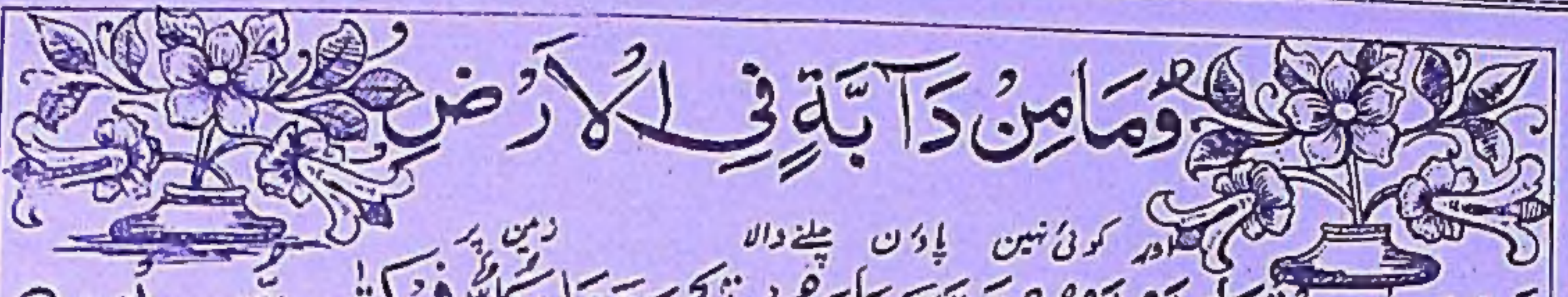
اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

مگر اللہ پر ہے اس کی روزی اور جانتا ہے جہان ٹھہرتا ہے اور جہان سونپا جاتا ہے سب موجود ہے کھلی کتاب میں

دآبہ بتشدید بار موحدہ ما دبّ علی الارض۔ جو چیز زمین پر رینگے یا حرکت و سیر کرے پس چیونٹی وغیرہ حشرات الارض کو بھی شامل ہے اور یہی یہان مراد ہے اور عرف مین چارپایہ پر اور عرف خاص مین گھوڑے پر بولتے ہین۔ وہ مراد نہین ہے۔ ما نافیہ۔ اور مِن دابہ مین مِن زائدہ بغرض استغراق نفی ہے۔ علی اللہ مین کہا گیا کہ علی وجوب کیلئے اور کہا گیا کہ نہین وسیاق الکلام فیہ۔ بیضاوی رح نے کہا کہ گویا اس آیت سے یہ بیان مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات سب کا عالم ہے جیسے مابعد مین تمام ممکنات پر قدرت والا ہونے کا بیان ہے تاکہ توحید خوب محقق ہوجاوے۔ فرمایا۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اور نہین کوئی دابہ زمین مین اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا مگر آنکہ اللہ تعالیٰ پر ہے اُسکا رزق یعنی اُسکی غذا و معاش جو کچھ ہو وہ اللہ تعالیٰ پر ہے کیونکہ اُسنے تفضل و رحمت سے اُسکا تکفل فرمالیا ہے پس کوئی یہ وہم نہ کرے کہ او تعالیٰ پر بھی یہ امر واجب ہے۔ بیضاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ علی اللہ بحرف وجوب فقط اسواسطے فرمایا کہ جب اُسنے تفضل و رحمت سے تکفل فرمایا تو ضرور ہر دابہ کو اسکا رزق پہونچے گا اور اسلئے کہ مخلوق اس بارہ مین اسپر توکل کرین۔ اور کمالین مین کہا کہ یہ اگرچہ محض تفضل ہے لیکن جب اُسنے یہ ضمانت کر لی کہ مخلوق پر تفضل فرما دیگا تو اس تفضل کا مرجع واجب ہوا جیسے بندون کی نذر کر لینے کا حال ہے۔ امام رازی رح نے کہا کہ رزق تو اللہ تعالیٰ پر بسبب وعدہ و فضل و احسان کے واجب ہے تو یہ بندون کی نذرون کے معنی مین ہوگا بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہین ہے جیسا کہ ظاہر کلام بیضاوی رح ہے اور حاصل یہ ہے کہ وجوب یہان وجوب اختیاری ہے نہ وجوب التزامی پس رزق اسکی مشیت پر موکول ہے چاہے دے اور چاہے نہ دے۔ اور بعض نے کہا کہ علی اللہ بمعنی من اللہ ہے۔ مجاہد رح نے کہا کہ دابہ کو جو رزق پہونچا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کبھی رزق نہین دیتا کہ وہ بھوک سے مرجاتا ہے مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر وجوب تعبدی کے معنی متصور ہی نہین ہین ولیکن اس سے یہ لازم نہین کہ وہ اپنی مخلوق کے ارزاق کا متکفل نہ ہو کیونکہ اسکے سوائے کوئی رازق و رزاق نہین ہے اور احادیث مین تصریح ہے کہ ہر ایک مخلوق کا رزق و اجل وغیرہ قبل پیدائش کے اللہ تعالیٰ مقدر فرماتا ہے ہان جیسے ابتدائے آیت مین گذرا کہ باعتبار نیک و بد اعمال کے تمتع پاکیزہ و تمتع ناپاک سے فرق ہوتا ہے لہذا ابن کثیر رح نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مین خبر دی کہ تمام دوابِ روئے زمین صغیر و کبیر کا خواہ بری ہو یا بحری ہو ہر ایک کے ارزاق کا اللہ تعالیٰ متکفل ہے۔ وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا۔ اور وہ جانتا ہے ہر دابہ کے مستقر و مستودع کو یعنی کہان اُسکا مستقر ہے کہ وہان ٹکنے مین مین بسیرا کرے اور کہان مستودع ہے کہ پھر وہان بسیرا لیوے۔ علی بن ابی طلحہ وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ مستقرہا یعنی زندگی مین کہان ٹھکانا لیتا ہے اور مستودعہا یعنی جہان مرکر مدفون ہوگا۔ مجاہد رح سے روایت ہے کہ مستقر سے رحم کا محل قرار مراد ہے اور مستودع سے صلب کا نطفہ مراد ہے اور یہی ضحاک و ابن عباس و ایک جماعت سے مروی ہے پس یہ سورۂ انعام کی آیت سے متوافق تفسیر ہوئی۔ الحاصل اللہ تعالیٰ ہر دابہ کو رزق دیتا ہے جہان کہین ہو بعد از آنکہ وہ دابہ محتاج غذا ہوگیا ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ جب تم مین سے کسی کی موت کسی زمین مین مقدر ہوگی تو وہان جانے پر اس کو کوئی ضرورت مجبور کریگی یہان تک کہ جب وہ انتہائے مقام پر پہونچ جائے گا

تو وہان اسکی روح قبض کی جائے گی پس قیامت کے روز زمین عرض کریگی کہ یہ وہ ہے جو تونے مجھے ودیعت سونپا تھا ۔ رواہ الحاکم وصححہ ۔
پھر اللہ تعالیٰ نے آیت کو ختم فرمایا بقولہ کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۔ ہر ایک ان دواب مین سے واس کا پورا حال مذکور و مثبت ہی لوح محفوظ مین ۔ بالجملہ
علم الٰہی اسطرح مخلوقات کو محیط اور سب اسطرح اسکے علم مین مسخر و معلوم ہین جیسے فرمایا ۔ وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا
فی الکتاب من شیء ثم الی ربہم یحشرون ۔ اور دوسری آیت مین فرمایا ۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من
ورقۃ الا یعلمہا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ۔ پس وہی اللہ تعالیٰ وحدہٗ خالق رازق ہے جس کے علم
مین اسطرح مخلوق کے ارزاق و مستقر و مستودع کا انضباط ہے جس سے تجاوز نہین ہو سکتا اور کفار مشرکین اپنی جہالت سے رزق وغیرہ کو
شرکا کی طرف سے سمجھتے اور خالق عزوجل سے کفر کرتے ہین ف فی العرائس قولہ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا جمہور کو زبان توحید
سے بلایا کہ متفرد ہو کر مقام رضا مین داخل ہون اور مسند صفا پر بیٹھین اور آئینہ قدر مین دیکھین کہ سابقہ ازل مین جو رزق ہر ایک کے مقدر
ہوا انھین اسباب ظاہری سے اسی قدر اس کو ضرور پہونچے گا پس ان کے اسرار مطمئن ہو جاوین اور معلوم کرلین کہ ہر دابہ کا رزق بقدر اس کے
حوصلہ کے مقدر ہوا چنانچہ اشباح کے لیے رزق ظاہری ہے اور ارواح کیلئے رزق مشاہدہ ہے اور اسرار کیلئے رزق وصل ہے اور نفس کیلئے
رزق ہیبت اور عقل کیلئے رزق رغبت اور قلوب کیلئے رزق قرب ہے اور ملائکہ کیلئے رزق خوف و ذکر ہے اور جنون کیلئے رزق زجر و وعید ہے
خوف دلانا ۱۲
رزق حیوان روح عنصر ہے ۔ رزق حشرات خطرات تسبیح ہے ۔ درندون کا رزق یہ کہ افعال درندگی کی تاریکی مین کو دپڑین ۔ طیور کا رزق
یہ کہ فرح اور تہلیل کرین ۔ انسان کا رزق جس سے وہ زندہ رہتا ہے قبض فعل و روح فعل و نور صفت ہی اور اسرار پر ظہور نور ذات ہی اور اللہ تعالیٰ
لا الٰہ الا اللہ کہنا ۱۲
اپنے لطف سے مصابوت جمیع کو افعال وصفات سے جانتا ہے اور فرمایا ۔ ویعلم مستقرہا ومستودعہا مستقر الارواح انوار ذات ہین اور مستقر
القلوب انوار صفات ہین و مستقر العقول انوار افعال ہین اور مستودع العقول عبادات ہین اور مستودع القلوب مشاہدات ہین و مستودع الارواح
مکاشفات ہین و مستقر الاشباح اکناف آیات ہین اور مستودع انکا قبور مجاہدات ہین مستقر العقول اذکار اور مستودع انکا افکار ہین مستقر القلوب محبت
جمع کنف بمعنی گوشہ ۱۲
اور مستودع انکا معرفت ہے ۔ مستقر الارواح توحید اور مستودع انکا فنا فی الوحد ہے ۔ مستقران سب کا اصلاب عدم اور مستودع انکا انوار قدم ہے ۔
روایت ہی کہ شیخ یوسف بن حسین نے اس آیت کو پڑھا پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے تمام بندون کو اسی پر توکل و اعتماد بتلایا ولیکن گویا
سبھون نے اس سے انکار کیا اور چند عاریتی چیزون پر جن کے وے درحقیقت مالک نہین ہین اعتماد کیا سوائے فقرائے مہاجرین رضی اللہ عنہم کے
کہ بالکل گھربار چھوڑکر اسی پر متوکل ہوئے پھر یہ حرکت سچے فقرا صوفیہ مین جو ان کے قدم بقدم چلے جاری رہے پس مخلوق نے تو اسباب ہی
پر اعتماد کیا اور اللہ تعالیٰ پر توکل سے منکر ہوے اور اس فرقہ نے کسی سبب پر اعتماد سے انکار کیا بلکہ فقط مسبب عزوجل پر اعتماد کیا اور
یہی کشادہ راستہ چلنا لوگون پر سخت ہے بعض نے کہا کہ مستقرہا یعنی ظاہر اسلام اور مستودعہا یعنی باطن ایمان بعض نے کہا کہ مستقرہا
یعنی مخلوق مین سے اور مستودعہا یعنی از حق تعالیٰ بعض نے کہا کہ مستقر طاعات مین اور مستودع احوال مین کہا جاتا ہے کہ عابدون کا مستقر
مساجد ہین اور عارفون کے مستقر مشاہد ہین ۔ کہا جاتا ہے کہ نفوس مستودع التوفیق از حق تعالیٰ ہین اور قلوب مستودع التحقیق از جانب حق تعالیٰ
ہین بعض نے کہا کہ قلوب مستودع معرفت ہین اور معرفت اسمین ودیعت ہی اور ارواح مستودع محبت ہین پس محبت اُن مین ودیعت ہے
اسرار مستودع مشاہدات ہین پس مشاہدات اللہ تعالیٰ کی ودیعتین ہین ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت و وحدانیت وکمال قدرت و
عجیب حکمت کو بیان فرمایا ۔ بقولہ

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

اور وہی ہے جنے بنائے آسمان اور زمین چھ دن مین اور تھا تخت اُس کا پانی پر

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ

کہ تمکو آزماوے کون تم مین اچھا کرتا ہے کام اور اگر تو کہے کہ تم اُٹھوگے مرنے کے بعد

لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ

تو البتہ کافر کہنے لگین یہ کچھ نہین مگر جادو ہے صریح اور اگر ہم دیر لگا دین اُن سے عذاب کو

اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ

ایک مدت گنے تک تو کہنے لگین کیا روک رہا ہے اُسکو سنتا ہے جس دن آویگا ان پر نہ پھیرا جاوے گا اُن سے

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ع

اور اُلٹ پڑیگا اُن پر جس پر ٹھٹھے کرتے تھے

اس آیت مین اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر اپنی قدرت کا حال بیان فرمایا کہ وہ ہر چیز پر ابتدائی پیدائش مین قادر تھا تو انتہائی بعث مین بدرجۂ اولیٰ قادر ہے اور تعلیم خلق کے لئے مخلوقات سماوی وارضی کو چھ روز مین پیدا کیا جن مین سے اول سنیچر اور آخر جمعہ ہے اور قبل اس کے اُسکا عرش پانی پر تھا چنانچہ عمران بن حصین رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اقبلوا البشریٰ یا بنی تمیم الحدیث یعنی بنو تمیم اور اہل یمن آئے تھے پہلے آپنے بنو تمیم سے کہا کہ اے بنو تمیم بشریٰ قبول کرو۔ وے بولے کہ آپنے بشارت دی تو کچھ دیجئے۔ آپ نے اہل یمن سے فرمایا کہ اے اہل یمن تم بشریٰ قبول کرو۔ وے بولے کہ ہم نے قبول کیا اب آپ ہم کو اول الامر سے آگاہ فرمایئے کہ کیونکر تھا آپنے فرمایا کہ ہر چیز سے پہلے اللہ تعالیٰ تھا اور اُس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ مین اُس نے ہر چیز کا ذکر لکھا۔ عمران کہتے ہین کہ اتنے مین ایک نے آکر مجھ سے کہا کہ تیرا ناقہ اپنے عقال سے کھل گیا ہے۔ مین اسکی تلاش مین پیچھے گیا پھر مجھے نہین معلوم کہ میرے پیچھے کیا ہوا رواہ احمد اور یہ حدیث صحیحین مین الفاظ کثیرہ سے مروی ہے بعض روایت مین ہے کہ اہل الیمن نے کہا کہ ہم آپکے پاس اول الامر کو پوچھنے آئے ہین فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور ایک روایت مین ہے کہ اسکے سوائے کچھ نہ تھا اور ایک روایت مین اُسکے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور اُسکا عرش پانی پر تھا اور اُس نے ذکر مین یعنی کتاب لوح محفوظ مین ہر چیز لکھی پھر آسمانون و زمین کو پیدا کیا۔ صحیح مسلم مین عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ان اللہ قدر مقادیر الخلائق الحدیث یعنی آسمانون و زمین پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے مقادیر خلائق کو مقدر کیا اور اُسکا عرش پانی پر تھا۔ بخاری رح نے اس آیت کی تفسیر مین حدیث ابو ہریرہ رض کو روایت کیا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ انفق علیک الحدیث یعنی تو خرچ کر تجکو نفقہ دیا جائیگا اور کہا کہ ید اللہ بھرا ہوا ہے اسکو نفقہ سحار اللیل والنہار کچھ کم نہین کرتا ہو کیا بھلا تم کو معلوم ہو تو مجھے تبلاؤ جب آسمانون و زمین کو پیدا کیا جو کچھ نفقہ دیا بیشک اس کے یمین سے کچھ کم نہین ہوا اور اسکا عرش پانی پر تھا اُسکے ہاتھ میزان ہے کہ پست و بلند فرماتا ہے۔ عرش کا پانی پر ہونا قول مجاہد و وہب و ضمرہ و قتادہ و بہت سے علماء کا ہے اور ربیع بن انس نے کہا کہ جب آسمانون و زمین کو پیدا کیا تو اس پانی کے دو حصے فرمائے ایک یہ عرش ہے اور ابن عباس نے فرمایا کہ عرش کا نام عرش اسکی اونچائی کے سبب سے ہوا۔ محمد بن اسحاق نے اس آیت مین کہا کہ ایسا ہی تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا کیونکہ سوائے

ع-۱

پانی کے نہ تھا اور اسپر عرش تھا اور عرش پر ذوالجلال والاکرام وعزت وسلطان وملکوت وقدرت وعلم وحلم ورحمت ونعمت تھی وہی ہو جو چاہتا ہے
کرتا ہے ابن عباس رض سے سوال کیا گیا کہ عرش پانی پر تھا اور پانی کس چیز پر تھا تو کہا کہ ہوا کی پشت پر تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ سب شیخ ابن کثیر
نے ذکر کیا اور جب اسقدر معلوم ہو گیا تو اب تفسیر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے فرمایا وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ یعنی
وہی پاک خالق ہے کہ جسنے پیدا کیا آسمانوں وزمین کو چھ روز میں مفسرین نے کہا کہ اول اسکا روز یکشنبہ تھا اور آخر اسکا روز جمعہ تھا۔ ملائکہ یوں
کہا کہ وہ چاہے ایک آن میں پیدا کرے پھر چھ روز میں پیدا کرنا مخلوق کو تعلیم ہے کہ آہستگی کے ساتھ حرکت میں کمال حاصل کرنے کو نفس سے
مصابرہ کریں۔ واضح ہو کہ دوسری آیات میں خلق السموات دو روز میں وعلی ہذا زمین وغیرہ کا ذکر ہے پس یہاں کلام اجمالی ہے اور تفصیلی
اسکی بناء پر دوسری آیات کے یہ کہ آسمانوں کو دو روز میں مع انکے عجائبات کے اور زمین کو دو روز میں اور زمین کی مخلوقات مثل حیوانات ونباتات
واقوات وجمادات کو دو روز میں پیدا کیا اور ایام سے یہاں اوقات مراد ہیں کذا ذکرہ بعضہم مترجم کہتا ہے کہ حدیث صحیح میں شنبہ والوار ودوشنبہ
وغیرہ کے ایام میں جمعہ تک ہر روز کی تفصیل پیدائش پہاڑ ودرخت ودواب ونور وظلمت کا ذکر ہے جس ساعات مراد لئے ہے یہ جواب ہوسکتا
ہے کہ زمین کے اوپر جو مخلوق ہو وہ مجملہ چھ اوقات میں سے دو وقت میں پیدا ہوئی اور دو وقت کی تفصیل یہ ایام ہیں فلیتامل لعلہ پھر واضح
ہو کہ اصل اشکال اس مقام پر مضمون کو یہ ہے کہ دن نام ہے طلوع آفتاب سے غروب تک اور ہفتہ کے ایام میں شنبہ سے جمعہ تک نام مقرر
ہیں پھر جب آسمانوں وزمین کی پیدائش نہ تھی تو ایام کا وجود کیونکر ہوگا اور جب یوم نہ ہوا تو تخصیص شنبہ وغیرہ کی بدرجۂ اولی نہ ہوگی اسی واسطے
صاحب فتح البیان نے لکھا کہ بعض نے کہا کہ مراد ایام سے آیت میں ایام معروفہ ہیں کہ اول روز شنبہ تھا اور آخر اسکا جمعہ تھا پھر کہا کہ
یہ ٹھیک نہیں اسواسطے کہ اسوقت زمین وآسمان وسورج نہ تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ اس مؤلف کی سخت بیباکی ہے اس لئے کیونکر ایسی بات
کو غیر مستقیم کہا جو حدیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ اشکال دراصل حاشیہ جمل سے لے لیا چنانچہ جمل نے کہا ہے کہ اسمیں سخت اشکال ہے جو
کہ شنبہ وغیرہ کوئی متعین نہیں ہو سکتا مگر جبھی کہ بالفعل موجود ہو اور اس حال میں اصل ایام ہی نہ تھا پھر تفصیل ایام کے کیونکر ہوگی پھر کہا کہ
دن کا خصوصی نام کیونکر ہوگا اور یہ جواب کہ مراد ایام سے مقدار چھ روز کا وقت ہے اس سے یہ اشکال دفع نہیں ہوتا الا اس بات کا جواب
ہو سکتا ہے کہ زمانہ تھا جس میں سے مقدر معین ہو کر اتنے زمانہ کی مقدار مراد ہے مترجم کہتا ہے کہ منشاء اس اشکال کا فلسفی خیال کا دماغ
میں رسوخ ہو جانا ہے میں اسکی تفصیل کر کے اشکال دفع کرتا ہوں بحول اللہ تعالی وتوفیقہ۔ واضح ہو کہ زمانہ فلاسفہ کے خیال پر حرکت فلک اول کا
نام ہے اور شرع میں اسکی ثبوت نہیں بلکہ یہ محض اختراع عقلی ہے ان علم الٰہی مجرد شنبہ وغیرہ حادث ہو تو علم اسکا وجود زمانہ ایام و ہر ایک کے
تعیین نام ہمارا میں قدیم سے یکساں ہے اور وجود بالفعل ان مخلوقات کے واسطے مع ترتیب تعیین حدوث وحس ہے لہذا علم الٰہی میں وجود ان کا و
تعیین ہر دو ان قیاس حادث وغیرہ کے یکساں موجود تھا اور کوئی اشکال نہیں ہے پس جو آیات میں آیا صحیح ہے کہ آسمانوں وزمین
کو چھ روز میں پیدا کیا۔ حدیث میں آیا کہ اول شنبہ و آخر جمعہ ہو۔ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ اور تھا عرش اسکا پانی پر سابق میں ذکر ہوا کہ
عرش کی حقیقت معلوم نہیں ولیکن جو صورت خیال وعقل میں بسی ہے اس سے کہ مخلوق سے خالق کی مشابہت لازم آئے وہ قطعا خیال باطل ہے
لقولہ لیس کمثلہ شیء۔ لہذا بہتر مرجع اصل ہو کہ عرش اللہ تعالی کا اٹھانے والا ہے ان بلا کیفیت وبدون تشبیہ کے ایمان لانا فرض اور
یہی اہل السنۃ کا قول ہے۔ پھر واضح ہو کہ اللہ تعالی نے یہیں اول مخلوق کا ذکر نہیں کیا پس بعض احادیث جو اول مخلوق کے بارہ میں ثابت
ہوئی ہیں وہ ضعیف یا اضافی مجمع ہیں ان احادیث میں اسقدر بیان ہو کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے پانی تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اور

قولہ جعلنا من الماء کل شیء حی۔ کے معنی یہان سے خوب مرتبط ہین۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ وضع عرش مین اب بھی تغیر نہین جیسا پہلے تھا ویسا ہی اب ہے۔ ابو رزین العقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہان تھا فرمایا۔ کان فی عماء ما فوقہ ہواء وما تحتہ ہواء وخلق عرشہ علی الماء یعنی عماء مین تھا جسکے اوپر ہوا اور نیچے ہوا تھی اور اپنا عرش پانی پر پیدا کیا رواہ الترمذی وحسنہ اور امام احمد نے کہا کہ عماء سے مراد یہ کہ اسکے ساتھ مین کچھ نہ تھا۔ بیہقی نے کہا کہ معنی اسکے یہ کہ کوئی چیز ثابت نہ تھی کیونکہ وہ خلق سے عمی تھا۔ ازہری رح وغیرہ نے کہا کہ ہم لوگ بلا کیفیت وصفت خیال کرنے کے اسپر ایمان لاتے ہین۔ مترجم کہتا ہے کہ جملہ احادیث صعود ونزول واستواء وغیرہ مین اہل السنۃ سلف صالحین وائمہ فقہاء وعلماء ربانیین کا یہی قول ہے کیونکہ شان الٰہی عزوجل بقول معروف ؎ اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم ؛ وزہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم ؛ ہر فرد مخلوق کے قیاس و گمان وعقل وغیرہ سے اعلیٰ ہے لہٰذا ایمان بلا کیفیت وصفت فرض ہے اور اس سے کوئی تشبیہ یا جسمیت وغیرہ کا شبہہ اصلاً نہین ہوتا اور متاخرین نے جو ایسی تاویلین کین یہ طریقہ بہت ضعیف وخلاف سلف بلکہ کمال ظلمات پیدا کرنیوالا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سب کمال حکمت بالغہ سے پیدا فرمایا چنانچہ کہا۔ وما خلقنا السماء والارض وما بینہما باطلاً ذلک ظن الذین کفروا الآیۃ۔ فرمایا۔ افحسبتم انما خلقناکم عبثاً۔ اور مدح فرمائی۔ ربنا ما خلقت ہذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار۔ بلکہ منجملہ حکمتون کے ایک اہم کو صریح بتلائی کہ یہ مخلوق واسطے نفع ان بندون کے ہے جن کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا کہ توحید کرین وشرک نہ کرین کما قال تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور یہان فرمایا۔ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ اے خلق لیبلوکم یعنی یہ سب اسواسطے پیدا کیا کہ تم کو امتحان مین ڈالے کہ کون تم سے احسن ہے ازراہ عمل کے۔ بیضاوی رح نے کہا کہ پیدا کیا مانند ایسے پیدا کرنے کے کہ امتحانی معاملہ کرنا چاہیے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو کیونکہ یہ سب اسباب ومواد تمہارے وجود ومعاش وضروریات اعمال ہین اور دلائل وآیات ہین جن سے اپنے خالق پر استدلال و دنیا کے فنا ہونیکا اعتبار وجزا وسزا وبعث وحشر کا اعتقاد حاصل کرو خصوص جبکہ وحی الٰہی سے ہدایت کی گئی کیونکہ حادث کیسے ہی کامل ہو حدوث کے نقص سے جو فی نفسہ بڑا نقص ہے قدیم عزوجل تک خود عقلی رسائی مین عاجز ہے اسیواسطے بحکم قولہ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً۔ بدون ارسال رسول وکتاب کے مواخذہ مرتفع فرمایا۔ اور یہ درحقیقت فضل وکرم ہے اگر کہا جائے کہ استفہام کا تعلق علم سے یا جو اسکے معنی مین ہو۔ ٹھیک ہوتا ہے تو بیضاوی رح نے جواب دیا کہ فعل ابتلاء دبلوی کی تعلیق اس سبب سے جائز ہے کہ اسمین علم کے معنی ہین اس لیے کہ مانند نظر کرنے واستماع کے وہ طریقہ بجانب علم ہے اور احسن عمل مین صیغہ اسم تفضیل واختیار شامل بجمیع فریق مکلفین کو باعتبار حسن وقبح کے اس فائدے کیلئے ذکر فرمایا کہ سب عمدہ اعمال پر آمادہ ہون اور اختیار کرین اور ہمیشہ مراتب علم وعمل مین ترقی کرین اور عمل سے عام عمل مراد ہے جو فعل قلب وجوارح سب کو شامل ہے ایسی ہی حدیث مین آیا کہ ایکم احسن عقلاً واورع عن محارم اللہ واسرع فی طاعۃ اللہ۔ اور آیت مین قصہ موسیٰ علیہ السلام مین فرمایا۔ وامر قومک یاخذوا باحسنہا الآیۃ۔ اور معنی یہ کہ کون تم مین سے ازراہ علم وعمل کے اکمل ہے۔ پھر کفار پر تشنیع کی کہ ان کو اس خلق ونظام محکم سے کوئی پند ونصیحت حاصل نہ ہوئی بلکہ کمال جہالت سے تنبیہ وتصریح پر بھی منکر ہوئے چنانچہ فرمایا۔ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ۔ لام اسمین موطیۃ القسم ہے اور کلام مین شرط وقسم کا اجتماع ہوا اور قاعدہ یہ ہے کہ پہلے کا جواب حذف اور اگلے کا جواب ذکر کیا جائے پس قولہ لیقولن جواب قسم ہے اور شرط کا جواب محذوف ہے اور ایسا ہی قولہ ولئن اخرنا۔ اور۔ لئن اذقنا الانسان اور لئن اذقناہ۔ چارون مواضع مین ہے۔ پھر واضح ہو کہ ابتلاء وامتحان متضمن

جزا و سزا تھا جو بعث و حشر کو مقتضی ہے اور وہ مثل ابتدائی تخلیق کے بدرجۂ اولیٰ قدرت الٰہی مین شامل اور خود دنیا مین فنا و اعادہ ہوتا ہے تو کفار کی جہالت بیان فرمائی یعنی اور اگر اے محمد تو کافرون سے کہے کہ تم بیشک مبعوث ہو بعد موت کے۔ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ۔ تو کہتے ہین وے لوگ جو کافر ہوئے ہین کہ بیشک یہ کھلا جادو ہے یعنی جیسے جادو امر باطل ہے اگرچہ بتاثیر الٰہی موثر ہو ویسے ہی یہ قول باطل ہے۔ اور احتمال ہے کہ کفار نے اس قول کو کلام معجز نظام قرآن سے سُنا اور متحیر ہوئے کہ یہ کلام تو امکان بشر سے خارج ہے ولیکن بعث بعد الموت ان کے اعتقاد مین کسی طرح ٹھیک نہ تھا پس تحیر مین کلام مجید کے جواب مین یہ خدیعہ کیا کہ یہ تو جادو ہے لہذا اسمین جوبات مذکور ہے اسی قبیل سے ہو کہ کفار مسحور ہون اور ایک قراۃ مین ساحر ہے تو آنحضرت صلعم کو بلحاظ قرآن کے ساحر کہتے تھے پھر یہ کمال جہل تھا کہ عذاب موعود الٰہی کو یقین کرنے کیلئے مانگتے تھے حالانکہ بعد حلول کے ایمان کے کوئی معنی نہین ہین سوائے عذاب کے لہذا فرمایا۔ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اور اگر ہم نے تاخیر کر دیا اُن سے عذاب یعنی جسکو جلدی مانگتے تھے کہ سچے ہو تو لاؤ یا وہ عذاب جو قولہ اخاف علیکم عذاب یوم کبیر مین مذکور ہے اور بعض نے کہا کہ عذاب دنیاوی مانند روز بدر وغیرہ کے۔ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ۔ الی طائفۃ من الایام معدودۃ قلیلۃ۔ ایک ٹکڑے ایام قلیل تک یعنی اگر چند روز تک ہم نے اُن پر سے عذاب مین تاخیر کی۔ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ۔ تو کہتے ہین کہ عذاب کو کون چیز روکے ہے یعنی سچے ہو تو کیون نہین وہ عذاب نازل ہوتا ہے۔ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ۔ خبردار ہو کہ دن جو آویگا اُنپر مانند عذاب یوم بدر کے دنیا مین و مانند روز موت کے کہ متصل متوالی عذاب آخرت ہو وہ نہین ہے پھیرا ہوا اُن سے یعنی خبردار ہون کہ اس تاخیر سے یہ نہو گا کہ عذاب موعود کا روز اُن سے دفع ہو جاوے بلکہ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ اور گھیر لیگا اُن کو وہ جسکے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے یعنی جسکو جلدی مانگتے تھے۔ پس بجائے یستعجلون کے یستہزءون اسلیے فرمایا کہ انکا استعجال بطور استہزاء تھا اور دے شک پر مجبول ہوئے تھے۔ حاق بصیغہ ماضی بھی اسی دلالت کیلیے ہے کہ ہوشیار ہو کہ گویا اُسنے تم کو گھیر لیا کیونکہ علم الٰہی پر خبر قطعی ہے پس یہ تہدید شدید ہے ف قولہ الی امۃ معدودۃ۔ اے الی اجل معدود و امد محصور۔ ایک مدت معدود اور انتہا محصور تک۔ پس اُمت کا استعمال یہان مدت یا انتہا معلوم پر ہوا۔ شیخ ابن کثیرؒ نے افادہ فرمایا کہ اُمت کا لفظ قرآن و حدیث مین معانی متعددہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے چنانچہ ایک بمعنی انتہائے مدت معلوم جیسے اس آیت مین اور قولہ وقال الذی نجا منہما وادکر بعد امۃ الآیۃ مین یعنی بعد مدت کے اُسنے یاد کیا۔ دوم بمعنی امام پیشوا مانند قولہ ان ابراہیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا۔ سوم بمعنی ملت و دین کقولہ قالوا انا وجدنا آبارنا علی امۃ اے علی ملۃ و دین۔ چہارم بمعنی جماعت کقولہ ولما ورد ماء مدین وجد علیہ امۃ من الناس یسقون۔ و قولہ ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا۔ و قولہ ولکل امۃ رسول الآیۃ۔ یہان اُمت سے ہر وہ جماعت مراد ہے جنمین رسول مبعوث ہوا خواہ وے مومن ہوے یا کافر رہے ہون۔ کما فی صحیح مسلم والذی نفسی بیدہ لا یسمع بی احد من ہذہ الامۃ یہودی ولا نصرانی ثم لا یومن بی الا دخل النار یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قسم اس ذات پاک کی جسکے قبضۂ قدرت مین میری جان ہے کہ نہین سنیگا میرے مبعوث ہونے کو اس اُمت مین سے کوئی خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لاویگا تو ضرور آگ مین ڈالا جائیگا۔ پنجم اُمت وہ خاص لوگ جو رسول پر ایمان لائے اور اتباع کی کقولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیہ۔ وفی الصحیح فاقول امتی امتی۔ اور حدیث صحیح ابن حبان وغیرہ مین آنحضرت صلعم کا اپنی اُمت کیلیے غمگین ہونا اور جبرئیلؑ کا بحکم الٰہی عزوجل آکر پوچھنا اور آپ کا عرض کرنا یا رب اُمتی اُمتی پھر بشارت الٰہی کہلائے محمد ہم تمکو تمھاری اُمت کی طرف سے غمگین نکرینگے اور اُمت کا لفظ آئین سے ایک فرقہ پر بھی بولا جاتا ہے کقولہ تعالیٰ

ومن قوم موسی امة یہدون بالحق وبہ یعدلون ولقوله من اہل الکتاب امة قائمة الآیة ۔ ہذا ما افادہ الحافظ رح فائدہ ثانیہ آنکہ قولہ الا یوم یاتیہم لیس مصروفا عنہم ۔ یہ ن یوم کو نصب بسبب خبر لیس کے ہی درحالیکہ خبر اسپر مقدم ہے اور یہ دلیل بصریون کی ہے کہ تقدیم خبر کا اسپر جواز ہے کیونکہ معمول تابع عامل ہے پس وہین واقع ہوگا جہان اسکا متبوع واقع ہو ورنہ اصل پر فرع کی تقدیم لازم آویگی ۔ اسکا جواب یا گیا کہ یہان معمول ظرف ہی اسمین وہ بات جائز ہوتی ہی جو اور مین نہین جائز ہوتی ہے کیونکہ ظرف مین توسع و تسامح ہی اور یون بھی جواب یا گیا کہ کبھی معمول مقدم ہوتا ہی جہان تقدم عامل کو مجال نہین مانند قولہ تعالی فاما الیتیم فلا تقہر واما السائل فلا تنہر ۔ باوجودیکہ یتیم وسائل ہردو منصوب بفعلین مجزومین ہین کہ دونون لا ناہیہ پر مقدم ہوئے باوجودیکہ تقدم فعلین کا اسپر ممتنع ہی ۔ ابوحیان نحوی نے کہا کہ مین نے دواوین عرب کو تتبع کیا مگر مجھے لیس کی خبر اسپر مقدم نہ ملی اور نہ مین نے اسکے معمول کو اسپر مقدم پایا مگر ہان اس آیت کے ظاہر سے یہ بات ملی اور ایک شاعر کے قول مین بھی جسنے کہا ہے فیابی فما یزداد الا لجاجة ۔ وکنت ابیا فی الخنا لست اقدم ۔ مترجم کہتا ہے کہ زبان عرب کیلئے کلام مجید اصل ہی لہذا بیضاوی رح وکشاف رح نے کہا کہ یوم منصوب بخبر لیس اسپر مقدم ہے اور یہ دلیل ہی کہ خبر لیس کا اسپر مقدم ہونا جائز ہے کیونکہ جب معمول خبر لیس کا اسپر مقدم ہونا جائز ہوا تو یہ دلیل اسکے خبر مقدم ہونے پر ہوئی اسواسطے کہ معمول تابع عامل ہے پس وہین واقع ہوگا جہان عامل واقع ہو انتہی کلام الکشاف ۔ ولیکن اسمین وہی اعتراض ہو سکتا ہے کہ ظرف کے باب مین توسع و مسامحہ کیا جاتا ہے پس معمول ظرف کی تقدیم سے یہ استدلال تمام نہین ہے ۔ فافہم ۔ پھر اللہ عزوجل نے انسان کا تابع ملتون ہونا بے ثبات رہونا فرمایا ۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ

اور اگر ہم چکھادین آدمی کو اپنی طرف سے مہر پھر وہ چھین لین اس سے تو وہ ناامید ناشکر ہو اور اگر ہم

اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ

چکھادین اسکو انعام بعد تکلیف کے جو پہونچی اسکو توکہنے لگے گئین برائیان مجھ سے تو وہ خوشیان کرے

فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

بڑائیان کرتا مگر جو لوگ ثابت ہین اور کرتے ہین نیکیان اُن کو بخشش ہے

وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

اور ثواب بڑا

ابن کثیر رح نے کہا کہ آیت مین اللہ تعالی نے انسان کی صفات ذمیمہ کی خبر دی سوائے ایسے بندون کے جن پر اللہ تعالی نے رحم فرمایا اور وے مومنین ہین چنانچہ فرمایا ولئن اذقنا الانسان منا رحمة ۔ انسان سے مراد جنس انسان ہے جو کافر و مومن سب کو شامل ہے بدلیل استثنار قولہ الا الذین صبروا یعنی مومنین کو استثنار کیا ولیکن مفسر رح نے الا بمعنی لکن لیا ہے پس موافق اس قول سے ہے کہ انسان سے جنس کفار مراد ہین بتائید آنکہ یاس وکفران واترانا و فخر کرنا اوصاف اہل کفر ہین اسیواسطے حدیث صحیح مین فرمایا کہ میری امت سے فخر و طعن نسب یہ دونون کفر کی باتین لگی رہین گی اور جنس کفار مراد لینا منافی اسکی نہین جو مروی ہے کہ مراد انسان سے ولید بن المغیرہ یا عبداللہ بن امیہ مخزومی ہے کیونکہ سبب نزول مین وہ بدرجۂ اولی داخل ہے ۔ المعنی اور جب چکھائی ہم نے انسان کو اپنی طرف سے رحمت یعنی نعمت و وسعت رزق

وصحت وسلامتی از محنت وغیرہ۔ ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ ۔ پھر ہم نے اس رحمت کو اس سے کھینچ لیا اور الگ کر دیا۔ اِنَّهٗ لَيَـئُوۡسٌ ۔ بیشک وہ نہایت نا اُمید از رحمت۔ كَفُوۡرٌ ۔ نہایت کفران والا ہے اور سخت منکر ہے۔ واضح ہو کہ نزعناها منه میں نزع سے اشارہ ہے کہ وہ اس مال ودولت پر نہایت چپٹا ہوا حریص تھا کہ اس سے نزع کیا گیا اور یؤس وکفور۔ ہر دو صیغہ مبالغہ میں دلالت ہے کہ انسان سے بعض نعمت سلب ہونے پر وہ بہت ہی مایوس وسخت کفران والا ہو جاتا ہے پھر اسکو عود کی اُمید نہیں رہتی اور گذشتہ کا شکر نہیں کرتا۔ وفی الحدیث نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ وَلَـئِنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ اور جب ہم نے اسکو چکھائی نعمت بعد مضرت کے مثلاً فقیری کے بعد تونگری اور بیماری کے بعد صحت وغیرہ۔ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ ؕ۔ تو کہتا ہے کہ مجھ سے سیأت جاتی رہیں یعنی جو مجھے ناگواری واسارت دینی تھیں وہ جاتی رہیں یعنی شکر آلہی وانکے مقدرات پر نظر نہیں کرتا بلکہ اترا کر مطمئن ہو جاتا ہے اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ۔ بیشک آدمی اترانے والا فخر کرنیوالا ہے۔ نعماء وہ انعام جسکا اثر انعام والے پر ظاہر ہوا اور ضرار ظہور اضرار اس کے مبتلا میں ہے۔ واضح ہو کہ نعماء کو اللہ تعالیٰ نے اذقناہ کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا اور ضرار مستہ میں ضرار کو بفعل لازمی فرمایا تو اسمیں مفسرین نے یہ نکتہ بیان کیا کہ نعمت کا صدور اللہ تعالیٰ سے اسکا فضل وانعام مقرری ہے چنانچہ حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا کہ کوئی اپنے عمل سے جنت میں نہیں داخل ہوگا یعنی بلکہ بفضل آلہی داخل ہوگا اور کہا کہ میں بھی اپنے اعمال سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت میں مجھے ڈھانپے اور ضرر کا صدور بندہ کی کمائی ہے کیونکہ غالباً وہ معاصی سے اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے بقولہ تعالیٰ ما اصابک من حسنة فمن اللہ وما اصابک من سیئة فمن نفسک۔ اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ قل کل من عند اللہ فما لھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا۔ تو جواب یہ ہے کہ بیشک ایجاد وخلق اُسی کی طرف سے ہے فرق اتنا کہ نیکوئی تو احسان وامتحان ہے اور مصیبت مجازات وانتقام ہے وفی الصحیح عبادی انما ہی اعمالکم احصیہا علیکم الحدیث۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کو جنمیں یہ اوصاف ذمیمہ نہیں ہیں بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا ۔ افراء نے کہا کہ استثنا متصل ہے کیونکہ انسان سے جنس مراد ہے اور اخفش نے کہا کہ منقطع بمعنی لکن ہے اور یہی مفسر نے اختیار کیا یعنی لیکن وے بندے انسان جنھوں نے صبر کیا یعنی سختی کے وقت صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہوئے اور نعمت کے وقت امتحان پر صبر وشکر کیا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ اور ہر حال میں صالحات اعمال کیئے۔ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ ۔ ایسے بندوں کے لئے مغفرت ہے گناہوں سے اگرچہ کیسی کثرت سے ہوں ماسوائے شرک کے۔ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ۔ اور اجر ہے جو کبیر ہے اور وہ جنت ہے جہاں رضوان آلہی ودیدار حق سبحانہ تعالیٰ ہے باوجود سلامتی از آفات ودوام نعمت کے۔ بالجملہ اہل ایمان کی یہ صفت ہے کہ شدائد ومکارہ میں صابر رہتے ہیں اور آسانی وعافیت میں شکر واعمال صالحہ کرتے ہیں حدیث میں یہ مضمون ہے کہ قسم ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نہیں پہونچتا مومن کو کوئی ہم ونہ غم اور نہ وصب وحزن حتیٰ کہ کانٹا جو اسکے لگ جاوے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اُسکے عوض اُسکے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں مضمون ہے کہ قسم اُس ذات پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ مومن کے لئے کوئی حکم قضا جاری نہیں فرماتا مگر یہ کہ اس بندہ کے حق میں بہتر ہوتا ہے اگر اسکو آسانی وفراخی پہونچے پس اُسنے شکر کیا اسکے لئے بہتر ہوا اور اگر اسکو مضرت پہونچی پس اُسنے صبر کیا تو اُسکے لئے بہتر ہوا اور یہ بات کسی ور کے لئے نہیں سوائے مومن کے۔ ف فی العرائس قولہ تعالیٰ ولئن اذقنا الانسان منا رحمة الخ اسمیں اشارات سے بعض ناقصین کے احوال پر استدلال ہے چنانچہ اس شخص کا بیان حاصل ہوا جو امتحان میں ڈالا گیا اور اُسنے حال عارفین ومحبین ومریدین کے طمع سے

مذاق پایا تھا پھر حظوظ نفس اسکے ہوا وہوس مین پڑ گیا تھا اور بعض سے مراتب ذاکرین وصالحین سے محجوب ہوگیا اور اوقات وانفاس کی فوت ہونے پر کچھ تدارک نہین کیا بلکہ حجاب مین رہ کر احوال اصلاح پانے سے مایوس ہوکر متابعت نفس مین زیادہ خوض کرنے لگا پس ہلاک ہوجاتا ہے اور بہتیرے گروہ اسی ورطہ مین ڈوب گئے۔ ابوسعید الخراز رح نے کہا کہ جس کسی کو یاد آلٰہی کی حلاوت اور صفائی سر باطن عطا ہوئی پھر مقامات واحوال مین سے اُس سے سلب کر لیا گیا تو اپنے قلب کے لئے موت کا اور سر باطن کیلئے راہ ہدایت سے اندھے ہونیکا حکم لگاوے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولئن اذقنا الانسان منا رحمۃ الخ اور یہی محل قربت تھا پھر اسکا نزع کر لینا حجاب نقمت ہی پھر دوسری آیت یعنی قولہ ولئن اذقناہ نعماء بعد ضراء الخ مین محنت فراق سے نہر قہر سے نجات پاکر ایام سعادت پر پہونچنے والے کو بیان کیا پس اشارہ ہے کہ بعد فراق کے اسکو نعمت وصال دے پس اسکو وجد وسکر ہوتا ہے اور قلب کو ہیجان فرح ہوتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ اوقات اسپر باقی ہین پس خلق کے سامنے بمقتضائے بشریت مقامات واحوال کے دعوے کرتا ہے اور یہ اسکی بڑی غلطی ہے لہذا بعد وقت کے جیسا تھا ویسا ہی ہوجاتا ہے اسی واسطے فرمایا۔ انہ لفرح فخور۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل استقامت وثبات کو جو انوار تجلی قدم مین خشوع وفنا کے ساتھ مستقیم رہتے ہین ذکر فرمایا بقولہ الا الذین صبروا وعملوا الصالحات پس باوجود اعلیٰ منزلت وارفع قرب کے صابر رہتے ہین اور دعوے کے ساتھ مخلوق کے نزدیک ان اسرار کو افشا نہین کرتے ہین۔ اعمال صالحہ انکے یہ ہین کہ ہوا وہوس پر قدم صدق رکھکر اپنے اوقات کی تلافی کرتے اور انفاس کی رعایت رکھتے اور اس کو خطرات سے بچاتے ہین انہین کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ فترۃ و غفلت کے گناہون سے مغفرت کا اور اپنی طرف سے مزید فضل کا وعدہ دیا بقولہ اولئک لہم مغفرۃ واجر کبیر مغفرت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جل جلالہ نے ان پر قبول کر لینے سے توجہ فرمائی اور اجر کبیر یہ کہ اگلے زمانہ فراق کو یاد کر کے موجودہ حالت پر شکر کرتے ہین اور اللہ تعالیٰ اسمین ترقی وازدیاد فرماتا ہے۔ استاد رح نے قولہ ولئن اذقناہ نعماء بعد ضراء۔ مین کہا کہ جس نے تفرع وتذلل اختیار کیا اسپر آفتاب اقبال طلوع فرماتا ہے اور دنیاوی احوال کو تحقیق کے نزدیک کچھ منزلت نہین اور نہ اسکے تکدر کو مرتبہ ہے ہان بڑا خطرہ اسکا ہے کہ شاخ وصال خشک ہوجاوے تو یہی اُن کیلئے قیامت ہے اور جب درمیان مین فراق کا نام آیا تو یہی اُن کیلئے گریہ وزاری ہے۔ فافہم۔ پھر اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرمائی بقولہ تعالیٰ۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوحٰىٓ اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

سو کہین تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو وحی آئی تیری طرف اور خفا ہوگا اُس سے تیرا جی اسپر کہ وے کہتے ہین کیون نہ اُترا

عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝

اسپر خزانہ یا آیا اُسکے ساتھ فرشتہ تو تو ڈرانے والا ہے۔ اور اللہ ہے ہر چیز پر ذمہ رکھنے والا

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

کیا کہتے ہین باندھ لایا ہے اُسکو تو کہہ تم لے آؤ ایک دس سورتین ایسی باندھ کر اور پکارو جس کو پکار سکو

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ

اللہ کے سوائے اگر ہو تم سچے پھر اگر نہ کرین تمہارا کہنا تو جان لو کہ یہ اُترا ہے

بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

اللہ کی خبر سے اور کوئی حاکم نہیں سوائے اُسکے پھر اب تم حکم ملتے ہو

اہل کفر اپنی جہالت و سرکشی سے آنحضرت صلعم کے حق میں رسول ہونے کا تعجب کرکے عجیب بے تکے معجزات بطریق ٹھٹھول کے مانگتے تھے اور اُن کا قول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا بقولہ وقالوا مال ہذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا اُنزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا او یلقی الیہ کنز او تکون لہ جنۃ یاکل منہا وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا ۔ پس یہان اللہ تعالیٰ نے اُن کی لعنت سے اپنے رسول کو تسلی فرمائی بقولہ ۔ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ ۔ اُمید کی جا سکتی ہے کہ تو چھوڑنے والا ہے بعض اسکو جو تجھے وحی کیا گیا ۔ یعنی بعض وحی کی تبلیغ اور بندون کو پہونچانا تو ترک کرے اور یہ وہی ہے جو مشرکین کی رائے سے بالکل مخالف تھا بخوف اسکے کہ کمبخت وحی صریح کو بسبب مخالفت اپنے ظنون کے رد کرین اور اس سے ٹھٹھول کرین اگر کہا جاوے کہ کیا آپنے بعض وحی کی تبلیغ چھوڑی اور اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ۔ یا ایہا الرسول بلغ ما اُنزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ الآیۃ ۔ تو جواب بیضاوی وغیرہ یہ ہے کہ ہرگز نہین اور یہان کلام مین حرف لعل ہے جو امید کیواسطے آتا ہے پس جب ایسی بات موجود تھی جو بعض وحی کی تبلیغ چھوڑنے پر داعی تھی تو اس حرف سے فرمایا ولیکن داعی موجود ہونے کے سبب توقع سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ بات جسکی طرف داعی موجود ہے وہ واقع بھی ہو جاوے کیونکہ وہان اس سے مانع قوی موجود ہو سکتا ہے چنانچہ یہان یہ بات موجود ہے کہ رسول الٰہی تبلیغ رسالت مین تقیہ کرنے سے اور وحی مین خیانت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معصوم ہین اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا واللہ یعصمک من الناس پس کوئی خوف بھی نہ تھا وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ ۔ اور عارض ہونیوالا ہے تجھے اسکے سبب ضیق صدر کبھی کبھی یعنی کبھی تو دل تنگ ہو کہ وحی کو ایسے منکر بیہودہ قوم کو جو حق کو باطل سمجھین برعکس کیونکر سنایا جاوے پس ترک کی اُمید و ضیق صدر کی ۔ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ لے مخافت ان یقولوا بخوف اسکے کہین کفار کہ کیون نہین نازل کیا گیا اسپر خزانہ جسکو وہ تابع بنانے مین بادشاہون کی طرح خرچ کرتا ۔ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۔ یا کیون نہین آیا اسکے ساتھ مین فرشتہ جو اسکی تصدیق ظاہر کرتا بعض نے کہا کہ ضائق بہ کے ضمیر کو جملہ ان یقولوا تفسیر کرتا ہے بالجملہ تسلی فرمائی کہ تو اسکا خیال مت کر اور دل تنگ مت ہو ۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۔ تو فقط انذار و ڈر سنانیوالا ہے اس سے جو تجھ پر وحی کی جاوے پس اگر وے رد کرین یا تعنت سے اقتراح و ہٹ کرین تو تجھ پر کچھ ڈر نہین پھر تیرا سینہ کیون تنگ ہو ۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر وکیل ہے پس وکالت کفار تجھ پر نہین بلکہ یہ مخصوص بحق عزوجل ہے پس تو بھی اُسی پر توکل کر کہ وہی تیری تبلیغ رسالت کا اور منکرون کے تفصیلی احوال و افعال و اقوال کا عالم ہے پس وہی اُن کے اقوال و افعال کی اُن کو جزا دیگا ۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۔ ام منقطعہ بمعنی بل ہے اور یہ اضراب از بیان سابق ہے کہ کفار مشرکین اپنے خالق سے منکر لوگ فقط رسول و وحی سے تہاون ہی نہین کرتے اور معجزات کاملہ ظاہرہ سے اعراض ہی نہین کرتے بلکہ اس سے بڑھکر قبیح فعل کے مرتکب ہین کہ رسول کو مفتری بناتے اور وحی کو افترا و سحر کہتے ہین قولہ افتراہ مین ہا کا مرجع وحی ہے والمعنی بلکہ کفار کہتے ہین کہ افترا کر لیا اسکو محمد صلعم نے یعنی اپنی طرف سے بنا لیا ہے پس بدلیل مسکت اسکو رد کیا جسمین انکا و اُن کے شرکا کا عجز بھی کھل گیا بقولہ ۔ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ۔ اے مثل کل سورۃ ۔ مُفْتَرَيٰتٍ مختلقات ۔ تو کہدے اے محمد صلعم کہ پھر تم بھی لے آؤ دس سورتین کہ ہر ایک اسکے مثل ہو ایسی مفتریات یعنی گڑھی و بنائی ہوئی ۔ حاصل آنکہ اگر ایسے حسن نظم و

بالقاف ۱۲

لے اور کفار کہتے تھے کہ اس رسول کو کیا ہو گیا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے کیوں نہیں بھیجا گیا اس کی طرف فرشتہ کہ ہوتا ساتھ اس کے ڈرانے والا یا ڈالا جاتا اس کی طرف خزانہ یا ہوتا اس کا باغ کہ کھاتا اس میں سے اور کہا ظالموں نے کہ تم پیروی نہیں کرتے مگر ایک مرد سحر زدہ کی

بیان احکام پاک و توحید و اخبار غیب وغیرہ مین مجھے بنانے کی قدرت ہے اور مین نے اپنی طرف سے تمھارے زعم مین بنایا تو مین اکیلا ہون
اور اُمی ہون تم بھی فصحاء عرب ایک جماعت ہو اور تم کو قصص و اشعار و بلاغات نظم مین بڑا توغل رہا بس تم بھی ایسی ہی دس سورتین جمع
ہو کر بنا لاؤ۔ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ۔ اور بلا لو مدد کیلئے جسکی تمھین استطاعت ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے یعنی اپنے
معبودون و شرکا کو بھی اپنی مدد پر پکار لو اور سب مل کر بناؤ۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم سچے ہو اس بات مین کہ یہ قرآن آدمی
کا بنایا ہوا ہے۔ سراج مین لایا کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ سورتین جن سے یہ تحدی واقع ہوئی معین ہین اور وہ سورہ بقرہ و آل عمران
و نساء و مائدہ و انعام و اعراف و انفال و توبہ و یونس و ہود ہین اور بعض نے کہا کہ تحدی مطلق سورتون سے واقع ہوئی ہے اور
یہی اظہر ہے۔ پھر واضح ہو کہ یہان دس سورتون سے تحدی فرمائی پس سورہ بقرہ وغیرہ مین جو ایک سورہ سے تحدی فرمائی کہ ایک سورہ
کے مثل لاؤ تو دس سورہ کی تحدی جیسے یہان ہے یہ مقدم ہے پس سورہ بقرہ پر اس سورہ کا تقدم ظاہر ہے کیونکہ یہ سورہ مکیہ ہے اور بقرہ
مدنیہ ہے اور سورہ یونس اور یہ سورہ دونون مکیہ ہین اور سورہ ہود کا نزول سورہ یونس پر مقدم ہوگا جیسا کہ امام رازی کا قول ہے
ولیکن مبرد رحنے اس سے انکار کیا اور کہا کہ نہین بلکہ سورہ یونس مقدم ہے اور کہا کہ معنی یہ ہین کہ سورہ یونس مین ایک سورہ کے مثل
تحدی فرمائی تھی کہ اخبار غیب و احکام صادقہ و وعدہ و وعید مین ایک سورہ کے مثل لاؤ پھر جب عاجز ہوئے تو ہود مین بیان
تحدی کی کہ خالی فصاحت و بلاغت مین دس سورتون کے مثل لاؤ۔ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ۔ خط مصحف مین یہان مخصوص فان لم
بدون نون کے فالم لکھا جاتا ہے۔ المعنی پھر اگر نہ استجابت کرین تمھاری یعنی جو تم اُن سے مانگتے ہو اگر اسکو لاکر تمھارا کہنا پورا نکرین
اور جواب نہ دے سکین۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ تو یقین کر لو کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم ہی کے ساتھ اُتارا گیا۔ وَاَنْ لَّآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اور یقین کر لو کہ کوئی آلہ نہین مگر وہی کیونکہ اسمین یہی توحید کی تعلیم ہے۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اب تو تم مسلم
ہو یعنی اسلام پر ثابت و راسخ ہو اور پورے مخلص ہو جبکہ تمھارے نزدیک اُسکا اعجاز ہر طرح متحقق ہو گیا۔ واضح ہو کہ اس تفسیر پر
فاعلموا کا خطاب اہل اسلام کو ہوا اور فالم یستجیبوا لکم۔ مین خطاب جمع یا تو رسول اللہ صلعم کی تعظیم ہے یا مومنون کو شامل ہے کیونکہ
وے بھی کافرون کو تحدی کرتے تھے اور امر الرسول صلعم مومنون کو اس راہ سے شامل تھا کہ مومنون پر آپ کی اتباع ہر امر مین
واجب تھی سوائے بعض امور کے جو بدلیل خاص مستثنیٰ ہو کر آنحضرت صلعم سے مخصوص ثابت ہوئے اور نیز اسمین تنبیہ ہے کہ تحدی
سے اہل اسلام کے ایمان کا رسوخ اور اُنکے یقین کو قوت ہے پس اس سے غافل نہ ہون اسی واسطے اس کلام پر فاعلموا کو
کو بالفاء مرتب فرمایا۔ نزول بعلم اللہ سے یہ مراد کہ اسمین ایسے اخبار و علوم بحد اعجاز ہین کہ ان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی
جانتا اور نہ اسپر قدرت رکھتا ہے بیضاوی رح وغیرہ نے لکھا کہ جائز ہے کہ یہ سب خطاب مشرکون کو ہو اور تبیان مین کہا کہ بنظر
سیاق یہی اظہر ہے پس اس صورت مین تفسیر اسطرح ہے کہ قولہ فالم یستجیبوا لکم۔ پھر اگر قبولیت کا جواب تم کو نہ دین یعنی اے اہل کفر اگر تمھارے
آلہہ و جن کو شرکا ٹھہراتے ہو وہ معارضہ مین تمھاری مدد نہ کر سکین بسبب اپنے عجز کے اور تم اپنے آپ کو تو معارضہ سے عاجز جان چکے ہو
فاعلموا انما انزل بعلم اللہ۔ تو جان لو کہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے علم سے متلبس نازل ہوا اور ایسا کلام ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی
اسپر قادر نہین اور وہ اسی کی طرف سے منزل ہے۔ وانہ لا آلہ الا ھو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے کوئی اسکا شریک نہین پس اس
کلام وحی مین جس توحید کی طرف تم کو بلایا گیا وہ حق ہے فہل انتم مسلمون۔ اب بھلا تم ایسی قطعی حجت قائم ہونے کے بعد اسلام مین

داخل ہونیوالے ہو۔ ایسے استفہام مین ایک ایجاب بلیغ ہے کیونکہ اسمین طلب کے معنی ہین اور تنبیہ ہے کہ موجب موجود اور عذر زائل ہے واضح ہو کہ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ یہ خطاب اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے پس یہ مرجح وجہ اول ہے اور مؤید اُس کا دوسری آیت ہے جسمین فرمایا فان لم یستجیبوا لک فاعلم الآیۃ۔ کیونکہ یہ خطاب آنحضرت صلعم کو متعین ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے راس الخطیۂ حب دنیا پر ہمت مقصور کرنے والون کو وعید فرمائی بقولہ تعالیٰ۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ○

جو کوئی ہو چاہتا دنیا کا جینا اور اُسکی رونق بھر دین ہم اُن کو اُن کے عمل اُسی مین اور اُنکو اسمین نقصان نہین

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا

وہی ہین جنکو کچھ نہین پچھلے گھر مین سوائے آگ کے اور مٹ گیا جو کیا تھا اُس جگہ

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

اور خراب ہوا جو کماتے تھے

علما تفسیر نے اس آیت مین اختلاف کیا اور فی الحقیقت کچھ خلاف نہین ہے ابن کثیرؒ نے ذکر کیا کہ عوفی نے ابن عباسؓ سے اس آیت مین روایت کی ریاکار لوگ دنیا ہی مین اپنی نیکیون کا بدلا پا جاوین گے اور یہ اس سبب سے کہ ان پر بقدر نقیر بھی ظلم نہ ہوگا پس قولہ تعالیٰ۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ جو شخص چاہتا ہے زندگانی دنیا کو۔ وَزِينَتَهَا اور اسکی زینت کو نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا۔ بھرپور دیدین گے ہم ان کو اُنکے اعمال اسی دنیا مین۔ وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ۔ اور وے دنیا مین کمی نہین کئے جاوین گے۔ ابن عباسؓ نے کہا یعنی جس نے دنیا کی التماس سے کوئی نیک کام کیا مثلاً روزہ یا نماز یا تہجد اس کی کوئی غرض اس سے نہین سوائے دنیا کی طلب کے تو اللہ تعالیٰ اسکو دنیا مین اسکا ثواب دیتا ہے پھر جو کام اُسنے بطلب دنیا کیا تھا وہ مٹ گیا اور آخرت مین وہ بالکل خسارہ والون مین سے ہو گیا۔ ایسا ہی مجاہد و ضحاک و بہتون سے روایت ہے۔ انس بن مالکؓ و حسن رحؒ نے کہا کہ اسکا نزول یہود و نصاریٰ کے حق مین ہے۔ مجاہد وغیرہ نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ریاکارون کے حق مین قتادہ رحؒ نے کہا کہ جس شخص کی تمام ہمت و نیت و خواہش یہی دنیا ہو اللہ تعالیٰ اسکی نیکیون کا عوض دنیا ہی مین اسکو دیدے گا۔ پھر آخرت مین ایسے حال سے پہونچے گا کہ اسکے پاس کوئی نیکی نہین جسکا ثواب پاوے اور مومن کو اسکی نیکیون کا عوض دنیا مین بھی ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ آخرت مین بھی اسکو ثواب عطا فرماتا ہے۔ قال الحافظ۔ اور ایک حدیث مرفوع مین آنحضرت صلعم سے بھی اسی کے مانند مروی ہے مترجم کہتا ہے کہ حدیث صحیح سے یہ مضمون ثابت ہے کہ ریا شرک اصغر ہے اور آپنے اُمت پر ریا سے بہت خوف کیا اور سراج مین کہا کہ ریا یہ ہے کہ آدمی نیک اعمال ظاہر کرے تاکہ لوگ اسکی تعریف کرین اور اسمین صلاح ہونیکا اعتقاد کرین مترجم کہتا ہے کہ اس صورت مین اسکی خواہش یہی شہرت و تعریف ہوئی چنانچہ حدیث صحیح مین ہے کہ پہلے آگ تین گروہ سے بھڑکائی جائے گی از انجملہ ایسے عالم و حافظ کو شمار کیا جس نے نام و شہرت کے واسطے علم سیکھا تو اُسکو کہا جائیگا کہ تو جھوٹا ہے تونے اللہ تعالیٰ کے لئے نہین کیا بلکہ نام و شہرت کیلئے کیا تھا وہ تجھے دیدیا گیا۔ اور یہان مناسب ریا کے معنی یہ ہین کہ اللہ تعالیٰ کیواسطے خلوص نہو بلکہ مقصود فقط دنیا جیسے حدیث ہجرت کی نیت مین ہے فمن کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او الی امرأۃ ینکحہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ۔

یعنی جسکی نیت میری طرف ہجرت کرکے آنے مین یہ ہوکہ کوئی متاع دنیا لیے جسکو پا دے یا کوئی عورت ہے جس سے نکاح کرے تو اسکی ہجرت اسی چیز کی طرف ہوگی جسکی طرف اسنے ہجرت کی نیت کی ہے۔ علیٰ ہذا یہان اعمال صالحہ سے قصد فقط دنیا ہو خواہ اس سبب سے کہ آخرت کا اعتقاد نہین جیسے اس زمانہ مین نصاریٰ مین دیکھا جاتا ہے۔ سراج مین کہا کہ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ آیت کا نزول اہل الکفر کے حق مین ہے بخلاف مومن کے کہ وہ دنیا مین عافیت سے بسر ہونا چاہتا اور آخرت اسپر غالب ہوتی ہے پس بفضل الٰہی دونون جگہ ثواب پاتا ہے بعض نے کہا کہ آیت کا نزول منافقون کے حق مین ہے۔ حق یہ ہے کہ نیک اعمال جس کا نفع غیر کو پہونچے یا مانند اس کے جو کوئی دنیا ہی کیلئے کرے خواہ عمداً قصد کرکے یا بسبب عدم اعتقاد آخرت کے اسکو اس کا نفع دنیا ہی مین جسقدر ہو مل جائے گا اسی واسطے بعض نے کہا کہ جب یہ نیات رہے تو جو فرقہ مختلفہ مفسرین نے بیان کئے وے اسمین شامل ہین اور آیت عام وارد ہے اسمین سب آدمی شامل ہین کوئی کیون نہ ہو پس عموم پر محمول کرنا اولیٰ ہے کہ ہر ایک اپنی نیت پر بدلا پاویگا پھر واضح ہو کہ آیت مین خالی ارادہ مذکور ہے اور یہی مراد نہین بلکہ مقصود یہ ہے کہ نیک اعمال کے کرنے سے ارادہ اسکا حظ دنیا ہو اور اسکی زینت اور مراد زینت سے ہر وہ چیز جس سے زندگی دنیاوی مزین ہوتی ہے مانند صحت و تندرستی وامن وکشائش رزق وکثرت اولاد اور ریاست ومانند انکے۔ پھر قولہ من کان یرید۔ مین حرف کان داخل کرنے سے افادہ فرمایا کہ اُن کو اس ارادہ پر استمرار ہے کہ آخرت کو چاہتے ہی نہین ہین اور بعض نے فرمایا کہ آخرت مین خالی ہاتھ ہی نہین بلکہ عذاب پاوینگے کیونکہ اُنھون نے آخرت کیلئے کچھ نہین کیا بلکہ بالکل ہمت دنیا ہی پر مقصور کرکے منصوص الٰہی کے خلاف کیا۔ مترجم کہتا ہے کہ قولہ اولئک لیس لہم فی الآخرة الا النار صریح ہے کہ آخرت مین انکے لئے فقط دوزخ ہے وہذا کقولہ تعالیٰ من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الآخرة من نصیب اور ظاہر آیت مقتضی ہے کہ طالب دنیا اپنے اعمال کا بدلا خواہ مخواہ یہان پاتا ہے اسیواسطے قاضی وغیرہ نے لکھا کہ معنی اس آیت کے یہ ہین کہ جو کوئی اپنے عمل نیک سے زندگی دنیا و اسکی زینت چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا مین بدون کمی و نقصان کے ان کے اعمال بھرپور دیدیتا ہے اور یہ مانند صحت وکفاف و دیگر لذات وطیبات ومنافع کے ہین پس بدلا ایسے ہی مذکورہ چیزون سے مخصوص ہوا اور یہ جزا ہر شخص کو جو دنیا کے لئے عمل کرے حاصل ہے اگرچہ قلیل ہو اور بعض نے کہا کہ ہر متمنی دنیا اپنی خواہش نہین پاتا لہذا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت پر مقید ہے۔ قرطبی نے کہا کہ اکثر علما اسطرف گئے ہین کہ یہ آیت مطلقہ ہے اور ایسے ہی قولہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا الآیة۔ جو سورہ شوریٰ مین واقع ہے اور ایسے ہی قولہ من یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا الآیة سے پھر اُن کی تقلید و تفسیر اس آیت سے ظاہر ہوئی جو سورہ سبحان الذی مین ہے۔ قولہ من کان یرید العاجلة عجلنا لہ فیہا ما نشاء لمن نرید الآیة۔ الحاصل جو اعمال خیر سے دنیا ہی فقط طلب کرتا ہے اسکو دنیا ہی ملیگی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے اور اُن کے اعمال اگرچہ فی الواقع ریا وغیرہ ہین لیکن کمال کرم سے صورت اعمال پر اُن کو بدلا دیدیا پھر وہ مٹ گئے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ۔ ایسے ہی لوگ ہین کہ نہین ہے اُن کیلئے آخرت مین کچھ سوائے آگ کے مراد اولئک سے وہی لوگ ہین جنھون نے استمراراً سوائے دنیا کے کسی عمل سے آخرت کا قصد نہین کیا پایہ آیت مخصوص بحق کفار و مشرکین ہے۔ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا۔ اور مٹ گیا جو کچھ اُنھون نے دنیا مین کیا تھا کیونکہ وہ کوئی عمل ثابت و صالح نہ تھا بلکہ صورت مین غیر کو نفع پہونچانے وغیرہ سے خیر قرار دیکر اسکا بدلا اُن کو دنیا مین متاع حقیر جو اُنکی مراد تھی دیدیا گیا لہذا فرمایا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ اور جو وے کرتے تھے باطل ہے یعنی اُن کے اعمال فی نفسہ باطل تھے

کسی شمار مین نہ تھے کیونکہ اُن کا عمل کسی ایسے صحیح طریقہ پر نہ تھا جو موجب جزا ہو۔ واضح ہو کہ جس نے آیت مین تعمیم کی کہ مومن و کافر سب کو شامل ہے اسپر اشکال ہی کیونکہ آخر آیت مومن کے حال سے لائق نہین ہے اور مرجع اُسکا آخر یہی ہے کہ آیت اہل کفر کے حق مین متعین ہے اسلئے کہ جس مومن نے اپنے اعمال سے استمرارًا فقط دنیا کا قصد کیا وہ درحقیقت کچھ مومن نہین ہی بلکہ مرتد ہے یا درحقیقت ایمان ہی نہین لایا تھا اور کبھی جواب دیا جاتا ہے کہ جب یہ اعمال باطلہ سوائے اللہ تعالی کے غیر کے واسطے ہوئے تو ان کا کرنیوالا مستحق وعید شدید ہوا کہ اولئک لیس لهم الخ اور اسی کا مؤید ہے جو ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا من تعلم علما لغیر اللہ الخ یعنی جس نے اللہ تعالی کے سوائے غیر کے لیے علم سکھایا اس سے غیر اللہ کا ارادہ کیا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ مین بنا دے۔ اخرجہ الترمذی۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ مین نے آنحضرت صلعم کو سنا کہ فرماتے تھے قال اللہ تعالی انا اغنی الشرکاء عن الشرک الخ یعنی اللہ تعالے فرماتا ہے کہ مین شرکون کے اعمال شرک سے بالکل مستغنی ہون جسنے کوئی ایسا کام کیا جسمین میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کیا تو مین اسکو و اسکے شرک کو چھوڑتا ہون۔ اخرجہ مسلم اور اسمین ایسی ہی بہت احادیث ہین اور یہ ریا شرک اصغر ہے وظاہر نظم القرآن الکریم یہ ہی کہ اس مین مطلقًا کفار داخل ہین اور جو ان مین سے قرآن عظیم مین قدح کرتے و خالی دنیا ہی چاہتے اور عذاب مین استعجال کرتے وے بدرجۂ اولے داخل ہین اور اُن کو تعمیم ہے کہ بسعت رحمت و کمال کرم سے حق تعالی نے خالی دنیا چاہنے والون کو موافق اپنی مشیت کے ایک وقت تک دنیا دیدی ہے ف۔ فی العرائس قولہ تعالی من کان یرید الخ۔ اسمین اللہ تعالی نے دکھلانے سنانے کو کام کرنیوالون کی خبر دی جو اپنے اعمال سے فقط شرف و جاہ و زینت و مال چاہتے ہین اور آخرت سے اُن کی آنکھون پر پردہ پڑا ہے اور اگر اُنھون نے دیدار آخرت کا مزہ چکھا ہوتا اور معرفت پائی ہوتی تو کیونکر حظوظ نفس کی طرف التفات کرتے اور یہان تو اللہ تعالی نے اُن کو ایسی چیزین دیدین جو ان کو دنیا مین آخرت سے محجوب رکھین۔ واضح ہو کہ اگر عارف متمکن نے دنیا و اُسکی زینت سے کام لیا تو اسے برادر اسکو بھی تو انھین لوگون مین سے مت شمار کیجیو وہ اللہ تعالی ہی کو چاہتا ہے اور دنیا کو اپنے کفاف و عفاف کے لیے چاہتا ہے اللہ تعالی اسکو دنیا مین پاکیزہ زندگانی سے رکھتا ہے اسطرح کہ دنیا کو اسکا خادم کر دیتا ہے پس مخلوق کی آنکھ مین اسکی تبجیل اور لوگون کے دلون مین اسکی ہیبت ہوتی ہے کما قال تعالی فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ الآیۃ۔ اور مروی ہے کہ جو بندہ مرتبہ احسان پر پہونچا تو عاجل دنیا اور آجل الآخرۃ مین اس کا اجر اللہ تعالی پر واقع ہوا۔ اور یہ عارف ان ریاکارون کی طرح نہین ہی جو شرف آخرت سے محروم ہین چنانچہ ریاکارون کو فرمایا۔ اولئک لیس لهم فی الآخرۃ الخ ابو بکر الوراق رحؒ نے کہا کہ حیات دنیاوی نام ہے ارتکاب تمنا و اتباع شہوات کا اور اُمیدون کے جنگل مین غافل ہونا اور موت سے بے فکر کہ کبھی یاد نہ آوے اور حرام و حلال سے جس طرح ملے مال جمع کرنا اور زینت دنیاوی مین پڑنا کہ جسمین غافل کرنے والے علائق ہین جن کو اللہ تعالی نے قولہ زین للناس حب الشہوات من النساء الآیۃ مین بیان فرمایا ہے۔ بعد ذکر اہل کفر و شرک دنیا کے اہل ایمان و ان کے درمیان بڑا فرق ہونا بیان فرمایا بقولہ تعالی۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ

بھلا ایک شخص جو ہے نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور پہونچتی ہے اُسکو گواہی اُس سے اور پہلے اُس سے کتاب موسی کی راہ ڈالتی اور مہربانی

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

وہی لوگ مانتے ہین اُس کو اور جو کوئی منکر ہو اس سے سب فرقون مین سو آگ ہے وعدہ اُسکا سو تو مت رہ شبہہ مین

مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ○

اُس سے یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن بہت لوگ یقین نہین رکھتے ہین

اللہ تعالیٰ مومنون کے حال سے آگاہ فرماتا ہے جو اس فطرت پر ہین جسپر اللہ تعالیٰ بندون کو پیدا کرتا ہے یعنی اپنے خالق کے معرفت کہ لا الٰہ الا اللہ۔ چنانچہ فرمایا فاقم وجھک للدین حنیفا فطرة اللہ التی فطر الناس علیھا۔ اور صحیحین مین ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کل مولود یولد علی الفطرة آلخ یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی کر ڈالتے ہین جیسے چوپایہ پورے اعضا کا بچہ جنتا ہے بھلا تم اسمین کوئی کان وغیرہ کٹا ہوا پاتے ہو پھر آلخ صحیح مسلم مین عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یقول اللہ تعالیٰ انی خلقت عبادی حنفاء آلخ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مین نے اپنے بندون کو حنیف پیدا کیا پھر ان کے پاس شیاطین آئے اور انکو ان کے دین سے بہکا دیا الحدیث اور سنن و مسانید مین مروی ہے کہ ہر مولود اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے یہان تک کہ اسکی زبان پھوٹے اور وہ اپنا عقیدہ بیان کرے۔ قال ابن کثیرؒ بالجملہ مومن تو اسی فطرت پر ہوتا ہے اور کفار اس سے برگشتہ ہو گئے لہذا فرمایا۔ اَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ۔ بینہ برہان یعنی روشن دلیل جو اسکو راہ حق دکھلاوے واضح یعنی کیا بھلا وہ شخص جو روشن دلیل پر ہے اپنے پروردگار کی طرف سے ہمزہ اسمین انکار کا ہے یعنی ایسا نہین کہ جو ایسی روشن دلیل پر ہے وہ بمنزلہ ان لوگون کے ہو جن کی ہمتین محض دنیا پر مقصور ہین۔ قال البیضاویؒ اسی نے ذکر خبر سے مستغنی کر دیا اور تقدیر کلام یون ہے کہ بھلا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو کیا وہ ایسے شخص کے مانند ہے جسکی ہمت فقط دنیا پر مقصور ہے یعنی ہرگز نہین بلکہ دونون مین بڑا فرق ہے اور یہ حکم ہر مومن مخلص کو شامل ہے اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے آنحضرت صلعم ہین اور بعض نے کہا کہ اہل کتاب مین سے ایمان لانیوالے قول اول پر معنی یہ ہین کہ آنحضرت صلعم کی اتباع مین اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا مومن مخلص کیا ویسا ہے جو حیوٰة دنیا و اسکی زینت چاہتا ہے۔ قول دوم پر یہ معنی ہین کہ کیا آنحضرت صلعم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان و معجزات پر ہین نظر کفار ین حیات دنیا و اسکی زینت چاہنے والون کے مثل ہین ہرگز نہین۔ اور حکم عام اولیٰ ہے کہ بھلا جو شخص بینہ پر ہو اپنے پروردگار کی طرف سے۔ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ قال ابن کثیرؒ یعنی اور آیا اسکے پاس شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور وہ وحی الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف بھیجی جسمین شرائع مطہرہ مکملہ کا بیان ہے اور اسکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا اسی واسطے ابن عباس و مجاہد و عکرمہ و ابو العالیہ و ضحاک و ابراہیم نخعی و سدی وغیرہم نے کہا کہ قولہ یتلوہ شاہد منہ یعنی جبرئیل علیہ السلام اور حضرت علیؓ و حسن بصریؒ و قتادہ سے روایت ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہین اور ہر دو قول قریب المعنی ہین کیونکہ دونون مین سے ہر ایک نے رسالت الٰہی کو پہونچایا چنانچہ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کو اور آنحضرت صلعم نے امت کو پوری تبلیغ کی بعض نے ذکر کیا کہ علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ قریش مین سے کوئی ہو ہر ایک کے حق مین کچھ قرآن نازل ہوا تو ایک شخص نے پوچھا کہ آپکے حق مین کیا نازل ہوا فرمایا کہ کیا تو سورۂ ہود نہین پڑھتا قولہ افمن کان علی بینة من ربہ و یتلوہ شاہد منہ یعنی آنحضرت صلعم بینة من ربہ پر ہین اور مین شاہد ہون۔ اخرجہ ابو نعیم و ابن ابی حاتم۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یتلوہ شاہد منہ علی ہو ہے۔ اخرجہ ابن عساکر۔ حافظ ابن کثیرؒ نے کہا کہ بعض کے قول مین یتلوہ شاہد کی تفسیر مین علی ؓ ہین مگر یہ قول ضعیف ہے اسکا کہنے والا کوئی ثابت نہین ہوتا اور حق وہ قول اول و ثانی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مومن کے پاس فطرت خود شاہد شریعت ہے مگر بالاجمال پھر شریعت سے اسکی تفاصیل لیجاتی ہین اور فطرت اسکی تصدیق کرتی اور اسپر ایمان لاتی ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ افمن کان

علیٰ بینۃ من ربہ ویتلوہ شاہد منہ یعنی قرآن جسکو جبرئیلؑ نے آنحضرت صلعم کو اور آنحضرت صلعم نے اُمت کو پہونچایا - پھر فرمایا - وَمِنۡ قَبۡلِہٖ - اور
پہلے قرآن سے کِتٰبُ مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحۡمَۃً - موسیٰ کی کتاب یعنی توریت ہو درحالیکہ وہ اس اُمت کے لئے امام پیشوا اور رحمت الٰہی تھی کہ دے
اسکی اقتدا مین رحمت الٰہی پاتے لہذا جو اسپر ایمان لایا اسکا ایمان خواہ مخواہ مجبر ہوا کہ قرآن پر ایمان لاکر سعادت دارین حاصل کرے - الحاصل
یتلوہ شاہد منہ ویتلوہ شاہد آخر وہو کتاب موسیٰ - یعنی ایک تو اسکا شاہد از جانب حق ہے اور دوسرا شاہد کتاب موسیٰ ہے کیونکہ اُسنے محمد صلعم
کی رسالت عامہ وختم رسالت کی شہادت دی ہے زجاج رح نے کہا کہ المعنی ویتلوہ من قبلہ کتاب موسیٰ - کیونکہ آنحضرت صلعم کا وصف یعنی توریت
مین اور انجیل مین مذکور ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ قول بنا بر نیکہ یتلوہ تلاوت کرتا ہے اسکو یعنی بینۃ وحی کو - شاہد منہ - شاہد از حق یعنی محمد صلعم
ومن قبلہ کتاب موسیٰ - مربوط باینکہ آنحضرت صلعم کا وصف اسمین مذکور تھا - اظہر قول یہ ہو کہ افمن کان عام ہے آنحضرت صلعم اصل و اول ہین
اور مومنین مخلصین آپکے مقتدی ہین چنانچہ فرمایا - اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ - ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بینہ پر ہین وہی ایمان لاتے
ہین اسپر یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یا قرآن کی تصدیق کرتے ہین وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ - اور جس نے کفر کیا اسکے ساتھ یعنی نبی صلعم
یا قرآن کے ساتھ احزاب مین سے - فَالنَّارُ مَوۡعِدُہٗ - تو دوزخ اُسکا وعدہ گاہ ہے - دوزخ کو موعد قرار دینا تہویل ہو کہ اسمین طرح طرح کے
عذاب الیم ہین - احزاب جمع حزب ایک جتھا اور وے تمام روئے زمین کے لوگ تا قیامت ہین - حافظ رح نے کہا کہ تمام بنی آدم جن کو قرآن
پہونچا بقولہ تعالیٰ لانذرکم بہ ومن بلغ - وبقولہ قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا پھر وہ حدیث ذکر فرمائی قال والذی نفسی بیدہ لایسمع
بی احد من ہذہ الامۃ آلخ یعنی صحیح مسلم مین ابو موسیٰ اشعری رضہ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ مین میری
جان ہے کہ نہین سنیگا مجھے کوئی اس اُمت مین سے خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لاویگا تو بیشک دوزخ مین داخل ہوگا - سعید
بن جبیر رح سے روایت ہو کہ مین جب کوئی حدیث سنتا تو اسکا مصداق یا تصدیق قرآن مجید سے پاتا پھر جب مجھے یہ حدیث والذی نفسی
بیدہ لایسمع بی آلخ پہونچی تو مین نے ڈھونڈھا کہ اسکا مصداق کلام الٰہی مین کہان ہین یہانتک کہ مجھے یہ آیت ملی کہ من یکفر بہ من الاحزاب
فالنار موعدہ کہا کہ احزاب تمام ملتون والے کوئی ہون - فلا تک درحصل تکن تھا نون خلاف قیاس حذف ہوتا ہے فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡہُ مریہ
بالکسر لغت اہل الحجاز وہی جمہور کی قرأۃ ہے اور بالضم لغت اسد وتمیم وغیرہ اور سلمی وغیرہ کی یہی قرأۃ ہے - والمعنی پس نہو جیو تو کسی طرح کے
شک مین قرآن سے - اِنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ - بیشک وہ حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے - آنحضرت صلعم تو قرآن مین واسکے وعدہ
ووعید مین شک کرنے سے معصوم تھے پس قولہ فلا تک اگرچہ ظاہر خطاب آپکو ہے مگر یہ تعریض ہے اور لوگون کو جو شک کرتے وکفر کرتے ہین
لہذا فرمایا - وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ - ولیکن بہتیرے لوگ ایمان نہین لاتے ہین خواہ اسوجہ سے کہ مانند علماء یہود کے حق جان کر
عناد کرتے یا کفر پر مطبوع ہوئے کہ ان کے دلون مین اسکا حق ہونا باوجود کھلے دلائل کے نہین سماتا ہے - اسمین تنبیہ ہے کہ قرآن وراہ
ہدایت کے منکر بہت ہون گے اور مومنین تھوڑے چنانچہ آیندہ وگذشتہ آیت ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ الآیۃ - مین اسکی تصریح ہے
فافہم ف - فی العرائس قولہ تعالیٰ افمن کان علی بینۃ آلخ آیت کی تقدیر بطریق استفہام کے اس معنی مین ہو کہ جو کوئی اپنے پروردگار کی
طرف سے بینہ وبرہان پر ہو کیا ویسا ہے جو اختیار دنیا وضلالت وجہالت مین پڑا ہے جس شخص کو اپنے رب سے معرفت وولایت وکرامت
حاصل ہو وہ محض بندۂ دنیا کے مثل نہین ہے اور ہر عارف جب حق سبحانہ تعالیٰ کو اپنے قلب روح وعقل وسر باطن سے مشاہدہ کر لیتا ہی
اور انوار جمال وقرب پا جاتا ہے تو یہ اسکی صورت تک مین اثر کرتا ہے یہان تک کہ اسکے چہرہ سے نور الٰہی ظہور کرتا ہے جسکو ہر نظر والا دیکھتا ہے

قولہ تعالیٰ ویتلوہ شاہد منہ ۔ بینہ نور بصیرت معرفت ہے اور شاہد اسکے ساتھ ظہور نور مشاہدہ ہے اور نیز بینہ کلام معرفت ہے اور شاہد اسکے لئے قرآن و حدیث ہے پس جو شخص اس مرتبہ پر ہو وہ چشم حق سے مکنون غیب اسرار قلب دیکھتا ہے اور اسکا مشاہدہ اسکے یقین پر اور اسکا یقین اسکی بصیرت پر اور بصیرت عقل پر اور عقل اسکے نفس پر غالب ہوتے ہیں حتیٰ کہ اُسکا نفس نہی ہوا و ہوس سے اس کا مزاحم نہیں ہو سکتا بلکہ واردات حق از کشف و عیان و بیان کے تحت میں اُسکا نفس فانی ہوتا ہے تصدیق اسکی قولہ تعالےٰ فلا تک فی مریۃ منہ انہ الحق من ربک جو کچھ حق سے وارد ہو وہ حق ہے جبکہ معارضہ نفس زائل ہو گیا پھر اگر اول نزول انوار میں کوئی خطرہ آیا تو یہ امتحان حق ہے پھر اسپر واردات حقیقیہ ایسے آتے ہیں کہ اس خطرہ کو بالکل زائل کر دیتے ہیں شیخ ابو عثمان رح نے کہا کہ جبکوئی بینہ پر ہو گیا پھر اسپر کوئی بھید چھپا نہیں رہتا ہے ۔ رویم رح نے کہا کہ بینہ یہ ہے کہ بندہ کو اپنے قلب پر اطلاع نصیب ہو اور عیوب پر حکم ہو جنید رح نے کہا کہ بینہ حقیقت ہے اور مؤید اسکا ظاہر علم ہے ۔ ابوبکر بن طاہر رح نے کہا کہ جو کوئی بینہ پر ہو اس کے اعضاء ظاہری اپنے پروردگار کی درگاہ پر طاعت میں حاضر رہتے ہیں اور اسی کے حکم سے موافقت کرتے ہیں اور زبان اسکی یاد میں تر رہتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دنیا میں پھیلاتا ہے اکثر زبان سے اور اُسکا قلب منور بانوار توفیق ہوتا ہے اور اسمیں تحقیق کی روشنی بھری ہوتی ہے اور اُسکے سر و روح کو تمام اوقات میں حق کا مشاہدہ ہوتا ہے اور مکنون عیوب و مستور سے جو ظاہر ہو سکتا ہے اسکو وہ جانتا ہے اور اشیاء کو یقین کی نظر سے دیکھ لیتا اور اسکا حکم اسکی مخلوق پر مانند حکم حق کے ہے کہ نہیں نطق اسکا مگر بحق اور نہیں دیکھتا مگر بحق کیونکہ وہ مستغرق فی الحق ہے پس اسکا مرجع نہیں مگر الی الحق ۔ پھر اہل الحق کے بیان کے بعد زبان اشارت میں خاطبین مدعین کے جو بہتان و فریب کرتے ہیں مذمت فرمائی قلت یعنی آگے کی آیت میں فافہم ۔ پھر اللہ تعالےٰ نے پر افترا کرنیوالوں کا خسران بیان کیا قولہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ

اور کون ظالم ہے اُس سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ　وہ لوگ　روبرو آوینگے اپنے رب کے　اور　کہیں گے

الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

گواہی والے یہی ہیں　جنہوں نے　جھوٹ بولا　اپنے رب پر　سن لو پھٹکار ہے اللہ کی بے انصاف لوگوں پر

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ

جو روکتے ہیں　اللہ کی راہ سے　اور　ڈھونڈتے ہیں اُس میں کجی　اور　وہی ہیں

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ

آخرت سے　منکر　وہ لوگ　نہیں　تھکانے والے　زمین　میں بھاگ کر　اور نہیں ہے اُن کو

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ

اللہ کے سوائے　حمایتی　دونا ہے　اُن کو　عذاب　نہ　سکتے تھے

السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

سُننا　اور نہ تھے　دیکھتے　وہی ہیں جو ہار بیٹھے　اپنی جان　اور گم ہو گیا اُن سے جو

يَفْتَرُوْنَ ○ لَاجَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ○

جھوٹ باندھتے تھے ضرور ہوا کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے خراب

اللہ تعالیٰ نے منکرین کفار کے چودہ ذمائم بیان فرمائے۔ ذم اول یہ کہ وہ مفتری ہیں بقولہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ اور کون بڑھکر ظالم ہے یعنی کوئی بڑھکر ظالم نہیں اس شخص سے جسنے افترا کیا اللہ تعالیٰ پر کَذِبًا۔ دروغ۔ یہ زیادہ فضیحت و مبالغہ ہے کیونکہ افترا خود کذب ہے، تو یہ لوگ افترا و کذب کے جامع ہیں پھر انکا افترا ظاہر ہے کہ بتوں کو اپنا شفیع بتلاتے اور ملائکہ کو دختریں بناتے اور قرآن کو کلام مخلوق کہتے اور قولہم واللہ امرنا بہا۔ ایسے افعال کی نسبت کہتے جو فحش تھے غرضکہ خالق عزوجل کی جناب میں خلاف واقع کہکر افترا کرتے اور ایسے ہی عزیرؑ کو بیٹا اور مسیح کو بیٹا کہتے۔ واضح ہو کہ ظاہر لفظ سے نکلتا ہے کہ ان سے اظلم کوئی نہیں ولیکن مقام مقتضی ہے کہ اُن کے برابر ظالم بھی نہیں ہے۔ دوم آنکہ یہ لوگ مقام ذلت وخواری میں پیش ہوں گے بقولہ۔ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ یہی لوگ پیش کئے جاویں گے اپنے پروردگار کے سامنے یعنی قیامت کے روز جسمیں کچھ شک نہیں ہے۔ اگر کہا جاوے کہ اس پیش ہونے میں یہی لوگ مختص نہیں بلکہ عرض عام ہے سب بندے پیش ہوں گے۔ بقولہ وعرضوا علی ربک صفا۔ جواب دیا گیا کہ فضیحت کے لئے پیش ہونا انہیں سے مخصوص ہو کیونکہ اُن کے مخالف فقط ایک فریق مومنین کا ہے پس وے فضیحت نہیں کئے جاوینگے بلکہ یہی سب احزاب فضیحت ہونگے بقولہ تعالیٰ۔ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ۔ اور اشہاد کہیں گے کہ یہی ہیں وے لوگ جنہوں نے جھوٹ باندھا اپنے پروردگار پر۔ اس سے انکو نہایت ذلت وخواری حاصل ہوگی مع اُن کی ہر صورتوں کی شناخت وتشہیر کے اور یہ تیسری صفت مذمت ہے۔ اشہاد جمع شہید اسی کو فارسی رحہ نے ترجیح دی کیونکہ قرآن میں کثرت سے اسکا ورود ہے بمانند قولہ ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ قولہ من کل امة بشہید وجئنا بک علی ہؤلاء شہیدا۔ بعض نے کہا کہ وہ جمع شاہد ہے مانند اصحاب صاحب کے پھر ان اشہاد میں اختلاف ہے کہ کون لوگ ہوں گے۔ مجاہدؒ نے کہا کہ وہ ملائکہ ہوں گے جو دنیا میں اُن کے اعمال کے حافظ تھے۔ مقاتل نے کہا کہ الناس جیسے کہتے ہیں کہ علی رؤس الاشہاد یعنی علی رؤس الناس اور ایک قوم نے کہا کہ انبیاء ہوں گے بقولہ تعالیٰ فلنسئلن الذین ارسل الیہم ولنسئلن المرسلین۔ یہ قول ابن عباسؓ کا ہے اور بعض نے کہا کہ ملائکہ ومرسلین وعلماء جنہوں نے دنیا میں اُن کو دین الٰہی پہونچایا تھا اور قتادہؒ نے کہا کہ جمیع خلائق۔ مترجم کہتا ہے کہ سوائے فرقہ مومنین کے جملہ خلائق یہی کذاب ہیں ماسوائے ملائکہ کے۔ فافہم۔ اسکے تعیین کی حاجت نہیں بلکہ اسی قدر کافی ہے کہ جو اشہاد ہوں گے وہ اُن کو فضیحت وخوار کریں گے کہ انہیں نے دنیا میں اپنے پروردگار پر دروغ باندھا تھا اگر کہا جاوے کہ اللہ کے سامنے پیش ہونا مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مقام پر ہے حالانکہ او تعالیٰ اس سے پاک ومنزہ ہے جواب دیا گیا کہ یہ لوگ ان مقامات میں پیش ہوں گے جو حساب کے لئے مقرر ہیں۔ حق جواب یہ ہے کہ اسکی تاویل وکیفیت عقل بشری سے باہر ہے اور قدرت الٰہی اس سے اعلیٰ واجل ہے پس اسمیں کوئی مشکل نہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ وے پیش ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے کوئی کیفیت اسکے خیال میں نہیں لاتے ہیں بالجملہ دار آخرت میں مفتریوں کی فضیحت ہوگی ابن کثیرؒ نے کہا کہ ملائکہ ورسولوں وباقی آدمیوں وجنوں کے روبرو اور اشہاد کہیں گے کہ انہیں نے دنیا میں اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيْنَ خبردار ہو کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ بعض نے کہا کہ یہ منجملہ کلام اشہاد سے ہے اور بعض نے کہا کہ محتمل ہو کہ بعد اشہاد کے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں رحمت سے دوری ولعنت فرمائی۔ سراج میں کہا کہ یہ اُن کی چوتھی مذمت ہے اور عقاب قیامت سے آگاہ کرنیکے بعد

فی الحال وے جس طرح ہین وہ بیان کیا یعنی فی الحال ظالمین ملعون ہین۔ پھر ان کی پانچوین مذمت فرمائی بقولہ تعالیٰ۔ اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یہ ایسے لوگ ہین جو روکتے ہین راہ الٰہی یعنی اُسکے دین سے لوگون کو اس راہ راست پر چلنے نہین دیتے چھٹی مذمت یہ کہ
وَیَبْغُوْنَھَا اور چاہتے ہین اس راہ کو عِوَجًا کج موجہ یعنی چاہتے ہین کہ راہ ایسی ہو جیسے اُن کے نفوس چاہتے ہین جو سراسر ظلم و برائی
سے محض کج ہے راہ مستقیم نہین ہے۔ پھر ساتوین مذمت فرمائی بقولہ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ۔ لفظ ہم کی تکرار اُنکی تاکید کفر و توغل
کیلیے ہو یعنی حالانکہ وے آخرت سے کافر ہین۔ جملہ حالیہ ہی۔ آٹھوین مذمت یہ کہ اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ۔ ایسے لوگ
نہ تھے معجزین مین۔ یعنی اگر دنیا مین اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب کرنا چاہتا تو یہ اسکو عاجز کرنیوالے نہ تھے کہ کہین بھاگ جاتے کیونکہ عذاب الٰہی
اُسکی مشیت ہو تو ہر جگہ و ہر طرح بندہ کو پہونچے۔ بعض نے کہا کہ معجزین اے سابقین یعنی دنیا مین کچھ سبقت نہین کر گئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے
اُن کو ایک وقت تک عذاب سے مہلت دی تھی۔ بعض نے کہا معجزین اے فائتین و بعض نے کہا مفلتین۔ یعنی دنیا مین اگر عذاب چاہتا تو یہ اسکو
فوت نہین کر سکتے یا اس سے اُچک کر بھاگ نہ سکتے تھے سب کے معنی قریب قریب ہین کیونکہ عذاب الٰہی سے چھٹکارا بندے کو اپنی طاقت سے
محال ہی۔ نوین مذمت وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ۔ اور نہین اُن کیلیے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اولیا یعنی اللہ تعالیٰ اُنکا
ولی نہین تو اسکے سوائے کوئی غیر انکا ولی نہین ہو سکتا جو اُن کو عذاب الٰہی سے بچا لیوے۔ دسوین مذمت دونا عذاب ہونا۔ یُضٰعَفُ
لَھُمُ الْعَذَابُ۔ دونا کیا جائے گا اُن کیلیے عذاب۔ کہا گیا کہ خود گمراہ ہوے اور دوسرون کو گمراہ کیا۔ کہا گیا کہ اُنھون نے اللہ تعالیٰ
سے کفر کیا اور اُسپر افترا باندھا۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قولہ اولٰئک لم یکونوا الخ دنیا مین اُنسے انتقام پر قادر ہے مگر ان کو ایک ایسے دن تک
مہلت دی جسمین آنکھین پھر اونگی اور صحیحین مین ہی کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہان تک کہ جب پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو
چھٹکارا نہین ہوتا اور قولہ یضاعف لھم الخ یہ اسوجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کان آنکھین دل دیا تھا کہ پہچانین مگر وے صم بکم عمی رہے
لہذا قیامت مین اقرار کرین گے۔ لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ دوسری آیت مین فرمایا زدناہم عذابا فوق العذاب الآیۃ۔
اسیواسطے ہر امر الٰہی جسکو ترک اور ہر نہی جسکا ارتکاب کیا ہے سب پر عذاب کیے جاوین گے اسی واسطے اقوال مین سے اصح قول یہ ہی کہ کافر لوگ
بلحاظ دار آخرت کے فروع اعمال سے بھی مکلف ہین۔ مترجم کہتا ہے کہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک کافر نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ کا قبل ایمان کے
مکلف نہین بلکہ اول ایمان لاوے پس ان اعمال کا مکلف ہوگا کیونکہ یہ اعمال بدون ایمان کے باطل ہین اور مشہور مذہب شافعی رح
یہ ہی کہ کفار فروع اعمال سے مکلف ہین پھر جو قول شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا وہ ظاہر حدیث صحیح مسلم اخذ بالاول والآخر یعنی عدم ایمان
کی صورت مین اگلے و پچھلے گناہون مین ماخوذ ہوگا۔ موافق ہے پس ظاہر اس قول پر احکام دنیاوی ان پر جاری نہ ہون گے بلکہ آخرت
مین ضعف عذاب کیواسطے ہے اور فائدہ اسکا یہ ہی کہ مثلاً رمضان مین کسی کافر تندرست مقیم نے جو بہت پیاسا ہے کسی مسلم سے پانی
مانگا تو اسکو پلاوے یا نہین پس بنا بر قول مذکور کے ہر دو مذہب کے موافق پلا دینے مین مضائقہ نہین ہے۔ فافہم۔ گیارہوین مذمت۔ مَا کَانُوْا
یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ نہ تھے کہ استطاعت رکھتے سمع کی یعنی سننے کی۔ قتادہ رح نے کہا کہ سماع حق سے بہرے تھے پس بھلائی کو سُنکر اُس سے
انتفاع نہین لیتے تھے۔ وَمَا کَانُوْا یُبْصِرُوْنَ۔ اور نہین تھے کہ دیکھین یعنی بھلائی کے دیکھنے سے اندھے تھے دیکھتے نہ تھے۔ ابن عباسؓ سے
مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل الشرک اپنی طاعت مین بیچ مین روک کر دی پس دنیا مین اسطرح کہ ما کانوا یستطیعون السمع الخ اور آخرت
مین اسطرح کہ فلا یستطیعون خاشعۃ ابصارہم الآیۃ۔ پھر بارھوین مذمت قولہ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ۔ یہی لوگ ہین جنھون نے

خسارہ مین ڈالا اپنی جانون کو ۔ کیونکہ انھون نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بدل کر اآلہہ کی عبادت کی پس ہمیشگی کی آگ مین پڑے اور یہ بڑے خسارہ کی وجہ ہی تیرھوین مذمت قولہ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۔ اور گم ہوگیا اُن سے وہ کچھ جو افترا کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کا دعوی کرتے اور کہتے کہ یہ بت وغیرہ آلہہ انکے سفارشی ہین اور مسیح ؑ اُن کے گناہون کا کفارہ ہوگئے ہین یہ سب باطل دعوی گم ہوجاوین گے چودھوین مذمت لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ۔ لامحالہ وہی عاقبت مین نہایت خسارہ والے ہین خلیل وسیبویہ نے کہا کہ لاجرم بمعنی حق ہے پس ان کے نزدیک یہ گویا کلمۂ واحدہ ہے وفراء ؒ نے کہا کہ بمنزلہ لابد ولامحالہ کے ہے پھر کثرت استعمال سے بمعنی حق ہوگیا ۔ زجاج ؒ نے کہا کہ جرم بمعنی کسب اور فاعل مضمر ہے اے کسب ذلک الفعل لہم الخسران ۔ اور ان کو نصب بوجہ جرم کے ہو والمعنی اس فعل نے ان کو خسران کما دیا ۔ ازہری ؒ نے کہا کہ یہ اس لغت مین احسن توجیہ معقول ہے ۔ بالجملہ اس آیت سے من کان علی بینۃ من ربہ مین اور من کان یرید الحیوۃ الدنیا مین فرق وتفاوت ظاہر ہوا خصوص جبکہ اگلی آیات مین مومنون کے درجات بیان ہون گے تو ان مین کمال تفاوت ظاہر ہوجاویگا ف فی العرائس قولہ تعالیٰ ومن اظلم ممن افتری آلخ اسمین اشارہ ہے ثابت ہو کہ ریاکار ومکار بھی عذاب مین ماخوذ ہون گے یعنی کون بڑھکر ظالم ہے اس شخص سے جو ولایت کا دعوی کرے اور سابق الحکم مین وہ کذاب ٹھہرا ہے گویا وہ چاہتا ہے کہ وہ حکم ازلی جو اسکے کفر وبہتان کا جاری ہوا اسکو توڑے اور اولیا وصدیقین جن کے حق مین سابق عنایت ہو اُن کو اہل شقاوت سے مقابلہ ومماثلہ کرے پس ظلم اس کا اس راہ سے کہ اپنے آپ کو ولایت کے دعوی پر لاکر اللہ تعالیٰ پر دروغ باندھتا ہے حالانکہ وہ کاذب ہو اور ان مفسدون کی غرض اس فعل سے یہ ہوتی ہے کہ ریا وسمعہ وجاہ کے لئے مخلوق کے منہ اپنی طرف پھیر لاوین پس اللہ تعالیٰ ان کو قیامت مین تمام خلائق کے روبرو فضیحت فرماویگا پس جو کوئی اپنے پروردگار سے سچا معاملہ رکھتا تھا وہ اُن کے کذب پر گواہی دیگا پھر قرب ووصال سے دور کرکے نکال وو بال مین ڈالے جاوین گے بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر افترا کرنیوالا وہ شخص بھی ہے جو اپنے واسطے ان احوال کا دعوی کرے جو بزرگان دین وصلحا کو حاصل تھے اور اپنے نفس سے ایسے مقام کا مشاہدہ ظاہر کرے جہان اسکو شہود نہین ہوا ہے پس ایسے لوگون کو اللہ تعالیٰ دنیا مین بھی فضیحت کردیتا ہے کہ ان کے کذب پر وے لوگ مطلع ہوجاتے ہین جو حقائق اشیا کو بنور حق دیکھتے ہین پس وے ظاہر کردیتے ہین کہ ہٰؤلاء الذین کذبوا علی ربہم ۔ کیونکہ اُنھون نے اپنے لئے ایسے احوال ظاہر کئے جو درحقیقت ان مین نہین ہین ۔ اور اپنے آپ کو لباس صلحا سے آراستہ کرلیا لہذا یہ فضیحت تو ان کو مجالس اہل الحق مین ہے یہان تک کہ جب قیامت مین مشاہد الحق مین جاوین گے تو عام فضیحت اُٹھاوینگے ۔ قولہ تعالیٰ ما کانوا یستطیعون السمع الآیۃ ۔ یہ لوگ خطاب حق کو دل کے کانون نہین سنتے تھے اور مشاہدہ حق کو روح کی آنکھون نہین دیکھتے تھے کیونکر سنتے و دیکھتے کہ ازل مین اُن کے حق مین عنایت نہین جاری ہوئی ۔ بعض نے کہا کہ سماعت کی استطاعت ایسے شخص کو کیا ہو جس کے کان امر حق کی سماعت کے لئے نہین کھلے ہین اور کیونکر دیکھے جس کی آنکھ مین توفیق کا سُرمہ نہین ہے کیونکہ بغیر سُنائے اور بغیر دکھلائے کچھ دیکھتا وسنتا نہین ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل الخسران کے نکال و وبال کے بیان کے بعد اہل درجات از اہل ایمان کے فضائل وکرامات کو بیان فرمایا بقولہ ۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخۡبَتُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ ۙ اُولٰۤٮِٕكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ

البتہ جو یقین لائے اور کین نیکیان اور عاجزی کی اپنے رب کی طرف وہ ہین جنت کے لوگ

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

وہ اس میں رہا کریں مثال دونوں فریقوں کی جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے

مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

دونوں کا حال پھر کیا تم دھیان نہیں کرتے

ع ۲

اب اہل ایمان وطاعت کا حال اور ہر دو فریق کی مثال بیان فرمائی بقولہ - اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - بیشک وہ بندے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے یعنی رسول الٰہی وکلام الٰہی سے معرفت صحیحہ حاصل کر کے سب جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اسپر یقین کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور کام کئے نیک یعنی جو طاعات نماز روزہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ بتلائے ہیں اور رسول صلعم نے سکھلائے ہیں سب بجا لائے مگر خالی اعضاء وجوارح ظاہرہ سے نہیں بلکہ اسکے ساتھ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ - اور خشوع وخضوع کیا اپنے رب کی طرف - اصل اخبات یعنی مستوی ہونا جنت یعنی زمین ہموار ہیں پس خشوع واطمینان کے معنی سے مناسب ہے اسی واسطے کہا گیا کہ واخبتوا ای اطمأنوا یعنی اطمینان ہوئے اپنے رب کی طرف - فراء نے کہا کہ الی ربہم اور لربہم واحد ہیں اور سراج وغیرہ میں کہا کہ اخبت الیہ کے معنی مطمئن ہوا اسکی جانب اور اخبت لہ کے معنی اسکے لیے خاشع وخاضع ہوا بعض نے کہا - اَنابوا یعنی پروردگار کی طرف دل سے جھکے - ابن عباس سے مروی ہے کہ خافوا یعنی اپنے پروردگار سے خوف وتقوی کیا - بالجملہ اشارہ ہے کہ آخرت میں لعتبار اعمال جوارح کے ساتھ اعمال قلب کا ہے یعنی نماز وغیرہ خشوع وخضوع سے ہو اور خود بندہ دیگر اوقات میں خاشع رہے - اُولٰٓئِكَ یہ بندے جن کا وصف ایمان وطاعت وخشوع وخضوع مذکور ہوا - اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ جنت والے ہیں - هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ - وے اسمیں ہمیشہ رہیں گے - ابن کثیر رحمہ نے لکھا کہ اہل سعادت جنھوں نے جوارح سے قولی وفعلی اعمال صالحہ کئے ومنکرات کو ترک کیا اور دل سے خشوع وخضوع کیا وہی جنت کے وارث ہونگے جسمیں غرف عالیہ وسرر مصفوفہ وقطوف دانیہ وفرش مرتفعہ وخیرات حسان وغیرہ نعیم باقیہ دائمہ ہیں اسمیں انکو خلود ہوگا نہ کبھی مرینگے نہ بوڑھے ہوں گے نہ بیمار ہوں گے نہ نیند میں اونگھیں گے نہ پیخانے میں بیٹھیں ہوں گے نہ وہاں تھوک رینٹ ہو وہاں تو صرف مشک کی خوشبو ہو - واضح ہو کہ جنت واسکی نعمتوں کا بیان بہت دراز ہے وہاں ایک رضوان الٰہی ودیدار جیسے نعمت ہو کہیں ممکن نہیں ہے پھر دونوں فریق کی مثال فرمائی بقولہ تعالیٰ - مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ - فریق کفار کی تشبیہ اعمی یعنی اندھے واصم یعنی بہرے سے فرمائی - خواہ علیحدہ علیحدہ یا جسمیں دونوں ہوں اور مومن کی تشبیہ بھی اسی طرح سمیع یعنی سننے والے وبصیر یعنی آنکھوں دیکھنے والے سے فرمائی پس اگر مثال مجموع ہو تو عطف صفت بر صفت ہو - هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا لے حالاً وصفةً بھلا دونوں فریق برابر ہیں از راہ حال وصفت کے یعنی ہرگز نہیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ - کیا تم سوچ نہیں کرتے ہو کہ ان میں بڑا تفاوت ہے پس تم بھی مومن ہو جاؤ - دوسری آیت میں فرمایا لایستوی اصحاب النار واصحاب الجنة الآیة - اور فرمایا - ما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات الآیة - بالجملہ دونوں میں صاف فرق کر دیا اب حجت تمام ہو گئی - **فی العرائس** قولہ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات الآیة - اشارت ہو کہ آمنوا یعنی مواعید غیب کو بصفت دیدار یقین کیا اور وعملوا الصالحات یعنی اپنی جانیں قرب حاصل ہونے میں فدا کر دیں اور صفا ذکر سے اپنے سرائر پاک کئے اور فکر کو آیات الٰہی میں جولان کیا واخبتوا الی ربہم یعنی اسرار کی بصیرت سے سلطان کبریائی کے انوار دیکھکر اسکے تحت میں فنا ہوگئے - یہی

اپنے آپ کو صفات قدم مین فنا کر کے اصحاب مشاہدہ صفات بقا ہین اور بدون مزر فنا رکے باقی ہین کیونکہ اب بعد محو کے ہمیشہ اصحاب الصحو ہین گئے۔ شاہ کرمانی رحنے کہا کہ اخبات تین طرح ہے عزم ایاس مع توبہ کے کیونکہ گناہون کی طرف کثرت سے عود ہوتا ہے اور خوف استدراج کا بندہ مین یعنی شاید باوجود ان گناہون کے انعام فقط استدراج ہون کہ ناگہانی عذاب مین پکڑا جاوے اور سوم توقع عقوبت کی ہر وقت بخوف کیونکہ وہان عدل ہی اور عدل مین یہان گناہ بہت ہین استاذ رح نے کہا کہ اخبات یہ ہی کہ ہمیشہ انکسار کے ساتھ دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف خشوع ہو اور مخبتین کے علامات مین سے یہ ہی کہ ہمیشہ پوشیدہ استعانت کے ساتھ احکام تقدیر کے تحت مین گھلتے رہتے ہین۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ازلی مقبول بندون اور ازلی مطرودون مین فرق بیان فرمایا کہ فریق اول کو نعمت ولایت ہے اور دوم کو حجاب بقولہ مثل الفریقین کالاعمی آہ بیان اشارت سے ثابت ہی کہ باطنی حالت کے اعتبار سے جو حقیقت مین مشاہدہ و وصال مین پہونچا وہ محقق مانند سمیع و بصیر کے ہی اور جو حقیقت مین کچھ نہین مگر ظاہر مین مکار ہے وہ اندھا و بہرا ہے۔ پھر سمیع کی یہ کیفیت ہے کہ حق تعالیٰ سے اُس کے کلمات کو اسی کی قوت سے سنتا ہی اور انھین کلمات سے اُسکو خواطر ملکوتی اور ہواجس شیطانی و نفسانی مین فرق معلوم ہوتا ہے اسی طرح جمال حق تعالیٰ کو قوت حق سے دیکھتا ہے اور یہ کوئی کرامت اپنی قوت سے نہین ملتی ہے وہی پاک پروردگار سبحانہ اپنے کرم سے عارفون کے دل اور مجبون کی آنکھین روشن کر دیتا ہی جس سے اُن کو آدمیون کے دلی خطرات اور غیب کے حقائق ظاہر ہو جاتے ہین اور جو شخص مکار جاہل ہے وہ الہامی ہواتف کو نہین سنتا کیونکہ اسکو خاص سننا جو بقوت حق ہے حاصل نہین ہوا اور اسپر بشری شہوات و عوارض غالب ہونے کی وجہ سے اسکو معرفت کے انوار نظر نہین آتے۔ یہ صریح مثال دونون کی فرما کر اہل عقل سے دونون کے مساوات پوچھی بقولہ ہل یستیٰن یعنی ہرگز دونون یکسان نہین ہین۔ بعض نے کہا کہ بصیر وہ شخص ہی کہ تقدیر الٰہی مین جو کچھ اُس سے مراد ہے اور جو اس کے نفع و ضرر کے لئے جاری ہو تمام اوقات مین اسکو دیکھے اور سمیع وہ شخص ہے جو خطاب کے تمام اقسام کو خواہ تادیب ہون یا تقریب ہون یا حث و مذب ہو ہی تمام اوقات مین سنے پھر بعض مشائخ نے کہا کہ اندھا وہ شخص بھی ہے جو عبرت کی باتین نہ دیکھے اور بہرا وہ شخص بھی جو لطائف خطاب سے محروم ہو اور بصیر وہ شخص جو نظر حق سے اشیار کو دیکھے تو کسی کا انکار نہ کرے اور کسی چیز سے تعجب نہ کرے۔ جنید رح نے کہا کہ اندھا وہی ہے جو حقائق اشیار کو نہین دیکھتا۔ اُستاد رح نے کہا کہ اندھا وہ ہے جسکو ہدایت کی بینائی نہ ہو ایسے ہی بہرا وہ جسکے دل کے کان بہرے ہون پس نہ وہ افعال مین تقدیر کا بھید دیکھتا ہے اور نہ نور فراست سے مکاشفات غیب پاتا ہے اور فرمایا کہ بصیر وہ ہے جو افعال کو علم الیقین سے دیکھے اور صفات کو عین الیقین سے اور ذات کو حق الیقین سے پس جو چیزین غائب ہین اُن کو ایک قسم کا حضور ہے اور جو مستور ہین ان مین کشف ہی۔ پھر جو شخص کہ صفت حق سے سنتا ہے اسکو ہواجس نفسانی و وساوس شیطانی نہین سنائی دیتے ہین پس دواعی علم سے شرعاً سنتا ہے اور خواطر تعریف سے براہ تقدیر سنتا ہی اور خطاب حق سے براہ اسرار سنتا ہے پس یہ جاہل و عارف کسی طرح مساوی نہین ہو سکتے ہین۔ پھر انواع دلائل کے بعد بعض قصص و وقائع اُمم سابقہ و اُن کے بد انجام کو شاہد یقینی بیان فرمایا بقولہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اُسکی قوم کی طرف کہ مین تم کو ڈر سنا رہا ہون کھولکر کہ نہ پوجو سوائے اللہ کے مین

أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ

ڈرتا ہون تم پر عذاب سے ایک دُکھ والے دن کے پھر بولے سردار جو منکر تھے اُسکی قوم کے ہم دیکھتے نہین تجھکو

إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ

مگر آدمی جیسے ہم اور دیکھتے نہین کوئی تابع ہوا تیرا مگر جو ہم مین نیچ قوم ہین اوپری عقل سے اور دیکھتے نہین تم کو

عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ۝

اپنے اوپر کچھ بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہو کہ تم جھوٹے ہو

وَلَقَدْ واو ابتدائیہ ولام موطئہ للقسم ہے - اَرْسَلْنَا نُوْحًا نوح علیہ السلام اول رسول ہین جو کافر بت پرستون کی طرف بھیجے گئے بعد آدم علیہ السلام کے لوگون کے گمراہ ہونے کے وقت - اِلٰی قَوْمِہٖٓ - یہ قوم بت پرست تھی اور بعد آدم کے دس قرن تک لوگ توحید پر رہے پھر اُن مین کفر پھیلا - اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ - بعض نے کہا کہ تقدیر کلام بانی لکم ہے پس ان مفتوحہ کی قراۃ ابو عمرو و ابن کثیر و کسائی پر صحیح ہو اور باقی قرا نے بالکسر پڑھا تو قول مضمر ہے یعنی قال انی - یا قائلا لہم - والمعنی اور قسم ہے کہ بیشک ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم پاس کہتا ہوا کہ مین بیشبہ تمھارے لیے کھلا ڈرسانے والا ہون - اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ - ان مصدریہ یا مفسرہ متعلق بارسلنا یا نذیر یا مبین ہے اور لا ناہیہ ہی - سراج مین کہا کہ انی لکم الخ سے یہ جملہ بدل ہی یعنی مین تمھین ڈراتا ہون کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی کی عبادت مت کرو - یا مبین کا مفعول ہو یعنی صاف بیان کرنے والا ہون اس امر کو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو مت پوجو - علی ہذا مبین بمعنی بیّن نہین بلکہ افعال متعدی معنی مین ہو - خالی انذار پر اکتفا کیا اسلئے کہ نوح کی دعوت محض انذار تھی بشارت نہین - یہ قول ضعیف ہے بعض نے کہا کہ بشارت ان مین کارگر نہین ہوئی - مترجم کہتا ہے کہ قوم بد افعال مین مبتلا تھی اس سے باز رہنے کا حکم دیا اور نہ ماننے کی صورت مین ڈر سُنایا - اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ - بیشبہ مجھے تم پر عذاب روز الیم کا خوف ہی - روز کو الیم کہنا باعتبار اسکے عذاب کے ہے اور مراد روز طوفان ہی یا روز قیامت اور ظاہر یہ ہی کہ قیامت مراد ہو یا مخالفت پر عذاب کا یقین کر کے فرمایا کہ ایک نہ ایک روز تم پر عذاب آویگا اسلئے کہ غرق کی وحی پیچھے ہوئی ہے ہان محتمل ہو کہ پہلے سے قوم کا انجام معلوم ہو واللہ اعلم فی السراج - ابن عباس رضی نے فرمایا کہ حضرت نوح چالیس برس کی عمر ہونے پر رسول ہوئے اور ساڑھے نوسو برس قوم کو راہ راست کی طرف بُلایا - مقاتل رح نے کہا کہ سو برس کی عمر مین اور بعض نے کہا کہ پچاس برس اور بعض نے کہا کہ دو سو پچاس برس کی عمر ہونے پر رسول ہوئے اور ساڑھے نو سو برس دعوت کی اور بعد طوفان کے ڈھائی سو برس زندہ رہے تو اُن کی عمر ایک ہزار چار سو پچاس برس کی ہوئی اور نوح اسم عجمی ہی لہذا جس نے کہا کہ کثرت گریہ کی وجہ سے نوح بالفتح سے ماخوذ ہی اُسنے سہو کیا کیونکہ عربی اشتقاق نہین ہو سکتا - اس سورہ مین سات قصے ترتیب وار جس طرح زمانہ مین واقع فرمائے ہین ذکر کیے از انجملہ پہلے ہی قصہ نوح ہی - الحاصل حضرت نوح ع نے قوم بت پرست سے کہا کہ اگر تم نے سوائے اللہ تعالیٰ کے غیر کو پوجا تو مجھے تم پر عذاب الیم واقع ہونے کا خوف ہی لہذا تم باز رہو - مترجم کہتا ہے کہ جو کوئی مشرک مرے اسپر عذاب آخرت یقینی ہی پس ظاہر کلام اسکو مشعر ہے کہ آنحضرت ع نے قوم کو دنیاوی عذاب کا خوف دلایا - قوم نے اُن کے جواب مین صاف انکار کیا اور تین شبہہ پیش کیے چنانچہ اُن کو بیان فرمایا - بقولہ تعالیٰ فَقَالَ الْمَلَاُ ملا جماعت اشراف جنکو دنیا کی ریاست و منزلت حاصل ہو - الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جملہ صفت ملا - مِنْ قَوْمِہٖ - بیان ملا یعنی اسکی قوم کے اشراف نے جو کافر تھے - کہا -

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اشراف قوم کافر تھی ولیکن اظہر یہ ہے کہ جملہ الذین کفروا محض مذمت کیلئے ہے یعنی ان ملا کی یہ صفت تھی کہ خبیث
کافر تھے اسلئے کہ کلام مابعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان لانیوالے دنیا کی راہ سے حقیر لوگ تھے۔ بالجملہ پس کفار قوم نوح نے کہا کہ۔ مَا
نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔ پہلا اعتراض وشبہہ یہ کہ ہم نہیں دیکھتے تجکو مگر ایک آدمی مانند اپنے یعنی اللہ تعالیٰ کا رسول کوئی فرشتہ ہوتا آدمی
کیا ہوگا اور تو ہمارے مثل آدمی تجھے یہ فوقیت ہم رؤسا سے بڑھکر نہیں ہوسکتی جیسے کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیتے تھے وَمَا
نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا۔ جمع اراذل بضم ذال معجمہ اور ذل جمع رذل بسکون ذال جیسے کلب و اکلب و اکالب پس اراذل
جمع الجمع ہوا اور بعض نے اسم تفضیل رذل بروزن اشرف کے جمع قراردی جیسے اساود جمع اسود پھر اراذل مانند جولاہے موزہ دوز وغیرہ کے
آدمیوں میں سے اور گھٹیا ہر چیز میں سے۔ بَادِيَ الرَّاْيِ۔ ظاہر الرائے یعنی بدون خوض و تعمق کے۔ اور نصب اسکو بنا بر ظرف کے یعنی وقت ظہور
اول رائے کے۔ یہ دوسرا شبہہ جمایا اور معنی یہ کہ اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو کسی نے سوائے ایسے لوگوں کے جو ہم میں سے اراذل
ہیں انھوں نے بھی بدون غور و تعمق کے سرسری نظر سے اتباع کرلی۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ کافروں کا یہ اعتراض اُن کی جہالت و بے عقلی پر
دلیل ہے اسلئے کہ جو امر حق ہے وہ ہمیشہ حق ہے چاہے اراذل اسکی پیروی کریں چاہے اشراف۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جو بندے امر حق و حکم الٰہی
کی پیروی کرتے ہیں وہی اشراف ہیں اگرچہ فقیر ہوں اور جو اُس سے منہ موڑتے ہیں وہی اراذل ہیں چاہے تونگر ہوں پھر اکثر ایسا واقع
ہوتا ہے کہ امر حق و انبیاء و اولیاء کی پیروی کرنیوالے فقیر و ضعیف لوگ ہوتے ہیں ان میں کچھ غرور نہیں ہوتا اور وے حق کے تابع
ہوجاتے ہیں اور رؤسا اکثر مخالف ہوتے ہیں اسیواسطے ہرقل بادشاہ روم نے جب آنحضرت صلعم کا حال پوچھا اور آپ کی اتباع دریافت کئے
اور ابو سفیان نے کہا کہ ضعیف لوگوں نے اُنکی پیروی کی اور کسی شریف نے پیروی نہیں کی تو بادشاہ نے کہا کہ تم عیب مت سمجھو بلکہ رسولوں کی پیروی کرنیوالے
ضعیف ہی ہوتے چلے آئے ہیں۔ زجاجؒ نے کہا کہ کافروں نے اتباع نوحؑ کو جولاہے وغیرہ اراذل کہا اور بیوقوفی سے یہ نہیں جانا کہ دین کی بزرگی اور رسول
کی پیروی میں شرافت ہے مال و مناصب کو کچھ دخل نہیں اور کوئی پیشہ جائز ہو اس سے دین میں کچھ نقصان نہیں آتا بلکہ جب دین میں اُنکی سیرت بہتر ہے تو
بہتر ہوں سو دین میں افضل ہیں ابن کثیرؒ نے لکھا کہ بادی الرائے کا اعتراض بھی محض جہالت ہے کچھ عیب نہیں اسلئے کہ حق جب کھلگیا تو سمیں فکر کو کوئی مجال نہیں
رہتی بلکہ اس حال میں امر حق کی اتباع فرض ہے ایسی حالت میں سوائے غبی گمراہ جاہل کے کوئی بدی و برائی لگانے میں نہیں پڑیگا اور
اللہ تعالیٰ کے رسول ہمیشہ امر واضح لائے ہیں اور صحیح حدیث میں آیا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں نے جس کسی کو اسلام کی طرف بلایا
اُسنے کچھ نہ کچھ گردن موڑائی سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ اسنے کچھ بھی توقف نہ کیا یعنی فوراً ایمان لائے پھر کافروں نے تیسرا شبہہ
حضرت نوحؑ وان کی اتباع سب پر پیش کیا یعنی قولہ۔ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ اور ہم تو تمہارے لئے اپنے اوپر کچھ فضیلت
نہیں دیکھتے۔ یعنی دنیاوی مال و دولت میں تم ہم سے اچھے نہیں ہو۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ لوگ اندھے تھے بہرے تھے گونگے تھے اُن کو
بھلا حق و اسکی بزرگی کیونکر نظر آتی پھر حضرت پیغمبر کی فضیلت کہاں سے دیکھتے لہذا دنیاوی غرق کے سوائے آخرت میں بھی اراذل خوار
ہونگے جو دنیا میں اندھے ہو کر امر حق میں متردد اور جہالت کے اندھیرے میں ٹاپتے تھے آخرت میں دوزخ کے اندھیرے میں جلینگے
پھر ان کافروں نے حضرت نوحؑ کے مقابلہ میں غوط و تردد بھی چھوڑا اور اپنی اصل کی طرف جو تمام کافروں میں ہمیشہ موجود ہے رجوع کیا اور
وہ خالی گمان ہے چنانچہ کہا۔ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ۔ بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا گمان کرتے ہیں۔ اسی گمان پر جم گئے اور کسی طرح آنحضرتؐ کی
نصیحت نہ سنی۔ حالانکہ گمان سے حق نہیں ملتا ہے آخر غرق کے عذاب میں پڑے یہی حال کفار مکہ کا تھا کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کے

یہان اپنا سفارشی سمجھتے اور گمان کرتے کہ وہان ہم کو نفع دینگے حالانکہ یہان نہ منھ سے بولین اور نہ ہاتھ ہلاوین اور نہ اشارے سے راہ بتاوین اور نہ اپنے اوپر سے ایک مکھی ہانک سکین ایسے ہی نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو اپنے تمام گناہون کا چاہے کیسی ہی بدکرداری کرین کفارہ سمجھ لیا اور یہ خلاف عقل و تمام انبیاء سے مخالف ہے اور جب ان لوگون کو امر حق دیا جاتا ہے تاکہ دنیائے فانی سے منھ موڑ کر عاقبت درست کرین تو دل سے عاقبت پر یقین نہین کرتے اور اس پر بھی حق بات مین مانند قوم نوح کے بالکل واہی شبہہ پیدا کرتے ہین ف۔ فی العرائس قول ما نراک اتبعک الآ کمینہ جاہلون بیوقوفون کی یہی عادت ہے جو اپنی فاسد رائے پر انبیاء کے حالات کو قیاس کرتے ہین اور اگر کاش ایک ذرہ اُن کے حالات سے مشاہدہ کیا ہوتا تو اسکے شوق و حسرت مین مرجاتے ولیکن شقاوت ازلی نے ان کو ان بزرگون کے انوار سے بجوب محروم کیا اور اپنے گمان و قیاس مین پڑے ٹھوکرین کھایا کئے پس ان کو شکل و صورت نظر پڑی اور ارواح دیکھنے سے اندھے رہے اور بسبب جہالت کے اولیاء الٰہی پر تحجر کرتے رہے۔ ابن العربی رح نے کہا کہ جس نے انبیاء سے مخالفت کی اسکو فقط بشری صورت نظر پڑی اور جو اختصاص و فضائل اُن کو عطا ہوئے ہین مخالف کو نظر نہ آئے کیونکہ حقائق باطن ہین اور اُن کی ظاہری صورت کا باقی رہنا خلق پر رحمت ہے کہ فیض پاوین اسی ظاہری شکل کو اپنی طرح کھاتا پیتا دیکھکر ان کو اپنے مثل سمجھنے لگے اور یہ نجانا کہ وہ مشاہدۂ قدس مین حضرت حق عزوجل کے قرب مین ہین اگر اُن کے قرب منزلت کو دیکھ پاتے تو ایسے جواب گونگے رہجاتے اور اُن کے عیش کی تمنا مین حسرت کیساتھ جان دیدیتے ولیکن تقدیر العزیز العلیم ہے کہ وے اسی عذاب مین خوش ہین پھر مجمل جواب نوح کا ذکر فرمایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

بولا اے قوم دیکھو تو اگر مین ہوا نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور اُسنے دی مجکو مہر اپنے پاس سے پھر وہ

عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝

تمہاری آنکھ سے چھپا رکھی کیا ہم لگادیوے تم کو اور تم اُس سے بیزار ہو

حضرت نوحؑ نے خصائل نبوت کے موافق نہایت حلم و تلطف سے بیوقوف قوم کو جواب دیا۔ قَالَ يٰقَوْمِ۔ کہا کہ اے قوم اَرَءَيْتُمْ مجھے آگاہ کرو۔ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ کہ اگر مین کھلی دلیل و معجزہ پر ہون اپنے پروردگار کی طرف سے۔ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ اور دی اُسنے مجکو رحمت یعنی نبوت اپنے پاس سے یعنی اپنے فضل سے تو بھی کیا مجھے جھوٹا کہوگے یعنی مین جھوٹا نہین ہون مجھے حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بدون دعوی و استحقاق کے اپنی طرف سے معجزے و برہان دی اور اپنے پاس سے رحمت و نبوت دی۔ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ۔ پس ہر ایک بینہ و رحمت تم پر اندھرا گئی کہ تم اُس کو نہین دیکھتے و انکار کرتے ہو حفص و حمزہ و کسائی نے عمیت بضم اول و تشدید ثانی پڑھا یعنی یہ رحمت تم پر اندھرائی کردی گئی اور مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کے فضائل و کرامات دیکھنے سے اندھا کردیا۔ دلیل ہے کہ ہدایت و ضلالت کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا کیا مین تم پر لازم کردونگا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ حالانکہ تم اس سے کراہت کرتے ہو یعنی زبردستی مین تمہارے اوپر لازم نہین کرسکتا ہون۔ قتادہ رح نے کہا کہ واللہ اگر اللہ تعالیٰ کے نبی کو استطاعت ہوتی تو لازم فرماتا ولیکن اس کے امکان مین نہ تھا ف۔ حلم رکھنا جاہلون کے جواب مین اخلاق انبیاء مین سے ہے اور قولہ فعمیت بنابر قراءۃ حفص و حمزہ کے دلیل ہے کہ ہدایت و ضلال از جانب حق تعالیٰ ہے۔ قولہ تعالیٰ

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ

اور اے قوم نہین مانگتا مین تم سے اسپر کچھ مال میری مزدوری نہین مگر اللہ پر اور مین نہین ہانکنے والا ایمان والون کو

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ

اُن کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن مین دیکھتا ہون تم لوگ جاہل ہو اور اے قوم کون چھڑا دے مجکو اللہ سے

اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

اگر اُن کو ہانک دون کیا تم دھیان نہین کرتے ہو

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ ضمیر علیہ راجع اس نصح کی طرف ہی جو پہلے ان کو فرمائی تھی - مَالًا - اور اے قوم مین نہین مانگتا اس نصح پر تم سے کچھ مال یعنی خالص اللہ تعالی کے حکم سے اسکے واسطے تم کو اسکی سیدھی راہ پر بلاتا ہون اور تم سے کچھ چاہتا نہین کہ تم تہمت کرو کہ اسی مال کیلئے ایسا کیا - بلکہ تم سے بے غرض نصیحت ہی - اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ - نہین میری مزدوری مگر اللہ تعالی پر - یعنے اللہ عزوجل نے اپنے فضل سے مجھے اس کام پر ثواب جزیل دینے کا وعدہ فرمایا ہے تو میرا ثواب تو وہی ہے پھر کافرون کے تکبر و غرور کی درخواست کا جواب دیا بقولہ - وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - اور مین کبھی نہین ہانک دینے دور کرنے والا ہون ان لوگون کو جو ایمان لائے - روایت ہی کہ کافرون نے صریح درخواست کی تھی کہ ان رذیل لوگون کو دور کرو تو ہم تمہارے پاس بیٹھین اور بعض نے کہا کہ انکی گفتگوئے سابق سے یہ بات نکلتی تھی بہرحال جواب دیدیا کہ مین کبھی ایسا نہین کرونگا یہ ویسا ہی ہے جیسے کفار مکہ نے آنحضرت صلعم سے ضعفاء مومنین کو ہٹلانے اور خاص اپنے لئے مجلس بنانے کی درخواست کی تھی اور اللہ تعالی نے قولہ لا تطرد الذین یدعون ربہم الآیۃ - سے صریح ممانعت فرمائی - پھر حضرت نوح نے جن کو کافر رذیل کہتے تھے انکا مرتبہ مع اپنے فعل کی دلیل کے بیان کیا بقولہ - اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ - یہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہین - انکا مرتبہ یہ ہی کہ پروردگار عزوجل ان سے ملاقات فرماویگا اور اُن کو اُن کے ایمان و نیکیون کا اچھا ثواب عطا کریگا کیونکہ ایمان و اعمال نیک کسی کے ضائع نہین ہوتے اور وہی حق تعالی کے نزدیک مقبول ہین - دنیائے فانی و دولت بالکل ہیچ و باطل ہے - اسی واسطے فرمایا - وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ - لیکن مین تم کو ایسی قوم دیکھتا ہون کہ تم جہالت کرتے ہو - یعنی صاف بات ہیچ جسکو ہر عقل والا جان لیتا ہے اس سے تم جاہل ہو پھر زیادہ انکا مرتبہ بڑھایا اور طرد کا جائز نہ ہونا بتلایا بقولہ - وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ - اور اے قوم کون مدد کرکے مجھے بچاویگا اللہ تعالی سے اگر مین ان لوگون کو مطرود کرون یعنی اُن کا مطرود کرنا خلاف رضی الٰہی ہے اگر مین بالفرض طرد کرون تو اللہ تعالی مجھ پر عذاب فرماویگا پھر اُسکے عذاب سے بچانے والا کوئی نظر آتا ہے ہرگز کوئی ممکن نہین ہی پھر اُن کو اُن کی جہالت پر تنبیہ کی بقولہ - اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ - کیا بھلا تم غور نہین کرتے ہو - بعض نے کہا کہ افلا بمعنی ہلا یعنی حرف تحضیض ہی یعنی کیون نہین غور کرکے سمجھ حاصل کرتے ہو کہ ایمان و طاعت سے کوئی ہو اللہ تعالی کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے کسی کو اُسکے رد کرنے کی مجال نہین ہی اور دنیاوی دولت سے قرب الٰہی و شرف نہین حاصل ہوتا - ف - فی العرائس قولہ وما انا بطارد الذین آمنوا الخ حضرت نوح علیہ السلام نے بیان کردیا کہ مین ایسے لوگون کو مطرود نہین کرسکتا جنھون نے دنیا کو جو محل امتحان تھا چھوڑا اور خالص اللہ تعالی کی طرف رجوع لائے اور دار آخرت پسند کیا اور حق تعالی نے ازل سے اُن کو اپنے دیدار و مجلس اُنس

وسماع کلام ومعرفت صفات وذات کیلئے برگزیدہ کردیا تھا پھر دلیل فرمائی بقولہ انھم ملاقوا ربھم یعنی انکا مقبول کرنا یا مطرود کرنا میرے حوالہ نہین ہے بلکہ جس پاک خالق جل سلطانہ نے مجھے پیدا کرکے رسول بنانے کو چھانٹا اسی نے اپنے ان بندون کو ولایت کیلئے مخصوص کیا اور اسکو اختیار ہے کہ اپنی رحمت سے جسکو چاہے سرفراز کرے اور تم لوگ اندھے جاہل ہو تم کو چاہیے کہ انکی شکستگی کو مت دیکھو اور دنیا سے اعراض کرنیسے انکے پھٹے کپڑون و زرد رنگ کو لحاظ مت کرو کیونکہ ملکوت وجبروت مین بسر کرنیوالے یہی لوگ ہین شیخ ابوعثمان قدس سرہٗ کہتے ہین کہ مین نہین منہ موڑونگا ایسے لوگون سے جنھون نے اللہ تعالیٰ کی طرف منہ کیا کیونکہ جو کوئی اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ لائے اللہ تعالیٰ اسپر توجہ فرماتا ہے پس جو کوئی ایسے شخص سے منہ موڑے اُس نے اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ لیا پس مین ایسا نہین کرونگا

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کافرون کے بعض اقوال کا جواب فرمایا کما قال تعالیٰ۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ

اور مین نہین کہتا تم کو کہ میرے پاس ہین خزانے اللہ کے اور نہ مین خبر رکھون غیب کی اور نہ مین کہون کہ فرشتہ ہون اور نہ کہون گا

لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ

کہ جو تمھاری آنکھ مین حقیر ہین نہ دیگا اُن کو اللہ بھلائی اللہ بہتر جانے جو اُن کے جی مین ہے

اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

یہ کہون تو مین بے انصاف ہون۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ اور مین تم سے یہ نہین کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہین یعنی رزق کے خزانے یا اموال کے خزانے۔ یہ جواب کفار ہے کہ رسول ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے خزانے رکھتا ہوتا۔ یعنی رسول کیلئے یہ شرط نہین ہے اور بعض نے کہا کہ یہ معنی ہین کہ جیسے مین تم سے مال نہین مانگتا ویسے ہی یہ بھی نہین کہتا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانون کا مالک ہون بلکہ مجھے مال سے دینے یا لینے کی کچھ غرض متعلق نہین ہے کیونکہ یہ اموال دنیاوی سب فانی ہین ان کے حاصل ہونے سے کچھ آبرو نہین اور نہ ہونے سے کچھ ذلت نہین ہے اور اُن کی جستجو مین عمر برباد کرنا عذاب کی گرفتاری ہے۔ ہان دار الآخرۃ کی نعمتین البتہ باقی ودائم ہین وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ اور یہ بھی نہین کہتا کہ مین غیب جانتا ہون۔ بلکہ مین نے وحی الٰہی پہونچنے پر تم سے یہی کہا تھا کہ انی نذیر مبین۔ مین کھلا ڈرسنانے والا ہون۔ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ۔ اور یہ بھی مین نہین کہتا کہ مین فرشتہ ہون تاکہ تم کہو ہم تو تم کو اپنے مثل آدمی دیکھتے ہین بیشک آدمی ہون اور آدمیت ونبوت دونون جمع ہوتے ہین کوئی شک نہین بلکہ تمھارے لیے جو اللہ تعالیٰ کا رسول ہو وہ آدمی ہونا چاہیئے۔ اس کلام سے بعض نے استدلال کیا کہ آدمی سے فرشتہ افضل ہوتا ہے کیونکہ اپنے سے افضل کی اسطرح نفی کیا کرتے ہین اور جواب دیا گیا کہ یہ استدلال نہین صحیح ہے کیونکہ حضرت نوح نے کافرون کے جواب مین یہ کہا جو کہتے تھے کہ تم تو ہمارے سے آدمی ہو پس جواب دیا کہ مین اپنے کو فرشتہ کب کہتا تھا جو تم مجھ پر طعن کرتے ہو اور حق اس بحث مین یہ ہے کہ سرے سے ہم بحث ہی نہ کرین کیونکہ ہم کو طاعات الٰہی وعافیت کی راہ چلنے سے کام ہے اس بحث سے کیا کام کہ کون افضل ہے وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا۔ اور جن لوگون کو تمھاری آنکھین حقارت سے دیکھتی ہین اُن کے حق مین یہ نہین کہتا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اُنکو بھلائی وبہتری نہ دیگا کیونکہ ثواب ودرجات کا مدار دل کے ایمان وسلامتی پر ہے بلکہ ان کے دل کا حال

کیا معلوم ۔ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۔ اللہ تعالی ہی خوب جانتا ہے کہ ان کے دلون مین کیا ہی پس اگر ایمان و تصدیق و معرفت ہے تو اللہ تعالی نے جو کچھ ان کے لئے آخرت مین مہیا کیا وہ نہایت افضل ہی تمہارے دنیاوی اموال بلکہ تمام روئے زمین کی سلطنت زمین کے خزائن و دریا کے جواہرات سب بمقابلہ ایک ہاتھ جنت کی جگہ کے کچھ چیز نہین ہین ۔ جب یہ بات ہی تو پھر مین کیونکر ان کو دور کرون اور کیونکران کے حق مین ایسی بات کہون ۔ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ۔ اے انی اذا فعلت ذلک صرت من الظالمین یعنی اگر مین ایسا کرون تو مین بھی ظالمون مین سے ہو جاؤن اور یہ بڑا گناہ ہے اگر کہا جاوے کہ جب ایسا گناہ ہی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر مطرود کیا تھا جسپر قولہ ولا تطرد الذین یدعون ربہم الآیۃ ۔ اُتری ہی جواب دیا گیا کہ ایک تو حضرت نوح سے کفار کہتے تھے کہ غریبون کو بالکل اپنے پاس سے دور کردو اور آنحضرت صلعم نے اپنے ضعفاء صحابہ کو بالکل دور نہین کیا اور دوسری بات یہ ہی کہ یہ جواب اس تقدیر پر تھا کہ آنحضرت صلعم نے دور کیا اور اصح قول یہ ہی کہ خالی قصد کیا تھا جبکہ بعض اکابر صحابہ نے مشورہ دیا کہ غیر کافرون کی یہ ہٹ بھی دیکھیے اسپر جب آیت اُتری تو آپنے یہ قصد دور کر دیا کیونکہ حق تعالی نے کافرون کے تکبر اور مومنون کی دلشکنی کو پسند نہ فرمایا اور اپنے رسول صلعم کو اس قصد سے قبل اسکے کہ واقع ہووے منع فرمادیا پھر کافرون نے ٹھیک جواب پاکر جدال شروع کیا بقولہ تعالی

قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ۝

بولے اے نوح تو ہم سے جھگڑا پھر بہت جھگڑ چکا اب لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو اگر تو سچا ہے

قَالَ اِنَّمَا یَاۡتِیۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ اِنۡ شَآءَ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ۝ وَ لَا یَنۡفَعُکُمۡ نُصۡحِیۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ

کہا کہ لاویگا تم پر اسکو اللہ ہی اگر چاہے گا اور نہ تم تھکا دوگے بھاگ کر اور نہ کام کریگی تم کو میری نصیحت جو مین چاہون

اَنۡ اَنۡصَحَ لَکُمۡ اِنۡ کَانَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَکُمۡ ؕ ہُوَ رَبُّکُمۡ ۟ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝

تمکو نصیحت کرون اگر اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو بیراہ چلادے وہی ہے رب تمہارا اور اسی کی طرف پھر جاؤگے

قَالُوۡا کفار قوم نے کہا کہ یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا ۔ اے نوح تو نے ہم سے جدال کیا یعنی اللہ تعالی کی توحید و نبوت و معاد ثابت کرنے مین غلبہ کا کلام لایا ۔ فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا ۔ بس ہم سے جدال مین اکثار کیا یعنی طول کلام سے تو نے سب باتون پر دلائل پیش کئے ولیکن کافرون کے گمان سے یہ سب باہر تھا لہذا کہا ۔ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَا ۔ سو لے آ جو کچھ تو ہم کو وعدہ دیتا ہے یعنی عذاب کے وعید دیتا ہی وہ عذاب لے آ ۔ بما مین با تعدیہ ہی ۔ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ۔ اگر تو سچون مین سے ہی ۔ جزا اس شرط کے محذوف ہی جسپر جملہ ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی ان کنت صادقا فاتنا بما تعدنا یہ اس مذہب نحویین کے طور پر جو جزا کو شرط پر مقدم ہونا جائز نہین کہتے ورنہ دوسرے مذہب پر جزا ۔ مقدم ہی ۔ حاصل آنکہ تیرا مناظرہ ہم مین کچھ موثر نہین اب اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب جس سے ڈراتا ہے لا ۔ قال فی السراج اس آیت مین دلیل ہے کہ دلائل کو صاف بیان کرنا اور کافرون کے شبہات دور کرنا یہ انبیاء علیہم السلام کا پیشہ ہی اور تقلید و جہالت کرنا کافرون کا پیشہ ہے حضرت نوح نے اُن کے جواب مین کہا ۔ اِنَّمَا یَاۡتِیۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ اسکو تو اللہ تعالی ہی تمپر لاویگا ۔ اِنۡ شَآءَ اگر وہ چاہے گا یعنی تم جو عذاب مجھ سے جلدی مانگتے ہو تو مجھے کچھ اختیار نہین ہی بلکہ اللہ تعالی قادر مختار ہے اگر چاہے گا تو تمہاری موت سے پہلے ہی تم پر عذاب لاویگا اور چاہیگا تاخیر فرماویگا ۔ وہ مختار ہی ۔ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ۔ اور تم لوگ اس عذاب سے بچنے والے نہین ہو یا تم عذاب مین اللہ تعالی کو عاجز نہین کر سکتے کہ تم پر عذاب نہ کر سکے پھر حضرت نوح نے کلام کو قطعی طور پر ختم کر دیا

بقولہ ولا ينفعكم نصحي إن أردت أن أنصح لكم ۔ اور نہین نفع دیگی تم کو میری نصیحت اگر مین چاہون کہ تم کو نصیحت دون ۔ إن كان الله يريد أن يغويكم ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو گا کہ تم کو گمراہ کرے ۔ تقدیر کلام یون ہو ان کان اللہ یرید ان یغویکم فان اردت ان انصح لکم فلا ینفعکم نصحی ۔ پس بمذہب عدم جواز تقدیم الجزا ان اردت آخر کی جزا مثل جملہ اول محذوفہ ہو اور بمذہب جواز تقدیم جملہ شرط وجزا اول جزا شرط ثانی ہو اور ایسے شرائط مین حکم ثابت ہونے کیلئے یہ شرط ہو کہ ثانی قبل اول کے واقع ہو اور مفاد خلاف ایسی صورت مین ظاہر ہوتا ہو کہ ایک مرد نے جورو سے کہا کہ تو طالقہ ہو اگر تو گھر مین داخل ہوئی اگر تو نے زید سے بات کی پس اگر وہ داخل ہو کر بات کرے تو طلاق نہ پڑے گی اور اگر بات کر کے داخل ہو تو طالقہ ہو جائے گی ۔ ہذا ما ذکرہ فی السراج اور تمام یہ بحث مترجم کے ترجمہ عالمگیریہ سے تلاش کرو وفی السراج اس آیت مین دلیل ہو کہ اللہ تعالیٰ کبھی بندہ سے کفر کو ارادہ کرتا ہے پس جب اُس نے ارادہ کیا تو بندہ سے ایمان کا صادر ہونا ممکن نہین ہے مترجم کہتا ہے کہ ازلی اختیاری ہو چنانچہ ازل مین اگر اسکو کافر مقدر کیا تو وہ کبھی مومن نہین مریگا اگرچہ مثل بلعم باعور کے درمیان مین مانند ابلیس کے بظاہر کسی کرامت کو پہونچے ۔ بالجملہ ارادہ الٰہی مقدم ہے لہذا وہ خالق پاک قادر مختار ہو جو چاہے کرے اسپر کسی کا کچھ حق نہین ہو اسیواسطے حضرت نوحؑ نے ان کافرون کو ان کے خالق عزوجل کے حوالہ کیا ۔ بقولہ تعالیٰ ۔ هو ربكم وإليه ترجعون وہی تمہارا رب ہے اور اسی کیطرف تم لوٹائے جاؤ گے ف **في العرائس** قولہ ولا ينفعكم نصحي إن أردت الخ یعنی کیونکر میری نصیحت تم کو فائدہ دیگی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قبول نصیحت کی استعداد پر پیدا نہین کیا اور یہ شقاوت ازلی تمہارے حق مین ہے اور نصیحت تو اسی کو کارگر ہوتی ہے جسکے دل مین اسکے رب کی طرف سے کوئی ایسی استعداد ہو جو اسکو معصیات سے جھڑکے اور روکے اور نصیحت سننے پر آمادہ کرے شیخ حمدون القصار رحؒ نے کہا کہ نصیحت ایسے شخص کو مفید نہین جو اپنے آپ کو نصیحت نہ کرے ۔ پھر اس ذکر قصہ کے درمیان مین بطریق جملہ معترضہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتان کفار دفع فرمایا بقولہ تعالےٰ ۔

أم يقولون افتراه قل إن افتريته فعلي إجرامي وأنا بريء مما تجرمون ۝ ع

کیا کہتے ہین کہ بنا لایا قرآن کو تو کہہ اگر بنا لایا ہون تو مجھ پر ہے میرا گناہ اور میرا ذمہ نہین جو تم گناہ کرتے ہو

مقاتل رحؒ نے کہا کہ یہ کفار مکہ کا کلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطریق جملہ معترضہ درمیان قصہ نوحؑ مین ذکر فرمایا ہی قول کو شیخ ابن کثیر رحؒ نے اختیار کیا اور رازی رحؒ نے کہا کہ یہ بہت بعید ہے بلکہ یہ کلام منجملہ کلام نوح علیہ السلام کے ہو یعنی اُنکی قوم انکو اس وحی مین مفتری بتلاتی تھی تو کہا کہ أم يقولون افتراه ۔ بلکہ کہتے ہین کہ اُسنے افترا کر لیا یعنی اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے ۔ ضمیر افترا راجع بجانب وحی ہے جو قوم کو پہونچائی تھی ۔ قل إن افتريته فعلي إجرامي تو کہدے کہ اگر مین نے اسکو گڑھ لیا تو مجھ پر اسکا اجرام ہے ۔ اجرام کسی ممنوع بات مین پڑ جانا پس مضاف محذوف ہو یعنی گناہ اس اجرام کا وأنا بريء مما تجرمون ۔ اور مین بری ہون اس چیز سے جسکا تم اجرام کرتے ہو یعنی تمہارے اجرام کے عقاب سے مین بری ہون کہ ناحق تم مجھ پر افترا کرتے ہو ۔ بعض نے لکھا کہ ان افتریتہ فعلی اجرامی ۔ ایک محذوف جملہ پر دلالت کرتا ہو اسی سے وہ حذف کیا گیا یعنی وان کنت صادقا وکذبتمونی فعلیکم عقاب فی لک یعنی اور اگر مین سچا ہون اور تمھین نے مجھے جھوٹا بتلایا تو اس کا عذاب تم پر ہے ۔ مترجم کہتا ہے کہ قولہ وانا بری الخ اسی معنی پر دلالت کرتا ہے اور یہ حسن بیان ملیح ہے ۔ پھر انجام قوم نوح علیہ السلام بیان فرمایا بقولہ تعالےٰ ۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

اور حکم ہوا طرف نوح کے کہ اب ایمان نہ لاویگا تیری قوم مین مگر جو ایمان لاچکا سو غمگین نہ رہ اُن کاموں پر جو کر رہے ہین

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَيَصْنَعُ

اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بول مجھ سے ظالمون کے واسطے البتہ غرق ہونگے اور وہ

الْفُلْكَ ۗ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۗ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا

کشتی بناتا ہوا اور جب گذرتے ہین اُس پر سردار اُس کی قوم کے ہنسی کرتے اُس سے بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہین تم سے جیسے

تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

تم ہنستے ہو اب آگے جان لوگے کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اسکو اور اترتا ہے اُس پر عذاب ہمیشہ کا

پہلے بعض ترکیب و معانی معلوم کرلو۔ قولہ انہ لن محل رفع مین نائب فاعل ہے۔ قولہ لن یومن۔ بعض نے کہا کہ وقت موت کفار تک اُن کے ایمان سے مایوسی دلانے کو حرف لن آیا۔ قولہ الا من قد آمن اے الا من قد سبق ایمانہ۔ یا مراد یہ کہ الا من استعد للایمان۔ ظاہر مراد نہین ہو ورنہ معنی یہ ہون گے الا من آمن فانہ یومن۔ اور اسکا فساد ظاہر ہے۔ قال المترجم اللہم الا ان یقال ان المعنی انہ لا متصف بالایمان من قومک الا من قد آمن فانہ متصف بہ دائما۔ اور بعض نے کہا کہ استثنا منقطع ہو بمانند قولہ الا ما قد سلف چنانچہ پارہ پنجم وغیرہ مین گذرا قولہ فلا تبتئس بوس بمعنی حزن اور ابتیاس حزن آگین ہونا۔ بائس مسکین۔ قولہ باعیننا اے بمرأی منا یعنی ہماری نظر روبرو کہ ہان ہم دیکھتے ہین کیونکہ اللہ تعالی سب دیکھتا ہے اور یہ مجاز ہے مراد اس سے حفظ الٰہی ہے اور عین سے تعبیر کیا حفظ کو کیونکہ وہ دیکھنے کا آلہ ہے جس سے حفاظت ہوتی ہے بعض نے کہا کہ باعیننا یعنی بعلمنا۔ ہمارے دیے علم سے اور اعین کی جمع بغرض مبالغہ و تعظیم ہے ورنہ کثرت سے مقصود نہین ہے اور بعض نے کہا کہ مضاف الیہ محذوف ہو اور تقدیر یہ کہ باعین ملائکتنا یعنی ہمارے ملائکہ کی نگاہ روبرو بعض نے کہا کہ مراد اس سے حکم الٰہی ہے اور ایک جماعت نے کہا کہ عین صفت الٰہی ہے اسکو بدون تاویل و تمثیل و تشبیہ و تعطیل و تقدیر کے رکھنا اور اسپر ایمان لانا مذہب سلف صالحین ہو اگر کہا جاوے کہ پھر اعین جمع کیون آئی تو جواب یہ کہ جیسے ضمیر جمع متکلم واسطے وحدہ لاشریک ہے اسی رعایت سے جمع ہو چنانچہ نفسنا غیر مستحسن اور انفسنا صحیح ہو۔ قال تعالی۔ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ۔ اور وحی کیگئی نوحؑ کو اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ کہ ہرگز نہین ایمان لاویگا تیری قوم مین سے کوئی سوائے اُن کے جو ایمان لاچکے اسمین پیغمبر کو قوم کے ایمان سے تا دم موت مایوس کردیا اور معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ برابر کفر پر اڑے رہین گے حالانکہ اس سے پہلے آنحضرت اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر غمگین ہوتے۔ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ سو تو ان پر غمگین مت ہو بسبب اُن کے فعل کے یعنی کفر و بت پرستی و انکار توحید و رسالت جو ان سے صادر ہوتا ہے اس سے غمگین مت ہو۔ قتادہؒ نے کہا کہ اسی وقت نوحؑ نے دعا کی کہ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا الآیۃ۔ اور حسنؒ سے روایت ہو کہ نوحؑ نے اپنی قوم پر بددعا نہین فرمائی یہان تک کہ جب یہ وحی ہوئی تو ان سے اُمید منقطع ہوئی تب بددعا فرمائی۔ محمد بن اسحاق نے عبید بن عمیر اللیثی سے روایت کی کہ عبیدؒ کو خبر پہونچی کہ نوحؑ کے قوم والے آنحضرت کو پکڑ کر گلا گھونٹ دیتے یہان تک کہ ان پر غشی طاری ہوتی پھر جب ہوش آتا تو کہتے کہ پروردگار میری قوم نادان ہو اسکو معاف کردے یہان تک کہ قوم نے معصیات مین بہت دور

باندھا اور نوح پر زیادہ سختیان شروع کین اور آنحضرت پشت پشت و قبیلہ و قبیلہ دیکھتے کہ شاید کوئی مومن ہو جاوین مگر جو صدی آتی وہ اگلون سے بھی زیادہ ناپاک نکلتی آخر آنحضرت نے جناب باری تعالیٰ مین شکایت کی کما قال تعالیٰ۔ رب انی دعوت قومی لیلا و نہارا الآیات۔ اور دعا مانگی بقولہ رب انی مغلوب فانتصر۔ پس قوم پر عذاب کا حکم ہوا اور آنحضرت کو وحی ہوئی کہ واصنع الفلک باعیننا۔ اور کشتی بنا ہماری نظر روبرو۔ ووحینا اور ہمارے حکم سے یعنی جس طرح بنانے کا ہم حکم فرماوین ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا۔ اور مت خطاب کیجیو مجھ سے ان لوگون کے حق مین جنھون نے اپنے اوپر ظلم کیا یعنی کافرون مین سے کسی سے عذاب دور ہونے مین مجھ سے کچھ التجا مت کیجیو۔ انہم مغرقون۔ بیشک وے ڈوبنے والے ہین بعض نے کہا کہ الذین ظلموا سے مقصود انکا بیٹا کنعان اور انکی جورو واعلہ ہے یعنی یہ دونون بھی قوم کے ساتھ ہلاک ہونیوالے ہین۔ روایت ہے کہ حضرت جبرئیل نے آکر حکم الٰہی پہونچایا کہ کشتی بناؤ۔ آنحضرت نے کہا کہ مین کیونکر بناؤن مین بڑھئی نہین ہون کہا کہ پروردگار تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو بنانا شروع کر ہماری نظر روبرو ہے پس بسولا لیکر تراشنا شروع کیا تو برابر ٹھیک بنتی چلی جاتی تھی اور ان کا فعل برائے نام تھا پھر روغن سے مالش کر کے سب تیار کر لی۔ اس حال مین ان کی قوم ان پر استہزا کرتی کما قال تعالیٰ۔ ویصنع الفلک اور بناتا ہے کشتی علی ہذا یہ صیغہ حال کا اسوقت کی حکایت ہے یعنی اسوقت آنحضرت ایسا کر رہے تھے بعض نے کہا کہ تقدیر کلام یہ کہ فاقبل یصنع الفلک یعنی بعد اس حکم کے متوجہ ہو کر کشتی بنانے لگا۔ وکلما مر علیہ ملأ من قومہ اور ہر بار جب گذرتی اسکے پاس سے کوئی جماعت اسکی قوم سے سخروا منہ۔ تو یہ جماعت والے اس سے مسخرہ پن کرتے۔ کہتے تھے کہ اے نوح تم تو پیغمبر بنے تھے اب بڑھئی ہو گئے اور دریا سے دور خشکی مین اتنی بڑی کشتی کیونکر چلے گی تم مجنون ہو گئے ہو۔ روایت ہے کہ کافرون کی عورتین اس جرم مین بانجھ ہو گئین۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دو سال مین کشتی بنائی اُسکا طول تین سو گز اور ساکھو کی تھی اسمین تین درجے تھے نیچے درجہ مین جانور وحشی و کیڑے وغیرہ تھے اور بیچ مین چارپایہ اوپر درجہ مین خود مع مومنین و طعام۔ صاوی نے ذکر کیا کہ دس برس مین بنائی۔ سراج مین لکھا کہ زید بن اسلم نے کہا کہ ایک درخت جمایا سو برس بعد اسکو کاٹ کر سو برس مین پوری کشتی تیار کی۔ اور ابوالسعود نے چار سو برس ذکر کیے بعض قول مین تیس برس ہین اور ظاہر یہ کہ ان اقوال کی کوئی ضرورت نہین ہے اور اہل کتاب یہود سے یہ مختلف روایتین لی گئی ہین اسی طرح اس کے طول و عرض مین بھی چنانچہ کہا گیا کہ تین سو گز لمبی اور پچاس گز چوڑی اور تیس گز اونچی تھی۔ امام بغوی نے اسی کو مشہور قول لکھا ہے اور بعض قول مین طول بارہ سو اور عرض چھ سو مذکور ہے اور تمام اسکے دیگر اقوال مین اور لکڑی اسکی ساکھو کی اور بعض نے کہا کہ توریت مین صنوبر کی آئی ہے اسکی اونچائی مین روایات متفق ہین کہ تیس گز اونچی تھی اور اسکے اوپر چھت تھی۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ شیخ ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے یہان ایک اثر روایت کیا کہ حواریون نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا کہ اچھا ہوتا اگر آپ کسی ایسے مردہ کو بحکم الٰہی زندہ فرماتے جنے اس کشتی کو آنکھون دیکھا اور اسمین حاضر ہوا ہو تاکہ وہ ہم سے حال بیان کرتا پس آپ ان کو لیکر چلے یہان تک کہ ایک تودہ خاک کے پاس ٹھہرے اور ایک مٹھی خاک اٹھا کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کون ہے انھون نے کہا کہ اللہ تعالیٰ و اسکے رسول کو معلوم ہے فرمایا کہ یہ حام بن نوحؑ کا گٹا ہے پھر اس تودہ مین اپنا عصا مار کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ اسی وقت حام بن نوح اپنے سر سے خاک جھاڑتے اٹھ بیٹھے کہ انکا سر سپید ہو گیا تھا حضرت عیسیٰ نے کہا کہ کیا آپ اسی عمر مین سپید بال ہوئے تھے کہا کہ نہین بلکہ مین جوان مرا تھا لیکن مجھے اب گمان ہوا کہ قیامت قائم ہوئی اسی

خوف سے میرے بال سپید ہوگئے کہا کہ ہم سے کشتیٔ نوح کا حال بیان کیجئے۔ کہا کہ بارہ سو گز لمبی اور چھ سو گز چوڑی تھی اسمین تین درجے تھے ایک مین چوپایہ و وحشی جانور تھے اور دوسرے مین انسان اور تیسرے مین پرند تھے۔ پھر جب جانورون کی لید بہت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ ہاتھی کی دُم کو دبا و پس حضرت نوح نے دبائی تو جوڑا سور کا پیدا ہو کر لید کی طرف دوڑا اور سب صاف کر دی پھر جب کشتی مین چوہے رسیان وغیرہ کاٹنے لگے تو وحی کی گئی کہ شیر کی دونون آنکھون کے درمیان عصا مار دے پس جوڑا بلی کا پیدا ہو کر چوہے پر دوڑے پھر حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا کہ حضرت نوحؑ کو کیسے معلوم ہوا کہ روے زمین غرق ہو گئی کہا کہ کوّے کو خبر کیلئے بھیجا تھا وہ راہ مین مردار دیکھکر اسپر گر پڑا تو اسپر بددعا فرمائی کہ خوفناک رہے اسی واسطے گھرون مین نہین رہتا پھر کبوتر کو بھیجا وہ زیتون کا پتہ چونچ مین اور کیچڑ پنجون مین لایا تو معلوم کر لیا کہ شہر و بلاد غرق ہو گئے پس سبزی اسکی گردن مین ڈالی اور اسکے لئے انس و امان کی دعا فرمائی جبھی سے گھرون سے اُلفت رکھتا ہے پھر حواریون نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ان کو ہمارے گھرون مین نہین لے چلتے کہ بیٹھکر باتین سنا وین آپنے فرمایا کہ کیونکر ایسا شخص تمہارے ساتھ رہیگا جس کا یہان رزق نہین ہے پھر کہا کہ یا حام عود کر و بحکم آلہی پھر وہ مٹی ہو گئے۔ قال ابن کثیرؒ۔ یہ اثر ضعیف ہے کیونکہ اسکے بعض راوی ثقہ نہین ہین۔ امام رازیؒ نے لکھا کہ ایسے مباحث و امور جو انبیاؑ کے قصص مین بغیر صحیح روایات کے نقل کئے جاتے ہین مجھے کچھ پسند نہین اسلئے کہ ایسی باتون کے جاننے کی ہم کو کچھ حاجت نہین اور نہ اسکا کوئی فائدہ ہے پس ایسے مباحث مین خوض کرنا محض فضول ہے خصوصاً جبکہ یہان کوئی ایسی بات نہین نکلتی جس سے معلوم ہو کہ ان اقوال و روایات مین سے کون صحیح ہے ہان اسقدر ہم جانتے ہین کہ وہ کشتی اتنی چوڑی بنی تھی کہ اسمین نوح علیہ السلام کی قوم سے ایمان والے مع ہر جاندار کے جوڑے و ضروریات کے بخوبی سما گئے اور بحکم آلہی ہر آفت سے محفوظ رہے اور قرآن مین اسی قدر مذکور ہے اور اُن کے ساتھ ایمان والے بہت تھوڑے تھے پھر اُنکی مقدار کہ چالیس تھی یا اسی تھی وغیر ذلک تو یہ ہمکو معلوم نہین ہے مترجم کہتا ہے کہ ایسے مقامات مین یہی قول صواب ہے بالجملہ جب قوم نے مسخرہ پن کیا تو آنحضرتؑ نے انکا جواب دیا بقولہ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ اگر مشغول کرو تم ہم سے تو ہم بھی تم سے سخریہ کرینگے جیسے تم تمسخر کرتے ہو۔ اگر کہا جاوے کہ سخریہ کرنا منصب نبوت کے لائق نہین ہے۔ جواب دیا گیا کہ یہ بطریق مشاکلت ہے جیسے قولہ فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی۔ و قولہ جزاء سیئة سیئة مثلها۔ اور مراد یہ کہ اگر تم ہم سے مسخرہ پن کرتے ہو تو اسکا انجام دیکھو گے کہ تم غرق ہو جاؤ گے اور ہم نجات پاوین گے چنانچہ مصرح کر دیا بقولہ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ عنقریب جانو گے کہ کس پر آتا ہے ایسا عذاب کہ خوار کر دے اسکو دنیا مین یعنی غرق۔ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ اور نازل ہو گا اسپر آخرت مین عَذَابٌ مُقِيمٌ۔ عذاب مقیم کہ کبھی دور نہ ہو گا ہمیشہ طاری رہیگا اور وہ آتش دوزخ ہے ف فی العرائس قولہ واصنع الفلک باعیننا اس کلمہ مین عین الجمع کا اشارہ ہے اور یہ استعارہ ہین بوبیت از عیون ازلیہ ہے تاکہ نوح کو اس سے خالق صنعت جو علم آلہی مین ہین نظر آوین پس کشتی کو اندنی نقش پر جو علم آلہی مین ہے بنا دین یعنی کشتی کو ہمارے دید سے بنا جیسے مین نے ازل مین کشتی کا وجود چاہا ہے اور اعین بلفظ جمع مین اشارہ عیون صفات ہے کہ ذات حق اُن کے انوار کا معدن ہے والحاصل فی قولہ باعیننا یعنی تاکہ متصف ہو تیری آنکھ اس کشتی کے بنانے مین عیون صفاتیہ سے جس سے تو وہ ہیأت و ترکیب دیکھے جو مینے ازل مین ارادہ فرمائی ہے۔ یہ اشارہ حدیث حبیب آلہی صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ مین موجود ہے حیث قال

فی حدیث قدسی فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بی وبصرہ الذی یبصر بی الحدیث۔ نیز اسمین تقاضا جریان عبودیت اور مشاہدہ ربوبیت ہے مانند قولہ علیہ السلام الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ الحدیث۔ نیز یہ معنی ہین کہ کن فی عیون رعایتنا وحفظنا یعنی ہماری نظر رعایت وحفاظت مین ہو جا اور اپنے فعل کو مت دیکھیو اور نہ اسپر اعتماد کیجیو کیونکہ غیر کی طرف نظر کرنے والا مجھ سے محجوب ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا یعنی تدبیر کو اپنے نفس سے ساقط کر دے اور جو کچھ کرنے والا اسکو ہمارے مشاہدہ مین پورا کر اور کسی مخلوق کو یا اپنے نفس کو مت دیکھیو۔ بعض نے کہا یعنی کشتی تیار کرو لیکن اسپر اعتماد مت کیجیو بلکہ تو ہماری حفاظت و نگہداشت مین محفوظ ہی اور اگر کشتی پر اعتماد کرے تو ہماری حفاظت سے ساقط ہو جائیگا قولہ ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا۔ اللہ تعالیٰ نے اسمین اپنے پیغمبر نوح علیہ السلام کو ادب سکھلایا اور اپنے علم قدیم سے آگاہ فرمایا کہ قوم سب غرق ہوگی اسکے حق مین سفارش کارآمد نہ ہوگی اور بتلا دیا کہ تمھین اول ان پر بد دعا کر چکے ہو وہ قبول ہوئی اور اب سفارشی دعا قبول نہ ہوگی کیونکہ دعائے اول تو موافق تقدیر واقع ہوئی اور بندہ عارف کی دعائین مقبول ہونے مین یہی ہوتا ہے کہ وہ موافق تقدیر دعا کرتا ہے اور جو خلاف تقدیر ہو اسکی زبان سے نہین نکلتی اور اگر نکلی تو قبول نہین ہوتی ہے اور ذی النون رحمہ اللہ کا قصہ تو نے سنا ہوگا کہ اپنے اوپر سختی کرنیوالون کیلئے دعا کی جب وہ بزرگی کو پہونچے تو پھر توبہ کی کہ پروردگار اب تیرے کسی بندے پر دعا نہ کرونگا۔ آیت مین حضرت نوحؑ کے قلب کی رقت ظاہر ہے کہ قوم سے اتنی ایذا و تکلیف اٹھانیکے بعد انکے حق مین بھلائی کے خواہان تھے اور سچے بندون کی یہی شان ہوتی ہے شیخ ذوالنون رح نے فرمایا کہ اگر مجھے ازل مین کچھ عنایت مل چکی ہو تو مین نے نجات پائی ورنہ خالی مستجاب الدعوۃ ہونے سے کچھ کام نہین چلتا ہے قال تعالیٰ۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ

یہان تک کہ جب پہونچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہمنے لادلے اسمین ہر قسم سے جوڑا دوہرا اور اپنے گھر کے لوگ

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

مگر جسپر پہلے پڑ چکی بات اور جو ایمان لایا ہو اور ایمان نہ لائے تھے اسکے ساتھ مگر تھوڑے

وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور کہا سوار ہو اسمین اللہ کے نام سے اسکا بہنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان

حتّٰی۔ ابتدائیہ ہو جو جملہ شرطیہ پر داخل ہوا یا غائیہ ہے پس یصنع الفلک کی انتہا بیان کرتا ہے اور درمیان مین جو کلام ہو وہ اسکی ضمیر سے حال ہو کذا فی السراج وقیل درمیانی کلام معترضہ ہو۔ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا۔ مراد امر سے عذاب ہے یا وقت اسکا اور یہ امر کا واحد نہین ہو یعنی امر بمقابلہ نہی نہین ہو بلکہ امور کا واحد ہو یعنی منجملہ امور کے یہ امر آیا اور یہ بھی ہو سکتا ہو کہ مقابل نہی کا لیا جائے یعنی حکم اس قوم کے ہلاک کرنے کا۔ یا حکم حضرت نوحؑ کو کشتی مین سوار ہونیکا۔ المعنی حتی کہ جب آگیا ہمارا حکم۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ۔ اور ابلا تنور۔ واضح ہو کہ تنور کی تفسیر مین اختلاف ہو لہذا پہلے ان اقوال کو بیان کرتا ہون۔ اول آنکہ تنور سے مراد زمین کا اوپری رخ ہو اور اہل عرب لوگ زمین کو تنور یا اسمین سے بہتر مقام کو تنور بولتے ہین اور یہ قول ابن عباس وعکرمہ وزہری وابن عیینہ سے روایت بھی کیا گیا۔ دوم تنور وہ مقام ہو جہان کشتی مین پانی مجتمع ہوتا ہو یہ حسن بصری کے سے مروی ہو۔ سوم تنور طلوع فجر ہو یقال طلوع الفجر۔ وعلی ہذا معنی یہ ہونگے کہ نور کا ترکا ہوا اور یہ قول علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہو۔ چہارم تنور مسجد کوفہ ہو یہ بھی حضرت علیؓ و مجاہد سے مروی ہو اور مجاہد نے کہا

کہ ناحیۃ التنور کوفہ مین داخل ہونیوالے کے داہنی جانب باب کندہ کے متصل تھا اور شعبی رح قسم کھایا کرتے کہ ناحیہ کوفہ ہی سے تنور ابلا ہو۔ پنجم تنور اونچی زمین کو کہتے ہین قالہ قتادہ رح ششم وہ شام کے جزیرہ مین ایک چشمہ تھا بنام عین الوردہ۔ یہ عکرمہ سے مروی ہو اور یہی مقاتل رح کا قول ہو ہفتم تنور ہندوستان مین ایک مقام تھا۔ ہشتم آنکہ تنور سے مراد روٹی پکانے کا تنور ہے اس سے برخلاف عادت پانی ابلنے لگا اور یہی قول مجاہد وعطیہ وحسن وغیرہم کا ہو اور اسی کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا اور وجہ یہ ہو کہ حقیقت مین تنور کے لفظی یہی معنی ہین اور دیگر معانی مجازی ہین پس جب حقیقت ومجاز کے درمیان تامل ہو تو معنی حقیقی لینا اولی ہو۔ قلت ہذا ذکرہ بعضہم۔ ابن عباس رض نے کہا کہ آدم کا تنور ہندوستان مین تھا اسمین حوا رض روٹی پکاتی تھین پھر وہ نسلاً بعد نسل حضرت نوح کو پہونچا تھا اور نحاس رحمہ اللہ نے کہا کہ ان اقوال مین باہم تخالف وتناقض نہین ہو اسلیے کہ تنور کا ابلنا فقط حضرت نوح ع کے واسطے علامت ونشان طوفان مقرر کیا گیا تھا کہ فوراً آدمیون و جانورون کو کشتی پر لادین ورنہ پانی آخر تمام روے زمین سے ابلا بلکہ اللہ تعالی نے فرمایا ففتحنا ابواب السماء بماء منہمر وفجرنا الارض عیونا یعنی آسمان سے جھاجھم پانی بہنے کے دروازے کھولدیے اور زمین سے چشمے پھوڑ دیے پس خلاصہ یہ کہ تنور در اصل حضرت نوح ع کے مقام سکونت مین ہوگا جسکے ابلنے سے انکو نشان معلوم ہوا پھر آسمان وزمین سے برابر پانی کا ریلا آگیا پس ہر روے زمین سے پانی نے جوش کیا اور شاید وقت طلوع فجر کا ہو اور کوفہ مین اس مقام سے جہان مسجد ہو اور جزیرہ مین عین الوردہ سے بکثرت پانی کا طوفان اٹھا لہذا ہر ایک مفسر نے اپنے مقام یا اسکے قریب کا حال کہ طوفان نوح ع کے وقت اس نواح مین کہان سے جوش ہوا تھا بیان فرمایا۔ یہ سب اسوقت کہ ان روایات کے اسانید صحیح ہون ورنہ اقوال صحاح کی توفیق اسی طرح ظاہر ہو پھر تنور لفظ عربی ہو یا عجمی ہے بعض نے کہا عربی ہو بعض نے کہا کہ فارسی ہو بعض نے کہا کہ دونون زبانون مین یہ لفظ متفق واقع ہوا۔ واضح ہو کہ مترجم نے آٹھ اقوال موافق ذکر بعض کے نقل کر دیے ورنہ درحقیقت تنور کے معنی مین ایک اختلاف اور اس کے مقام مین کہ کہان تھا دوسرا اختلاف ہو جیسا کہ سراج وغیرہ مین تہذیب کے ساتھ بیان کیا۔ بالجملہ یہان اصل تفسیر موافق قول حسن رح کے یہ ہو کہ یہ تنور پتھر کا تھا اسمین حضرت حوا اپنے وقت مین روٹی پکاتی تھین پھر وہ نسلاً بعد نسل حضرت نوح کو پہونچا جب طوفان کا وقت آیا تو حضرت نوح سے کہا گیا کہ اسکا ابلنا تیرے لیے طوفان آنے کی نشانی ہو چنانچہ فرمایا حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ۔ یہان تک کہ جب ہمارا حکم آیا یا عذاب آیا اور تنور ابلا۔ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِیۡهَا۔ ہم نے نوح کو وحی فرمائی کہ کشتی مین سوار کر لے۔ مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ۔ ہر ایک جنس سے جوڑا دو۔ زوجان ہر چیز مین سے ایک نر اور ایک مادہ اور قصہ مین ہو کہ حضرت نوح ع نے دعا کی کہ پروردگار کیونکر مین ہر جنس سے جوڑا لے سکتا ہون تو اللہ تعالی نے جانورون وکیڑون وغیرہ کو جنکی نسل باقی رکھنے کا حکم تھا حضرت نوح ع کی طرف فوج فوج بھیجدیا پس داہنا ہاتھ سے جسکو پکڑتے وہ نر ہوتا تھا اور بایان ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا۔ اس طرح ہر جنس سے ایک جوڑا کشتی مین سوار کر لیا۔ من کل زوجین۔ باضافت سوائے حفص کے باقیون کی قراۃ ہے اور حفص رح نے کل کو تنوین پڑھا وعلی ہذا کہا گیا کہ اثنین تو زوجین ہین پھر اس لفظ کا کیا فائدہ ہے جواب دیا گیا کہ یہ وہم نہو کہ جوڑے جوڑے کئی ایک رکھین بلکہ صرف دو جانور جوڑا۔ اور نیز جواب دیا گیا کہ یہ تاکید ہے مانند قولہ لا تتخذوا الٰہین اثنین۔ یا قولہ نفخۃ واحدۃ۔ ہو اور یہ جو مشہور ہو کہ ابلیس بھی گدھے کی دم مین لپٹ کر کشتی مین گھس گیا کہ ڈوب جاوے تو یہ خبر قرآن یا حدیث مین وارد نہین ہو اور امام رازی نے کہا کہ ابلیس کا جسم ناری یا ہوائی ہو وہ غرق کیونکر ہوگا پس ایسی باتون مین خوض نہین کرنا چاہیے۔ مترجم کہتا ہو کہ اگر بالفرض واقع ہوا ہو تو ابلیس کا یہ فعل بخوف غرق نہین بلکہ بخوف عذاب الٰہی ہوگا جیسے بدر کی لڑائی مین بھاگ کر دریا مین گرا تھا اور طوفان نوح کے وقت عذاب الٰہی عام تھا لہذا ممکن ہو کہ اسوقت ابلیس کو خوف شدید ہو ولیکن قول رازی رح صحیح ہو کیونکہ شرع مین مباحات کو دخل نہین ہو۔ فافہم وَاَهۡلَکَ اور سوار کر لے اپنے اہل کو یعنی اولاد کو جو

ایمان والے ہیں اور جو دکو جو مومنہ ہے۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ۔ مگر اہل میں سے سوائے ایسے شخص کے جسکے حق میں ازل سے ہلاک ہونے کا
قول مقدر ہو چکا یعنی کنعان بیٹا اور راعلہ اسکی ماں کیونکہ یہ دونوں کافر ہے بخلاف سام و حام و یافث وانکی بی بیوں اور حضرت نوح ع کی مومنہ
بی بی کے کہ یہ ایمان والے تھے۔ وَمَنْ اٰمَنَ اور سوار کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں وَمَآ اٰمَنَ مَعَہٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ۔ اور نہیں ایمان لائے تھے
اُس کے ساتھ میں مگر تھوڑے علمائے انکی تعداد میں اختلاف کیا چنانچہ سابق میں گذر چکا ہے اور طبری ؒ و رازی ؒ نے لکھا کہ صواب یہ ہے کہ اُن کی
تعداد بیان کرنے میں خوض نکرے اور جبقدر اللہ تعالی نے بتلایا کہ قلیل تھے اسی پر اکتفا کرے کیونکہ قرآن یا حدیث میں انکی تعداد وارد نہیں ہے
حسن بصری ؒ نے کہا کہ حضرت نوح ع نے اپنے ساتھ وہی جانور سوار کر لیے جو بچہ یا انڈا دیتے ہیں اور جو جانور کہ مٹی سے پیدا ہوتے مانند کیچوے وغیرہ
وغیرہ کے انہیں سے کوئی ساتھ نہیں لیا پس حضرت نوح ع نے ان سب کو موافق حکم الٰہی کے سوار کر لیا اور کشتی تیار ہوئی تو ساتھیوں سے کہا
وَقَالَ ارْکَبُوْا فِیْھَا۔ اور کہا نوح ع نے کہ سوار ہو اس کشتی میں۔ رکوب کے معنی حقیقتہً یہ ہیں کہ کسی متحرک چیز پر سوار ہو جیسے رکب الفرس اور مجازاً مانند
رکب الدین یعنی اسپر قرضہ چڑھ گیا بعض نے کہا کہ رکب خود متعدی ہے تو فیہا بحرف جار کی ضرورت نہیں اور جواب دیا گیا کہ سواری دراصل سطح پانی پر
منظور ہے بذریعہ کشتی کے پس تقدیر کلام یہ ہے کہ ارکبوا الماء فی السفینۃ اور بعض نے کہا کہ حرف فی زائدہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ کشتی کے اندر سوار ہونا
مقصود ہے نہ پشت پر اور بعض نے کہا کہ ظرفیت کی رعایت سے زائد ہوا جیسے قولہ فاذا رکبوا فی الفلک قولہ حتی اذا رکبا فی السفینۃ۔ پھر یہ قول
حضرت نوح ع نے سب کے سوار کرنے کے بعد کہا ہے اور مقصود یہ کہ سب نے بسم اللہ کہکر سوار ہوا اور بعض نے کہا کہ شاید پہلے کہا ہو اور رہا یہ وہم کہ جانور
کیونکر اسکو سمجھے تو جواب یہ کہ اصل خطاب مومنوں سے ہے اور جانور انکے تابع تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بحکم الٰہی جانوروں نے بھی انکا کلام سمجھا ہو۔
بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىھَا وَمُرْسٰىھَا۔ متعلق ارکبوا ہے یا اس فعل کے فاعل سے حال ہے یعنی ارکبوا مسمین اللہ او قائلین بسم اللہ اور مجراہا و مرساہا میں
ایک قراۃ دونوں کے میم مضموم سے بمعنی اجرا و ارسا سے مشتق ہے اور نصب بنا بر ظرفیت کے یعنی وقت اجراہا و ارساہا ولیکن اجرار
کے معنی جاری و روان کیا جانا تو وہ قریب ہے اور ارسا بعد طوفان فرو ہونیکے جودی پر ہوا اسوقت بسم اللہ کہنے کا حکم دیا۔ بعض نے کہا کہ دونوں
مصدر ہو سکتے ہیں دوسری قراۃ میں بفتح میم اول وضم دوم ہے اور یہ دونوں قراۃ سبعیہ ہیں اور شاذ قراۃ میں دونوں میم مفتوح کے ساتھ اور دوسرے
شاذ میں دونوں بوزن اسم فاعل پڑھے گئے پس مجری و مرسی صفت اللہ ہے پھر معنی ظرفیت زمانی کی شاہد تفسیر حضرت مجاہد ہے کہ فرمایا لے
میں تجروں و ترسوں۔ اور ضحاک ؒ نے کہا کہ آنحضرت علیہ السلام کو یہ عطا ہوا تھا کہ جب کشتی چلنا چاہتی تو بسم اللہ کہتے پس رواں ہوتی اور جہاں
ٹھہرانا چاہتے بسم اللہ کہتے تو ٹھہر جاتی پھر بعض نے زعم کیا کہ قال ارکبوا حکم الٰہی ہے ولیکن صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ قول نوح ع ہے بدلیل قولہ اِنَّ
رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ بیشک میرا رب غفور ہے یعنی گناہوں کا بخشنے والا ہے اور رحیم ہے یعنی مومنوں پر رحم فرماتا ہے اور یہ بھی اسکی رحمت
ہے کہ اس گروہ کو اپنے فضل سے باقی رکھا اور غرق سے نجات دی۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ امان لامتی من الغرق الحدیث یعنی میری اُمت جب کشتی پر سوار ہوں تو اُن کے لیے یوں پڑھ لینا بسم اللہ الملک الرحمن۔
بسم اللہ مجراہا و مرساہا الآیہ۔ وقولہ ما قدروا اللہ حق قدرہ والارض الآیۃ۔ غرق سے امان ہے رواہ ابو یعلی والطبرانی وابن السنی وفی تفسیر الحافظ
ورد الحدیث فی تخریج الطبرانی عن ابن عباس پھر اللہ تعالی نے کشتی کی روانی اور حضرت نوح ع کی بعض درخواست و عدم امان کفار کو فرمایا۔ بقولہ تعالی

وَھِیَ تَجْرِیْ بِھِمْ فِیْ مَوْجٍ کَالْجِبَالِ وَنَادٰی نُوْحُ نِ ابْنَہٗ وَکَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ
اور وہ سلے بہتی ہے اُن کو لہروں میں جیسے پہاڑ اور پکارا نوح ع نے اپنے بیٹے کو اور وہ رہا تھا کنارے اے بیٹے

ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ○ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ

سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ منکروں کے کہا میں لگ رہوں گا کسی پہاڑ کو کہ بچا لیگا مجکو پانی سے بولا

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ○

کوئی بچانیوالا نہیں آج اللہ کے حکم سے مگر جسپر وہ رحم کرے اور بیچ آپڑی دونوں میں موج سو ہو گیا وہ ڈوبنے والوں میں

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ - واو حالیہ ہی تو یہ جملہ حال ہی باین طور کہ کلام کی تقدیر یہ ہی - فرکبوا فی السفینۃ وہی تجری بہم ای تجری وہم فیہا یعنی جاری ہوئی کشتی درحالیکہ نوح مع اہل و عیال مومنین و اتباع مومنین کے اسمین تھے اور محتمل ہی کہ جملہ مستانفہ ہو - فِيْ مَوْجٍ جمع موجہ اور موجہ اس پانی کو کہتے ہین جو ہوا کے تھپیڑے سے چڑھ کر اوپر اچھلے - كَالْجِبَالِ جمع جبل یعنی پہاڑ - المعنی اور وہ کشتی ان کو لئے چلتی تھی موجوں مین جو پہاڑوں کے مانند تھین - ہر موج کو پانی سے اونچے ہونے مین پہاڑ سے تشبیہ دی جیسے وہ زمین سے اونچے ہوتے ہین پس یہ بیان طوفان کے ہولناک ہونیکا ہے کہ اسکی موجین بلند مانند پہاڑوں کے اٹھتی تھیں اور یہ کشتی ان موجوں مین بدون ہالے ڈولے کے مومنوں کو لئے چلتی تھی - اہل تواریخ نے لکھا کہ پانی پہاڑوں سے چالیس گز اونچا یا پندرہ گز اونچا ہوا حتی کہ کل چیز غرق ہوئی اور جہان کے سارے بندے ہر ملک کے ڈوب گئے - اور یہ جو مشہور ہے کہ آسمان و زمین کے بیچ مین سب پانی بھر گیا اور کشتی اسکے اندر مانند مچھلی کے پیرتی چلتی تھی تو سراج وغیرہ مین لکھا ہے کہ یہ ثابت نہین ہو - وَنَادٰى نُوْحُ نِ ابْنَهٗ - اور پکارا نوح نے اپنے پسر کو - وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ - اور وہ تھا معزل مین معزل اسم ظرف عزل ہی ایسی جگہ کو کہتے ہین جہان آدمی اپنی قوم و قرابتیوں کو چھوڑ کر یا کسی دوسری چیز سے جدا ہو کر تنہا ہو جاوے پس یہان مراد یہ کہ دین الٰہی سے الگ تھا یا کشتی سے علیحدہ تھا اور بعض نے کہا کہ جسوقت نوحؑ نے لوگوں کو حکم کیا کہ بسم اللہ پڑھکر سوار ہو اسوقت ایسی جگہ الگ تھا کہ اسکو یہ خبر نہین پہونچی اسیواسطے بعض نے کہا کہ نوح علیہ السلام کا یہ پکارنا کشتی چلنے سے پہلے خالی تنور ابلنے کے وقت تھا جسوقت لوگون کو غرق کا یقین نہین ہوا تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ قول مستبعد ہو کیونکہ اسنے پہاڑ سے بچاؤ حاصل ہونیکا جواب دیا اور درمیان مین موج حائل ہو گئی پھر ظاہر یہی کہ وہ کشتی والے قرابت دار مومنین سے علیحدہ ہو رہا تھا جسکو نوح علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا اے میرے چھوٹے پسر تو ہمارے ساتھ سوار ہوے - وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ - اور کافروں کے ساتھ مت رہ - یا بنی ؐ سے یہ غرض نہین کہ ان کی اولاد مین سے سب سے چھوٹا تھا بلکہ پیار سے اپنے فرزند کو بصیغہ تصغیر یاد کیا کرتے ہین اور قولہ ہمارے ساتھ سوار ہوے - اس سے یہ مراد ہو کہ تو مسلمان ہو کر ہمارے ساتھ ہو جا چنانچہ توضیح کی کہ کافروں کے ساتھ مت ہو کیونکہ اسوقت تک غرق نہین ہوا اور نہ غرق کا یقین رکھتا تھا پس اسوقت مسلمان ہو جانا حالت اختیاری مین قرار دیا جاتا - ملا علی جیلانی نے کہا کہ ظاہر معنی یہ ہین کہ تو مسلمان ہو جا تا کہ ہمارے ساتھ سوار ہونے کا مستحق ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح کو کسی کافر کے سوار کرنیکا حکم نہین دیا تھا پھر واضح ہو کہ اس پسر کا نام ایک قول مین کنعان تھا اور دوسرے قول مین یام تھا پھر کہا گیا کہ یہ لڑکا مع اپنی ماں کے کافر تھا اسپر اعتراض کیا گیا کہ خود حضرت نوحؑ نے دعا فرمائی کہ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا - باوجود اسکے مستبعد ہو کہ کافر کو آواز دیتے - یہ جواب دیا گیا کہ مراد کافر سے منافق ہی اسکے نفاق سے آنحضرت نے اسکو مومن گمان کیا - اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس صورت میں قولہ تعالیٰ واہلک الا من سبق کے وقت اسکو کیون نہین سوار کیا جواب دیا گیا کہ اسیوقت اسکا نفاق ظاہر ہوا و فیہ ما فیہ پھر اسمین بھی اختلاف کیا گیا کہ کیسا بیٹا تھا بعض نے کہا کہ نوح کی بی بی سے حرام و زنا سے پیدا ہوا تھا در حقیقت انکا بیٹا نہ تھا یہ قول مردود اور مخالف نص ہی بقولہ ونادی نوح ابنہ - وبقولہ ان ابنی من اہلی - اور کید کروہ

منبیّہ فاحشہ ایسے پاک پیغمبر اولوالعزم کے ساتھ رہ سکتی تھی اور دلی کفر امر دیگر ہے۔ اگر کہا جاوے کہ اس کافرہ سے نکاح کیونکر صحیح ہوا۔ جواب دیا گیا کہ شاید اسوقت مباح ہوا اور صحیح جواب یہ ہے کہ یہ عورت و اسکا بیٹا دونوں منافق تھے جو کافرون کیسا تھ ہوگئے اور کشتی پر سوار نہ ہوئے بدین زعم کہ طوفان پہاڑون تک نہین پہونچے گا بعض نے کہا کہ اسی عورت کا بیٹا پہلے خاوند سے تھا اور قراۃ علی کرم اللہ وجہہ اسکی مؤید ہے کہ انھون نے قولہ ونادی نوح ابنہا پڑھا و لیکن صریح نص مذکور سے مخالف ہے لہذا صحیح نہین معلوم ہوا۔ اور ابن عباسؓ وغیرہ مجتہدین نے فرمایا کہ درحقیقت وہ حضرت نوح کا جو تھا بیٹا تھا و لیکن اُسنے کفر قبول کیا اور حضرت نوحؑ کا اسکو پکارنا بوجہ شفقت پدری کے تھا پس اس حالت مین جبکہ کشتی روان تھی اور پانی چڑھتا آتا تھا اس سے کہا کہ اب بھی نفاق چھوڑ کر اسلام لاکر ہمارے ساتھ ہوجا اور آخر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میرے اہل کو بچانے کا حکم ہے تو یہ لڑکا میرا بیٹا ہے اسکو بھی ایمان دیکر نجات دی جاوے لیکن کمال شفقت سے تقدیر ازلی سے نظر چوک گئی کہ وہ بھی استثنائے قولہ الا من سبق علیہ القول مین داخل ہوا اور وعدہ آلٰہی حق ہے اسمین خلاف نہین ہوسکتا اسیواسطے اللہ تعالیٰ نے جاہل ہونے سے منع فرمایا یعنی جبکہ وہ ازلی حکم مین کافر مطبوع ہوا تو اب اسکے ایمان کی درخواست منصب نبوت کے لائق نہین ہے اور یہی حکم ازلی پورا ہوا چنانچہ جب نوح نے اسکو پکارا کہ مومن ہوکر کشتی پر ہمارے ساتھ ہوجا تو اسنے باوجود اس تلاطم طوفان کے قبول نہ کیا اور جواب دیا قَالَ سَاٰوِیْٓ بولا کہ عنقریب مین ٹھکانا لونگا اِلٰی جَبَلٍ کسی پہاڑ پر یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ جو مجھے پانی کے صدمہ سے بچالیگا اسنے اندھی آنکھون سے یہ طوفان بھی مثل پانی کی بہیا کے گمان کیا۔ لہذا آنحضرت نے اُسکو اس خیال محال سے پھیرا بقولہ قَالَ نوح علیہ السلام فرمایا لَا عَاصِمَ کوئی بچانیوالا نہین اَلْیَوْمَ۔ آج کے روز مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ حکم آلٰہی سے یعنی حکم آلٰہی کو آج کوئی پھیرنیوالا نہین یا امر سے عذاب مراد ہے یعنی عذاب سے آج کوئی نہین بچا سکتا کیونکہ حق تعالیٰ نے آج کے روز عذاب کو کافرون پر مسلط کیا کہ سب ہلاک ہوجاوین اور قلم تقدیر بحکم جاری ہوچکا اب نہین مٹ سکتا پس تو نے پہاڑ پر بچانے کا گمان دوڑایا حالانکہ پہاڑ وغیرہ کوئی چیز بھی نہین بچا سکتی۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اِلٰے لکن من رحمہ اللہ فہو معصوم منہ لیکن جسپر اللہ تعالیٰ ہی نے رحم کیا تو وہ البتہ بچیگا اور رحم اسپر ہے جو ایمان لایا لہذا تو مومن ہوکر اس کشتی مین داخل ہو۔ استثنا اس صورت مین منقطع بمعنی لکن ہے اسی کو زجاج نے بیان کیا اور سفاقسیؒ نے اسی کی تائید کی ہے اور استثنا متصل بھی ہوسکتا ہے جبکہ عاصم بمعنی معصوم ہو مانند ماء دافق و عیشۃ راضیہ کے یعنی لا معصوم الیوم من عذاب اللہ الا من رحمہ اللہ۔ یعنی آج عذاب آلٰہی سے کوئی بچا ہوا نہین ہوسکتا سوائے اسکے جسپر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اسی کو ابن جریر و زمخشری و قاضی بیضاوی نے اختیار کیا و حاصل کلام وہ ہے جو عکرمہؓ نے فرمایا ہے لا ناج الا اہل السفینۃ کوئی نجات پانیوالا نہین سوائے کشتی والون کے۔ وَحَالَ بَیْنَہُمَا الْمَوْجُ۔ اور حائل ہوگئی موج دونون کے بیچ مین۔ یعنی امر آلٰہی سابق وازلی غالب کا ظہور ہوا کہ اسی درمیان مین ان دونون کے بیچ مین موج کا پہاڑ آگیا اور کچھ فائدہ مترتب ہوا فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ۔ پس وہ غرق ہونے والون مین سے تھا۔ یعنی علم آلٰہی مین۔ یا کافرون مین ہوگیا اور ڈوبا جیسا کہ تقدیر مین تھا۔ فی العرائس بیان اشارات قولہ تعالیٰ بسم اللہ مجریہا و مرسہا بحر جسمین کشتی روان ہے بحر القدم والابد ہے سفینہ قلب عارف ہے جو موافق ہوائے عنایت کیساتھ بقوت روح ناطقہ جو قدرت بانیہ کا مظہر ہو بکلمہ بسم اللہ مجریہا۔ دریائے قلزم صفات مین جاری اور بکلمہ مرسہا۔ قاموس لذات مین راسی ہے۔ یہ کمال کرم ہے کہ اس سفینہ کو باوجود حدوث کے صفات مین جاری ہونیسے نہین روکا اور ذات مین فنا نہین کیا و ہذا قولہ ان ربی لغفور رحیم کشتی کو بحر صفات مین روان ہونیکیلیے

حق تعالیٰ انوار جمال مشاہدہ سے منبسط فرماتا ہے اور سطوات عظمت کے سکون سے ذات مین منقبض فرماتا ہو قال المترجم یعنی قلب عارف جو کشتی ہو اسکی روانی یہ ہو کہ صفات کے مشاہدہ مین انوار جمال سے اسکو انبساط ہوتا ہو بس یہی انبساط اسکی روانی ہو اور ذات مین بوجہ ظہور عظمت کے انقباض ہوتا ہی ٹھہراؤ ہی۔ قولہ لا عاصم الیوم الخ یعنی بحر قہریات کے تلاطم مین کوئی حافظ نہین سوائے انوار لطف کے لہذا جسنے الطاف کی طرف التجا کی وہ قہریات سے بچ گیا۔ انطاکی رحمہ نے کہا کہ کسی مخلوق کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اعتصام نہین ہے بعض نے کہا کہ جسکو توفیق دے کہ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لے اسی کو اس موج خیز طوفان سے نجات دیتا ہو۔ القصہ سب کافر ہلاک ہوگئے اور پانی کا جوش اترا اور کشتی ٹھہری چنانچہ بیان فرمایا بقولہ

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ

اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا۔ اور سکھادیا پانی۔ اور ہوچکا کام اور کشتی ٹھہری

عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○

جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہون قوم بے انصاف

وقیل۔ یہ حکم طوفان پورا ہونے اور قوم کافر کے ہلاک ہونے پر ہی اور کہا گیا کہ قیل یہان دونون مقام پر قدرت تنجیزی کا تعلق ہو یعنی پانی کا جاتا رہنا اور قوم کا ہلاک ہوجانا جیسے قولہ تعالیٰ ان یقول لہ کن فیکون مین خاصۃ قول مراد نہین بلکہ تعلق قدرت و وقوع ارادت ہو۔ وعلیٰ ہذا اس آیت مین استعارہ مکنیہ و تخییلیہ یا تمثیلیہ ہو جیسا کہ خفاجی رحمہ نے عنایہ مین بسط سے مع انواع بلاغت ذکر کیا اور حق یہ ہو کہ ہر مقام پر ایسے قول مین حقیقی معنی مراد مین اور ضرورت تاویل کچھ نہین ہو ہان کیفیت صفات آلٰہی عز سلطانہ و جل برہانہ بالکل طوق بشری سے باہر ہی پس نہین معلوم کہ کیونکر کہا گیا لیکن ہم ایمان لاتے ہین کہ کہا گیا۔ یا ارض ابلعی ماءک۔ کہ اے زمین نگل لے اپنے پانی کو۔ بلع پی لینا اور پانی زمین وغیرہ مین دھنس جانا اور اسی سے بالوعہ وہ بچہ جسمین پانی جمع کرتے ہین کہ وہین خشک ہوجائے ویقال بلعہ ما فی فمہ من الطعام یعنی طعام مین سے جو کچھ اُس کے منہ مین تھا وہ نگل گیا۔ پھر آیت مین زمین کیلئے بلع استعارہ ہو کیونکہ یہ لفظ حیوان کیلئے ہو اسکو زمین کے چوس لینے مین استعارہ فرمایا بدین معنی کہ سمجھ لیا جاوے کہ زمین کا یہ چوسنا ویسا نہ تھا جیسا از راہ عادت دیکھا جاتا ہو کہ آہستہ آہستہ ہوتا ہے بلکہ کہان یہ طوفان پانی کا اور کہان حکم ہوتے ہی زمین نے خشک کر دیا گویا منہ کا نوالہ نگل گئی خفاجی وغیرہ نے کہا کہ بلع نشف ہو جیسے کپڑا پسینے کو چوس لیتا ہو اور علامہ مدقق نے کہا کہ سکاکی رحمہ نے جو بلع کو پانی زمین کے اندر ہوجانے کا استعارہ قرار دیا تاکہ دلالت کرے کہ زمین کا یہ پانی چوس لینا مانند حیوان کے نگل لینے کے واقع ہوا تو اسکے بہ نسبت نشف الثوب استعارہ بہتر ہو کیونکہ نشف فعل زمین ہو اور غائر ہوجانا پانی کا کام ہو بس ظاہر ہوا کہ علامہ کو حقائق معانی پر خوب اطلاع تھی۔ پھر ابن عباس و عکرمہ وغیرہ سے روایت کیا جاتا ہے کہ بلع لغت ہندی یا حبشی ہو ولیکن اسکے ثبوت مین کلام ہے علاوہ برین لفظ بلع لغت عرب مین مع مشتقات کے فصیح معروف ہو کہان کی ہندی اور کہان کی حبشی ظاہراً یہ روایات ضعیف راویون کا وہم ہو اور آیت کے معنی یہ ہین کہ زمین کو حکم ہوا کہ اپنا پانی چوس لے یعنی دریا و نہر وغیرہ کے سوائے جو پانی بطریق عذاب طوفان نکلا و چڑھا ہو تاکہ کفار غرق ہوکر جہنم واصل ہون اور بھیگ گئے اب اسکو چوس لے۔ ویا سماء اقلعی۔ اور اے آسمان روک لے۔ اقلاع امساک یقال اقلع المطر اذا انقطع یعنی آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسانے سے روک لے اور مہائمی رحمہ اللہ نے لکھا کہ اے آسمان جو تو اُتارتا ہو اسکو اوپر کی طرف جذب کرلے بعض نے کہا

کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی و زمینی پانیون مین فرق کر دیا کہ جو کچھ زمین کا ہے اسکو زمین چوس لے اور جو آسمانی تھا وہ دریا و نہرین ہو گیا مترجم
کہتا ہے کہ اگر یہ مراد ہے کہ اسیوقت سے دریا و نہرون کا وجود ہوا تو مسلم نہین کیونکہ حدیث تخلیق مین ابتدا سے انکا پیدا کرنا مذکور ہے اور اگر یہ مراد
ہے کہ آسمانی پانی دریاؤن سے بہا تو غیر منصوص ہے واللہ یہ مقام مقتضی قدرت عجیبہ ہے کہ باوجود اس کثرت کے کفار کے مرتے ہی تمام
روئے زمین پھر پاکیزہ ہو گئی کہ زمین نے تمام اپنے اوپر کا چوس لیا اور آسمان سے برسنا منقطع ہو گیا۔ وَغِيضَ الْمَآءُ ۔ اور گھٹ گیا پانی۔
غاض الماء یغیض ۔ لازمی وغاضہ یغیضہ متعدی ۔ و قولہ تعالیٰ ۔ ما تغیض الارحام ۔ اے تنقص یعنی لازمی ہے اور یہان کہا گیا کہ متعدی ہے
کیونکہ لازمی کا مجہول بلا واسطہ حرف الجر نہین آتا ہے۔ مراد یہ کہ زمین و آسمان نے سنا حکم کو مانا اور پانی گھٹ گیا۔ خفاجی رح نے کہا کہ
ناقص ہونا اسلئے فرمایا کہ آسمانی پانی باقی ہے بالکل نہین گیا اور یہ قول ظاہرا اس بنا پر ہے کہ غیض الماء مخصوص طوفان آسمانی ہے۔
وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۔ اور پورا ہو گیا امر یعنی حکم ہلاک قوم نوح پورا ہو گیا۔ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ ۔ اور ٹھہری وہ کشتی اس پہاڑ پر جسکو
جودی کہتے ہین۔ روایت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام دسوین رجب کو کشتی پر سوار ہوئے اور دسوین محرم کو چھ مہینہ روئے زمین پر سیر کر کے
جودی پر اترے اور اُس روز شکر کا روزہ رکھا اور جودی قریب موصل کے ایک پہاڑ ہے اور بعض نے کہا کہ شام مین ہے یا جبلہ ہے یہ
اقوال ہین اور حدیث مین آیا کہ اس کشتی مین سے کچھ باقی رہ گیا تھا کہ اس امت کے اگلون نے اسکو پایا ہے۔ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ
اور کہا گیا کہ دوری واسطے ظالم قوم کے یعنی ہلاکت ہو جیو اور رحمت سے تا ابد دوری ہو جیو۔ یہ لفظ بددعا کیلئے مخصوص ہے اور ظالم
سے کافرون کو تعبیر کیا تا کہ ظاہر ہو کہ یہی سبب ہلاک ہے اور قیل کا فاعل بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عز و جل ہے اور بعض نے کہا
کہ یہان نوح علیہ السلام مع اصحاب ہین بخلاف ابتدائے آیت کے و لیکن مناسب قول اول ہے۔ واضح ہو کہ عبدالرحمن بن خلدون نے
تاریخ مین لکھا کہ لوگون نے اتفاق کیا ہے کہ جو طوفان زمانہ نوح مین انکی بددعا سے آیا اس سے روئے زمین کی تمام آبادی جاتی رہی جو لوگ
کشتی مین سوار تھے وے بھی اپنے وقت موت پر بغیر اولاد چھوڑے مرے پھر تمام روئے زمین والے حضرت نوح کی نسل سے ہوئے اسی سے آنحضرت
کو آدم ثانی کہتے ہین۔ انتہی کلامہ اور ابن الاثیر نے کامل مین فرمایا کہ مجوسی لوگ اس طوفان سے آگاہی نہین بیان کرتے ہین مگر بعضے انہین
سے اقرار کرتے ہین وہ بھی اسطرح کہ طوفان مذکور اقلیم بابل مین آیا تھا اور کیومرث کی اولاد مشرق مین رہا کرتی تھی ان تک طوفان
پہونچا اور اسی طرح اہل ہند و فارس و چین والے اس طوفان کا اقرار نہین کرتے ہین لیکن بعضے فارسی مقر ہین اور یون کہتے ہین کہ طوفان عام
نہ تھا اور عقبہ حلوان سے آگے نہین بڑھا اور صحیح یہ ہے کہ طوفان عام تھا تمام روئے زمین کے حیوانات آدمی وغیرہ مر گئے بجز اولاد
نوح علیہ السلام سے بڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ پس تمام آدمی اولاد سام و حام و یافث سے ہین انتہی کلامہ اور
مقریزی نے خطط مین لکھا کہ انبیاء کے متبعین خواہ یہود ہون یا نصاریٰ یا مومنین مسلمین ہون سب متفق ہین کہ جمیع اولاد آدم فقط نوح
علیہ السلام کی اولاد سے باقی ہین لیکن قبطی و مجوس و ہندی و چینیون نے طوفان سے انکار کیا اور بعض ان مین سے کہتے ہین کہ طوفان
فقط اقلیم بابل اور اسکے اُدھر والے مغربی ملکون مین آیا ہے اور فارسیون کے نزدیک کیومرث آدم اول ہے جو مشرقی ملکون مین رہتا
تھا وہ طوفان سے غرق نہین ہوا انتہی کلامہ ملخصا۔ وفی الفتح علماء بلاغت نے اتفاق کیا ہے کہ اس آیت مین اس مرتبہ بلاغت و فصاحت
ظاہر ہے کہ جہان کے فصیح و بلیغ اسکے بیان وصف سے عاجز ہین بھلا اسکا مقابلہ کرنے کا کیا ذکر ہے حالانکہ یہ وے لوگ ہین جو میدان
فنون بلاغت مین راسخ القدم و خطباء عرب و اشعار الشعراء ہین علوم بیان سے مرنا مل و عربیت کے اسرار سے خوب واقف کہ تمام عمر اسی مین

گذاری ہے۔ عمادی رح وجمل رح نے لکھا کہ ایسے بلغاء وفصحاء کا قول ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں خالی انیس ۱۹ الفاظ ہیں اور اسپر اکیس ۲۱ اقسام
علم بدیع موجود ہیں پھر معاصر موصوف نے لکھا کہ ایک جماعت ائمہ فن رحمہم اللہ نے جہاں تک امکان بشر ہے اس آیت کے علوم بیان کرنے
میں خوب خوب لکھا۔ انہیں اماموں میں سے شیخ امام ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی نے کتاب نہر الماد میں اور سید امیر محمد بن اسمٰعیل
بن صلاح نے رسالہ نہر المورود فی تفسیر آیۃ ہود میں بائیس ۲۲ انواع یہ لکھے ہیں۔ المناسبۃ والمطابقۃ۔ المجاز۔ الاستعارہ۔ الاشارہ
التمثیل والارداف۔ التعلیل۔ صحۃ التقسیم۔ الاحتراس۔ الایضاح۔ المساوات۔ حسن النسق۔ الایجاز۔ التسہیم۔ التہذیب۔ حسن
البیان۔ التمکین۔ التجنیس۔ المقابلہ۔ الذم۔ الوصف۔ پھر امام سید امیر محمد رح نے ہر نوع کو بسط سے بیان کیا اور پھر لکھا کہ یہ سب اصناف
بلیغ معجز جو مذکور ہوئے اس آیت کریمہ کی شانی بلاغت پر نظر کرنے سے ظاہر ہوئے ہیں اور اگر فصاحت معنویہ پر نظر کرو تو کیا پوچھنا ہے
کہ معانی کیلئے نظم لطیف سدید ملخص ہے نہ اسمیں تعقید کہ فکر کے پاؤں پھسلیں اور نہ التوا کہ مقصد ہی چھپے بلکہ معانی پر الفاظ سبقت
کرتے ہیں اور معانی الفاظ پر۔ پھر اگر فصاحت لفظیہ پر نگاہ کرو تو سبحان اللہ تعالیٰ پاکیزہ مستعمل الفاظ پانی کے مانند رواں موتی کے مانند
آبدار شہد سے شیریں و نسیم سے خوشگوار تر ہیں۔ قال المعاصر رح۔ بالجملہ اسمیں چار طور سے نظر ہے اول از راہ علم البیان دوم از جہت
علم المعانی سوم و چہارم از جہت فصاحت لفظی و معنوی۔ علامہ نسفی رحمہ اللہ نے مدارک میں بعد ذکر بعض انواع از ہر جہات کے فرمایا کہ یہیں سے
اہل العناد از یہود و نصاریٰ و مجوس وغیرہ جو زبان عرب میں مہارت رکھتے و علوم بدیع و بیان سے واقف ہیں ناچار متفق ہوگئے کہ بیشک
کسی بشر کی طاقت نہیں کہ اسقدر کم الفاظ میں ایسی بلاغت و فصاحت لا سکے اور عجیب قدرت الٰہی اس کلام مجید میں ظاہر ہے کہ جہاں تک
عالم اسمیں فکر و تامل کرتا جاتا ہے عجیب عجیب لطائف نکلتے چلے آتے ہیں کہ عالم باوجود تبحر و ہمہ دانی کے اسکے سامنے اپنے کو طفل مکتب
سے زیادہ نادان دیکھتا ہے اور خبردار رہو کہ کبھی تم یہ گمان مت کرنا کہ آیت کریمہ میں اسی قدر ہے جتنا بیان کیا گیا بلکہ جو ادراک بشر
سے باہر ہے غالباً وہ مذکور شدہ سے زائد ہے۔ قاضی بیضاوی رح نے کہا کہ یہ آیت کریمہ بلاغت کی انتہا سے بڑھ گئی اسکے الفاظ عجیب فخیم
ہیں و نظم نہایت خوب و کثیرۃ الحال پر دلیل باوجود اعجاز کے خلل سے خالی ہے۔ خفاجی رح نے لکھا کہ یہ آیت کریمہ عجیب بلاغت کو گھیرے
ہوئے ہے کہ غایت تعجب سے دل اسکے لئے خوشی میں رقص کرنے لگتے ہیں اور کچھ اسکے نکات شرح مفتاح میں بیان ہیں۔ ابو السعود رح نے لکھا کہ
سبحان اللہ تعالیٰ شانہ یہ آیت کریمہ اعجاز کے مراتب میں سے انتہا کو پہنچ گئی اور کمالات فن کی پیشانی کے بال اسکے قبضہ قدرت
میں ہیں اور اسکی تفصیل میں ماہرین کاملین نے کوشش کی اور میں قسم کھاتا ہوں کہ اسکے اوصاف کسی وصف کرنیوالے کے حیطہ
قدرت میں نہیں ہیں جہاں تک بشر کا امکان ہے بیان کرے ورنہ فی الحقیقت اسکا وصف کرنا طاقت بشری سے باہر اور بالاتر ہے۔ مترجم
ضعیف کہتا ہے کہ میں نے ان کاملین علماء متقدمین متبحرین کے نکات کو بیان درج نہیں کیا اسلئے کہ یہ تفسیر جس سے حضرت رب العزۃ جل شانہ
وعز برہانہ اپنے فضل عمیم سے اہل عالم کو فیضیاب فرماوے بطفیل سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین زبان اردو میں علم
کیلئے ہے جن کو ان نکات کے ادراک میں کمال دقت بلکہ امکان نہیں ہے لہذا یہ شہادات مذکورہ ان کے حصول بیان کیلئے سچی گواہیاں عین
الیقین کے مرتبہ پر ان کو علم اجمالی عطا فرماتی ہیں اور واضح ہو کہ اس زمانہ میں بعضے احمق جاہل کندہ ناتراش جنکو بلاغت عربیت سے ادنیٰ
مس نہیں ہے زبان درازی کے ساتھ سوال کرتے ہیں کہ اسمیں کوئی بلاغت بیان کرو اور ضرور اسکے مثل ہم لا سکتے ہیں پس قسم ہے اس پاک
وحدہ لاشریک تعالیٰ شانہ کی کہ جنکو زبان عربیت کے بلاغات سے ذرہ برابر بھی مس ہے وہ ان احمقوں پر بے اختیار ہنستا ہے کہ یہ جاہل جنکو گدھوں سے

مثال دینا چاہیے گدھوں سے بھی زیادہ بیوقوف ہیں مرد عاقل ایسے احمقوں کی طرف لحاظ بھی نہیں کر سکتا ہے لیکن افسوس ہو کہ اہل اسلام ہمہ تن
دنیاوی کار آمد زبانوں کے سیکھنے میں ایسے سرگرم ہیں کہ گویا انکو عاقبت کا بالکل یقین نہیں ہے اور یہ درحقیقت کفر ہے اسی وجہ سے انکو ان علوم سے
کچھ نصیب نہیں بلکہ ان احمقوں کی بات پر لحاظ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معترض صاحب تو عربی خوب جانتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحکیم
اے لوگو عاقبت کو دیکھو آخر انجام موت و فنا ہے دنیا کی تھوڑی تکلیف پر صبر کرو اور دنیا کے حاصل کرنے میں دل مت لگاؤ بلکہ آخرت کیلئے
اگر تم کو مزدوری کھانے پینے وغیرہ کی احتیاج ہو تو اس نیت سے دنیا کی اتنی چیزیں حاصل ہو جانے کا ذریعہ سمجھکر شرعی جائز زبانوں و کاموں و
نوکریوں کیلئے کوشش کرنا امید ہے کہ مباح ہو لہذا عاقبت کیلئے علوم دین و عربیت میں کمال حاصل کرو واللہ تعالیٰ ہو الموفق و ہو الذی یفعل
ما یشاء و یحکم ما یرید ف — فی العرائس قولہ تعالیٰ وقیل یا ارض ابلعی ماءک الآیۃ جب سفینہ قلوب بحر علوم غیوب میں بہیں اور عظمت کے گرداب
میں پہونچے تو عزت القدم سے ڈوبنے کے قریب ہوئی پس سابقہ عنایت ازلیہ جسنے اب تک سطوات ربوبیت میں فنا ہو جانے سے محفوظ فرمایا
ہے ارادت قدیمہ سے بچا دیا اور زبان وصال نے آسمان کمال الذات و زمین صفات کو آواز دی کہ یا ارض ابلعی الی آخرہ پس ذات و صفات
ادراک عبودیت سے باہر ہوئے اور لطف سے اسکو مشاہدہ افعال و آیات کی طرف راجع فرمایا اور مسالک ازل و ابد اس روح نا المقدر پر بند کی
ہوئی چنانچہ آخر آیت کریمہ سے یہ اشارہ لیا گیا ہے پس احکام معارف ذات و صفات اسپر جاری ہوئے اور سوائے ذات و صفات کے جو کچھ
اس روح کاملہ پاس بقاوہ ذات و صفات میں غرق ہو گیا یعنی نفس و اسکے ہواجس و شیطان و اسکے وساوس اور عقول و اس کے مراتب
حتی کہ ہر دو جہان و جملہ عوالم سب اس سے مستغرق ہوئے اور وہ تمکین کیساتھ جودی طریقت و حقیقت پر متمکن ہو گئی چنانچہ اضطراب کے بعد اسکو
مواجید میں سکون ہوا اور قولہ تعالیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ میں یہ اشارہ خوب ظاہر ہے پس وہ تو الدنو سے بحر ازل و فنا میں غرق ہوئے
سے جسکا خوف میدان ابد کے قہری طوفان سے تھا جو قلزم کبریا و عظمت سے اٹھا تھا بچ گیا کیونکہ حسن عنایت ازلی نے بصفت رضا
اسکو قبول فرمایا لہذا آنحضرت علیہ السلام دعا فرماتے کہ اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بمعافاتک من عقوبتک و اعوذ بک
منک الحدیث ۔ آنحضرت علیہ السلام بدارک صفات و مرآئے انوار ذات میں حقائق ازلیت میں شناور تھے پس نکرت کے قہر سے
خائف ہو کر کبھی صفت سے صفت کی طرف اور کبھی فعل سے فعل کی طرف اور کبھی ذات سے ذات کی طرف گریز فرمایا پس معنی یہ کہ
میں پناہ ڈھونڈھتا ہوں تیرے رضوان عنایت کیساتھ تیرے خشم غیرت سے اپنے اوپر اس بات میں کہ تیرے سوائے کوئی اور تجکو
پہچان لے اور نیز میں پناہ ڈھونڈھتا ہوں تیرے رضوان جمال کے ساتھ تیرے سطوات جلال سے تاکہ تیرے ساتھ تجھ میں فنا ہوں
اور میں پناہ ڈھونڈھتا ہوں تیرے رضوان بقار کے ساتھ صولت تجلیات قدم سے پھر جب صفت میں دوران سے زوال کا خوف کیا
تو وہان سے افعال کی طرف فرار فرمایا کہ دل کو راحت پہونچا دیں جو عظمت الوہیت کا بار اٹھا چکا ہے لہذا فرمایا اعوذ بمعافاتک
من عقوبتک یعنی ازلی عنایت دعوت کے معافات میں تیرے ابدی ہجر کی عقوبت سے پناہ لیتا ہوں پھر جب راحت حاصل
ہو گئی تو مکرر مشاہدہ ذات کی طرف رجوع لائے بقولہ اعوذ بک منک یعنی تیرے فردانیت کی پناہ میں آتا ہوں حلاوت جمال مشاہدہ
سے جہاں عاشق تیری وحدانیت میں ہو جاتا ہے تاکہ تیری ہی بقار وحدت کی پاکی بیان کرنے میں دعوی انانیت سے بچا رہے ۔ اور
میں پناہ لیتا ہوں اس مقام کی پردگی و مکر سے حتی کہ میں ہوں اور تو ہی ہو اور میں نابود ہوں جیسے تو نہیں اور تو ہی ہو جیسے تھا پھر جب اسلام
عبودیت سے فانی اور مشاہدہ ربوبیت از افعال و صفات میں باقی ہو کر استقامت کیساتھ انوار الوہیت سے توحید و افراد القدم عن الحدث کے

موازی ہو کر حضرت حق عزوجل سے زبان ازلی پائی تو تعریف بیان نہ پائی بقولہ لا احصی ثناءً علیک - اپنے حدوث وعبودیت کا اقرار باقی رکھا پھر قول انت کما اثنیت علی نفسک - یہاں نفس و شان وعبودیت و تکلیف و وجود اور قرب و بعد اور تصاریف علل سب کو درگاہ حضرت رب العزت سے بدر کیا اور اسی پاک حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام کمالات کو رجوع کیا - فافہم - اب ہم ظاہری آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام اذیت قوم سے ضیق انقباض میں تھے پس وصل بلا فرقت اور بسط بلا قبض اور انس بلا وحشت کی خواہش کی لہذا حضرت پروردگار سبحانہ سے دعا کی کہ اس سے نجات فرما دے پس اللہ تعالیٰ نے قوم کو غرق کیا ولیکن بشریت سے اپنے پسر کے حق میں مناجات کی تو موج آئی اور اسکو غرق کیا تاکہ پیغمبر کے دل میں سوائے حق کے کچھ باقی نہ رہے - استاد رح نے کہا کہ پسر کنعان کے غرق ہونے کی موج ٹھہری یعنی جذب منقطع ہوا گویا اسی کا غرق مقصود تھا - پھر حق تعالیٰ نے انبساط نوح علیہ السلام سے آگاہ فرمایا - بقولہ تعالیٰ

وَنَادٰى نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِىۡ مِنۡ اَهۡلِىۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَـقُّ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو بولا اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور تیرا وعدہ سچ ہے

وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ ۝ قَالَ يٰـنُوۡحُ اِنَّهٗ لَـيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ

اور تیرا حکم سب سے بہتر ہے فرمایا اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں اسکے کام ہیں

صَالِحٍ‌ ‌ۖ فَلَا تَسۡـئَلۡنِ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ‏ ۝ قَالَ

ناکارہ سو مت پوچھ مجھ سے جو تجکو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجکو کہ ہو جاوے تو جاہلوں میں بولا

رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـئَلَكَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِىۡ وَتَرۡحَمۡنِىۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ‏ ۝

اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہو مجکو اور اگر تو نہ بخشے مجکو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں خرابی والوں میں

وَنَادٰى - اور پکارا یعنی دعا کی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ نوح نے اپنے رب سے - فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِىۡ مِنۡ اَهۡلِىۡ پس کہا کہ اے رب میرے میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَـقُّ - اور بیشک تیرا وعدہ حق یعنی صدق ہے - گویا قولہ احمل فیہا من کل زوجین اثنین واہلک - کی طرف اشارہ کی یعنی تو نے میرے اہل کو نجات کا حکم دیا ہے وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ - اور تو احکم الحاکمین ہے یعنی سب حاکموں سے افضل ہے یا عدل و علم میں سب سے بڑھکر ہے اور اولیٰ قول یہ کہ تو بڑے اتقان والا ہے کہ تیرے حکم میں کوئی نقص و خلل نہیں ہو سکتا کیونکہ تجھے اسکا خوب علم ہے اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے قولہ اہلک الا من سبق علیہ القول میں اہل سے ازلی کافروں کو استثنا کر دیا تھا پھر نوح نے کیونکر اسکے لئے دعا کی تو جواب یہ کہ نوح کو اسوقت تک یہ یقین نہ تھا کہ وہ ازلی کافر ہے پھر کہا گیا کہ دعائے مذکور کشتی روان ہونے سے پہلے تھی کیونکہ اسوقت تک نجات کا امکان تھا اور بعض نے کہا کہ پسر مذکور کو نمائش کرنے والے کے انکار کرنیکے بعد یوں دعا فرمائی ولیکن اس قول پر ضرور ہے کہ قولہ حال بینہما الموج کے یہ معنی ہیں کہ موج حائل ہو گئی اور پردہ ہو گیا اور یہ نہیں کہ وہ اسی وقت غرق ہو گیا - اللہ تعالیٰ نے نوح کو جواب فرمایا کہ اہل میں تیرا بیٹا داخل نہیں ہے بقولہ قَالَ يٰـنُوۡحُ فرمایا کہ اے نوح اِنَّهٗ یہ تیرا بیٹا جسکی تو نجات مانگتا ہے لَـيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ - نہیں ہے تیرے اہل میں سے یعنی ایسے مومنوں میں سے جنہوں نے ایمان لاکر تیری پیروی کی ہے اگرچہ قرابت کی راہ سے تیرا بیٹا ہے اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ وہ نہیں ان لوگوں میں سے جنکی نجات کا میں نے تیرے ساتھ میں وعدہ فرمایا ہے ہیں سے بعض نے کہا کہ قولہ لیس من اہلک تنصیص ہے کہ یہ لڑکا حضرت نوح کے نطفہ سے نہیں تھا اور استبعاد کیا کہ نبی کا لڑکا کافر ہوئے اور جواب یہ ہے کہ اہل سے مراد اُن کی اتباع

مومنین مین نہیں یسے اہل سے نہ تھا اگرچہ قراتی پسر تھا بیل قولہ ۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۔ انہ ذو عمل غیر صالح ۔ یہ لڑکا بے نیکوئی کے عمل والاہی
نیس عمل مصدر کو بمبالغہ محمول کیا گویا وہ نرا بدکاری ہو اور حق یہ ہو کہ کافر آدمی اتنی کوئی نیکی نہیں رکھتا اگر باعتبار صورت کے بعض سکے اعمال
اس قابل ہوتے ہین کہ دنیاوی دولت اسکا عوض ہوا وہ نکوئی درحقیقت وہ ہی جسکا بدلا نعمت کاملہ آخرت ہوسکے بالجملہ بدکاری و کفر
کی وجہ سے اسکو اہل نہیں قرار دیا ورنہ صریح قولہ نادی نوح ابنہ ۔ اور قولہ یابنی ۔ دلیل ہو کہ وہ بیٹا تھا اور عکرمہ و سعید بن جبیر و ضحاک و اکثر
مفسرین نے کہا کہ وہ نوح کا بیٹا اُنکے نطفہ سے تھا اور یہی صحیح ہو اور ابن عباس رضی سے روایت ہو کہ کسی نبی کی جورو نے زنا نہیں کیا بالجملہ
کلام کو حقیقی معنی سے مجاز کی طرف پھیرنا بلا ضرورت نہیں جائز ہی اور اسمین شک نہین کہ اللہ تعالیٰ مومن سے کافر اور کافر سے مومن پیدا
فرماتا ہی چنانچہ آدمؑ سے قابیل کو اور آزر سے ابراہیم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ۔ ایسے ہی کنعان کو پشت نوحؑ سے پیدا کیا وہ قادر مختار ہے
جو چاہے جسطرح چاہے کرے ۔ واضح ہو کہ قولہ انہ عمل ۔ مین جمہور کی قرأت عمل مصدر ہو اور انہ ضمیر مین دو قول ہین ایک یہ کہ راجع
بجانب پسر ہی پس عمل اسکی خبر بطریق زید عدل ہی اور یہی ارجح ہو اور صاوی رحؒ نے کہا کہ شیخ سیوطی رحؒ نے اشارہ کیا کہ یہان مضاف محذوف
او ضمیر راجع بجانب نوح ہی یعنی ان سوالک عمل غیر صالح لے غیر مقبول یعنی تیرا یہ سوال کرنا ایسا کام ہی جو مقبول نہین ہو اور ابن عباس رضی
سے جو تفسیر مروی ہو اسکی تائید کرتی ہو کہ کہا کہ معنی یہ ہین کہ اے نوح تیرا مجھ سے یہ سوال کرنا عمل غیر صالح ہی مین پسند نہین کرتا ہون پھر
اس سوال سے منع فرمایا بقولہ ۔ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۔ پس تو مجھ سے مت مانگ وہ چیز کہ جسکا تجکو علم نہین ہی یعنی جب تجھے
نہین معلوم کہ اسکا مانگنا ٹھیک ہی تو مانگنا چاہیئے یا نہین ٹھیک ہو کہ ترک کرنا چاہیئے اور یہ حکم عام ہی ہر شخص جو اپنی درخواست کو مطابق شرع
نہ جانے وہ سوال نہ کرے بعض نے کہا کہ یہ معنی ہین کہ اے نوح تجکو نہین معلوم کہ وہ ازلی کافر ہے اور قولہ الا من سبق علیہ القول مین داخل ہو
اور بعض نے کہا کہ تجکو نہین معلوم کہ وہ منافق ہو مومن نہین ہو ولیکن اول ارجح و اوفق ہی ۔ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۔ ای
انہاک من ان تکون من الذین یجہلون فیسئلون ما لا علم لہم بہ ۔ مین تجکو نصیحت کرتا یعنی منع کرتا ہون اس امر سے کہ تو جاہلون مین سے
ہو جائے یعنی اُنکے مانند ہو جو جہالت کرتے پس مانگتے ہین وہ چیز جسکا اُنکو علم نہین ہو ۔ یہان سے بھی کہا گیا کہ حضرت نوحؑ کو اُسکے قطعی کافر
ہونے کا علم نہ تھا بلکہ ظاہری اقرار منافقانہ سے مشتبہ تھے ورنہ معلوم ہے کہ مشرک کافر کے واسطے مغفرت نہین ہو یا جو ازلی مطرود ہو
وہ حسب تقدیر کبھی مومن نہ ہوگا ۔ کرخی رحؒ نے کہا کہ نوحؑ کے سوال کو جہل سلئے فرمایا کہ فرزند کی محبت مین اُنکو استحضار قولہ الا من سبق
علیہ القول ۔ یاد نہ رہا ۔ ابن العربی رحؒ نے کہا کہ یہ نصیحت و موعظت از جانب الٰہی تھا ایک فضل ہو جس سے نوحؑ کو مقام جاہلین سے
خارج اور بلند مرتبہ کر کے مقام علماء عاملین پر پہونچایا جب نوحؑ کو اپنا سوال غیر مطابق تقدیر و رضائے الٰہی و غیر موافق منصب
نبوت عظمیٰ معلوم ہوا تو فوراً مغفرت و رحمت کی درخواست کی بقولہ ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ ۔ نوحؑ نے کہا کہ اے رب میرے
مین تیری پناہ مین آیا اور التجا و عذر لایا مین اَنْ اَسْئَلَكَ اس امر سے کہ مین تجھ سے مانگون مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۔ ایسی چیز جسکا مجکو علم
نہین ہو خوفناک ہوئے کہ یہ سوال اس صورت مین تقدیر و علم الٰہی سے معارضہ ہوا اگرچہ دعا مین کوئی گناہ نہین ہی لہذا زیادہ خوفناک ہو کر
التجا کی وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وان لا تغفر لی ذنب ما دعوت کذلک ۔ وَتَرْحَمْنِیْۤ ۔ بقبول توبتی بالرحمۃ الواسعۃ اور اگر تو نہ بخشے مجکو میرا یہ
گناہ جو مین نے اسطرح سوال کرنے سے کیا اور اگر تو نہ رحم فرمائے مجھ پر اپنی وسیع رحمت سے اسطرح کہ میری توبہ قبول کرلے ۔ اَكُنْ مِّنَ
الْخٰسِرِیْنَ ۔ تو مین خسارہ والون مین سے ہو جاؤن ۔ واضح ہو کہ یہ شان نبوت تھی کہ خالی ایسی دعا سے اسقدر خوفناک ہو کر گڑگڑانے لگے

اور شاید کرمیہ مین کوئی امر ایسا مذکور نہین کہ جو نوح ؑ سے گناہ و معصیت صادر ہونے پر دلالت کرے سوائے اس بات کے کہ ایک ایسے امر کی دعا مانگی جو علم الٰہی مین تقدیر سے موافق نہ تھا اور یہ کچھ معصیت نہین ہو سر آج مین ہو کہ نوح سے اجتہاد مین چوک ہوئی جیسے آدم علیہ السلام سے درخت کا پھل کھانے مین چوک ہوئی ف قال المترجم علیہ وفیہ نظر لان ما وقع من آدم علیہ السلام کان سہوا منہ تصریح قولہ تعالیٰ فنسی و لم نجد لہ عزما ۔ واما نوح علیہ السلام فلم ینس و کان من اولی العزم غیر انہ سأل ما لا علم لہ بہ من شقاوۃ ابنہ ہذا واما استغنائہ فشان الانبیاء کما قال تعالیٰ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون وقولہ تعالیٰ وہم من خشیتہ ربہم مشفقون ۔ اولا تری الی ما اجاب اللہ تعالیٰ بحیث وعظہ وذکرہ ولم یؤاخذہ بشئ واما ما وقع لآدم علیہ السلام بعد اکل الشجرۃ من ہبوط من الجنۃ الی الارض فلیست بعقوبۃ ایضا بل من قبیل ما اودعہ اللہ تعالیٰ من خواص الاشیاء کانہ اکل شیئا قدر اللہ تعالیٰ من اثرہ ما وقع منہ فلیتامل ف وفی العرائس قولہ ونادیٰ نوح ربہ الآیۃ تحرک سر بشریت بمقام امتحان الٰہی ہو کہ نوح ؑ کی شان سے تھا کہ اسرار کو اغیار کی طرف نظر سے پاک رکھکر موجود و معبود کو فراموش نہ کرین لہذا انہین دخلیل کے امتحان مین غرق رہا کہ آگ مین ڈالے جانے کے وقت ملائکہ مقربین وغیرہ کسی سے مدد نہ چاہی اور اپنے آپکو مسلم کردیا اور صحیح ہوا قولہ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین ۔ پس معارضہ قلب حول و قوت و نفس و تمام حالت سے بیزار ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لگ گئے اور نوح علیہ السلام نے غرق فرزند کی طرف التفات کرکے سوال کیا حالانکہ مقام توحید مین اور تسلیم و رضا و شرط معرفت مین فرزند کا کیا ذکر ہی اور انبساط کیساتھ مناجات مین حکم کیا کہ میرا پسر میرے اہل مین سے ہو حالانکہ وہ اہل حق نہ تھا اسواسطے یہ جواب پایا کہ انہ لیس من اہلک اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نوح ؑ فرزند کی طرف نظر کرنے سے تقدیر سابق سے غافل ہوئے اور یہ انبساط تھا جو کمال رحمت سے حضرت نوح ؑ کے اسرار پر وارد ہوا اور جو انبساط کہ مقام امتحان مین حکم سابق کے دیدار پر ہو وہ مراد ملنے سے دور رہتا ہو حسین ؒ نے کہا کہ انبساط قدرت الٰہی قہر و جبروت کی وجہ سے مقام انبساط نہین ہو ورنہ رد کردیا جاتا ہو پھر اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو پہچنوا دیا کہ جیسی اہلیت ظاہری ان کے اور بیٹے کے درمیان مرتفع ہو ویسی ہی ان کی روح و بسر کی شرح مین اہلیت مرتفع ہی کیونکہ ازل مین انکے بیٹے کو معرفت و محبت و تقویٰ کی اہلیت عطا نہین ہوئی بقولہ انہ عمل غیر صالح ۔ جو تجکو معرفت دی گئی اسکی اہلیت تیرے پسر مین نہین ہو وہ کسی طرح بھول نہین ہو سکتا فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم ۔ ادب سکھلایا کہ وہی دعا مانگو جو موافق تقدیر ہو ورنہ جو مشیت الٰہی سے ناموافق ہو وہی مراد نہین ملتی ہی اور یہ جو فرمایا انہ عمل غیر صالح ۔ اسکے معنی یہ ہین کہ اسکے اعمال موافق سنت نبی ؑ نہین ہین پھر وعظ فرمایا بقولہ انی اعظک ان تکون من الجاہلین ۔ جاہل اسکو کہتے ہین جو تقدیر الٰہی کو بھولا اور اسکی لیاقت والون کو بنانا مراد یہی کہ مین تجھے نصیحت کرتا ہون کہ تو سوال کرنے مین خلاف ادب راہ چلے بلکہ ارادہ الٰہی کے موافق ہونا واجب ہے۔ اسمین خواص عارفین کو تہدید ہو کہ بارگاہ حق مین غیر کی طرف التفات کرنے سے اپنے خواطر کو صاف رکھین تا کہ مقام احتشام مین مراد الٰہی کے لیے سر تسلیم جھکائے ہوئے ہون قاسم رحمہ اللہ نے کہا کہ اہلیت دو طرح کی ہوتی ہو اہل قرابت اور اہل ملت پس پسر نوح ؑ کو اہل ملت ہونے سے منفی کردیا اور قرابتی ہونے سے نفی نہین فرمائی ہے قولہ ۔ انی اعظک بعض نے کہا کہ مقصود یہ ہو کہ کیا تو نے نہ جانا کہ مین نے نیک بختون و بدبختون کو ازل مین مقدر کردیا ہو پھر میرا حکم قضا رد نہین ہو سکتا اب مین تجھے نصیحت کرتا ہون کہ تو ان احکام کو بھونے والا مت ہو جیو بعض نے کہا کہ نوح ؑ نے خصوص کرکے اپنے بیٹے کیلئے دعا فرمائی تو کیونہ عتاب کیا کہ میرے تمام بندون کے درمیان سے خالی اپنے پسر کے لیے دعا فرمائی پھر نوح ؑ نے تضرع و عاجزی کے ساتھ بارگاہ کبریائی مین رجوع کیا بقولہ قال رب انی اعوذ بک ان اسئلک ۔ اسمین بیان ہو کہ جو مانگے اسکے جانے بغیر

اسکا سوال کر بیٹھنا خوب نہیں ہے اور جب آنحضرت کو چوکنا معلوم ہوا تو خضوع و خشوع سے ملتجی ہوئے کہ اے رب اگر یہ ترک ادب تو نہ بخشے اور
مجھ پر رحم نہ فرماوے کہ عبودیت میں ربوبیت آسان کرے تو میں ایسے لوگوں میں سے ہو جاؤنگا جنھوں نے عبودیت میں حقائق معرفت کو گم کیا۔
ابو سعید الخراز نے کہا کہ نوح علیہ السلام نے جو انبیا اولو العزم میں سے تھے ساڑھے نو سو برس اللہ تعالی کی بندگی میں نہایت کوشش و نصیحت کی
اور طرح طرح کی ایذائیں اٹھائیں پھر اس کہنے پر کہ رب ان ابنی من اہلی جب عتاب کئے گئے تو خوف کبریائی سے ساری باتیں بھول گئے
اور سال بھر اس ترک ادب سے رویا کئے یہاں تک کہ کہا والا تغفرلی وترحمنی الخ پھر اس بات کہنے سے مدت تک نادم رہے پھر جب نوح علیہ السلام نے
کبریائے الٰہی کیلئے خشوع و خضوع کیا تو حق عزوجل نے اُن کو لباس انوار امن و عافیت پہنایا اور فرمایا۔

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ

حکم ہوا اے نوح اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کیساتھ تجھ پر اور کتنے فرقوں پر تیرے ساتھ والوں میں اور کتنے فرقوں کو فائدہ دینگے پھر

يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

پہونچے گی اُنکو ہماری طرف سے دکھ کی مار یہ بعضی خبریں ہیں غیب کی کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف اُن کو جانتا نہ تھا تو

وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

اور نہ تیری قوم اس سے پہلے سو تو ٹھہرا رہ البتہ آخر بھلا ہے ڈر والوں کا

معانقہ ع ۱۴/۴ عند المتاخرین

قِيلَ يٰنُوحُ۔ کہا گیا اے نوح یعنی حق تعالی نے وحی فرمائی۔ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔ اتر کشتی سے یا جودی پہاڑ سے ہماری طرف سے سلامتی
و امن کے ساتھ۔ کما قال تعالی سلام علی نوح فی العالمین۔ بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ غرق چونکہ تمام روئے زمین میں عام تھا تو کشتی
سے اترنے میں گویا حضرت نوح کو خوف ہوگا کہ کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملیگی لہذا حق تعالی نے سلامتی و عافیت کی بشارت دی
اور فرمایا۔ وَبَرَكٰتٍ اور برکتوں کے ساتھ یعنی امن و عافیت جسمانی اور برکات انواع رزق وغیرہ سے عَلَيْكَ تجھ پر۔ وَعَلٰٓى اُمَمٍ
مِّمَّنْ مَّعَكَ۔ اور امتوں پر تیرے ساتھ والوں سے۔ اگر کہا جائے کہ مِمَّن مَعَک میں مِن تبعیضیہ ہے پس ساتھ والوں میں سے بعض امن و برکت
میں داخل ہیں جواب دیا گیا تین طرح سے۔ اول آنکہ کشتی میں وحوش و طیور و بنی آدم سب تھے انہیں سے وحوش و طیور وغیرہ امم کو چھوڑ کر سلام کیساتھ
بنی آدم کو مکرم فرمایا۔ اور اطلاق امت کا اقسام وحوش و طیور وغیرہ پر قرآن و حدیث میں شائع ہے پھر بنی آدم کو بلفظ امم تعبیر کرنا اسوجہ سے
کہ وے جماعات متفرقہ تھے دوم آنکہ مِمَّن مَعَک سے انکی پشت کی اولاد سمیت مراد ہے اور مشہور ہے کہ جو لوگ کشتی میں ان کے ساتھ تھے انکے اولاد
تھیں ہی اور نوع انسانی اولاد نوح میں منحصر ہوئی اسی سے اُن کو آدم دوم و آدم صغیر کہتے ہیں اور وہ آدم سے ہزار برس بعد آٹھویں
پشت بعد ہوئے ہیں پس مراد اس سے اولاد نوح کی تقسیم بجانب مومن و کافر ہے ورنہ اُن کے ساتھ والے سب مومن تھے سوم ابو السعود رح
نے کہا کہ مِن بیانیہ ہو سکتا ہے یعنی اُن امم پر جو تیرے ساتھ ہیں اور جماعات متفرقہ ہونے سے اُن کو بلفظ امم تعبیر فرمایا۔ واضح ہو کہ مشہور
یہ ہے کہ دعوت نوح عام تھی تمام روئے زمین کے لوگوں کو ایمان لانے کا حکم تھا اسی واسطے کفر و اصرار سے عام طوفان آیا و لیکن مترجم نے
سابق میں بعض مقام پر اشارہ کیا ہے کہ عموم دعوت کا کوئی ثبوت نہیں اور بعض محققین نے اسی کو صراحۃ بیان کر کے صحیح قرار دیا ہے اور کلام
الٰہی مانند قولہ ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ۔ شاہد ہے کہ دعوت مخصوص بقوم نوح تھی لیکن قوم مذکور کو اسقدر ترقی ہوئی کہ روئے زمین کے پہاڑوں و
ملکوں میں پھیل گئی لہذا طوفان محیط ہو گیا۔ وعلی ہذا ممکن ہے کہ بعض اقوام جن کی طرف انکی بعثت نہیں تھی عام عذاب طوفان سے بچے ہوں

لہذا چین و ہندوستان و فارس و اسے جنکو طوفان سے انکار ہے یعنی قائل ہین کہ عموماً ہم لوگ غرق نہین ہوے یہان ارض بابل وغیرہ ممالک مغرب غرق طوفان ہوئے ہین تو شاید ایسا ہوا و معنی یہ ہین کہ یہ لوگ قوم نوح مین سے نہ تھے اور قولہ تعالی وجعلنا ذریتہ ہم الباقین یعنی فی تلک البلاد التی غرقت۔ یا آنکہ من ذلک القوم پس اس صورت مین اقوام فارس و ہندوستان و چین وغیرہ شاید اولاد نوحؑ سے نہ ہون لیکن جمہور اہل ادیان اسپر متفق ہین کہ طوفان عام تھا اور قوم نوح تمام ہوے زمین پر پھیلی ہوئی تھی لہذا انکے مقابلہ مین ان چند اقوام کا اعتبار نہین ہو سکتا خصوصاً اس صورت مین کہ یہ اقوام ان ملکون مین بعد طوفان کے اولاد نوحؑ سے موجود ہو کر یہان آباد ہین پس انکو مشتبہ ہوا کہ یہان کبھی طوفان نہین آیا حالانکہ ان کے بسنے سے پہلے جب طوفان آچکا تو ان کے اگلون کی کتابون مین کہان سے مذکور ہوتا فتدبر واللہ تعالی اعلم۔ بالجملہ اللہ تعالی نے حضرت نوحؑ کو سلام و برکات دین اور ان لوگون کو جو اُن کے ساتھ مین تھے بنابر آنکہ من بیانیہ ہو پس ساتھ والے یا تو یہی مراد ہین جو کشتی مین سوار تھے اور اس صورت مین کہا جائیگا کہ مشہور یہ ہے کہ ان کے اولاد باقی نہین رہی اور یا حضرت نوح کی پشت مین انکی اولاد سے قیامت تک کے امم مراد ہین اور اس صورت مین من تبعیضیہ اولی ہے یعنی ان اُمتون مین سے قلیل بعض اُمم پر برکت و سلامت فرمائی اور یہ امم مسلمہ ہین پھر باقی اُمم کافرہ کو بیان فرمایا بقولہ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ۔ اے ومنہم امم آہ او البواقی امم۔ اور امم ہین کہ ہم ان کو متاع دین گے جس سے وے دنیاوی حیات پوری کرین۔ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ پھر پہونچیگا ان کو ہماری طرف سے عذاب دکھ دینے والا یعنی آخرت مین بعد موت کے۔ اور احتمال ہے کہ یہ معنی ہون کہ ان مین سے بعض امم ہین کہ ہم اُن کو دنیاوی عیش و آرام دینگے پھر بسبب کفر و شرک و معاصی کے اُن کو دنیا و آخرت مین عذاب پہونچیگا اور مصداق اسکے اقوام حضرت صالحؑ و ہودؑ وغیرہ ہین واللہ اعلم۔ اور یہان ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اگر طوفان عام نہ ہو تو حضرت نوحؑ کے ساتھ والون پر سلامت و برکت کا حکم دیا اور انکو آگاہ فرمایا کہ بقایا دیگر امم ہین جنکو چند روزہ معاش دنیاوی کے بعد عذاب پہونچیگا اسلیئے کہ وے کافر اقوام ہین مانند اہل چین و فارس وغیرہ کے ولیکن معنی اسکا ضعیف ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت ضحاک سے روایت ہے کہ قولہ علی امم ممن معک آہ یعنی من لم یولد یعنی مراد وہ لوگ ہین جو ہنوز پیدا نہین ہوے تھے پس اللہ تعالی نے انکے لئے برکات واجب فرمائین کیونکہ علم آلہی مین انکا جنتی ہونا مقرر تھا اور قولہ امم سنمتعہم یعنی متاع حیات دنیا کے بعد ان کو عذاب ملیگا کیونکہ علم آلہی مین یہ لوگ بدبخت شقی تھے۔ محمد بن کعب نے کہا کہ اس سلام و برکات مین قیامت تک کے ایمان والے مرد و عورتین داخل ہین جیسے عذاب الیم مین قیامت تک کے کافر مرد و عورتین شامل ہین۔ ابن زیدؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی رضامندی کے ساتھ انکو نزول کا حکم دیا اور انسے نسل پیدا فرمائی جنمین سے بعض پر رحمت فرمائی اور بعض پر عذاب کیا بعض نے کہا کہ امم سنمتعہم سے اقوام ہود و صالح و لوط وغیرہ مراد ہین جو چندے متاع کے بعد عذاب مین گرفتار ہوئے۔ یہان تک قصہ نوحؑ تمام ہوا پھر فرمایا۔ تِلْكَ اے قصہ نوح مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ ابناء جمع نبا یعنی خبر اے من اخبار الغیب۔ یہ قصہ از اخبار غیب ہے۔ نُوحِيهَا إِلَيْكَ جس کو ہم تیری جانب وحی فرماتے ہین۔ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ جسکو نجانتا تھا تو اور تیری قوم یعنی اہل عرب۔ مِن قَبْلِ هَٰذَا۔ پہلے اس وحی سے یا قرآن سے یا اسوقت سے۔ اسمین تنبیہ ہے کہ یہ بڑی قوم جب اس سے غافل تھی تو اکیلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو وحی سے جانا اور کسی سے نہین سنا ہے لہذا کفار جو آنحضرت صلعم پر بہتان باندھے کہ لوگون سے یا جنون سے قصے سنکر نظم کرتے ہین اول تجدی و معارضہ رد فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اسکے مثل ایک ہی سورہ بنا لاؤ اور فرمایا کہ اخبار غیب بکثرت مذکور ہین کوئی لاؤ پھر جب عاجز ہو کر شرارت و عناد پر آمادہ ہوے تو انجام کار کی غیبی خبر کے ساتھ حکم دیا بقولہ۔ فَاصْبِرْ صبر کر اے محمد صلعم کافرون کی ایذا پر جیسے نوحؑ نے صبر کیا تھا۔ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ۔ بیشک نیک

انجام دنیا و آخرت مین انھین لوگون کیلئے ہی جو اللہ تعالیٰ پر تقوی کرتے ہین چنانچہ انجام کار حضرت نوح و مومنین کو سلامتی و برکات حاصل
ہوئین و کفار عذاب دنیا و آخرت مین دائمی گرفتار ہوئے اسمین آنحضرت صلعم کو تسلی اور خوشخبری ہی کہ انجام کو فتح و ظفر آنحضرت صلعم
کے واسطے ہی فـــــی العرائس قولہ تعالیٰ قیل یانوح اہبط بسلام الخ۔ اشارہ ہی کہ اہبط بسلام یعنی ہبوط بوصف سلام ہو یعنی ہاری
صفات و خلق سے متصف ہو کر کشتی حقیقت سے بسلامت نازل ہو کہ پھر اسکے بعد تیرے واسطے سوائے سلامتی کے یہ نہ ہوگا کہ سطوات عظمت
مین فنا ہو جاوے کیونکہ ہمارے وصل کی برکت سے تجھے اور تیری برکت سے تیری ساتھی قوم کو عذاب فراق سے نجات ہی پھر آنحضرت صلعم کو
کشف انباء الغیب سے تشریف فرمائی بقولہ تلک من انباء الغیب الخ کشف و انباء کے دو مرتبہ ہین۔ اول ارواح کیلئے اشباح سے پہلے دیوان
غیب مین کشف ہی کہ نور غیب سے اسرار مکتوم کو یہ ارواح دیکھتے ہین دوم اشباح مین ارواح کے ہو جانے بعد انکشاف ہی پس اسکو دیکھنا و سننا
اس چیز کا حاصل ہوتا ہی جو اشباح مین آنے سے پہلے ارواح نے غیب مین دیکھا تھا پس یہ کاشفہ تجدید عہد ہی اور مشاہدہ تذکیر عہد ہی اور یہ
جو فرمایا ما کنت تعلمہا یعنی وجود روح سے پہلے نہ جانتا تھا اور رہا بعد وجود روح کے جو ہوا اور ہونے والا تھا سب تعلیم الٰہی جان لیا اور اسمین
آنحضرت صلعم کو تسلی ہی کہ اولوالعزم انبیاء کی اقتدا مین اہل شقاوت سے ایذاء برداشت کرین کما قال تعالیٰ فاصبر ان العاقبۃ الخ
یعنی تقوی کے میدان مین جو لطائف بلاء و حقائق وجود عظمت و کبریاء کا ظہور ہو اسکی برداشت مین صابر رہو اور ہمت بلند رکھو اور
کسی غیر کی طرف نظر و التفات مت کرو کیونکہ جنھون نے میرے سوائے سب سے انقطاع کیا انجام کار انکو میرا وصال و دیدار جمال ہی۔ شیخ
جنید رحؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی و رسول کیواسطے ایک طرف غیب کو کشف فرمایا اور ہمارے پیغمبر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
کیلئے انباء الغیب کو کشف فرمایا اور یہ انتہا کشف ہی چنانچہ آنحضرت صلعم پر غیب سے وہ امور مکشوف تھے کہ مخلوق مین سے کسی پر کشف
ہونا روا نہین ہی اور یہ اسوجہ سے کہ آپ کو امانت علمی بدرجہ کمال حاصل تھی کیونکہ اسرار کا انکشاف انھین لوگون کو ہوتا ہی جو امین
ہین پس جتنا زیادہ امین ہو اتنا زیادہ کشف پاویگا۔ نصرآبادی رحؒ نے کہا کہ عاقبت کی نجات اسکو ملیگی جو ازل مین زیور تقوی سے آراستہ
ہوا ہی پھر حق تعالیٰ عزوجل نے اپنے رسول ہود علیہ السلام کا و انکی قوم کی ضلالت و عذاب کا حال بیان فرمایا۔ بقولہ تعالےٰ

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ

اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا انکا بھائی ہودؑ بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی تمہارا حاکم نہین سوائے اسکے تم سب

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ

جھوٹ کہتے ہو اے قوم مین تمسے نہین مانگتا اسپر مزدوری میری مزدوری اسی پر ہے جنے مجھکو پیدا کیا

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

پھر کیا تم نہین بوجھتے اور اے قوم گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع لاؤ اسکی طرف چھوڑ دے تم پر آسمان کی دھارین

وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

اور زیادہ دے تمکو زور پہ زور اور نہ پھرے جاؤ گناہگار ہو کر

یہ قصہ شرارت قوم عاد و اسکی ہلاکت کا ہی اور عاد نام ایک شخص کا ہی اسکے نام سے اس قبیلہ کا نام ہو گیا جیسے تمیم و بکر وغیرہ قبائل
عرب کا نام ہی اور کہتے ہین کہ عاد کا نام دو قوم کا ہی اول یہی عاد جو اولاد سام بن نوح سے بت پرست تھے جنکی طرف ہود علیہ السلام مبعوث

ہوئے اور نہایت قوی ہیبت ڈیل ڈول کے مغرور تھے اور دوم عاد جنہیں شداد مطرود اور لقمان مقبول وغیرہ تھے جنہیں صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے پھر نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام کے درمیان آٹھ سو برس کا فرق تھا اور ہود چار سو چونسٹھ برس زندہ رہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ۔ وَاِلٰی عَادٍ ۔ وارسلنا الی قوم عاد ۔ اَخَاھُمْ ۔ اے فی النسب لا فی الدین ھُوْدًا ۔ اور بھیجا ہم نے قوم عاد کی طرف اُنکے بھائی کو یعنی اُنکے نسبی بھائی کو نہ دینی بھائی کو اور وہ ہود علیہ السلام ہیں ۔ قَالَ یٰقَوْمِ ۔ ہود نے کہا کہ اے میری قوم ۔ اعْبُدُوا اللّٰہَ ۔ بندگی کرو اللہ تعالیٰ کی یعنی اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانکر اسی کی عبادت کرو اور بت وغیرہ سے شرک مت کرو ۔ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ نہیں تمہارا کوئی معبود سوائے اسکے یعنی درحقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے تمہارا کوئی معبود نہیں ہے مگر تم نے اپنے گمان پر بتوں وغیرہ کو شرکاء و معبودات بنالئے ہیں ۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۔ نہیں ہو تم مگر افترا کرنیوالے یعنی شریک و معبودات بنانے میں اور اس کہنے میں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے سفارشی و مستحق عبادت ہیں تم اللہ تعالیٰ پر افترا و بہتان دروغ باندھتے ہو ۔ بالجملہ میں نے جو وحی سے تم کو نصیحت کی وہی حق و تمہارے واسطے بہتر ہے ۔ یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ ۔ اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا عَلَیْهِ ۔ اس تبلیغ و نصح خالص پر اَجْرًا ۔ کچھ اجرت ۔ بلکہ محض خلوص سے اللہ تعالیٰ کے واسطے تم کو سمجھاتا اور راہ راست بتلاتا ہوں تو ایسی بے غرض نصیحت ضرور سچ و صحیح و ضرور ماننے کیلئے لائق ہے ۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ۔ نہیں میری مزدوری و اجرت مگر اُسی رب پر جس نے مجھے پیدا کیا یعنی جس نے فضل سے مجھے پیدا کیا اُسی سے مجھے ثواب کی اُمید ہے اور تم لوگوں سے میں کچھ نہیں چاہتا ہوں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ بھلا تم کو سمجھ نہیں ہے اگر سمجھو تو صاف نصیحت نیک ہے کیونکہ اچھی بات جو کوئی سمجھاتا ہے اور کسی طرح کی طمع نہیں رکھتا وہ کیوں جھوٹ بات کہیگا تو عقل والے کو صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ شخص بیشک رسول صادق ہے نہ مکار کاذب ۔ پھر قوم کے دلوں پر جو تاریکی چھائی تھی جسنے انکی عقل ہٹائی اُسکو دور کرنے کیواسطے توبہ و استغفار کی طرف ارشاد کیا بقولہ تعالیٰ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ۔ اے قوم تم مانگو مغفرت اپنے پروردگار سے پھر اُسکی طرف رجوع لاؤ یعنی اگلے گناہوں اور اُنکی سیاہی دور ہونے کی درخواست کرو اسطرح کہ تم کو طاعات الٰہی کی توفیق دیدی جائے پھر اسکی طرف صفائی دل سے رجوع لاؤ ۔ چونکہ اُنکو متاع دنیا کی طرف رغبت زیادہ تھی اور طاعات سے یہاں بھی بھلائی ملتی ہے تو ترغیب دلائی کہ تمہاری اس اطاعت و طاعات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۔ یہ جواب امر ہے اور معنی یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار و توبہ کرو وہ ارسال فرمائیگا تم پر سما یعنی سحاب کو مدرار یعنی کثرت سے دردر والا یعنی پے در پے کثرت سے برسنے والا پانی تم پر برسادیگا ۔ واضح ہو کہ قوم ہود کھیتی و باغوں کی کثرت رکھتی اور یمن و شام کے درمیان بستی تھی ضحاکؒ نے کہا کہ تین برس مینہ نہیں برسا جس سے قحط ہو گیا پس ہودؑ نے انکو استغفار و توبہ کی نصیحت کی یعنی ایمان و اطاعت کی مگر وے اور زیادہ سرکش ہوئے اگر کہا جاوے کہ سماء مؤنث ہے تو مدرارۃ بتانیث چاہیے جواب یہ کہ مدرار صیغہ مبالغہ ہے جسمیں تذکیر و تانیث یکساں ہے بدون تاء کے یا سماء سے مراد سحاب و مطر ہے جو مذکر ہے ۔ وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ ۔ اور بڑھادیگا تمہاری قوت پر قوت ۔ یہ لوگ بڑے قوی تھے تو زیادہ قوت کا وعدہ دیا ۔ یا مراد یہ کہ فراخی پر فراخی یا عزت پر عزت بڑھائے گا عکرمہؒ سے روایت ہے کہ مراد اولاد پر اولاد ہے کہ تیس برس سے اُنکی عورتیں بانجھ ہو گئی تھیں اُنکے اولاد نہیں ہوتی تھی ۔ بالجملہ اُنکو اپنے پروردگار کی بندگی و طاعت پر دین و دنیا کی بہتری کا وعدہ فرمایا اور گنہگاری سے منع فرمایا بقولہ تعالیٰ ۔ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ۔ اور منہ مت موڑو اس حال میں کہ تم مجرم ہو یعنی کفر پاٹے ہوئے رہکر میری نصیحت سے منہ موڑو و ایسا مت کرو ۔ فی العرائس فی اشارات قولہ و یٰقوم استغفروا ربکم الآیہ یعنی استغفار کرو اپنے پروردگار کو چھوڑکر غیر کی طرف نظر رکھنے سے اور رجوع ہو اسکی طرف اپنے نفوس کو چھوڑکر اور اپنی

طاعت پر نظر کرنے سے تو باران قدم سے انوار تجلیات تمھارے دلون پر برسین گی اور تمھاری ارواح کو بستان قدس و ریاض انس مین طیران کی قوت حاصل ہوگی اور یہ قوت اسطرح ہوتی ہو کہ روح کو بحر سرمدیت وازلیت سے اور مشاہدہ ذات و صفات پاک سے زلال دوام بقا حاصل ہوکر لیاقت و قوت مشاہدہ حاصل ہو جاتی ہے حاصل آنکہ نفس جبتک فانی ہو کر باقی بقاء حق عزوجل نہو جاوے تب تک بے قوت و مردہ ہے۔ قوم نے نہایت غباوت و جہالت سے جواب دیا کما قال تعالیٰ۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

بولے اے ہود تو ہم پاس کچھ سند نہین آیا اور ہم نہین چھوڑنیوالے اپنے ٹھاکرون کو تیرے کہے سے اور ہم نہین تجکو ماننے والے

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا

ہم تو یہی کہتے ہین کہ تجکو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھاکرون نے بری طرح بولا مین گواہ کرتا ہون اللہ کو اور تم گواہ رہو

اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ

کہ مین بیزار ہون اُنسے جنکو شریک کرتے ہو اسکے سوائے سو بدی کرو میرے حق مین سب ملکر پھر مجکو فرصت نہ دو مین نے بھروسہ کیا

عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اللہ پر جو رب ہو میرا اور تمھارا کوئی نہین پاؤن دھرنیوالا مگر اُسکے ہاتھ مین ہے چوٹی اس کی بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ پر

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ

پھر اگر تم پھر جاؤگے تو مین پہونچا چکا جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تم کو اور قائم مقام تمھارے کریگا میرا رب کوئی اور لوگ

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْــًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝

اور نہ بگاڑ سکوگے اُسکا کچھ تحقیق میرا رب ہی ہر چیز پر نگہبان

قَالُوْا - کافرون نے عناد و بدبختی سے کہا کہ يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ - اے ہود تو نہین آیا ہمارے پاس کوئی روشن دلیل اپنے ساتھ لئے ہوئے یا تو نہین لایا کوئی کھلی حجت ہمارے پاس یعنی اس امر کی واضح دلیل نہین لایا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہو اُسی کی عبادت فرض اور بتون وغیرہ کا ترک فرض ہو۔ تمام معجزات سے منھ موڑ لیا اور خالی حضرت ہودؑ کا زبانی دعویٰ قرار دیا وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا اور ہم نہین ہین ترک کرنیوالے اپنے آلہہ معبودون بتون کو عَنْ قَوْلِكَ تیری بات کے سبب یا تیری بات سے وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ - اور ہم نہین ہین ایمان لانیوالے تجھ پر یعنی تیری تصدیق کبھی نہین کرین گے اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ یقال عراہ الامر واعتراہ اذا اَلَمَّ بہ اے اصابہ۔ ہم کچھ اور نہین کہتے مگر یہی کہ پہونچایا تجکو بَعْضُ اٰلِهَتِنَا ۔ ہمارے بعضے معبودون نے۔ بِسُوْٓءٍ برائی یعنی جنون کو یعنی ہم کو یہی یقین ہو کہ تو نے جو ہمارے آلہہ کو برا کہا تو ان مین سے کسی نے تجکو مجنون کر دیا ہو جس سے تو خلاف عقل باتین کرتا ہو جو ہمارے نزدیک بغیر جہت مین واقع ہوکہ اللہ عزوجل جب کسی کو مطرود فرماتا ہو تو وہ اپنی رائے و گمان کو جو ایک امر مین محیط ہو ایسا اندھا دوڑاتا ہو کہ تمام حکمت آلہیہ کو محیط ہو جاوے اور یہی مکر قدیم ہو حالانکہ قوم ہود کے احمق تو بالکل عقل کے دشمن تھے جو بتونکو مجنون کرنیوالا اور نفع و ضرر دینے والا خیال کرتے تھے لہذا حضرت ہود نے جواب ایسا دیا کہ تجکو سوائے حق تعالیٰ کے کسی پر بھروسہ نہین کیونکہ وہی نفع و ضرر دینے والا ہو لہذا علم الیقین کے طور پر میرے ضرر کی فکر کر چنانچہ کما بقولہ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ فرمایا کہ میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہون وَاشْهَدُوْٓا اور تم بھی گواہ رہو کہ اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ - بیشک مین بری ہون اُس چیز سے جو تم

شرک کرتے ہو اللہ تعالی کے ساتھ سوائے اللہ تعالی کے۔ اگر ما مین ما مصدریہ ہی تو یہ معنی کہ تمہارے شرک کرنیسے اللہ تعالی کیساتھ
غیر کو۔ فَكِيدُونِي جَمِيعًا۔ سو تم مکر و فریب کرو میرے ساتھ میرے قتل کرنے و برائی پہونچانے پر تم و تمہارے آلہہ سب کے سب۔ ثُمَّ
لَا تُنظِرُونِ۔ پھر تم مجھے کچھ مہلت مت دو بلکہ فوراً کر گزرو جو تمہارے خیال مین آوے یہ صاف معجزہ ہے کہ تم کو یا تمہارے آلہہ کو کچھ قدرت
نہین ہی۔ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم۔ مین نے بھروسہ کیا اللہ تعالی قادر قاہر ذوالجلال پر جو میرا رب و تمہارا رب ہی۔ اُسی کے
بھروسے پر مین نے یہ دعوی کیا ہی ورنہ مجھ مین بھی کوئی قدرت نہین ہی کیونکہ اسنے فرمایا ہی کہ من یتوکل علی اللہ فہو حسبہ۔ اسلئے کہ ہر چیز اُسی کے
قبضۂ قدرت مین ہی لہذا فرمایا مَا مِن دَآبَّةٍ من زائدہ بغرض استغراق نفی۔ نہین کوئی دابہ۔ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا۔ مگر وہی
رب قاہر پکڑے ہوا اُنکی پیشانی کو یعنی ہر دابہ کی پیشانی اسکے قبضۂ قدرت مین ذلیل ہی کسی کو طاقت نہین کہ اسکے حکم سے سرتابی
کر سکے پھر تمہارے یا تمہارے معبودون یا تمام عالم کی کیا طاقت ہی کہ اسکے بندۂ مطیع کو بدون اسکی مشیت کے ستاوین۔ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ بیشک میرا رب صراط مستقیم پر ہی یعنی حق عادل ہی جو چیز جسطرح پیدا فرمائی ہی بعدل و انصاف ہی اور اس چیز سے وہی صادر
ہوگا جسکے لیے اسکو پیدا کیا اسیواسطے تم ایمان سے انکار کرتے ہو اور صاف کہتے ہو کہ ہم کبھی ایمان نہین لاوینگے۔ فَإِن تَوَلَّوْا۔ پس اگر تم
اعراض کرو یعنی ایمان سے منھ موڑنے پر اڑے رہو اور کبھی نہ مانوگے تو مجھے تمہارے ایسے رہنے پر اپنے حق مین کچھ ڈر نہین۔ فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم
مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ۔ کیونکہ بیشک مین نے تم کو پہونچا دیا وہ پیغام الٰہی جسکے ساتھ مین تمہارے پاس بھیجا گیا تھا اور یہی مجھ پر واجب تھا
اب تم نے جو اصرار کیا ہی تو حجت الٰہیہ تمام ہونیکے بعد کیا لہذا عذاب مین مبتلائے جاؤگے۔ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ اور میرا رب
لاویگا بجائے تمہارے کسی دوسری قوم کو جو تمہارے دیار و اموال کے مالک ہونگے اور خبردار رہو کہ تم کچھ نہین کر سکتے ہو۔ وَلَا تَضُرُّونَهُ
شَيْئًا۔ اور تم اسکا کچھ نہین بگاڑوگے بلکہ اپنی دنیا اور آخرت خراب کرکے دائمی عذاب اُٹھاؤگے اور اگر عذاب آیا تو بیشک تم اسی لائق
ہو۔ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ۔ میرا رب ہر چیز پر حفیظ ہی۔ وہی رقیب و مہیمن ہی ہر چیز اسکے حفظ و علم مین ہی جو جس لائق ہی اسکو وہی
پہونچاتا ہی۔ ف۔ **فی العرائس** قولہ قال انی اشہد اللہ واشہدوا الخ مین جلال ازل مین ڈوبا ہوا ہون وہی میرا مشہود و معبود ہی پس مین
اسکے سوائے ہر ایسی چیز سے بری ہون جو اسکے سوائے بتلاتے ہو اور اپنی قوت و طاقت سے بھی اور تمہاری طرف نظر کرنے سے بھی بری ہون
تم اسکی بادشاہت مین ایک ذرہ قدرت نہین رکھتے ہو اور اگر تم کو کچھ دعوی ہی تو ہر حیلہ سے مجھ پر اپنا مکر پھیلاؤ دیکھو کہ کچھ بھی کر سکتے ہو اور
مجھے تو اپنی نبوت و رسالت مین اپنے رب پر وثوق ہی کہ مین اسکی طرف سے معجزات پر ہون اور وہ پاک تعالی ہر بندۂ صادق کیلئے اپنا
فضل فرماتا ہی اسیواسطے کہا۔ انی توکلت علی اللہ ربی وربکم۔ میری پرورش انوار مشاہدہ و لطائف وصل سے فرماتا ہی اور تمہاری
پرورش تمہارے ایجاد کرنے و ظاہری غذاؤن سے فرماتا ہی۔ پھر وصف کیا کہ میرا رب ذوالجلال قادر ہر ذرہ پر محیط ہی بقولہ ما من دابۃ الا
ہو آخذ بناصیتہا۔ بدالقدم سے ہر مخلوق کا ناصیہ پکڑ کر اسکو جبروت کیساتھ عدم سے وجود مین لایا اور پھر قدرت قہاری سے ہر چیز کو وجود
سے عدم مین لیجاتا ہے اور ہر چیز کو اسکی لیاقت کے موافق غذار ظاہری سے یا تجلی افعال و آیات و صفات و ذات سے غذا دیتا ہی پس
ارواح کو غذا تجلی ذات اور قلوب کو مشاہدہ صفات اور عقول کو مشاہدۂ انوار افعال و آیات سے ہی اور نفوس کو عنصریات غلیظہ سے غذا ہی۔ ان ربی
علی صراط مستقیم یعنی راہ ربوبیت پر ہی جسکی مبادی صحارای ازل و ابد ہین اور مجھے آسان طریقہ پر جو کہ طریقۂ علم ذات و صفات ہی اور وہی
طریق مستقیم ہی روان کرتا ہی کیونکہ جمیع احوال مین قلوب اولیاء پر تجلی فرماتا ہی اور وے اسی راہ سے چلتے ہین۔ علی صراط مستقیم وہی ہادی راہ مستقیم

ہے کیونکہ حوادث وکائنات کی کمی وتغیر سے پاک ہی - واسطی نے قولہ فکیدونی جمیعا میں کہا کہ ہود علیہ السلام پر اسوقت میں وصلت وقربت غالب تھی اور بہت خوب مقام ہو کیونکہ وہ محل حضور ومجلس قربت ہے - اسیواسطے بالکل اس مشاہدۂ وحدت میں کسی غیر کی پروا نہ فرمائی اور قصہ لوط علیہ السلام میں ہی لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید - یہ نطق لوط علیہ السلام نطق طبعی تھا انھوں نے اسوقت میں اپنا حال ووقت وان سے اشتغال دیکھا قال المترجم حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہی رحم اللہ لوطا الحدیث فلیتامل بعض مشائخ نے کہا کہ جو بندہ قبضۂ حق وسرادق عزت وہیبت میں ہو اسکو کسکی طاقت ہی کہ ایذا پہونچا سکے بلکہ ایذا اسی کو پہونچتا ہی جو مخالفت کے راستہ پر چلتا ہی - بعض مشائخ نے کہا کہ قولہ مامن دابۃ بھلا تجکو کیا قوت وقدرت ہو سکتی ہی جبکہ تیری ہستی وبقا رقبضۂ قدرت حضرت ذوالجلال میں ہی بعض کا قول ہو کر جسنے انا کہا یعنی میں ہوں تو اُسنے قبضۂ قدرت حق سے منازعت کی - بالجملہ جب ہود علیہ السلام سے کافروں نے امر الٰہی انکار کیا تو اُنھوں نے جان لیا کہ یہ سب ہلاک ہوں گے چنانچہ ان کے جواب میں اشارہ کیا اور وہی واقع ہوا لقولہ تعالیٰ۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ج وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ

اور جب پہونچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو یقین لائے تھے اُسکے ساتھ اپنی مہر سے اور بچا دیا اُن کو

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

ایک گاڑھی مار سے اور یہ تھے عاد منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے اور نہ مانے اُس کے رسول

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ

اور مانا حکم اُنکا جو سرکش تھے مخالف اور پیچھے پائی اُس دنیا میں پھٹکار اور

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝

قیامت کے دن سُن لو عاد منکر ہوئے اپنے رب سے سُن لو پھٹکار ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی

وَلَمَّا جَآءَ اور جب آیا اَمْرُنَا حکم ہمارا قوم ہود کے ہلاک ہونے کا یا ہمارا امر یعنی دنیاوی عذاب جو متصل بعذاب آخرت ہی اور وہ ہوائے تند سے قوم ہود کا ہلاک ہو کر دار البوار میں پڑنا نَجَّيْنَا هُوْدًا نجات دی ہم نے ہود علیہ السلام کو وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اور ان لوگوں کو جو اُسکے ساتھ میں ایمان لائے اور وے چار ہزار تھے بِرَحْمَةٍ مِّنَّا اے برحمۃ عظیمۃ کائنۃ منا - اپنی طرف سے بڑی رحمت کیساتھ کیونکہ عذاب نازل ہونے پر وہی بچتا ہی جسپر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو بعض نے کہا کہ وہ ایمان تھا جو ان لوگوں کو توفیق سے عطا ہوا تھا اور اشارہ ہی کہ نجات محض رحمت الٰہی پر دی ہی کسی کو اپنے افعال پر کیسے ہی نیک ہوں کچھ بھی گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ - اور نجات دی ہم نے انکو عذاب سخت شدید سے اور وہ عذاب آخرت ہی یہاں مختصر قصہ ہود تمام ہوا اور پہلے تفصیل سے گذر چکا ہی پھر قوم عاد سے عبرت کو بیان فرمایا لقولہ وَتِلْكَ عَادٌ - اسم اشارہ مؤنث اس اعتبار سے کہ عاد قبیلہ ہی چنانچہ کسائی نے کہا کہ بعضے عرب لفظ عاد کو قبیلہ کا نام کر کے غیر منصرف رکھتے ہیں مراد اس سے قوم عاد کے آثار وقبور وشہر ہیں جہاں قریش عرب کا گذر ہوتا تھا تو عبرت حاصل کرنیکو فرمایا کہ یہی عاد ہیں جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ - جنھوں نے انکار کیا اپنے رب کی نشانیوں وآیات سے یعنی ایسی واضح آیات کا انکار کرنا گویا جان بوجھکر انکار وجحد ہی بعض نے کہا کہ آیات معجزات ہیں وَعَصَوْا رُسُلَهٗ اور نافرمانی کی اُسکے رسولوں کی یعنی اکیلے ہود علیہ السلام سے انکار گویا تمام رسولوں سے انکار ہی کیونکہ رسول باہم رسالت میں یکساں ہیں اور

ع ۵

عہد ازل مین اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولون کی اتباع کرنے کا عہد لیا تھا بالجملہ رسل جمع فرمایا حالانکہ سوائے ہودؑ کے دوسرا رسول اسوقت نہ تھا تو اسکی دو تاویلین ہین ایک یہ کہ ہود سے انکار گویا سب رسولون سے انکار ہے دوسرے یہ کہ ہود کیلئے ضمیر جمع بطریق تعظیم ہی بعض نے کہا کہ ہود اور اُن سے پہلے سب رسولون سے انکار کیا اور بعض نے کہا کہ اس حالت پر تھے کہ اگر اُن کے پاس متعدد رسل بھیجے جاتے تو سب انکار کرتے لہذا رسولون سے منکر ہوئے وَاتَّبَعُوٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ - جبار تکبر کرنیوالا اور عنید سرکش جو حق بات نہ ماننے اور ظلم کرے قتادہؒ نے کہا کہ عنید مشرک ظاہر اشرک بدرجہ اولیٰ عنید مین شامل ہی یا یہان کی مراد بیان فرمائی ہی یعنی پیروی کی عوام قوم عاد نے ہر متکبر مشرک کے حکم کی یعنی ان مین کے رذیلون نے اپنے مالدارون و ثروت و قوت والون کی پیروی کی وَاُتْبِعُوْا اور پیچھے لگا دیئے گئے قوم عاد کے رذیل و مالدار سبکے سب - فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً اس دنیا مین لعنت وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور قیامت کے روز یعنی اس دنیا مین اور آخرت مین ان پر لعنت یعنی رحمت سے دوری لاحق ہوئی اور مراد یہ کہ دنیا و آخرت مین لعنت اُنسے کبھی جدا نہوگی - سدیؒ نے کہا کہ عاد کے بعد جو نبی مبعوث ہوا اُس نے اس قوم پر لعنت فرمائی - قتادہؒ نے کہا کہ لعنت دنیا اور لعنت آخرت سے ان پر پے در پے لعنت ہوئی - اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ - خبردار ہو کہ عاد نے ناشکری کی اپنے پروردگار کی - اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ - خبردار ہو کہ رحمت سے دوری یا ہلاکت ہی عاد کیلئے جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی دو مرتبہ تکرار مین مبالغہ و تاکید ہے

پھر عاد دوم کا حال فرمایا - بقولہ تعالےٰ -

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ

اور ثمود کی طرف بھیجا اُنکا بھائی صالح بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہین تمھارا اسکے سوائے اُسی نے بنایا تم کو

مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ

زمین سے اور بسایا تم کو اُسمین سو بخشواؤ اُس سے اور اُسکی طرف رجوع لاؤ تحقیق میرا رب نزدیک ہے

مُّجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ

قبول کرنیوالا بولے اے صالح تجھ پر ہم کو امید تھی اس سے پہلے تو ہمکو منع کرتا ہی کہ پوجین جن کو پوجتے رہے

اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝

ہمارے باپ دادے اور ہم کو تو شبہ ہی اُسمین جس طرف تو بلاتا ہی ایسا کہ دل نہین ٹھہرتا

عاد ثانیہ یہی قوم صالح ہی جسکا نام ثمود ہی اور حجر مین جو شام و مدینہ منورہ کے درمیان ہی رہا کرتے تھے کما قال الشیخ المحلی فی سورۃ النجم اور قرار نے ثمود کی قراۃ مین اختلاف کیا پس بعض مقام پر ثمود کو قبیلہ کا نام قرار دیکر غیر منصرف اور بعض مقام پر گروہ و قوم کے معنی مین منصرف پڑھا پھر حضرت ہود اور حضرت صالح کے درمیان سو برس کا زمانہ گذرا تھا اور صالحؑ دو سو اسی برس زندہ رہے اور اُنکی قوم بھی عذاب سے ہلاک ہوئی چنانچہ یہان سے زیادہ تفصیل اسکی سورۂ اعراف مین گذری ہی بیان فرمایا - وَاِلٰى ثَمُوْدَ اور بھیجا ہم نے ثمود کی طرف اَخَاهُمْ اُنکے بھائی کو جو نسبتی رشتہ سے اُنکا بھائی تھا اور وہ صٰلِحًا صالح علیہ السلام تھے - قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ - کہا کہ اے قوم توحید کرو اللہ تعالیٰ کی اسکے سوائے تمھارا کوئی الٰہ نہین ہی کیونکہ اسکے سوائے کوئی تمھارا خالق و مالک و منعم و سب کمال و قدرت والا نہین ہی - هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ - اُسی نے تم کو پیدا کیا زمین سے کیونکہ آدم علیہ السلام کا جسم

زمین سے بنایا پھر آدم سے سب آدمی پیدا ہوئے۔ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا لے اعمرکم فی الارض اور کر دیا تم کو اس زمین کے آباد کرنے اور بسنے والے ضحاکؒ نے کہا کہ تم کو دراز عمر دی زمین میں چنانچہ تین سو برس سے ہزار تک جیتے تھے بعض نے کہا کہ استعمرکم یعنی تم کو زمین میں عمارتیں بنانے و درخت لگانے سے عمارت کا حکم دیا۔ حاصل آنکہ تم کو پیدا کرنے و نعمتیں دینے والا وہی ہے فَاسْتَغْفِرُوهُ سو تم اس سے مغفرت مانگو کیونکہ جہالت سے تم نے خالق کو چھوڑ کر بتوں وغیرہ کی عبادت کی اور یہ جائز نہ تھا لہٰذا اس سے درخواست کرو کہ اے رب ہمارے جو کچھ ہم نے جہالت کی کہ غیر کو پوجا اسکو تو اپنے کرم سے معاف کر دے تاکہ تم پاک ہو جاؤ۔ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ۔ پھر تم اسکی طرف رجوع لاؤ تاکہ تم کو کمالات انسانی و نعمت دنیا و آخرت کی پاکیزہ زندگانی ملے۔ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ۔ بیشک میرا رب قریب مجیب ہے یعنی استغفار و توبہ و دعا کا قبول کرنیوالا اور جلد قبول کرنیوالا ہے یا علم اسکا قریب محیط ہے سب کی دعا سنتا ہے اور بڑا قبول کرنیوالا ہے۔ قَالُوا يَا صَالِحُ۔ قوم والے بولے کہ اے صالح قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا۔ تو تھا ہم میں اُمید لگایا گیا یعنی ہم تیری نیکی و سچائی و خوبی دیکھکر اُمید لگائے تھے کہ دنیا حاصل کرنے اور بتوں کی پجاری بنانے میں تجھ سے قوت و مدد پاوینگے یعنی دنیا حاصل ہونے میں ہم کو تجھ سے مدد کی اُمید تھی کیونکہ صالح علیہ السلام اسی قوم میں سے ضعیفوں کی خبر گیری کرنیوالے و فقیروں کی حاجتیں روا کرنیوالے تھے لہٰذا ان لوگوں نے کہا کہ تو ہم میں اُمید کیا گیا تھا قَبْلَ هٰذَا اس سے پہلے یعنی نبوت کا دعویٰ کرنے اور فقط ایک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دینے سے پہلے ہمکو تجھ سے صلاح قوم کی اُمید تھی جب حضرت صالحؑ نے ان کے بتوں کی مذمت فرمائی تاکہ سمجھکر بت پرستی چھوڑیں تو اُنھوں نے نہ مانا اور اُن سے اُمید توڑلی اور تعلیم توحید و بتوں کے ترک سے انکار کیا بقولہ۔ أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا۔ بھلا تو ہم کو منع کرتا ہے اس بات سے کہ ہم وہی پوجیں جو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے یعنی جو کچھ وے کرتے آئے انھیں کی تقلید کرنے میں ہمارا اطمینان ہے وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ۔ اور ہم تو بڑے شک میں پڑے اس چیز سے جسکی طرف تو ہم کو بلاتا ہے مریب از اراب یعنی ایسا کام کرنا جو ریب کو پیدا کرے یعنی جس سے اطمینان نہیں بلکہ اضطراب ہو۔ کفار ثمود کو حضرت صالح کا توحید سکھلانا ایسا کام معلوم ہوتا تھا جو ان کو شک میں ڈالے باوجودیکہ توحید کھلی ظاہر ہے اور شک بھی ایسا کہ جو مریب ہو یعنی اضطراب و بے اطمینانی میں ڈالنے والا ہو اور باپ دادے کی تقلید پر بت پرستی کرنے میں بڑا اطمینان تھا حالانکہ شرک بہت ظاہر بدی ہے یہی حال تمام دنیا چاہنے والوں کا ہے جنکو ہدایت نصیب نہیں ہوئی اگرچہ اپنے نزدیک بڑے لوگ بڑے عقیل بنیں پھر حضرت صالح کا جواب فرمایا

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ

بولا اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سوجھ مل گئی اپنے رب سے اور اُسنے مجکو دی مہر اپنی طرف سے پھر کون میری مدد کرے اللہ کے سامنے

إِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ

اگر اسکی بےحکمی کروں سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ۔ ابن عطیہؒ نے فرمایا کہ رویت سے یہاں رویت قلبی مراد ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتی ہے مانند رایت زیداً فاضلاً یعنی میں نے زید کو فاضل دیکھا پس یہاں آگے جملہ شرط و جزا بجائے اسکے دو مفعول کے ہے۔ شیخ وغیرہ نے فرمایا کہ ارأیتم بمعنی اخبرونی ہے یعنی متضمن معنی اخبار ہے ورنہ جملہ شرطیہ قائم مقام دو مفعول نہیں ہوتا ہے۔ المعنی حضرت صالح نے کہا کہ اے قوم مجھے آگاہ کرو کہ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي۔ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ پر ہوں یعنی روشن واضح حجت لایا ہوں۔ وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً۔

اور اُسنے دی ہو مجھے اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت۔ کافرون کے شک دور کرنے کا جواب دیا کہ تمہین ایسی صورت مین بھی شک ہوگا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات و نبوت حاصل ہو اگر کہا جائے کہ حرف ان کنت مستعمل بمقام شک ہوتا ہو تو جواب یہ ہو کہ بیشک حضرت صالح کو یہ باتین بالیقین حاصل تھین مگر بحرف شک بیان کرنا دو وجہ سے ہو یا تو کافرون کی رسی ڈھیلی کرنے کے طور پر تھا کما قال الخفاجی اور یا اسلیئے کہ قوم کی حالت پر اعتبار کیا کیونکہ اُنھون نے اپنا شک صاف بیان کر دیا تھا۔ فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ پھر کون مدد کرکے بچاویگا مجھے اللہ تعالیٰ سے یعنی عذاب الٰہی سے مجھے کوئی بچانے والا نہین۔ اِنْ عَصَيْتُهٗ۔ اگر مین اسکی نافرمانی کرون یعنی اسطرح کہ مثلاً اُسکا پیغام اسکی مخلوق کو نہ پہونچاؤن اور تمھارا ساتھ دون۔ ینصرنی مستعمل اپنے معنی کے لازم مین یعنی منع کے معنی مین مستعمل ہوا لہذا حرف من سے متعدی ہوا۔ ان عصیتہ۔ اگر مین نے اسکی نافرمانی کی یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل کا پیغام توحید تم کو پہونچانے اور اشراک سے تمکو منع کرنے مین۔ الحاصل اگر تم کو توحید پہونچانے اور اشراک سے منع کرنے کا کام جسکے واسطے مین بھیجا گیا ہون نہ کرون تو مجھے عذاب الٰہی سے کون بچاویگا۔ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ۔ سو تم مجھے کچھ نہین بڑھاتے ہو اپنے قول سے غَيْرَ تَخْسِيْرٍ۔ سوائے تخسیر کے یعنی نافرمانی سکھلاتے ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت قبولیت جو مجھکو حاصل ہو نہ جاتی رہے اور مین سخت خسارہ اُٹھاؤن۔ فی السراج اور شیخ حسن بن الفضل نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام کچھ بھی خسارہ مین نہ تھے جو یہ معنی ٹھیک ہون کہ خسارہ کے سوائے نہین بڑھاتے ہو بلکہ یہان تو فقط یہ معنی ہین کہ تم مجھے کچھ نہین بڑھاتے سوائے اسکے کہ مین تم کو کہون کہ تم سخت خسارہ مین ہو۔ المترجم توجیہ یہ کہ تخسیر باب تفعیل سے یعنی نسبت بماخذ کے مصدر معروف ہو اے انسبکم الی الخسران یعنی سوائے اس بات کے کہ مین تمھین خسران کی جانب نسبت دون اور بیضاوی وغیرہ نے دونون معنی ذکر کیئے کیونکہ شیخ کا اعتراض ساقط ہو اور معنی یہ ہین کہ تم اپنی جھکنی باتون سے مجھے کچھ فائدہ نہین دیتے سوائے اسکے کہ اگر مانون تو مجھے خسارت پہونچے اگرچہ ابھی تک بفضل الٰہی تعالیٰ نعمت ہو فائدہ۔ امر معروف اور نہی منکر عموماً انبیاء علیہم السلام پر جن کے لئے بھیجے گئے تھے فرض تھا خواہ مانین یا نہ مانین اور اب مومنین پر اس تفصیل کے ساتھ ہو جو فتاوی ہندیہ مین مذکور ہو اور اصح یہ ہو کہ جو مومنین وارث انبیاء یعنی علماء ہین ان پر بھی مطلقاً واجب ہو بدلیل قولہ تعالیٰ یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر الآیۃ بمقابلہ منافقین کے جو اسکے برعکس ہین غیر ازینکہ ان مین سے جو ہاتھ و زبان سے منع نہ کر سکے اسکا دلی انکار بوجہ عدم معجزہ کے گویا وہان موجود نہونیکے مثل ہے علی ما جاء فی الاحادیث المرفوعۃ وقد مر البحث فی مواضع مما سبق فتذکر چونکہ قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے ایک پہاڑ سے اونٹنی معجزہ مانگی تھی جو آخر باعث ہلاک قوم ہوئی اشارہ فرمایا بقولہ تعالیٰ۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

اور اے قوم یہ اُنٹنی ہے اللہ کی تم کو نشانی سو چھوڑ دو اُسکو کھاتی پھرے اللہ کی زمین مین اور نہ چھیڑو اسکو

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ

بُری طرح تو پکڑیگا تم کو عذاب نزدیک کا پھر اُسکے پاؤن کاٹے تب کہا برت لو اپنے گھرون مین

ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

تین دن۔ یہ وعدہ ہے جھوٹا نہ ہوگا پھر جب پہونچا حکم ہمارا بچا دیا ہم نے

صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ

صالح کو اور جو یقین لائے اُسکے ساتھ اپنی مہر کرکر اور اُس دن کی رسوائی سے تحقیق

رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا

تیرا رب وہی ہے زور آور زبردست اور پکڑا اُن ظالموں کو چنگھاڑنے پھر صبح کو رہ گئے

فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا

اپنے گھروں میں اوندھے پڑے جیسے کبھی رہے نہ تھے اُسمیں سن لو ثمود منکر ہوئے

رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝

اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے ثمود کو

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً۔ نصب آیہ بنابر حالیت و عامل معنی اشارہ اور لکم اسکا حال اور بسبب نکرہ ہونے کے مقدم ہے۔ کذا قال البیضاوی رح والکواشی والعکبری۔ اور بعض نے اُس کے ذو الحال ہونے سے انکار کیا اور واحدی رحمہ اللہ نے کہا کہ آیہ بمعنی واقع ہوکر ذو الحال ہوسکتی ہو اور بعض نے کہا کہ اولی یہ کہ لکم میں معنی اشارہ نے عمل کیا اور آیہ اسکی ضمیر مستتر سے حال ہو الپس ہر دو حال متداخل ہوئے۔ تفصیل اس ناقہ کے نکلنے اور اسکے قد و قامت و علف و مسکن و مشرب وغیرہ حالات کی سورۂ اعراف میں مذکور ہو چکی ہے۔ فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ جزم تاکل بجواب ذروا صیغہ امر ہی ارض اللہ باعتبار حقیقت کے ہی کیونکہ کل مخلوقات الٰہی ہر طرح اسی کی ہے اور مخلوق کو اسکے حکم کے موافق ان اشیاء سے انتفاع کی اجازت ہم اور اصل یہ ٹھہری کہ جن اشیاء کی ممانعت نہیں فرمائی خواہ صریح یا بقاعدۂ شرعی تو وہ مباح ہیں اسی سے تنباکو پینا و کھانا مباح کہا جاتا ہی کیونکہ کراہت پر دلیل قائم نہیں ہوتی بخلاف افیون و بھنگ وغیرہ کے المعنی اور کہا کہ اے قوم یہ ناقہ اللہ ہے درحالیکہ تمہارے لئے وہ ایک نشانی ہی سو اسکو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرے اور پانی پیے۔ کہتے ہیں کہ نہایت دراز قد و جسیم سے لگے جانور اُسکی صورت دیکھکر بھاگتے اور ایک نالے سے تالاب پر جاکر سب پانی پی جاتی کہ پھر بغیر دوسرے روز سوتوں سے پانی جمع ہوئے اُن لوگوں کو پانی نہ ملتا و لیکن سب کو اُسکا دودھ کافی ہوتا غرضکہ ایک روز پانی اُسکا اور دوسرے روز لوگوں کا تھا اور ناغہ کے روز دودھ پاتے اسیواسطے بلفظ لکم فرمایا یعنی اگرچہ یہ ناقۃ اللہ معظم مکرم ہو کر بطریق معجزہ اسکا ظہور ہوا مگر نفع اسکا تمہارے لئے اور نشانی بھی تمہارے لئے ہی اسکو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے پھرنے دو۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ۔ اور ایسا مت کرو کہ اسکو کوئی بُرائی چھو جاوے۔ ممانعت میں ان کو بہت احتیاط سکھلائی کہ اس سے ایذا رکا برتاؤ کرنا تو دور اسکو بُرائی چھونے نہ پاوے اور یہ حضرت صالحؑ کا لطف تھا کیونکہ معجزہ مانگنے والی قوم کو اگر معجزہ دیا گیا پھر ایمان نہ لائے تو ضرور ہلاک ہوتے ہیں اسیواسطے جب کفار قریش نے آنحضرت صلعم سے وسعت مکہ اور سونا ہوجانا کوہ صفا کا مانگا اور حق عزوجل نے آگاہ فرمایا کہ پھر اگر نہ ایمان لائے تو عذاب دونگا تو آنحضرت صلعم نے شفقت کو کام فرماکر معجزہ مذکور نہ لیا ایسے ہی حضرت صالح نے جانا کہ یہ لوگ شیطانی وسواس سے | وجود اس نفع کے اسکے ساتھ بدی چاہتے ہیں جس سے ضرور عذاب آویگا لہذا انکی باحتیاط منع فرمایا اور صاف کہدیا۔ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ۔ کہ تم کو عذاب قریب گرفتار کرنے یعنی اگر تم نے بُرائی پہنچائی

تو نزدیک عذاب مین پکڑے جاؤگے باوجود اس تصریح کے جلدی کا زمانہ نہین بتلایا اور وہ تین روز مہلت کے تھے۔ عذاب قریب باعتبار ظاہر کے فرمایا کیونکہ عذاب آخرت کو وہ دور سمجھتے تھے حالانکہ بحکم قولہ تعالی ونراہ قریبا۔ وہ بھی نزدیک ہی خصوص بحکم حدیث صحیح من مات فقد قامت قیامتہ۔ جو مرا اُسکی قیامت آگئی پس مراد یہ کہ ہلاک ناقہ سے عذاب تک دیر نہوگی چونکہ اس قسم فتنہ نے انکو ہیربات مین مبتلایا اور بالکل شیطانی وساوس وشہوات کو قبول کیا۔ فَعَقَرُوْھَا۔ پس ناقہ کو عقر کیا۔ روایت مین ہے کہ سب سے شقی وہ تھا جس نے ناقہ صالح کو عقر کیا کہتے ہین کہ ایک نے کمینگاہ سے تیر مارا اور ایک ہی تیر سے گر پڑی۔ دوسرے نے دوڑکر تلوار سے کونچین کاٹین پھر سبھون نے اسکے گوشت کے حصے لگائے اور اسکا بچہ بھی اسکے برابر تھا وہ بھاگا اور پہاڑ پر جاکر اسنے تین بار آواز سے اپنی مان کو پکارا اور پہاڑ شق ہوا وہ اسمین سما گیا جب حضرت کو خبر پہونچی تو آئے اور ناقہ کو دیکھکر روئے اور قوم شقی نے مضحکہ کیا کہ ہم نے تو مارا اب کہان ہے وہ عذاب۔ فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ۔ تو فرمایا کہ اب زندگی کرلو اپنے گھر مین تین روز۔ کہتے ہین کہ چہارشنبہ وپنجشنبہ وجمعہ۔ تین روز تھے اور مراد اپنے گھر سے خواہ وہ بستی ہو جسمین رہتے تھے یا مراد دنیا کا گھر ہو۔ ذٰلِکَ وَعْدٌ غَیْرُ مَکْذُوْبٍ۔ یہ وعدہ غیر مکذوب فیہ ہے یعنی اس وعدہ مین کچھ جھوٹ نہین ہے یا جیسے اور وعدون مین بھی دروغ نہین اور مین نے عذاب قریب کہا تھا سو تین روز بعد آویگا۔ اول روز تمہارے منہ زرد دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ اور چوتھے روز عذاب ہوگا۔ علمانے کہا کہ تین دن کی مہلت پھر رحمت تھی کہ اب توبہ کرین مگر ان بدبختون نے نہ مانا آخر جب چہرے اسی طرح نیلے پیلے ہوئے تو موت کا یقین کرکے رات بھر دوزانو کفن پہنے بیٹھے رہے۔ کہتے ہین کہ تڑکے سے تاخیر ہوئی یہانتک کہ سورج نکل آیا اور پھر یہ لوگ خوش ہوئے اور سمجھے کہ شاید کچھ نہین ہوگا کہ ناگاہ عذاب الصیحۃ آگیا ولیکن اہل ایمان بچائے گئے چنانچہ فرمایا۔ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا۔ پھر جب آیا ہمارا امر یعنی عذاب تو ہم نے نجات دیدی صالح کو۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ۔ اور ان بندون کو جو صالح کے ساتھ ہمپر ایمان لائے تھے۔ بِرَحْمَۃٍ مِّنَّا۔ یہ نجات ہم نے اپنی رحمت وفضل سے انکو دیدی ورنہ اُنکا کچھ حق ہمپر واجب لازم نہ تھا کہ ہم اسپر مجبور ہون۔ وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ۔ اور ہم نے ان سب کو نجات دی اس دن کی خواری وذلت سے یا قیامت کی خواری سے بھی۔ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ۔ بیشک تیرا پروردگار وہی قوی عزیز ہے حتی کہ کافرونکو کچھ بھی قوت نہ تھی کہ اپنے اوپر سے عذاب ہٹاوین یا صالح کو بھی آزار پہونچاوین اور کرخت آواز سے مومنون کو کچھ بھی صدمہ نہوا۔ وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا۔ اور پکڑ لیا اُن لوگون کو جنہون نے اپنی جانون پر خود کفر کرکے اور ناقہ قتل کرکے ظلم کیا تھا۔ الصَّیْحَۃُ۔ سخت کرخت مہیب آوازنے۔ کہتے ہین کہ سورج نکلتے جب پھر دل خوشی مین اترانے لگے ناگاہ حضرت جبرئیل نے سخت کرخت مہیب آواز دی کہ کافرون کے دل پارہ پارہ پھٹ گئے اور سب گھٹنون کے بل مرے رہگئے چنانچہ فرمایا فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ۔ پس رہ گئے اپنے گھرون مین گھٹنون کے بل مرے ہوئے۔ کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَا۔ اے کانہم لم یسکنوا فی دیارہم من قولہم غنی بالمکان وفی المکان اذا سکن بہا۔ گویا وے ان گھرون مین کبھی نہ بستے تھے یعنی وہ خواہشین وامیدین وعمارات واسباب سب چھوڑکر بالکل نابود ہوگئے گویا کبھی یہان انکا وجود ہی نہ تھا۔ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَ کَفَرُوْا رَبَّھُمْ۔ آگاہ رہو کہ بیشک ثمود یعنی قوم صالح نے اپنے پروردگار سے کفر کیا یعنی جس بزرگی وعظمت کی صفات سے پیغمبر نے بتلایا اسطرح نہ مانے اور خلاف حکم اعمال کئے آخر عذاب کفر مین پڑے۔ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ خبردار ہو کہ ثمود کیلئے رحمت الٰہی سے دوری ہے پھر حضرت ابراہیم کا حال ذکر فرمایا بقولہ تعالی

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ

اور آچکے ہیں ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لیکر بولے سلام وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا

بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ

ایک بچھڑا تلا ہوا پھر جب دیکھا اُن کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر اوپری سمجھا اور دل میں اُن سے ڈرا

قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۝ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا

وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے اور اُسکی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اُسکو

بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ

اسحٰق کی اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی بولی اے خرابی کیا میں جنوں گی اور میں بوڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا

إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ

یہ تو ایک عجیب چیز ہے وہ بولے کیا تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے اللہ کی مہر ہے اور برکتیں تم پر

أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝

اے گھر والو وہ ہے سراہا بڑائیوں والا

قال المترجم حضرت ابراہیمؑ کا قصہ اس مقام پر مستقل طور پر نہیں بلکہ حضرت لوطؑ کی قوم پر عذاب کفر بیان کرنے کا توطیہ ہے اسیواسطے مثل سابق کے مانند وارسلنا ابراہیم الی قومہ وغیرہ اسلوب سے نہیں فرمایا اور ابراہیمؑ خلیل اللہ اولاد نوحؑ سے دو ہزار چھ سو چالیس (۲۶۴۰) برس بعد ملک بابل میں بزمانہ نمرود مبعوث ہوئے اور بلاد فلسطین شام میں سکونت اختیار کی اور ایک سو پچھتر (۱۷۵) برس زندہ رہے اور ان کے بیٹے اسحٰق ایکسو اسی برس اور یعقوب ایکسو پینتالیس برس جئے اور لوط علیہ السلام بھی پیغمبر مگر تابع ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بھتیجے تھے اور قوم لوطؑ کی بستیاں نواحی شام میں تھیں پھر جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوطؑ پر عذاب بھیجا تو ملائکہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس ہوتے دبشارت دیتے ہوئے گئے لیکن چونکہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں متمثل تھے حضرت ابراہیم نے انکو مہمان سمجھا عطارؒ نے کہا کہ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل تھے ضحاکؒ نے کہا کہ نو تھے سدیؒ نے کہا کہ گیارہ تھے مقاتل نے کہا بارہ تھے اور محمد بن کعب القرظی نے کہا کہ جبرئیلؑ کے ساتھ آٹھ تھے **قال المترجم** ان روایات کی تحقیق مشکل ہے اور کوئی ضرورت داعی نہیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ تین سے کم نہ ہوں بوجہ اسکے کہ رسلنا جمع ہے فی قولہ تعالیٰ ۔ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا ۔ نحویوں نے کہا کہ لقد لام تاکید خبر کیلئے اور قد واسطے توقع کے ہے کیونکہ انبیاء کے قصص میں ایک بعد دوسرے کے سننے کی توقع تھی اور حاصل یہ کہ قسمیہ نہیں ہے اور رُسُل بضم سین اصل ہے اور جب ضمیر کی طرف مضاف ہو تو سکون سین بھی مانند قفل کے جائز ہوتا ہے اور یہ لفظ جمع ہے کمتر تین عدد ہونا چاہیے اسیواسطے عطار و ابن عباسؓ نے کمتر عدد سے تفسیر فرمائی اور اس بات پر اجماع ہے کہ انہیں جبرئیلؑ اصل تھے المعنی اور لائے ہمارے بھیجے ہوئے یعنی ملائکہ ۔ إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ ۔ ابراہیم ہمارے پیغمبر پاس بشارت کو یعنی جن ملائکہ کو جبرئیلؑ کے ساتھ ہم نے قوم لوطؑ پر عذاب کیلئے بھیجا تھا وے پہلے حضرت ابراہیم پاس بشارت لیکر آئے جب داخل ہوئے تو قَالُوا سَلَامًا بولے کہ ہم سلام کہتے ہیں اے سلمنا علیکم سلامًا ۔ یا قالوا بمعنی ذکروا لیا جائے تو سلامًا اسکا مفعول منصوب ہوگا ۔ قَالَ سَلَامٌ ۔ ابراہیم نے کہا وعلیکم سلام یا امرکم سلام ۔ بہرحال سلام مرفوع ہے تو جملہ اسمیہ ہوگا اور علماء نے بیان کیا ہے کہ جملہ اسمیہ ہمیشگی کے معنی دیتا ہے تو گویا یوں کہا کہ تم پر

ہمیشہ سلامتی ہے حالانکہ ملائکہ نے سلاماً منصوب کہا تھا جسکا جملہ فعلیہ تھا اور علما رحمہم نے کہا کہ فعلیہ میں ہمیشگی نہیں ہوتی ہی لہذا حضرت ابراہیم کا جواب انکے سلام سے احسن ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہی کہ اذا حُیّیتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او رُدّوہا۔ جب تمکو تحیہ یعنی سلام کیا جائے تو اُس سے اچھا جواب دو یا وہی جواب میں کہدو مسئلہ آداب سلام میں مذکور ہی کہ چھوٹا بڑے کو اور کھڑا بیٹھے کو اور راہ چلتا اور آنیوالا بیٹھے کو اور سوار پیادہ کو سلام کرے اور پورا سلام یہ ہی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور بعض روایت میں ومغفرتہ زیادہ ہی تو جب کسی بزرگ کو سلام کرے تو چاہیئے کہ فقط السلام علیکم کہے تاکہ وہ جواب میں بڑھائے اور صحیح حدیث میں ہی کہ ایک صحابی نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ پڑھایا تو آنحضرت صلعم نے آگاہ فرمایا کہ اُسنے دس نیکیان بڑھائیں اسی طرح ہر لفظ پر دس فرمائیں اور آخر میں جسنے پورا سلام کیا اُسکو فقط وعلیکم کہا اور فرمایا کہ تم نے میرے بڑھانے کو کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ اب سمجھو کہ ملائکہ نے شاید حضرت ابراہیمؑ سے جواب کی توقع کی کہ اپنی زبان سے اچھی دعا دیں اور دوسرے مقام پر ہی قال سلام قوم منکرون۔ ابراہیمؑ نے اچھا جواب دیا حالانکہ ان لوگوں کو انجان بتایا لہذا حدیث میں عمدہ نیکی یہ بتلائی کہ سلام کرے ہر آدمی پر خواہ جان پہچان ہو یا انجان ہو۔ واضح ہو کہ سلام اکثر قراء سبعہ کی قرأت ہی اور یہی ہمارے یہاں معروف ہی اور حمزہ وکسائی نے سلم پڑھا اور یہ بھی قرأۃ متواترہ ہی فراءؒ نے کہا کہ دونوں قرأۃ میں کچھ فرق نہیں جیسے حلال کی جگہ حل و حرام کی جگہ حرم اور بعض نے کہا کہ سلم بمعنی صلح ہی مسئلہ اگر کوئی نماز میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی جگہ سلام علیکم کہے تو مکروہ ہی اور شافعیہ میں سے امام نوویؒ نے اسی پر جزم کیا اور وجہ یہ ہی کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ سنت متبعہ ہی اس میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ **فائدہ** یہاں سے ثابت ہوا کہ ملائکہ بصورت آدمی متمثل ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ نبی وولی کسی چیز کو نہ پہچانے چنانچہ ابراہیمؑ کی عادت تھی کہ بغیر مہمان کے تنہا نہیں کھاتے تھے جب ملائکہ خوبصورت آدمی کی شکل میں آئے تو انکو مہمان سمجھے اور خوش ہو کر ضیافت کا جلد سامان کیا چنانچہ حق تعالیٰ نے بیان فرمایا فما لبث ان جاء بعجل حنیذ لا بمعنی نفی لبث دیر کرنا۔ ان بمعنی حتی عجل گوسالہ حنیذ بھونا ہوا اور بعض نے کہا کہ گرم پتھروں پر بغیر آگ کے آدھ کچا کرنا اور بعض نے کہا کہ حنیذ موٹا تازہ۔ کہا گیا کہ بھونا ہوا چکنائی ٹپکتا لائے تھے المعنی پھر کچھ دیر نہیں لگائی حتی کہ بھونا بچھڑا موٹا تازہ لے آئے قتادہؒ نے کہا کہ اکثر انکے پاس یہی گائیں تھیں اور روایت ہی کہ پندرہ روز انتظار کے بعد ان کو یہ مہمان ملے تھے تو خوشی خوشی لائے کہ آج انکے ساتھ اچھی طرح کھاؤنگا مگر یہ فرشتے تھا کیا کھاتے انھوں نے ہاتھ نہ ڈالا۔ فلما رآ ایدیہم لا تصل الیہ نکرہم۔ سو جب ابراہیمؑ نے انکے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس خوش مزہ غذا تک نہیں پہونچتے تو اُنسے استنکار کیا۔ واوجس منہم خیفۃ۔ اور انکی طرف سے اپنے دل میں کچھ خوف لائے یعنی خیال کیا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کیا نئیت نازل فرمائی ہی۔ قتادہؒ نے کہا کہ یا سوجہ سے تھا کہ اس زمانہ کا دستور تھا کہ جب مہمان نان ونمک نہ کھاتا تو یہ دلیل تھی کہ وہ بھلائی نہیں بلکہ کوئی برائی لایا ہی۔ یہ ڈر ان بندوں کی طرف سے نہ تھا کیونکہ کمال یقین سے وہ نمرود بادشاہ سے نہیں ڈرے تو ان چند آدمی سے کیا ڈرتے جبکہ بالیقین جانتے تھے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں کچھ قدرت نہیں ہی بلکہ امتحان آلہی تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے جب ملائکہ نے انکو دیکھا کہ کچھ خائف ہیں یا کہدیا کہ انا منکم وجلون ہم تم سے ڈرتے ہیں جیسا کہ سورہ حجرات میں ہی قالوا لا تخف۔ بولے کہ کچھ خوف مت کرو۔ روایت ہی کہ جبرئیل نے اپنے ساتھیوں کو ابراہیمؑ کا ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص ظاہر کرنے کو کہا کہ ہملوگ بغیر دام نہیں کھاتے تو فرمایا کہ اسکے دام تم دیدوگے بولے کیونکر فرمایا کہ اول بسم اللہ الرحمن الرحیم کہو یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر کھانا شروع کرو اور فارغ ہو کر الحمد للہ یعنی شکر کرو اور اسکی قوت سے طاعت وعبادت کرنا کوئی گناہ نہ کرنا۔ تو جبرئیلؑ نے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو اسی سے اللہ تعالیٰ نے اسکو خلیل بنایا ہی پھر صاف ظاہر کر دیا۔ انا ارسلنا الی قوم لوط۔ کہ ہم ملائکہ ہیں قوم لوط کی طرف عذاب لیکر بھیجے گئے ہیں اسواسطے ہم نہیں کھاتے ہیں کیونکہ ہم حقیقت میں آدمی نہیں ہیں۔ وامرأتہ قائمۃ فضحکت اور ابراہیمؑ کی جورو یعنی حضرت سارہ علیہا السلام کھڑی تھی یعنی

مہمانون کی خدمت کر رہی تھی اگر پردہ نہ ہو یا پردہ کے پیچھے باتین سنتی تھی وہ یہ سنکر ہنس پڑی۔ ہنسنے کی وجہ صاف مذکور نہین مگر شاید اسوجہ سے
کہ یہ عجیب معاملہ ہوا کہ اتنے دنون بعد مہمان ملے جنکا یہ سامان ہوا پھر وے فرشتے نکلے یا اسوجہ سے کہ قوم لوط نے عورتون کو خوار کیا اور لڑکون کو
بیحیا و بدکار بنایا تھا انکا عذاب سنکر خوش ہوئین۔ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۔ پس ہم نے اسکو اسحاق فرزند کی بشارت دی یعنی ملائکہ کی زبان
سے اسکو خوشی سنائی کہ تجھ سے اس سن مین لڑکا پیدا ہوگا اسکا نام اسحق ہی پھر تو اسکا بیٹا یعنی پوتا بھی دیکھے گی وہ یعقوب ہی چنانچہ فرمایا۔
وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۔ اور علاوہ اسحق کے یعقوب کی بھی بشارت دی اور دوسرے مقام پر ہی ویعقوب نافلۃ یعنی اسحاقؑ سے علاوہ زائد
اسکا لڑکا یعقوبؑ یا بعض علمانے کہا کہ حضرت سارہؓ نے حکم الٰہی پر خوشی کی تو اسکے بدلے یہ انعام عطا ہوا۔ واضح ہو کہ قوم لوط علاوہ کفر کے لڑکون
سے اغلام کرنیکے سخت گناہ مین مبتلا تھے اسیواسطے یہ ملائکہ بصورت لڑکون حسین کے بھیجے گئے اور شاید کہ سارہؓ اسی پر ہنسی ہون کہ عذاب یا تمام
حجت ہی اور قدرت الٰہیہ کیسی اعلیٰ و اجل ہی کہ ملائکہ کو لڑکون کی شکل کردی اسکی قدرت بہت بڑی ہی اور شاید کہ اپنے بانجھ ہوجانے بغیر فرزند ہونیکا
خیال دل سے دور کردیا ہو اور اس شکریہ مین بشارت عطا ہوئی یا اس قدرت عجیبہ کو دیکھکر ان لڑکون کی صورت سے اپنے واسطے خواہش کی ہو اور
یہ مقام لطیف ہی جہان تک آدمی اپنے دل کو خواہش سے پاک کرے لطائف صنعت الٰہی سے محظوظ ہوگا ابن عباسؓ نے کہا کہ وہ فرزند کا فرزند تھا
یعنی اسحاقؑ فرزند کا ہونا ایک بشارت اور یعقوبؑ فرزند کا فرزند دو بشارت ہین کیونکہ پوتا ہونا اور دادی کو بشارت کہ یہانتک زندہ رہیگی کہ پوتا
دیکھے گی۔ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ بولی اے مین موئی اب جنونگی وَاَنَا عَجُوْزٌ اور مین اب بڑھیا ہون وَّهٰذَا بَعْلِىْ ۔ اور یہ میرا شوہر ہی شَيْخًا
حالانکہ بالکل بوڑھا ہی۔ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۔ یہ تو بیشک تعجب کی بات ہی۔ ویل کے معنی تو اصل مین ہلاک کے ہین لیکن ان معنون کا لحاظ نہین
کیاجاتا بلکہ جب کوئی بڑا سانحہ ہو تو یہ لفظ بولا کرتے ہین اور اکثر عورتون کی بول چال مین محاورہ ہی جیسے اردو مین موئی وَ نگوڑی وغیرہ بولا
کرتی ہین حضرت سارہ کی عمر اسوقت بقول مجاہدؒ ننانوے سال کی اور بقول ابن اسحٰق نوے سال کی تھی اور حضرت ابراہیمؑ ایکسو بیس برس
کے تھے اور بعل جو دوسرے پر بلند مرتبہ ہو اسی واسطے شوہر کو عورت بعل کہتی ہی اور ابراہیمؑ کا ایک بیٹا حضرت اسمٰعیلؑ پہلے حضرت ہاجرہ سے
ہوچکا تھا جنکو دیکھکر حضرت سارہؓ متمنی ہوئی تھین لیکن فرزند عطا نہ ہوا یہانتک کہ بڑھیا مایوس ہوئین تب یہ بشارت دی گئی اور اسکو
انھون نے عجیب سمجھا قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ملائکہ بولے کہ کیا تو تعجب کرتی ہی حکم الٰہی سے یعنی قدرت الٰہی بہت بڑی ہی وہ جو چاہے
ہوجائے یہ کچھ تعجب کی بات نہین بلکہ نبی کے اہلبیت کو ایک نعمت عطا فرمائی ہی۔ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۔
اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکتین ہین تم پر اے اہلبیت ابراہیم۔ اِنَّهٗ بیشک اللہ تعالیٰ حَمِيْدٌ محمود ہی ہر حال مین و ہر فعل مین جو کرتا ہی لائق حمد ہی
مَّجِيْدٌ بہت احسان و بھلائی والا ہی مسئلہ علیکم خطاب جمع مذکر کا بطور تعظیم کے عرب کی زبان مین واحد مونث کو رہتا ہی مسئلہ زوجہ بھی اہلبیت مین
ہوتی ہی اور یہی آیت حجت قطعی ہی اور قولہ تعالیٰ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا۔ مین علما کے دو قول ہین ایک یہ کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت فقط حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ حسینؓ ہین اور انکی دلیل صحیح مسلم کی روایت ہی جسکا یہ مطلب ہے کہ
آنحضرت صلعم نے ایک کمل مین ان سب کو اوڑھا کر فرمایا کہ اے میرے پروردگار یہ سب میرے اہلبیت ہین اور دوسرا قول یہ ہی کہ آیت
مین اہلبیت آپکی ازواج مطہرات کیلئے ہی اور یہی قول اصح ہی اسواسطے کہ وہان اوپر سے ازواج ہی کا بالکل ذکر ہی ولیکن آنحضرت صلعم
نے ان سب ائمہ مذکورین کو بھی اہلبیت مین شامل کرکے حدیث مذکورہ سے اعلام فرمادیا اور حدیث مین کوئی تخصیص اس امر کی نہین ہی کہ
اہلبیت کا انحصار انھین چار ائمہ مین ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا حلم و ترحم اور قوم لوط کا عذاب بیان فرمایا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ

پھر جب گیا ابراہیم سے ڈر اور آئی اُسکو خوشخبری جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں البتہ ابراہیم

لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ

تحمل والا نرم دل ہو رجوع رہنے والا اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا

وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝

اور اُن پر آتا ہے عذاب جو پھیرا نہیں جاتا

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ ۔ روع بالفتح خوف و بالضم دل اور یہان بالفتح ہے ۔ یعنی پھر جب جاتا رہا ابراہیمؑ سے خوف یعنی جو ملائکہ کی طرف سے پیدا ہو گیا تھا ۔ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى ۔ اور اسکو خوشخبری ملی یعنی اسحاق و یعقوب پیدا ہونے کی یا ملائکہ کی تسلی کہ تم کچھ خوف مت کرو ۔ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۔ لگا ہم سے جھگڑنے در بارہ قوم لوط کے **فائدہ** جملہ یجادلنا ۔ جزا تھا ہے لیکن جزا مستقیم ہو چکا کہ لما کا جواب فعل ماضی ہوتا ہے نہ مضارع تو مفسرینؒ نے کہا کہ یہان تقدیر عبارت قولہ اخذ یجادلنا ہے یعنی شروع کیا کہ جھگڑتا تھا اور یہ قول فراءؒ کا ہے اور اخفش و کسائی نے کہا کہ ماضی کی جگہ مضارع کر دیا گیا جیسے مضارع کی جگہ ماضی کر دیا جاتا ہے اور بلاغت یہ ہے کہ مضارع سے اسی حالت کا تصور دیا جاوے اسوقت واقع ہوئی اگر کہا جائے کہ یجادلنا فعل جدال ہے تو جدال کرنا پیغمبر کی شان نہین ہے اسکا جواب یا گیا کہ فصحاء عرب ایسے مقام پر جدال کے لفظ سے یہ مراد لیتے ہین کہ بہت اچھی طرح سفارش کی باتین کرنا جیسے حدیث شفاعت مین مومنون کا اللہ تعالیٰ عز و جل سے جدال کرنا مذکور ہے کہ بعد جدال کرین گے جو کبھی نہین ہوا یعنی اپنے پروردگار ارحم الراحمین کی درگاہ مین گنہگارون کیلئے نہایت عاجزی و تضرع سے الحاح و مبالغہ کیساتھ سفارشی ہونگے پھر واضح ہو کہ تو نہ یجادلنا یعنی یجادل رسلنا یعنی ہمارے فرشتون سے بہت گفتگو شروع کی ۔ ایسا ہی مفسرینؒ نے کہا ہے چنانچہ روایت ہے کہ جب ملائکہ نے کہا انا مهلكوا اهل هذه القرية ہم اس ملک کے والون کو ہلاک کرنیوالے ہین جیسا کہ دوسری آیت مین صریح ہے تو ابراہیمؑ نے اُنسے کہا کہ بھلا اگر اُسمین پچاس مسلمان ہون تو کیا تم اُنکو مار ڈالوگے وہ بولے کہ نہین پھر کہا کہ اگر چالیس ہون تو وہ بولے کہ نہین پھر کہا بیس ہون تو وہ بولے تو بھی نہین یہان تک کہ دس و پانچ کے جواب مین بولے کہ نہین پھر کہا کہ اگر ایک ہو تو بولے کہ تو بھی نہین تو کہا کہ پھر اسمین تو لوط علیہ السلام موجود ہے قالوا نحن اعلم بمن فيها لننجينه واهله الا امراته الآیۃ یعنی بولے کہ جو مومن اسمین ہے ہم اسکو جانتے ہین ہم اسکو اور اسکے لوگون کو نجات دینگے سوائے اسکی کافرہ جورو کے ۔ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ملائکہ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ اگر اسمین پانچ مسلمان نمازی ہوتے تو سب پر سے عذاب دور کر دیا جاتا بالجملہ اس گفتگو سے مقصود اللہ تعالیٰ کی طرف التجا تھی مگر بواسطہ ملائکہ کے کہ وہ واسطہ تھے بہرحال خواہ موافق جمہور کے یجادلنا یعنی یجادل رسلنا ۔ لیا جاوے یا بمعنی یکلمنا و یسالنا یعنی ہم سے درخواست کرنے لگا ۔ کوئی لیا جاوے جدال کسکے بھی معنی ہین جو مترجم نے اوپر ذکر کئے اور جمہور مفسرین نے یجادل رسلنا کی جو روایت مؤید پیش کی اسکے علاوہ خود آیت مین دلیل موجود ہے یعنی قولہ یا ابراہیم اعرض عن هذا انه قد جاء امر ربك کیونکہ یہ آخری جواب ملائکہ کی طرف سے صاف ہے لہذا معلوم ہوا کہ قوم لوط کے بارہ مین حضرت ابراہیمؑ کا کلام ملائکہ سے تھا لیکن چونکہ ملائکہ بذات خود مقصود نہ تھے بلکہ اس سے غرض یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس التجا کو قبول فرماوے اور مومن کی وجہ سے کافرون سے عذاب دور فرماوے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی تعریف فرمائی اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ بیشک ابراہیمؑ بندہ حلیم ہے یعنی کسی خطا کار پر جلدی عقوبت نہین چاہتا اور یہ حضرت حق عز و جل کی صفت کاملہ حلم کا ظہور تھا ۔ اَوَّاهٌ بہت نرم دل مہربان ہے مُّنِيْبٌ اپنے پروردگار

کی جانب بندگی وطاعت سے رجوع لانے والا ہے۔ اَوّاہ کے معنی مین کہا گیا کہ جو آہ واوہ سے اپنے دردوسروں کے گناہون پر تاسف ہو۔
قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ منیب وہ نیک بندہ جو اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اسمین اشارہ ہو کہ ابراہیم جو اس الحاح پر آمادہ ہوئے
اسکا باعث یہ صفات حمیدہ یقین کہ دل کے بہت نرم اور بندون پر ترس کھانے والے مہربان تھے لہذا چاہا کہ عذاب مین تاخیر کی جائے شاید
وے لوگ ایمان لے آوین اور اس گناہ سے توبہ کرلین کیونکہ عذاب سے ہلاک ہونے مین پھر امید ان کو نہو گی اور ہمیشہ اسی سختی مین پڑے رہین گے
لیکن آخر کار ملائکہ نے انکو حکم قضا وقدر سے آگاہ کر دیا بقولہ۔ یٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ اے ابراہیم تم اس بحث سفارش والحاح
سے درگزر کرو۔ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ج بیشک آگیا حکم تیرے پروردگار کا یعنی اللہ تعالیٰ جو سب بندون کے حال سے آگاہ ہو اُس نے
جو کچھ ازل مین ان کے لیے مقدر کیا تھا وہ حکم آگیا اسی واسطے حدیث مین وبعض آیات مین صریح ہو کہ جب عذاب آجاتا ہو تو پھر مرتفع نہین ہوتا
وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ۔ اور بیشک ان لوگون پر آویگا ایسا عذاب جو کسی طرح رد نہ ہوگا یعنی یہ قوم اپنی کا فری کسیطرح
توبہ کی طرف رجوع نہ کریگی ہم آپکو حکم لوح محفوظ بتلائے دیتے ہین کہ ان پر ضرور عذاب آویگا چنانچہ آخر یہی واقع ہوا اور ہر چند پیغمبر نے عاجزی والحاح
سے فہمایش کی مگر ان بدبختون نے کسی طرح نہ مانا اور پیغمبر کو تنگ کیا جیسا کہ عنقریب یہ حال آگے معلوم ہوگا اب کچھ اشارات عرائس سننا چاہیے اور
غور سے سمجھنا چاہیے ف المترجم چونکہ اشارات لطیف ہین لہذا مترجم انکی فہمایش کیلئے بقدر فہم کے توضیح کریگا۔ قال فی العرائس قولہ تعالے
ولقد جاءت رسلنا ابراهيم بالبشرى۔ فرشتون نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم خلیل کو دوام وصال اور کشف جمال بلا حجاب وعتاب کی
بشارت دی اور یہ کہ خلت ابراہیمی کسی فعل حادث کا نتیجہ نہین بلکہ ازلی تبنیت کا ظہور ہو۔ قال المترجم حبیب کو حبیب سے بشارت یہی مقدم ہو
جیکے لیے شدت محبت ہو لہذا بشارت مذکورہ بدین معنی متضمن ہو۔ فافہم اور یہ بشارت دی کہ نبوت تمہاری اولاد مین باقی رہیگی اقول اسواسطے
کہ خالی فرزند ہونا امر آخرت مین سے نہین اور نہ اہل آخرت کیلئے موجب سرور ہی جبتک کہ وہ صالح نہ ہو فافہم اور یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ
اپنے محبوب خلیل بندون کا مشتاق ہو اور یہ بشارت دی کہ تمام مخلوقات مین سے برگزیدہ آپکی اولاد مین سے تشریف لائیگا اور وہ حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہین اور اولاد کی بشارت بدین معنی یہ بشارت ہو کہ شریعت ابراہیمی یعنی اصل حقیقت کا فیضان ہمیشہ باقی رہیگا چنانچہ تاقیامت
یہی واقع ہوا اور فرشتون کا سلام کرنا اخبار ہو کہ یہ فرشتے لیاقت رکھتے ہین کہ خلیل کیطرف ایلچی ہون اور اظہار ہو کہ باہم کوئی غربت یعنی انجان پن نہین
ہے اور معاضدہ خطرات ائل ہونیکے ساتھ عہد ازل کی شناخت ہی اور فرشتون کا سلام ممزوج بسلام حبیب ہے اور خلیل کا سلام اظہار اکرام ضیف ہے
اور فرشتون کا سلام خلیل کے سلام سے موافق ہونا علامت ہو کہ سر خلیل نے انکے اسرار کو پہچانا یعنی یہان مقام کرامت اور عیوب سے سلامت ہے
اور دیکھو کہ حبیب کا سلام حبیب کو کیسا خوشگوار اور پیغام کیسا مزہ دار اور بشارت کیسی پاکیزہ ہو اگرچہ بواسطہ ہو ؎ سلام علی سلمیٰ ان شطع ارہا ؛
سلام على ارض قديم بها العهد ؛ سلام على جاراتها وجوارها ؛ سلام حزين واتق شقة البعد ؛ سلام عليها دائما متواترا ؛ سلام على ارض اليها انما القصد
اذا نزلت سلمى بواد فماؤها ؛ زلال وسلسال ومسيها ورد ؛ ؎ منزل سلمیٰ کہ بادش ہر دم از من صد سلام ؛ پر صدائے سار بانان بینی و بانگ
جرس ؛ بعضے اکابر نے کہا کہ رسل نے ابراہیم کو بشارت دی کہ نسبت خلت ایسی تجی ہوئی ہو کہ کبھی منقطع نہ ہوگی بعض نے کہا کہ فرشتون نے
اصل بشارت دی تھی کہ آپکی پشت سے حضرت حبیب اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونگے جو خاتم النبیین ہین اور لواء الحمد اجمعین
کے ہاتھ مین ہوگا بعض نے کہا کہ جب حبیب کیطرف سے ایلچی آیا تو یہی بشارت ہو اور جب پیغام پہونچایا تو خوشی پوری کردی اور جب سلام پہونچا
تو سبحان اللہ وبحمدہ دیکھو کیسے ذکر کیا کہ قالوا سلاما پس خلیل نے کہا سلام اور مراد پوری ہوگئی۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ قالوا سلاما۔ اشارہ ہے

کہ مرتبہ خلت تمکو سلامت ہے جسمین کبھی لغزش نہوگی قال سلام یعنی مجھپر سلامتی از جانب السلام ہے یعنی از جانب حق عزوجل - قولہ فما لبث ان جاء بعجل حنیذ اسمین اخبار واسرار ہین اخبار یہ کہ جوانمردی کیساتھ اپنے مہمانون کیلیے اکرام کیا اقول فی الحدیث الصحیح من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ یعنی جسکو اللہ تعالی اور روز آخرت پر ایمان لانا یا وہ ضرور ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے - اسرار یہ کہ قلب مذبوح تھا روح مجروح تھی اور نفس کو سلطان جبروت و انوار ملکوت و برق جمال و سر جلال کے سامنے قربان کردیا اور یہ سب نتیجہ محبت وعشق حقیقت تھا تاکہ نسیم وصال سے تسلی کی جاوے اور اس طریقہ مین اظہار معاوضہ دقیقہ ہے تاکہ شان جلال معلوم ہو اگرچہ خلقت سخاوت وکرم تھی بعض نے کہا کہ مہمانداری کے آداب مین سے ہے کہ پہلے اچھی طرح آنکے پھر طعام کی دعوت کرے پھر باتین کرے چنانچہ خلیل نے پہلے طعام کا بندوبست کیا پھر باتین کرنا جسکو پسند ہو - قولہ فلما رای ایدیہم لاتصل الیہ نکرہم - یہ انکار اس بات پر تھا کہ انھون نے خلق کو ترک کیا حالانکہ اسمین ایک عجیب اشارہ ہے یعنی یہان بچھڑا ذبح کرنا کار آمد نہین بلکہ خود ذبح کرنا چاہیے تو ہمارے لیے اسمٰعیل کو ذبح کرو کیونکہ یہی فدیہ بمقتضائے عشق ہے ابوالحسن بوشنجی سے حکایت کی جاتی ہے کہ وہ فرماتے جو کوئی ہمارے حجرے مین آیا اور خوشی سے ہمارے ٹکڑے روٹی یا جو حاضر ہو اسمین ہمارے ساتھ شریک ہوا تو اُسنے ہم پر سخت ظلم کیا - ابن جعفر بن حمید ش نے کہا کہ جسنے فقیرون غلامون کے کھانے سے انکار کیا اُسنے اپنا غرور ظاہر کیا - اقول مروی ہے کہ چند راہ نشین مانگے ٹکڑے بچا کر کھانے بیٹھے کہ اتنے مین حضرت امام زین العابدین گھوڑے پر سوار اُس راستے گذرے درویشون نے صدائے طعام دی آپنے فرمایا کہ ہان یہ کہکر اُتر پڑے اور اُنکے ساتھ کھایا اور فرمایا کہ یارب مجھے متکبرون مین نہ لکھنا پھر ان لوگون سے کہا کہ اب تم میری دعوت قبول کرو چنانچہ وقت مقررہ پر وہ آئے اور اُنکے ساتھ مہمانداری کا برتاؤ کیا قولہ واوجس منہم خیفۃ - ان سے خوف اسوجہ سے نہ تھا کہ ابراہیم کو اُنکے حال سے آگاہی نہ تھی بلکہ اُن کے آثار سے قوم لوط کا عذاب ظاہر ہوا اور یہ خوف کا مقام ہے اقول شیخ کی مراد یہ ہے کہ ابراہیم نے انکو اہل الخیر والصلاح مین سے پہچان لیا تھا اگرچہ یہ امر مخفی ہو کہ فرشتے بصورت اطفال خوبصورت متمثل ہوئے ہین مگر اُنکے اخلاق سے انکار کیا جب اُنھون نے کھانے پر ہاتھ نہ ڈالا اور آثار غضب الٰہی نمایان ہوئے تو اُن کو خوف ہوا کیونکہ بسا اوقات ایسی کچھ خوفناک بات لاتا ہے ؎ تعلک عصیان و ست بعالم ؛ سلام علی الدارین ان کنت راضیا ؛ اور نیز یہ خوف بوجہ حضرت لوط و اُنکے اہل وعیال کے پیدا ہوا قولہ قالوا لاتخف انا ارسلنا الی قوم لوط فرشتون نے حجاب اُٹھا دیا اور صاف عذاب کا حکم ظاہر کردیا - قولہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت - یہ رحمت وبرکت ان نیکون پر انوار مشاہدہ الٰہی تھی اور نیز نبوت ورسالت وخلافت تھی حتی کہ آخر قیامت تک باقی رہی اور تمام اولاد مین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخصوص دعائے مقبول سے مانگا بعض نے کہا کہ رحمت تو محبت ہے اور برکات معرفت وتوحید ہے بعض نے کہا کہ اہل البیت کی برکتین دعائے خلیل و دعائے ملائکہ سے ہین اور آنحضرت صلعم نے تمام نمازون مین اسکا حکم دیا چنانچہ درود شریف مین ہے کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم یعنی خود اہل بیت و اولاد مین سے تھے - انہ حمید مجید محمود تو اپنی حمد قدیم سے ہے چنانچہ خود اپنی تعریف فرمائی ہے اور وہی مستحق حمد ہے مجید عظیم الشان ہے نہ کوئی فہم ہے کہ اس تک رسائی پاوے اور نہ کوئی عقل ہے کہ ادراک کرے پھر جب برکات الٰہی واصل ہوئین اور کاشفہ کے دروازے کھلے اور فیض بشارت حاصل ہوا تو انکا قلب غبار امتحان سے نکلکر حضرت الرحمن کے ساتھ مقام انبساط مین حاضر ہوا کما قال تعالی فلما ذہب عن ابراہیم الروع وجاءتہ البشری یجادلنا فی قوم لوط - دوری کا خوف گیا اور نزدیکی کی خوشخبری ملی محبت کا مزہ آیا اور خلت کا انبساط ہوا تو اس مقام کے موافق برخلاف انقباض کے حالت طاری ہوئی اور ایسی حالت مین جو امور ان سے برداشت ہوتے ہین وہ اہل بیت وجلال سے جائز نہین ہین ولیکن خلیل کا انبساط یہی ہوتا ہے کہ مخلوق پر کثرت شفقت ہو چنانچہ فرمایا یجادلنا فی قوم لوط یس قوم لوط کیلیے تاخیر عذاب مانگتے اور لوط و اُنکے لوگون کیلیے رحمت ونجات چاہتے تھے اور یہی سخاوت وجوانمردی ومروت وحلم ہے اسیواسطے

وصف فرمایا بقولہ ان ابراہیم لحلیم اواہ منیب حلیم تو اسوجہ سے کہ اپنی قوم پر بددعا نہیں کرتے بلکہ کہتے فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم یعنی جو میری پیروی کرے وہ مجھ میں سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو غفور رحیم ہے اور اواہ یہ تھا کہ غیر سے آنکھ پھیر کر رب تبارک تعالیٰ کیطرف کشادہ رکھتے تھے اور یہی حال عاشقوں کا ہوتا ہے اور منیب ہیں یعنی کہ سب سے منہ موڑ کر رب تبارک و تعالیٰ کی طرف راجع ہوئے چنانچہ آیت میں مذکور ہے انی بریٔ مما تشرکون انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض الآیہ۔ اور ابراہیم علیہ السلام کا مجادلہ بوجہ جہالت کے نہ تھا بلکہ بسبب کمال انبساط کے تھا پس کمال شفقت سے لوگوں پر کرم چاہا کیونکہ اپنا کچھ ازلی انتخاب کی وجہ سے ایسی سفارش کے لائق کیا اور حق تعالیٰ کو اپنے نیک بندوں کا ایسا معاملہ پسند ہے وفی الحدیث انہ لما اسری بی رایت رجلا فی الحضرۃ یتذمر فقلت لجبرئیل من ہذا قال اخوک موسیٰ علیہ السلام یتذمر علی ربہ تعالیٰ فقلت وہل لہ ذلک فقال یعرفہ فیتحمل عنہ۔ اور قصہ موسیٰ علیہ السلام میں انبساط مذکور ہے بقولہ ان ہی الا فتنتک۔ واضح رہے کہ انبساط نہیں روا ہے مگر اسی شخص سے جو معرفت میں ایسے رتبہ پر ہو بعض مشائخ نے اس مقام کی تفسیر میں کہا کہ قولہ فلما ذہب عن ابراہیم الروع الخ یعنی فرشتوں کے کھانے سے پرہیز کرنے کے سبب جو انکو جھجک پیدا ہو گئی تھی جاتی رہی اور جان گئے کہ یہ ملائکہ ہیں اور ان کو بشارت پہونچی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہونچا تو خلق پر بے انتہا شفقت کی طرف متوجہ ہو کر قوم لوط بدکار کی طرف سے مجادلہ کرنے لگے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکے دل میں رحمت کو بسیط کر دیا تھا لہذا چاہتے تھے کہ یہ لوگ مہلت دیئے جاویں شاید ایمان لاویں اور لوط مع اہل ایمان رہتے ہوئے کیونکر اہل کفر پر عذاب نازل ہوگا اور کیونکر انکے ساتھ اہل ایمان ہلاک کئے جاوینگے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اس کلام پاک سے بندوں پر ظاہر کر دیا کہ ابراہیم خلیل اللہ نے باوجود مرتبہ خلت درجہ نبوت عظمیٰ کے عجیب صنع الٰہی سے ملائکہ کو پہلے پہل نہیں پہچانا اور انکو مہمان سمجھے اور یہی اظہر ہے کیونکہ کلام الٰہی مصرح ہے کہ اول میں انکو نہیں پہچانا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کی دل تنگی اور خوف کا ویسا ہی حال بیان فرمایا جیسا ابتدا میں حضرت ابراہیم کا نہ پہچاننے سے ہوا تھا۔ بقولہ تعالیٰ

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِہِمْ وَضَاقَ بِہِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ ہٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝

اور جب پہونچے ہمارے بھیجے لوط پاس خفا ہوا انکے آنے سے اور رک گیا جی میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے

وَجَآءَہٗ قَوْمُہٗ یُہْرَعُوْنَ اِلَیْہِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ ہٰٓؤُلَآءِ

اور آئی اس پاس قوم اسکی دوڑتی بے اختیار اور آگے سے کر رہے تھے برے کام بولا اے قوم یہ

بَنَاتِیْ ہُنَّ اَطْہَرُ لَکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۝

میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تمہارے واسطے سو ڈرو تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجکو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں نیک راہ

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِکَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ۝

بولے تو تو جان چکا ہے ہم کو تیری بیٹیوں سے دعویٰ نہیں اور تجکو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا۔ اور جب پہونچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط پاس یعنی جو ملائکہ حضرت ابراہیم پاس مہمان تھے بشارت دیکر آگاہ کر کے نکلے اور لوط علیہ السلام کی طرف چلے اور درمیان میں چار فرسخ کا فاصلہ تھا سدی نے کہا کہ دوپہر کے وقت نہر سدوم پر پہونچے وہاں لوط کی بیٹی پانی بھرتی تھی اس سے بولے کہ اے لڑکی یہاں کوئی ٹھکانا مسافروں کیلئے ہے اسنے دیکھا کہ چند لڑکے نہایت خوبصورت خوش پوشاک خوشبو سے معطر اس گاؤں میں مہمانی چاہتے ہیں تو انسے بولی کہ تم یہیں ٹھہرے رہو میں آتی ہوں یہ کہکر خود گھر پہونچی اور باپ سے کہا کہ کچھ لڑکے شہر کے دروازہ پر ہیں میں نے ان سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھے آپ انکی خبر لیجئے ورنہ آپکی قوم انکو رسوا کریگی حضرت لوط روانہ ہوئے اور

پوشیدہ انکو لائے مگر نہایت پریشان و دل تنگ تھے اور اسوقت کوئی واقف ہوا صرف انکی جورو آگاہ ہوئی اور اُسنے قوم سے کہدیا اور قتادہ رح نے کہا کہ حضرت لوط اپنے کھیت مین تھے وہان آکران لوگون نے مہمانی چاہی تو حضرت لوط نے شرم سے انکار نہ کیا اور ساتھ لیکر خوفناک و دلتنگ چلے اور آپ انکے آگے ہوگئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا سِيٓءَ بِهِمۡ - ان مہمانون کے آنیکے سبب غمناک ہوگئے - وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا اور دل تنگ ہوئے وَقَالَ هٰذَا يَوۡمٌ عَصِيۡبٌ - اور دل مین کہا کہ یہ دن سخت ہی حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے کہا کہ یوم عصیب یعنی آجین سخت بلا گھیرے ہوئے ہی جیسے سر کے گرد عصابہ یعنی پٹی باندھے ہو پھر آگئے آگے اُنسے کہتے چلے کہ اے لوگو تم اس قصبہ کی بدکاری سے واقف ہو انھون نے کہا کہ وہ کیا ہی فرمایا کہ اے لوگو واللہ مین نہین جانتا کہ روئے زمین پر اس سے بڑھکر کوئی گانون والے خبیث ہون اور مطلب یہ تھا کہ یہ مہمان یہان سے چلے جاوین ورنہ انکی طرف سے مجھے اس قوم بدکار سے مقابلہ پیش آویگا اور یہ امر ان پر بہت گران تھا پھر کچھ دفعہ چلکر اُنسے یہی کلمہ کہا اسی طرح چار مرتبہ اُنسے کہا - قتادہ رح نے کہا کہ ان ملائکہ کو حکم تھا کہ اس قوم کو ہلاک نکرنا جبتک انکا پیغمبر چار مرتبہ انکی بدفعالی کی گواہی نہ دے مگر یہ لوگ نہین گئے یہانتک کہ حسب اتفاق انکو خفیہ گھر تک لائے مگر انکی جورو نے آخر وقت جا کر قوم سے ان لڑکون کے حسن و جمال کی حکایت بیان کی وَجَآءَهٗ قَوۡمُهٗ يُهۡرَعُوۡنَ اِلَيۡهِ اور لوط کی قوم انکی طرف دوڑتی ہوئی اتراتی آئی - وَمِنۡ قَبۡلُ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ - اور اس سے پہلے قوم والے بدکاری کیا کرتے تھے یعنی اس قوم کی طبیعت و عادت بدکاری ہوگئی تھی حتی کہ اسی حال پر عذاب مین گرفتار ہوئے قَالَ يٰقَوۡمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَكُمۡ - لوط نے فرمایا کہ اے قوم یہ سب میری بیٹیان ہی تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہین یعنی لڑکون سے یہ زیادہ پاکیزہ ہین لہذا تم لوگ لڑکون سے اغلام و بدکاری جو محض پلیدی ہی چھوڑ دو اور عورتون سے جوڑا اختیار کرو - فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِيۡ ضَيۡفِيۡ - پس اللہ تعالیٰ خالق و مالک سے ڈرو اور لاتخزونی اور مجھے مت رسوا کرو میرے مہمانون کے بارہ مین یعنی لڑکے میرے مہمان ہین تم اُن کی طرف بدکاری کے لیے ہاتھ مت بڑھاؤ کہ اسمین میری سخت رسوائی ہی اور دوسری آیت مین قوم کا جواب یون مذکور ہی اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ یعنی کیا ہم نے تمکو عالمین سے نہین منع کر دیا تھا یعنی پہلے ہم نے تم کو منع کر دیا تھا کہ تم کبھی مردون کو اپنا مہمان نکرنا - یہان ناواقف آدمی کو ایک شبہ ہوتا ہی وہ یہ ہی کہ لوط علیہ السلام نے لڑکیون کو اطہر فرمایا اور اُسکے معنی زیادہ پاک کے ہین جو کسی دوسری چیز سے بڑھکر ہو تو شبہ ہوتا ہے کہ لڑکون سے اغلام پاک ہی - لڑکیون سے جماع کرنا زیادہ بڑھکر پاک ہی حالانکہ بالیقین احادیث و آیات سے معلوم ہوا کہ اغلام کرنا بالکل نجس ناپاک ہی اس شبہ کو جو عربی زبان سے واقف ہی جلدی حل کر لیتا ہی اسطرح کہ یہ کلام بطریق مقابلہ کے ہی اور سمجھانے کا یہی طریقہ عمدہ ہی اور ظاہر ہی کہ وے لوگ اس فعل کو پاک سمجھتے تھے تو سمجھایا کہ اے لوگو تم اپنی جہالت سے کچھ ہی سمجھو اسقدر تو یقینی ہی کہ لڑکیون مین خوب پاکیزگی ہی تو اسی کو کیون نہین لیتے اور نظیر اسکی قولہ تعالیٰ اذلک خیر ام شجرۃ الزقوم - بھلا یہ میوے خوش مزہ بہت اچھے ہین یا تھوہڑ کا درخت - حالانکہ تھوہڑ کے درخت مین تو کچھ بھی اچھائی نہین ہے اور نظیر اسکی حدیث مین قصہ احد مین ہی کہ ابوسفیان نے اپنے ہبل بت کی بزرگی بیان کی اور کہا اعل ہبل یعنی او ہبل بڑا ہو تو پس حضرت نے جواب مین کہلایا کہ اللہ اعلیٰ و اجل یعنی اللہ بہت بزرگ ہی حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بت کی کچھ بھی بزرگی نہین ہی اور اسکے نظائر زبان عرب مین بہت ہین فائدہ حضرت لوط نے فرمایا کہ ہؤلاء بناتی - یہ میری بیٹیان - تو کیا حقیقت مین اپنی بیٹیون کو فرمایا تھا یا قوم کی عورتون کو کہا تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ بیٹیون کو ان کافرون کو کیونکر دینا چاہا تو جاننا چاہیے کہ ابتدا مین جو روایت سدی رح سے مروی ہی اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ حضرت لوط کی بیٹیان تھین اور انھون نے اپنی ہی بیٹیون کی طرف اشارہ کیا اور یہ ارشاد تھا یعنی ان کو بدکاری سے موڑ کر نکاح کاری کیطرف

راہ بتائی اسیواسطے کہا ۔ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۔ کیا تم مین سے کوئی ایسا نہیں ہے جو نیک راہ پر ہو یعنی نیک راہ قبول کرے اور دوسرون کو نیک راہ بتلادے اور برائی سے منع کرے بعض نے کہا کہ اس قوم مین دو شخص سردار تھے جنکا کہنا سب مانتے تھے تو چاہا کہ ان پاک بیٹیون سے انکو راہ پر لادین تو پھر سب راہ پر آجاوین اور ظاہر قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہو کہ بیٹیان خود اپنی تھین چنانچہ کافرون کا جواب مذکور ہو کہ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۔ قوم کافر کہنے لگی کہ تجھے خوب معلوم ہو کہ ہم کو تیری بیٹیون مین کچھ حق نہین یعنی کچھ خواہش و حاجت نہین ہے ۔ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ۔ اور تو خوب جانتا ہو جو ہم چاہتے ہین یعنی لڑکون و مردون سے اغلام کرنا ۔ یہان دو طرح شبہہ کیا گیا ایک تو کرخی رہ کا قول ہو کہ اپنی بیٹیون کو کسی پر پیش کرنا خلاف مروت ہو اور اسکا جواب یہ ہو کہ نہین بلکہ عذاب کفر سے نکالنا اور ہدایت پر لانا مقصود تھا اور پیغمبر اپنی قوم کا باپ ہوتا ہو لہذا یہ علان کچھ خلاف مروت نہین ہو اور دوسرا شبہہ یہ کہ اہل قوم کافر تھے ان کو یہ مسلمہ بیٹیان کیونکر دینی چاہین تو جواب یہ ہو کہ اس شرط سے دینی چاہین کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور بعض نے کہا کہ غالباً اس شریعت مین مسلمہ کا نکاح کافر مرد سے روا ہو چنانچہ آنحضرت صلعم نے بھی قبل وحی کے اپنی دختر کا نکاح عتبہ بن ابی لہب اور ابو العاص بن الربیع سے کردیا حالانکہ یہ دونون کافر تھے مترجم کو اسمین تردد ہو اسلیئے کہ آنحضرت صلعم پر جبتک وحی نہین آئی تو زمانہ فترت تھا اور احکام وحی نازل نہین ہوئے تھے بہرحال یہ سب اس قول پر ہو کہ خود حضرت لوط کی بیٹیان موجود تھین ولیکن قوی تفسیر حضرت مجاہد رح سے مروی ہو کہ حضرت لوط کے کوئی بیٹی نہ تھی مگر ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہو ۔ ابن کثیر رح نے کہا کہ ایسا ہی قتادہ رح وغیرہم سے مروی ہو اور اسکے معنی یہ ہین کہ اسی قوم کی عورتون کو اپنی بیٹیان کہا اور ابن جریج نے کہا کہ لوط نے ان کو ارشاد کیا کہ تم عورتون سے نکاح کر دلو یہ مطلب نہ تھا کہ عورتون سے بغیر نکاح کے بدکاری کرو اس قول کی تائید مین کہا گیا کہ قوم کے لوگ بہت تھے اور بیٹیان اسقدر کہان تھین جو سب کے نکاح مین پوری ہون لہذا قوم کی عورتون کو بیٹیان کہکر ترغیب دی اور قولہ مالنا فی بناتک من حق یعنی اپنی عورتون کی جن کو تو شفقت سے بیٹیان فرماتا ہو ہمین کچھ خواہش نہین ہو اور حاصل یہ کہ حضرت لوط نے اس قوم بدکار کو جب انھون نے مہمان لڑکون کا قصد کیا تھا بہت بلیغ و نہایت الحاح سے نصیحت کی کہ اے لوگو تم اپنی عورتون سے رغبت کرو یہ تمھارے لیے بہتر ہے مین باپ کی طرح شفقت کرکے تم کو راہ بتاتا ہون کہ یہ میری بیٹیان یعنی تمھاری عورتین تمھارے لئے بہت پاکیزہ ہین مگر ان بدبختون نے نہ مانا آخر حضرت لوط علیہ السلام مضطرب ہوکر کہنے لگے ۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ۝ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

کہنے لگا کہین سے مجکو تمھارے ساتھ زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی محکم آسرے مین مہمان بولے اے لوط ہم بھیجے ہین تیرے رب کے

لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ

ہرگز نہ پہونچ سکین گے تجھ تک سو لے نکل اپنے گھر کو کچھ رات سے اور مڑکر نہ دیکھے تم مین کوئی مگر تیری عورت یقین ہے

مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ۝

کہ اسپر پڑنا ہو جو ان پر پڑیگا ان کے وعدے کا وقت ہو صبح کیا صبح نہین نزدیک

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً ۔ لوط نے کہا کہ کاش مجھے تمھارے مقابلہ مین قوت ہوتی تو خود تم کو دور کرتا ۔ اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ۔ یا جگہ لیتا رکن شدید کیطرف یعنی کنبہ ہوتا کہ انکی مدد سے تم کو دور کرتا کہ تم میرے مہمانون پر زیادتی کرکے مجھے فضیحت نہ کرنے پاتے ۔ واضح ہو کہ

جب لوطؑ کی جورو نے کوٹھے پر چڑھ کر یا باہر جا کر قوم کو آگاہ کر دیا اور وے دوڑتے آئے تو لوطؑ نے دروازہ بند کر لیا اور خود دروازہ کے باہر انکو سمجھانے اور مہمانوں تک پہونچنے سے روکتے تھے یہان تک کہ وے لوگ نہ مانے اور ہجوم کیا یہان تک کہ اور طرف دیوارون پر چڑھکر مکان مین داخل ہونے لگے تو حضرت لوطؑ مضطرب ہو کر کہنے لگے کہ کاش مجھے بذات واحد یہ قوت ہوتی کہ تم کو دور کر سکتا یا میرے کنبہ کے لوگ ایک جماعت باقوت ہوتے کہ تم کو دور کرتا اور یہ قوم اُنکے ننہال تھی کیونکہ لوطؑ پہلے عراق مین حضرت ابراہیم اپنے چچا کے ساتھ تھے جب یہان سے شام مین آئے تو اللہ تعالیٰ نے اُنکو موتفکات مین پیغمبر کیا اور یہ چند بستیان تھین جنمین بڑی بستی سدوم تھی اور آبادی سب چار لاکھ کے قریب تھی لہذا لوطؑ نے تمنا کی کہ اسوقت میرے کنبہ والے باقوت و شوکت ہوتے تو تم مجھپر یہ ظلم نہ کر سکتے۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہی کہ لوطؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھیجا وہ اپنے کنبہ کے باقوت گروہ مین سے بھیجا سعدیؒ نے کہا کہ قولہ الی رکن شدید یعنی زبردست لشکر کو اس سے مین تم سے قتال کرتا اور حدیث صحیح مین ہی رحم اللہ لوطا فی روایۃ یغفر اللہ للوطان کان یاوی الی رکن شدید یعنی اللہ تعالیٰ لوطؑ پر رحم کرے یا لوط کو بخشدے کہ وہ رکن شدید کی طرف جگہ لیتے تھے۔ امام نوویؒ نے کہا کہ رکن شدید سے مراد اللہ تعالیٰ عزوجل ہے کیونکہ وہی سب رکن سے اقوی ہی و لیکن تفسیر اول اصح ہی پھر جب قوم کا ظلم یہان تک پہونچا اور حضرت جبرئیل نے ہلاک قوم کی اجازت جناب باری تعالیٰ سے مانگی تو اجازت ملی اور جبرئیل نے حضرت لوطؑ کو اس سختی مین دیکھا۔ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ تو جبرئیلؑ و دوسرے ساتھیون نے کہا کہ اے لوطؑ ہم تو تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہین یعنی فرشتے ہین۔ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ۔ یہ لوگ تجھے کوئی بُرائی نہین پہونچا سکتے ہین پھر جبرئیلؑ نے اُٹھکر اس قوم ظالم تبہ کار کے منھون پر ایک طپانچہ مارا جس سے اندھے ہو گئے جیسا کہ دوسرے مقام پر آیت مین ہی فطمسنا اعینہم۔ انکی بینائی بگاڑ دی کہ اپنے گھر کا راستہ نہین سوجھتا تھا تو یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ لوطؑ کے گھر مین جادوگر بھرے ہین پھر ملائکہ نے لوطؑ کو حکم کیا۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ کہ تو یہان سے کچھ رات مین اپنے لوگون کے ساتھ روانہ ہو۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اور تم مین سے کوئی مُڑکر نہ دیکھے۔ اِلَّا امْرَاَتَكَ۔ سوائے تیری جورو کے۔ ابن کثیر و ابوعمرو نے برفع تا پڑھا پس احد سے بدل ہی اور معنی یہ ہین کہ تم مین سے کوئی مڑکر نہین دیکھیگا سوائے تیری جورو کے کہ وہ نافرمانی کر کے دیکھے گی اور ہلاک ہو گی چنانچہ روایت ہی کہ وہ ساتھ گئی تھی پھر جب نالہ و فریاد و آوازین ہیبناک سنین تو مُڑکر دیکھنے لگی اور بولی کہ ہائے میری قوم پس اسپر بھی ایک پتھر گرا جس سے ہلاک ہو گئی اور باقیون نے بنصب تا پڑھا اور یہ اہل سے استثنا ہی یعنی تو اپنے سب اہل کو سوائے جورو کے ساتھ لیکر روانہ ہو۔ واضح ہو کہ یہ ممکن ہی کہ لوطؑ نے عورت کو ساتھ نہ لیا ہو مگر وہ خود ساتھ ہو گئی ہو۔ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ۔ بے شبہ اس عورت کو وہی عذاب پہونچیگا جو اس قوم کو پہونچنے والا ہی۔ یہ حال سنکر لوطؑ کا اضطراب رفع ہوا اور کہنے لگے کہ پھر انکو ابھی ہلاک کر دو تو جبرئیلؑ نے کہا اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ۔ انکے ہلاک کا وقت اس رات کی صبح ہی۔ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ۔ کیا صبح نزدیک نہین ہے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ لوطؑ نے انسے کہا تھا کہ ان کو ابھی ہلاک کر دو تو اُنھون نے یہ جملہ اُنکی تو شدلی کیلئے کہا تھا اور لکھا کہ معمرؒ نے قتادہ رح سے اُنھون نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ اسطرح نقل کیا کہ ابراہیم علیہ السلام قوم لوطؑ کے پاس آتے اور کہتے کہ اے لوگو مین تم کو بدافعالی سے باز رہنے کی نصیحت کرتا ہون کہ تم اپنی جانین اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سامنے مت پیش کرو اُنھون نے کچھ نہ مانا یہان تک کہ تاخیر کی مدت پوری گذری اور عذاب کا وقت پہونچا اور ملائکہ لڑکون کی صورت مین لوطؑ کے پاس پہونچے وہ اپنے کھیت مین تھے پس ملائکہ نے کہا کہ اس رات ہم تمھارے مہمان ہین اور اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو مامور کر دیا تھا کہ اس قوم کو عذاب نہ کرنا یہان تک کہ لوطؑ ان پر تین مرتبہ گواہی دے جب انکو لیکر گھر چلے تو انکو اپنی قوم کی بداعمالی جو مردون کے ساتھ کیا کرتے تھے یاد آئی اور کچھ دور چلکر مہمانون کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا

کہ تم کو معلوم ہے کہ اس شہر والے کیا حرکت کرتے ہیں مجھے تو روئے زمین پر ان سے زیادہ بدکار کوئی نہیں معلوم ہے بھلا میں تم کو کیونکر ایسی قوم میں
لیجاؤں جو تمام مخلوق سے بدکردار ہے یہ سنکر جبرئیلؑ نے ملائکہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم یاد رکھو یہ دو مرتبہ گواہی ہو گئی پھر جب دروازہ
تک پہونچے تو ان سے شرم کھا کر اور انپر شفقت کر کے رونے لگے اور کہا کہ اے عزیزو میری قوم تمام مخلوق سے بڑھکر بدکردار ہے تم کو
نہیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ کیا بدفعل کرتے ہیں میں تو روئے زمین پر اس سے بدتر کوئی شہر والے نہیں جانتا ہوں بس جبرئیلؑ نے کہا کہ دیکھو
یاد رکھو یہ تیسری بار پیغمبر نے اس قوم کی بدکرداری پر گواہی دی) اب تو عذاب ضرور ثابت ہو گیا پھر جب گھر میں داخل ہوئے تو ناگاہ
بڑھیا نے اوپر چڑھکر اپنے کپڑے سے بعضے لوگوں کو اشارہ کیا (ظاہرا عادت کے موافق مہمانوں کے خرچ سے ناگواری ہوئی) اسکے اشارہ پر
فاسق لوگ خوش خوش دوڑتے آئے اور بڑھیا نے باہر نکلکر ان کے دریافت کرنے پر کہا کہ آج لوط مہمان لایا ہے میں نے ایسے خوبصورت
نہیں دیکھے اور نہ ایسے معطر دیکھنے میں آئے یہ سنتے ہی وہ لوگ دروازہ کی طرف دوڑے بس حضرت لوطؑ نے نکلکر دروازہ بھیڑ دیا اور باہر کھڑے
ہو کر انکو اللہ تعالی کی قسمیں دلائیں کہ مجھے مت رسوا کرو بھلا دنیا میں کسی بیچارہ کے مہمانوں سے ایسا معاملہ کوئی کرتا ہے لاؤ دیکھو یہ میری بیٹیاں
یعنی اس قوم کی عورتیں تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں انھوں نے آپکی عاجزی پر کچھ خیال نہ کیا اور چاہا کہ زبردستی گھر میں گھسکر مہمانوں کو پکڑ لیجاویں اسوقت
حضرت لوطؑ نے اپنی عاجزی و بیکسی پر افسوس کیا جبرئیلؑ نے یہ حال دیکھکر درگاہ الٰہی میں عذاب کرنے کی اجازت چاہی اور کھڑے ہو کر لوطؑ سے
کہا کہ ہم اللہ تعالی کے بھیجے فرشتے ہیں اور آسمانی اپنی صورت جو بہت خوشنما ہے پیغمبر کی نظروں میں ظاہر فرمائی اور ان فاسقوں کے منھ پر مارا جس سے
انکی آنکھیں چوندھیا گئیں کہ انکو گھر کی راہ نہیں سوجھتی تھی اور کہتے بھاگے کہ لوطؑ کے مہمان تو جادوگر ہیں پھر ملائکہ نے لوط سے کہا تم اپنے لوگوں
کو لیکر رات رہے نکل جاؤ اور ہم کو اور ان کو چھوڑ دو یہ تجھے کچھ برائی نہیں پہونچا سکتے ہیں ایسا ہی محمد بن کعب القرظی و قتادہ و سدی وغیرہم
سے مروی ہے اب اس آیت کے اشارات سننا چاہیے فی العرائس قولہ ولما جاءت رسلنا لوطا سیء بہم وضاق بہم ذرعا حضرت لوطؑ
کا اہل اپنی قوم کے فتنہ سے خوف کر کے مہمانوں کے حال پر شفقت کی راہ سے تھا چنانچہ قولہ ولا تخزون فی ضیفی تصریح ہے کہ مہمانوں پر شفیق
و کریم تھے اور واضح ہو کہ ابراہیمؑ و لوطؑ دونوں نے ملائکہ کو نہ پہچانا باوجودیکہ فراست نبوت اعلی ہے اسوجہ سے کہ دونوں مقام بسط و بہار
میں تھے اللہ تعالی کی طرف سے قوم پر عذاب کا کچھ خوف نہ تھا اسی واسطے ملائکہ کو نہ پہچانا یہانتک کہ قوم کے حق میں مستحق عذاب ہونے کو
خود اپنے منھ سے حضرت لوطؑ نے بیان کیا حالانکہ اپنے اسرار سے ملائکہ کو پہچانتے تھے پس تقدیر نے حکم قضا جاری ہونے کیلئے انکی ظاہری فراست
و نظر پر پردہ کر دیا بعض نے حکمت بیان کی کہ جب حکم الٰہی جاری ہونے کو ہوتا ہے تو اہل عقل پر تقدیری پردہ ہوتا ہے چنانچہ دیکھو حضرت
ابراہیمؑ کو نبوت و خلت و رسالت حاصل تھی پس انکی فراست کے مثل کسکی فراست ہو سکتی ہے پھر بھی ملائکہ کو نہیں پہچانا کیونکہ فراست مسدود
کر دی گئی تھی جیسے آنحضرت صلعم سید المرسلینؐ پر ملائکہ پر پردہ کر دیا گیا جبکہ منافقوں نے حضرت صدیقہؓ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان
عظیم باندھا تھا پس آنحضرت صلعم پر حال خفیہ رہا یہانتک کہ اللہ تعالی نے حضرت صدیقہ کی شان میں پاکیزگی بیان کرنے کو قرآن پاک نازل
فرمایا اسی طرح لوطؑ پر التباس رہا یہانتک کہ عذاب کا حکم ہو گیا واضح ہو کہ جب لوط علیہ السلام اپنی قوم کی طرف سے شدت امتحان میں پڑے
تو قوم کو بدکاری سے دور کرنے کیلئے قوت و رکن شدید چاہا بقولہ تعالی قال لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید حضرت لوطؑ نے اپنے آپکو
مقام امتحان میں دیکھا اور مکاشفہ و مشاہدات کا دروازہ بند دیکھا اور یہی پایا کہ میں خوف و فکر میں مبتلا ہوں و تمنا کی کہ کاش مجھے اس
ساعت بھی صفت قدرت سے اتصاف ہوتا جیسے اس امتحان سے پہلے میرا حال تھا تو البتہ میں اس قوم کو کفر و معصیت سے دور کرتا یا

رکن شدید سے تکیہ لیتا یعنی عدم کے گوشہ میں اگر مجھے جگہ مل جاتی تو وہیں جگہ لیتا اور اس قوم کے دیکھنے سے راحت پاتا۔ یا عالم ملکوت سے اس قوم کیلئے عذاب لاتا یا قوم کیلئے دعا کرتا اگر مجھے زبان ربانی حاصل ہوتی جس سے انکو راہ ہدایت بتلاتی اور اپنے اوپر حقوق الٰہی پہچانتے۔ ابن عطاؒ نے فرمایا کہ معنی یہ ہیں کہ معرفت اگر میرے قبضۂ قدرت میں ہوتی تو تم کو وہاں تک پہونچا دیتا بعض نے کہا کہ اگر مجھے تم پر بددعا کی جرأت ہوتی تو بددعا کرتا یا رکن شدید کی طرف جگہ لیتا یعنی علم غیب جانتا کہ تمہارا انجام سعادت یا شقاوت میں سے کس طرف ہے تو اسی پر بھروسا کرتا پھر جب کام پورا ہوگیا اور ملائکہ نے حال کھول دیا اور کہا کہ یہ قوم صبح کے وقت ہلاک ہوگی لقولہ ان موعدہم الصبح الیس الصبح بقریب۔ تو خاموش ہوئے اور شاید انہوں نے خواہش کی تھی کہ کسی طرح گمراہی کے درمیان سے جلد باہر ہو جاؤں اور قرب رحمت و مشاہدۂ قدرت میں داخل ہو جاؤں اور الٹی باتیں و منکرات دیکھنے سے راحت پاؤں تو ملائکہ نے تسلی کر دی کہ وقت تو بہت قریب ہے گویا لوطؑ نے قوم سے یہ کہا کہ کاش اگر مجھے قوت ازلیہ ہوتی تو میں تم کو ہلاک کرتا یا رکن شدید یعنی حضرت ملکوت میں جگہ لیتا اور تمہاری صحبت و دید از معصیت سے نجات و راحت پاتا پھر ملائکہ کے وعدہ کا انتظار کرنے لگے تو کہا گیا کہ کیا صبح کا وقت قریب نہیں ہے عارفوں پر واردات غیب کا اور طلوع صبح مشاہدہ کا انتظار بہت سخت ہو جاتا ہے۔ سری سقطیؒ سے حکایت ہے کہ ابرار کے دل انتظار کا تحمل نہیں کر سکتے ہیں قال المترجم پھر میں تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہوں الغرض جب ملائکہ نے لوطؑ کو نکلنے اور اپنے اہل کو قوم میں چھوڑنے کا حکم کیا تو لوطؑ مع اہل و عیال کے جو ایک گھر میں تھے رات رہے سے روانہ ہوگئے اور غالب کہ اسقدر وقت سے حکم دیا تھا کہ ان گاؤں کی حدود سے قبل صبح کے باہر ہو جاویں چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم عذاب حاصل کر لیا تھا چنانچہ فرمایا

فَلَمَّا جَاۤءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ

پھر جب پہونچا ہمارا حکم کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر نیچے اور برسائیں اُسپر پتھریاں کنکر کی تہ بتہ

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۟

نشان بنائیں تیرے رب کے پاس اور نہیں وہ بستی اُن ظالموں سے کچھ دور

ع ۱۵ / ۷

فلما جاء امرنا۔ پھر جب آگیا ہمارا امر یعنی وہ وقت جو عذاب کیلئے موعود تھا یا آگیا عذاب ہمارا جو اس قوم کیلئے مقدر تھا تو اس کی کیفیت یوں ہوئی کہ جعلنا عالیہا سافلہا۔ ہم نے ان گاؤں کے عالی یعنی اونچے کو سافل یعنی نیچے کر دیا یعنی اس ہیئات پر لوٹ دیا کہ اونچا نیچے اور نیچا اونچے ہو گیا اور یہ فعل الٰہی بواسطہ ملائکہ کے واقع ہوا جیسے عادت الٰہی دنیا میں جاری ہے اور اسکی کیفیت حضرت مجاہدؒ سے یوں مروی ہے کہ صبح ہوتے حضرت جبرئیلؑ نے ان مواضع کو اسکی زمین کے اتصال سے قطع کر کے مثل تختہ کے اپنے بازو پر اٹھا کر آسمان کو بلند کر کے لوٹ دیا کہ اونچا نیچے و نیچا اونچے ہوا پس جو عذاب اس قوم کو پہونچا کسی قوم کو نہیں پہونچا مروی ہے کہ یہ پانچ موضع تھے جنمیں سدوم سب سے بڑا موضع تھا اور انھیں کو موتفکات کہتے تھے اور سب لونڈے بازی و مردوں سے اغلام کرنے میں مشہور تھے حالانکہ ان لوگوں سے پہلے کسی قوم سے یہ فعل نہیں واقع ہوا پس انکو عذاب بھی ایسا سخت پہونچا جو کسی قوم کو نہیں دیا گیا تھا پہلے انکی آنکھیں پتھرائیں پھر مواضع لوٹ دیے گئے وامطرنا علیہا حجارۃ من سجیل۔ اور برسائے ہم نے اُن پر پتھر سجیل سے۔ کہتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے جسوقت عذاب کیلئے اٹھایا اسوقت گرم آگ سے پتھر برسے یا اس گاؤں کے لوگ جو اسوقت باہر تھے ان پر برسے یا مواضع الٹ جانے کے بعد برسے بہرکیف جب اللہ تعالیٰ کو عذاب دینا منظور ہوا تو ایسا عذاب انکو پہونچنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی اور اہل تفسیر نے اسکی کیفیت بیان کرنے میں بہت طول دیا حالانکہ کلام الٰہی میں بہت مختصر بلکہ بہتر اور ایسے عنوان سے بیان ہے کہ اسکے ضمن میں علوم قلبی و اسرار عجیب شامل ہیں جنکو بیان میں لانا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے لہذا اس کی

ظاہری کیفیت سے بحث کرنا بیفائدہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ ظاہری کیفیت کسی حدیث مین مروی نہین اور اسقدر زمانہ دراز سے اسوقت تک ایک معتبر آدمی کی زبانی دوسرے معتمد شخص کا روایت کرنا ممکن نہین تو خواہ مخواہ اکثر باتین یہود و نصاری کے عالمون سے لیگئی ہین اور معلوم ہے کہ وے لوگ اپنی کتابون کو مہذب کرنیکے لائق جانکر کیسی کچھ تحریف کرتے چلے آئے تو بھلا ان قصون مین کیونکر انکی زبانی اصلی کیفیت معلوم ہوسکتی ہے اور ہمکو حکم ہے کہ انکی روایتون کو نہ مانین اور نہ جھٹلاوین اسلیے ہم سکوت کرتے ہین اور صرف اسقدر یقین کرتے ہین جسقدر قرآن پاک مین ذکر ہو تو ہم جانتے ہین کہ یہ سچ ہو جو اللہ تعالی نے فرمایا کہ ہم نے اُن پر سجیل سے پتھر برسلئے بعض علماء نے کہا کہ سجیل ایک مقام ہو اور بعض نے کہا کہ سجیل کے معنی پکی اینٹ پس مراد یہ کہ پکی اینٹ کے کھنجڑ اور بعض نے کہا کہ سجیل معرب سنگ گلین ہو اور یہ کھنجڑ کے معنی مین ہو اور بعض نے کہا کہ سجیل و سجین ایک ہو اور سجین کے معنی قولہ تعالی وما ادراک ما سجین کتاب مرقوم سے ظاہر ہین بالجملہ اسکی اصل حقیقت کا علم مثل اور چیزون کے حضرت خالق عزوجل ہی کو ہو ہم کو اس سے کچھ زیادہ بحث نہین ہو۔ قولہ تعالی۔ مَّنضُودٍ صفت سجیل ہو اور یہ مؤید ہو کہ سجیل معرب سنگ گلین ہو کیونکہ منضود و نضید کے معنی یا تو یہ ہین کہ ایک پر دوسرا لدا ہوا جیسے کیلے دخرما کے گودہ مین ہوتا ہے اور مقصود یہ کہ پتھر بہت کثرت سے تھے اور یا یہ کہ پے درپے جیسے پانی کی بوندین برستی ہین۔ وقولہ تعالی۔ مُّسَوَّمَةً بصیغہ مؤنث اسم مفعول کے حجارۃ سے حال ہو اسوجہ سے کہ حجارۃ اگرچہ نکرہ ہو لیکن موصوف ہو اور نکرہ موصوفہ سے مثل معرفہ کے حال جائز ہو اور معنی اسکے معلمۃ یعنی اسپر نشان و علامت تھی حسن بصری و سدی نے کہا کہ ہر پتھر پر مہر سی لگی تھی اور بعض نے کہا کہ ہر کافر کے پتھر پر اسکا نام تھا۔ فراء نے کہا کہ یون بیان کیا جاتا ہو کہ ہر پتھر پر سرخ و سیاہ لکیرین تھین اقول یہ قتادہ و عکرمہ سے مروی ہو۔ ابن جریج نے کہا کہ ان پتھرون پر ایک خاص نشانی ایسی تھی جس سے بالیقین معلوم ہو جاتا کہ یہ زمین کے پتھرون کے مانند نہین ہین الحاصل اس قوم پر جو پتھر عذاب کے برسے وہ گوندھے ہوئے یا بوندون کی طرح پے درپے بکثرت تھے اور ہر ایک پتھر پر نشان تھا۔ عِندَ رَبِّكَ۔ تیرے پروردگار پاس سے یعنی خزائن الٰہیہ مین سے تھے یا حکم الٰہی مراد ہو اور خلاصہ یہ کہ اللہ تعالی عزوجل کے واسطے کوئی مقام نہین جہان سے آنا مراد ہو بلکہ ایسا کلام جہان مذکور ہو اس سے غیب و خزانہ قدرت یا حکم حق مراد ہو اور یہ خطاب آنحضرت صلعم کو ہو۔ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ۔ اور ایسے عذاب کے پتھرون کا برسنا ظالمون سے کچھ دور نہین ہو یعنی ظالم لوگ جو اللہ تعالی کے رسولون سے کفر کرتے اور زمین مین فساد پھیلاتے ہین ان کو خوف کرنا چاہیے کہ ان پر ایسے پتھر برسین۔ مجاہد نے کہا کہ اس کلام سے کفار قریش کو دہشت دلائی کہ ان کو بھی ایسا ہی عذاب نہ پہونچے جیسا کہ قوم لوط کو پہونچا۔ قتادہ نے کہا کہ اس امت کے ظالمون سے ایسا عذاب کچھ دور نہین ہو۔ قال المترجم حدیث مین ہو کہ جسکو تم پاؤ کہ وہ قوم لوط کا فعل کرتا ہو تو فعل کرنیوالے اور کرانے والے دونون کو قتل کر ڈالو یعنی ان دونون کا قتل کردینا تم پر واجب ہو کما فی السنن عن ابن عباس مرفوعا۔ اور حدیث مین ہو اس امت مین بھی یہ ہوگا کہ کچھ لوگ زمین مین دھنس جاوین اور بعضون کی صورتین بگڑ جاوین اور بعضی روایت۔ مین پتھرون سے ہلاکت بھی ہو اور بعض روایت مین اسکا وقت وہ زمانہ بتلایا کہ لوگ بیباکانہ فسق و فجور کے مرتکب ہون اور بعض روایات مین علانیہ شراب خواری و چوری و زناکاری و امانت مین خیانت و بدکار کا سردار ہونا وغیرہ قریب پندرہ باتین فرمائین کہ جب ایسا کرینگے تو ایمین اسطرح ٹوٹ پڑین گی جیسے لڑی ٹوٹ کر دانہ گرنے لگتے ہین یہان تک یہ تذکرہ ختم فرمایا اور چاہیے کہ عام لوگ اس سے عبرت حاصل کرین اور خاص لوگ اس کیلیے اشتہار علوم و دقائق سے فیضیاب ہون اور رہا قصہ تو یہ کوئی افسانہ نہین ہو جیسا کہ اسوقت کے بعض نیچر ملحدون نے اپنی جہالت سے زعم کیا اور واضح ہو کہ بعض مفسرین نے قرآن مجید کے ذکر سے بہت زائد روایات یہان بھی مانند دیگر

قصص الانبیاء کے ذکر کین جنکے ثبوت مین تامل ہی اور کوئی حاجت نہین اور اکثر یہ روایتین اگلی کتابوالون یہود و نصاری سے لی گئی ہین حالانکہ اُنکی روایت کو نہ ہم جھٹلادین نہ مانین یہی ہم کو حکم دیا گیا ہے اسیواسطے بہت سے قصص ہم نے حذف کردیئے ہین فاستقم ف
فی العرائس فی اشارۃ قولہ فلما جاء امرنا جعلنا عالیہا سافلہا۔ ابتدا نظرت وانتہا وجد مین جب معرفت کی نظر یہ ہوتی ہے کہ مشاہدہ وکشف ملکوت سے اطمینان وسکون مین مطمئن ہون تو غیرت قدم ان پر امتحان کے بوجھ ڈالکر بلا مین مبتلا فرماتی ہے چنانچہ اعلی جنت سے ادنی مسکن زمین پر الٹ جاتے ہین اور قلوب احوال سے امتحان شہوات مین منقلب ہوجاتے ہین تاکہ خوب معلوم کرین کہ بارگاہ عظمت و جلال کبریائی مین تمام عرفان جہالت ہی۔ مرید لوگ اگر اپنے مشائخ پر تکبر کرتے ہین تو نفس کے ہاتھون گرفتار ہوکر خوار ہوجاتے ہین اور قرب منزلت سے دوری کے پتھر ان پر برستے ہین وقولہ وما ہی من الظالمین ببعید۔ ایسا خوار ہونا اور قرب منزلت سے دوری مین گرفتار ہونا ایسے لوگون سے دور نہ جانو جو اتباع سنت وطریقہ شریعت چھوڑکر اتراتے ہین اور ایسے عذاب کے لائق ہونے کی علامت یہ ہی کہ متواتر اس سے گناہ وفسق وفجور ظاہر ہوتے ہین بعض نے قولہ فلما جاء امرنا الآیۃ سے نتیجہ اخذ کیا کہ جب حکم ازلی پہونچا تو جیسے ان کے دلون کو الٹا کردیا گیا تھا ویسے ہی اُنکی ظاہری ہیأت بھی لوٹ دی۔ شیخ محمد بن الفضل نے فرمایا کہ قوم لوطؑ کو جو سزا ملی اسی جہت سے تھی کہ نیک کام خود کرتے اور نہ دوسرون کو نصیحت کرتے اور کچھ پروا نہین کرتے تھے اور باتین بناکر حرام وفحش باتین عمل مین لاتے اور کہاکہ جو لوگ اپنے خالق سے خوف چھوڑکر شرع سے تجاوز کرتے ہین یا شرع مین خلاف تقوی تاویلین کرکے حرام کو حلال بناتے ہین اور مانند اسکے معاصی کے مرتکب ہوتے ہین وہ ظالم ہین اُن سے ایسا عذاب کچھ دور نہین ہی اول دور کیونکر ہوگا جبکہ ایسی بداعمالی سے اسکی قلبی وباطنی خواہش ہوتی مغلوب ہوکر فسق وفجور وغیرہ مین بدتر ہوئی اور عذاب اسپر برستا ہی تو اگر دنیاوی چندروزہ زندگی مین یہ حال نہ کھلا تو اُسکو کچھ فائدہ نہین کیونکہ موت دور نہین تو پھر خواہ مخواہ قبر کا عذاب بھی طاری ہوگا پھر عذاب دور کہان ہوا۔ نعوذ باللہ من الضلال والعذاب۔ پھر اللہ تعالی نے نخل
عربی اذکار کے حضرت شعیب کا تذکرہ فرمایا بقولہ تعالی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ
اور مدین کی طرف بھیجا انکا بھائی شعیب بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہین تمہارا حاکم اسکے سوا
وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ
اور نہ گھٹاؤ ناپ اور تول مین مین دیکھتا ہون تم کو آسودہ اور ڈرتا ہون تم پر
عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
آفت سے ایک گھیر لینوالے دن کی اور اے قوم پورا کرو ناپ اور تول انصاف سے اور نہ گھٹاؤ لوگون کو
أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ
انکی چیزین اور نہ مچاؤ زمین مین خرابی جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو
إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝
اگر ہو تم یقین رکھتے اور مین نہین ہون تم پر نگہبان

ف۔ ارسلنا۔ الی مدین اخاہم شعیبا۔ اور ہم نے بھیجا مدین کی جانب اُنکے بھائی شعیب کو۔ مدین حضرت ابراہیمؑ کے

بیٹے کا نام ہے اور مدین کی تمام اولاد بڑا قبیلہ ہوا وہ بھی مدین ہی مشہور ہوئے اور مدین نے ایک شہر آباد کیا وہ بھی مدین کہلاتا ہی کما فی قولہ
لما بلغ ماء مدین الآیۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا ہی پس اگر یہاں مدین سے قبیلہ مراد ہے تو معنی ظاہر ہیں اور اگر
شہر مراد لیا جاوے جیسے بعض مفسرین نے کہا تو ضرور ہی کہ مضاف محذوف ہو یعنی اہل مدین کیونکہ اخاہم کی ضمیر مدین کے لوگوں کی طرف
راجع ہی مقریزی نے خطط میں لکھا کہ مدین حضرت شعیب کی امت ہیں اور یہ لوگ مدیان بن ابراہیم خلیل کی اولاد ہیں اور مدیان
کی بیوی کا نام قنطورا تھا وہ یقطان کی بیٹی اہل کنعان میں سے تھی جس سے آٹھ بیٹے ہوئے جنکی اولاد بڑا گروہ ہو گیا اور شہر مدین بحر قلزم
کے کنارے پر تبوک کے محاذی اُس سے چھ مرحلہ دور واقع ہی اور تبوک سے بڑا قصبہ ہی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اول مرتبہ مصر سے تنہا
بھاگے تو اسی شہر کے کنوئیں پر ٹھہر کر شعیب کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ مدین عرب کا ایک قبیلہ تھا جو حجاز و
شام کے درمیان ایک شہر میں بستے تھے جو انھیں کے نام پر مدین مشہور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس شعیب کو رسول کر کے بھیجا اور شعیب
انھیں میں سے سب سے شریف النسب تھے۔ بعض نے لکھا کہ جمہور کے نزدیک مدین عجمی لفظ ہے تو اسکے وزن پر اشکال نہیں اور بعض نے کہا کہ
عربی لفظ ہی تو اس صورت میں وزن فعیلاً بفتح الیاء ماخوذ از محاورہ مدن بالمکان یعنی وہاں قیام کیا مگر یہ وزن نادر ہے اور بعض نے
کہا مہمل ہی اور بعض نے کہا مفعلاً ماخوذ از دان ہی تو بھی شاذ ہی اقول بقول مقریزی اصل لفظ۔ یاں موافق نام مدیان بن ابراہیم ہے
اور شاید کہ انھوں نے عجمی نام رکھا ہو اور ہر حال میں وہ غیر منصرف لفظ ہی یہی قول ابن النحاس کا ہے اور ابن کثیر نے جبکہ اس قبیلہ کو
عرب میں سے قرار دیا تو قابل بحث ہی جسمیں عربیت سے واقف آدمی غور کریں اور معنی کی نظر سے عرب میں سے ہونا اقرب واصح
معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عرب کو اکثر انھیں وقائع سے عبرت و نصیحت دلائی جو انکی سرزمین میں واقع
ہوئے سوائے چند وقائع کے جو کمال شہرت کی وجہ سے عرب کے نزدیک مثل ان کے ملک کے واقعات کے تھے بالجملہ انھیں مدین
کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا اور بھائی ہونا کچھ دین کی راہ سے نہ تھا بلکہ نسب کی راہ سے تھا اور شعیب بے شبہہ عربی لفظ ہے
اور نسب انکا یہ ہی شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیمؑ تو شعیب علیہ السلام اسی قبیلہ مدین میں سے ان سب سے اشرف
تھے۔ فوائد حدیث سے ثابت ہی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں سے اسکا نبی سب سے اشرف خاندان کا بھیجا اگرچہ وہ فقیر ہو۔ پھر شعیبؑ
کی نصیحت و تعلیم کا حال بیان کیا کہ مثل اور انبیاء کے شعیب نے جو خطیب الانبیاء کہلاتے ہیں پہلے قوم کو وہ بات بتلائی جو سب سے
زیادہ فرض ہی۔ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ۔ کہا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی اپنے خالق معبود کی توحید کرو کیونکہ
اللہ تعالیٰ پاک نام ہے تمام مخلوقات کے خالق مالک بےمثل و مانند قادر کا جسکی تمام صفات کاملہ ہیں اُسکا کوئی شریک نہیں ہی تو جب کہا
کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو گویا کہا کہ معبود اپنا اسکو جانو جو وحدہ لاشریک ہی یہی توحید اسلامی ہی اسی واسطے جو کوئی کہ شرک کرے یا تدبیر
پر اعتماد و بھروسا کر کے تقدیر کو نہ مانے اُسنے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا اگرچہ منہ سے کہے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں یا جو کوئی کہ اللہ تعالیٰ پاک کیلئے جورو
یا بیٹا بتلاوے اسنے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا بلکہ اُسنے اپنا خدا ایسی چیز کو بنایا جسکا بیٹا و جورو ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں سے
پاک ہی سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم تو اسنے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا اسیواسطے دیکھو اہل کتاب یہود و نصاریٰ اگرچہ زبان سے
خدا کو مانتے ہیں لیکن حقیقت میں اپنے گڑھے ہوئے خیال کو اپنا معبود بنا لیا ہے تو قرآن میں صاف فرما دیا کہ قاتلوا الذین لا یومنون
باللہ ولا بالیوم الآخر یعنی مومنوں کو حکم دیا کہ جہاد کرو ان لوگوں سے جنکا یہ حال ہی کہ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے ہیں لہذا جب اللہ تعالیٰ

کی توحید سب سے مقدم فرض تھا تو پہلے قوم کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو اسی طرح یقین کرو جس توحید پر وہ پاک ہے تب
تمہاری عبادت البتہ اپنے خالق کی عبادت ہوگی ۔ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ اسکے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تو اپنے دل سے
کوئی معبود مت بناؤ حتی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مانند کسی دوسرے کا کہنا اپنے اوپر فرض جانے اور مانے تو اسی کو اسنے اپنا معبود
بنالیا اسواسطے اگلے یہود و نصاریٰ جنکا اعتقاد تھا کہ جو حبر و قسیس و راہب کہے وہی فرض ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے مشرک فرمایا اور کہا
کہ اُنھون نے معبود بنالیے لقولہ تعالیٰ اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم ۔ اور اس زمانہ مین بھی نصرانیون
کی یہ کیفیت ہے کہ بڑا پادری و بشپ[1] اکثر سفارش سے روپیہ لیکر روزے معاف کردیتا ہے اور عام النصاریٰ اسکی معافی پر معاف ہونیکا یقین
کرتے ہین تو انبیا علیہم السلام کے موافق حضرت شعیبؑ نے قوم کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے تمہارا کوئی معبود نہین ہے اور پیغمبر کا حکم
خود نہین ہوتا بلکہ وہ فرماتا ہے کہ تمہارے رب کا یہ حکم ہے ۔ سراج مین توحید پر یہ دلیل عمدہ لکھی کہ دیکھو ہزارون پیغمبر گذرے اور اُن کے
ملکون مین ہزارون کوس کا فاصلہ اور اُن کے زمانون مین ہزارون برس کا فرق تھا مگر سب نے اپنی قوم کو یہی توحید کا اعتقاد
سکھلایا تو بالیقین معلوم ہوگیا کہ ہر ایک سچا پیغمبر تھا اور یہی توحید بیشک برحق ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی ۔ پھر جب انکو تعلیم
کردیا کہ اللہ تعالیٰ خالق عزوجل کا حق ہر حال مین اپنے اوپر فرض جانو اور تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے اُسی کو سچ جان کر عمل کرو تو پھر
اُنکو تعلیم کیا کہ آپس مین تمام مخلوق مین عدل کا برتاؤ کرو اور جو فعل بڑا ظلم بعد شرک کے کرتے تھے اُس سے منع کیا لقولہ ۔ وَلَا
تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ ۔ اور کم مت کرو مکیال و میزان مین ۔ فی السراج یعنی ناپ مین اور نہ ناپنے کے برتن مین اور نہ تول
اور تولنے کے باٹ مین ۔ اور ناپ تو یہ ہے کہ کسی برتن سے کوئی چیز باعتبار کمی و زیادتی کے برابری پر اندازہ کی جاوے اور وزن یہ ہے
کہ باٹ سے ہلکے و بھاری ہونے کی راہ سے برابری کی جاوے انتہی ۔ حضرت شعیبؑ نے قوم کو ناپ تول مین کمی سے منع کیا کیونکہ یہ لوگ
باوجود کفر کے یہ بدفعلی بھی کرتے تھے اور اُنکی عادت تھی کہ جب وہان بیوپاری اناج لاتا تو بڑھتی پیمانہ سے لیتے یا تول کی چیز مین بڑھتی
باٹون سے رواج ظاہر کرتے اور جب خود فروخت کرتے تو چھوٹے پیمانہ اور کم باٹ سے دیتے تھے تو دونون حالتون مین اُنکو عدل
سے تجاوز کرنے کو منع کیا اور کہا ۔ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ ۔ مین تم کو بھلائی کے ساتھ دیکھتا ہون یعنی اب تو تم نعمت و ثروت رکھتے ہو ایسی
گھٹ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نعمت پر ناشکری و بندون کو ضرر مت پہونچاؤ بلکہ شکرانہ مین بھرپور اور کچھ بڑھتی دینے سے گئے تو بھلا
کمی تو نہ کرو جس سے خدا کے غضب مین پڑو ۔ وَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۔ اور مجھے تم پر عذاب روز محیط کا خوف
ہے یعنی تم پر ایسا دن نہ آئے جسمین تم کو سب طرف سے عذاب گھیر لے پس یہ دنیاوی عذاب سے خوف دلایا کیونکہ عذاب آخرت کا
خوف بعد ایمان کے ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ مراد عذاب آخرت ہے اور معنی یہ ہین کہ مجھے تم پر اس دن عذاب ہونے کا خوف ہے جو دن
سب کو گھیر لیگا یعنی روز قیامت اور مراد یہ کہ اُس دن کے عذاب سے کوئی بدکار مستوجب سزا کو چھٹکارا نہ ہوگا اور ابن عباسؓ سے
روایت ہے کہ عذاب سے مراد غلہ کی گرانی ہے جیسے خیر سے مراد ارزانی ہے پس معنی یہ ہون گے کہ مین اب تم کو سستے بھاؤ مین آسودہ
دیکھتا ہون تو ڈنڈی نہ مارو یا دھوکا نہ کرو کہ مجھے تم پر قحط و کال کا خوف ہے بعض نے کہا کہ ابن عباس کی مراد یہ ہے کہ اسوقت خیر و
بہتری مین ہو از انجملہ ارزانی ہے اور تم پر خوف عذاب کا ہے جسکی صورتون مین سے گرانی سے ہلاکت بھی ہے پھر ان کو تاکید فرمائی
بقولہ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۔ اور اے قوم تم پورا دو ناپ و تول کو عدل کے ساتھ ۔ پہلے تو لوگون کو

کمی کرنے سے منع فرمایا اور اب انکو بغیر کمی بیشی کے پورا دینے کا حکم دیا تو بیان مین خوب اہتمام ہوگیا اگرچہ حدیث مین جھکتا ہوا حق دینے
پر فضیلت آئی ہے لیکن حضرت شعیبؑ نے ایسی قوم کو ہدایت کی جو کم دینے پر عادی تھے تو انکا پورا دینا اول مقصود تھا کیونکہ واجب السبق
ہے علاوہ اسکے یہ قوم جاہل تھی اور بعض صورتون سے بڑھتی دینا بھی منع ہے اور وہ ان سب صورتون مین ہے جنمین سود ہوتا ہے
اور تمام مقام کو کتاب الربوا فتاوی ہندیہ سے معلوم کرو لہذا ان کو حق واجب پر چھوڑا کیونکہ بیشی ثواب کی بات جس سے خوف ہو کہ آخر
گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا تو ایسی بات کو چھوڑنا ثواب ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے پھر اور زیادہ انکی سمجھ کو اوپر چڑھایا اور
کل چیزون مین اعتدال سے ہٹنے کو منع فرمایا۔ بقولہ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ۔ اور لوگون کے سامنے انکی چیزون مین گھاٹا
نکرو بس ناپ تول کی چیزین ہون یا کوئی اور ہون کسی مین گھاٹ نکرو۔ حدیث مین ملونی کرنا الخ مین اسطرح حرام کیا کہ من غش
فلیس منا۔ جیسے اناج مین ملونی کرکے یا تری دیکر گھاٹ کی وہ ہم مین سے نہین ہے بعض احادیث مین ہر چیز مین اور ہر معاملہ وغیرہ
مین خیانت وگھاٹ کرنیکی صورت مین یہی وعید فرمائی ہے کیونکہ ایسی حرکتون کا فساد تمام ملک مین پھیل جاتا ہے لہذا قوم کو تنبیہ کر
منع کیا اور کہا۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ اور فسادی مفسد ہوکر زمین مین بگاڑ نہ کرتے پھرو۔ اور خضر علیہ السلام نے جو
یتیمون کی کشتی توڑ ڈالی تھی وہ بغرض فساد نہ تھی بلکہ ؏ صد درستی در شکست خضر ہست ؛ وہ بگاڑ نہ تھا بلکہ اس بگاڑ مین ہزار
بناؤ تھے۔ اسی طرح چور کو یا رہزن کو سزا دینا یا خونی کو قصاص دینا کچھ فساد نہین بلکہ بالکل اصلاح ہے ایسے ہی شریعت موسیٰ
علیہ السلام مین اور شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مین جہاد کا حکم بالکل اصلاح ہے اور جو شبہ کرتا ہے اسکو ابھی تک جہاد کے معنی ہی
معلوم نہین ہین اور ہم نے سابق مین تفصیل کر دی ہے۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ۔ رسم الخط قرآنی مین صرف اسی مقام پر بقیت کو تار کشیدہ سے لکھا
جاوے۔ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ جو اللہ تعالیٰ نے باقی رکھا وہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے۔ ابن جریر وغیرہ مفسرین نے کہا کہ معنی یہ ہین کہ ناپ
تول تجارت مین ہر حقدار کا حق پورا دینے کے بعد جو نفع حلال تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا وہ گھاٹ کرنے اور کم دینے سے
تمہارے حق مین بہتر ہے اسمین تمہارے لیے برکت وخوبی ہے۔ مجاہدؒ نے کہا کہ بقیۃ اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی بندگی وفرمانبرداری کرنا۔
ربیعؒ نے کہا کہ وصیت الٰہی۔ اقول یہ کلام عمدہ ودقیق ہے کیونکہ فرمانبرداری سے آدمی حلال کمادیگا تو اسمین برکت ہوگی اور تابعداری
کا ثواب آخرت مین بہت زیادہ ہوگا مانند قولہ تعالیٰ والباقیات الصالحات خیر عند ربک الآیۃ۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ بقیۃ اللہ یعنی
رزق الٰہی۔ قتادہ نے کہا یعنی پروردگار کی طرف سے تمہارا نصیب۔ اگر کہا جاوے کہ حضرت شعیبؑ کی نصیحت سے قوم کا اس حکم مین فرمانبرداری
کرنا ان کے لیے کیونکر مفید وبہتر ہوگا جب تک ایمان نہ لادین تو جواب یہ کہ اسیواسطے آگے فرمایا۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اگر تم مومن ہو
یعنی یہ سب اس شرط سے بہتر ہوگا کہ تم ایمان لاؤ کیونکہ برکت وثواب ونجات حاصل ہونے کیلئے ایمان شرط ہے کذا فی البیضاوی بعض نے
کہا کہ حرف ان معنی اگر یہان شرطیہ نہین بلکہ نیکی پر بڑھاوا دینے کے طور پر ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو کہے کہ اگر تم ہمارے بیٹے ہو تو یہ سبق
جھٹ پٹ یاد تو کر ڈالو حالانکہ کچھ شک نہین کہ وہ بیٹا ہے اور یقینی بات پر اگر بولتے ہین اقول یہ قول کچھ ٹھیک نہین کیونکہ ابھی انکا ایمان لانا
اور شعیب کو سچا جاننا ظاہر نہین ہوا بلکہ جواب انکار خلاف ہے اور خود شعیبؑ نے فرمایا۔ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ۔ اور مین تم پر کچھ بھی
حافظ ونگہبان نہین ہون یعنی مین اس بات کا نگہبان وذمہ دار نہین کہ تم کو گناہون مین پڑنے سے بچاؤن اور تمہارے سب کام
نیک راہ پر رکھون بلکہ مجھ پر فقط نصیحت فرض ہے وہ مین نے پوری کر دی چاہو مانو بہتر ہوگا اور نہ مانو تو تمہارا حساب تمہارے پروردگار کے

تمھنے مین ہو یا یہ معنی کہ مین تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتون کا نگہبان نہین ہون جبکہ تم بداعمالیان نہ چھوڑو یعنی ڈرو کہ اگر بدفعلی نہ چھوڑوگے تو
شاید تم پر عذاب آوے کہ تم اور تمھاری نعمتین سب فنا ہو جاوین اور پھر تم ہمیشہ کیلئے عذاب مین پڑے رہوگے مین تمھارا نگہبان
نہین ہو سکتا ہون ف۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ انی اراکم بخیر و انی اخاف علیکم۔ خیر سے دنیا کی بھلائیان مراد ہین جو استدراج کا محل
ہوتا ہی اور استدراج یہ ہی کہ دنیاوی نعمتون کو دیکھ کر آدمی یہ خیال کرے کہ مین اپنی خوبی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو محبوب ہون کہ مجھے
اسقدر نعمتین عطا فرمائی ہین حالانکہ اکثر ہوتا ہی کہ بدکار و فاجر جسکے حق مین آخرت کا عذاب شدید ہے دنیا مین وہ سب کچھ دیدیا گیا
اور اس حقیر چیز پر اسنے آخرت برباد کردی پس یہ چیزین محل استدراج و امتحان ہین اور اگر شعیبؑ ان لوگون مین آخرت کی بھلائی
دیکھتے تو اس پر خوف نہ کرتے اور جو لوگ کہ عارف ہین جب اپنے آپکو اونچے درجون و بلند مقامات و استقامت پر دیکھتے ہین تو انکا
خوف بہت زیادہ ہو جاتا ہی کیونکہ انکو معلوم ہی کہ حق سبحانہ تعالیٰ غیور ہی پس اسکے سامنے حوادث کو بلندی و استقامت نہین ہو سکتی
مگر بقا رالحی القیوم اسیواسطے دیکھو آنحضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انا اعلمکم باللہ و اخشٰکم منہ۔ کما فی الصحیح یعنی
صحابہؓ کو کسی بات مین اپنی پیروی سے بڑھ چلنے کو منع کرنے مین سمجھایا کہ مین تم سب سے اللہ تعالیٰ کی شان کا عارف ہون اور اس سے
بہت زیادہ خوف رکھتا ہون پس دیکھو کہ زیادہ عرفان پر زیادہ خوف فرمایا بعض مشائخ نے کہا کہ ایمان والے کو اپنے اوپر ہر حال مین
استدراج کا خوف ہوتا ہے لیکن اسوقت زیادہ ہوتا ہی جب وہ آرام و آسائش مین ہو اور برابر اسپر نعمتین آتی جاتی ہون جیسے اس
آیت سے ظاہر ہی بعض مشائخ نے کہا کہ قولہ انی اراکم بخیر یعنی مین تم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتون مین دیکھتا ہون۔ قولہ و انی اخاف علیکم
یعنی مین تم پر خوف کرتا ہون کہ تم ناشکری کرکے برباد نہ ہو بقیت اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین یعنی اگر تم ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ کا قرب و
درجات و کرامات و خاصہ نعمتین جنت جو خیالات بشری سے باہر ہین تمھارے لیے اس سب سے بہتر ہین بلکہ ان سے اور آخرت سے
کچھ نسبت نہین لیکن قوم کے لوگ دنیا کو اچھا سمجھتے تھے اس لیے اُن سے بہتر بتلایا پھر قوم مردود کا جواب سنو۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۤؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ
بولے اے شعیب تیرے نماز پڑھنے نے تجکو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دین جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دین کرنا

فِيْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝
اپنے مالون مین جو چاہین تو ہی بڑا باوقار ہے نیک چال والا

قالوا یشعیب قوم کے سردار بولے کہ اے شعیب اصلوتک تامرک۔ کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہی کہ ان نترک ما یعبد
اباؤنا۔ ہم اسکی عبادت چھوڑ دین جسکو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے یعنی بتون کی عبادت ہمارے باپ دادے بڑے
رتبہ والے بزرگ جیسے آپ کہان ہو سکتے ہین برابر کرتے چلے آئے اب تو نے ایک نئی نماز پڑھکر یہ نکالا کہ ہم ان بزرگون
کی راہ چھوڑ دین۔ احنف نے کہا کہ شعیب نماز بہت پڑھتے تھے تو قوم نے طعنہ دیا حالانکہ قوم والے نماز کو اچھا نہین جانتے تھے
بعض نے کہا کہ نماز سے یہان شریعت مراد ہی یعنی تیری شریعت حکم دیتی ہی اعمش نے کہا کہ تیری قراۃ ولیکن اصلی ظاہر معنی
سے تاویل کی کچھ ضرورت نہین معلوم ہوتی ہی بلکہ مراد یہ ہی کہ طعنہ سے کہا کہ تیری نئی نماز نے تجھے سمجھایا کہ تو ہم کو منع کرے کہ ہم
اپنے باپ دادون کی راہ سے خلاف کرکے بتون کی عبادت چھوڑ دین اور خالی تیرے کہنے پر ایک معبود وحدہ لاشریک کے ہو رہین

اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۔ یا اپنے مالون مین جس طرح ہمارا جی چاہتا ہی تصرف کرتے ہین اسکو چھوڑین ۔ پہلا قول تو
اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کا جواب تھا اور یہ جواب انکی تطفیف سے منع کرنے کا ہی اور حرف یا یہان اور کے معنی
مین ہی اور ایک قراۃ مین او ان تفعل بتا اور ما تشاء آیا ہی اور معنی یہ کہ تیری نماز حکم دیتی ہی کہ تو ہمارے مالون مین وہ کرے جو تیرا
جی چاہے یعنی ہم کچھ اپنی خواہش پر نہ کر سکین یا طعنہ دیا کہ نمازین پڑھکر ہمارے مالون مین خواہش دوڑاتا ہی اور باتون باتون مین
چاہتا ہے کہ ہمارے مالون مین جو تیرا جی چاہے تصرف کرے ۔ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۔ تو بیشک سیدھا سلامت ہے
ابن عباس و دیگر علماء مفسرین نے کہا کہ یہ لفظ ٹھٹھول کے طور پر کہتے تھے ۔ حلیم درحقیقت وہ شخص ہی جو مخالفات مین تحمل
کرے اور مکروہات کو برداشت کرے اور رشید وہ ہی جو نیک چال چلن ہو ۔ حسن بصری رح نے کہا کہ ہان واللہ حضرت شعیب کو اُن کی
نماز یہی حکم کرتی تھی کہ کفار قوم بت پرستی چھوڑین یعنی اور ناپ تول مین کمی کرنا چھوڑین اقول یہ اسوجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ یعنی نماز بیشبہہ روکتی و منع کرتی ہی ایسی باتون سے جو فحش ہین اور اس بات سے جو شرع مین انکار
کی گئی ہی پس صحیح ہوا کہ شعیب کی نماز انکو آمادہ کرتی تھی کہ قوم کو نہی از منکر اور امر بمعروف کرین ۔ ثوری رح نے کہا کہ قولہ ان نفعل
فی اموالنا ما نشاء یعنی زکوۃ ادا کرین ۔ اقول یہ تفسیر بقراۃ دوم یعنی بتا ر صیغہ خطاب ہے پس عطف اَنْ نَّتْرُكَ پر ہوا بعض نے
کہا کہ قولہ انک لانت الحلیم الرشید یعنی اپنے نزدیک اپنے اعتقاد مین تو حلیم و رشید ہے پس طعنہ دیا کہ تو ہم سے جو توحید کرنے کو کہتا ہی
بتون کی عبادت و تطفیف سے منع کرتا ہے وہ تیرے اعتقاد حلم و رشد کے خلاف ہی بعض نے کہا کہ قوم انکو حلیم و رشید جانتی تھی مگر
کہا کہ تم ایسے ہو تو قوم کی مخالفت دین و اعتقاد مین تم پر شاق نہ ہونا چاہیے ۔ اور اصح یہی ہی کہ قوم نے شعیب پر بدگمانی کی کہ
باتون سے ہمارے مالون مین دست درازی کرنا چاہتے ہین خیانچہ جواب دلالت کرتا ہی قولہ

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ

بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجکو سوجھ بوجھ ملی اپنے رب کی طرف سے اور اُسنے روزی دی مجکو نیک روزی اور

مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ

مین نہین چاہتا کہ پیچھے آپ کرون جو کام تم سے چھڑاؤن مین تو چاہتا ہون یہی سنوارنا جہان تک ہو سکے

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝

اور بن پانا ہے اللہ سے اُسی پر مین نے بھروسا کیا ہی اور اُسیکی طرف رجوع ہون

قَالَ يٰقَوْمِ شعیب نے جواب دیا کہ اے قوم ۔ اَرَءَيْتُمْ مجھے آگاہ کرو کہ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ اگر مین اپنے پروردگار کی طرف
سے کھلی حجت و بیان و ہدایت و بینائی پر ہون جس سے تم کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتا ہون ۔ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا اور
اُس نے مجھے رزق دیا اپنی طرف سے یعنی خزانہ غیب سے بلا کسی ایسے فعل کے جو جائز نہ ہو ایسا رزق کہ وہ اچھا یعنی حلال و فراخ
ہے جسکے ہوتے ہوئے مجھے تمہارے مالون کی طرف کچھ بھی حاجت نہین ہی تو ایسی صورت مین بھلا مجکو کب روا ہی کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری
کر کے تم کو نہ سمجھاؤن اور وحی آلٰہی کی تعمیل نکرون یا یہ معنی کہ اے قوم مجھے بتلاؤ کہ بھلا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے حجت واضحہ بوحی عطا فرمائی
جسمین گمان و وہم کو کچھ دخل نہین تو مین علم الیقینی پر ہون تو تم نے کیونکر طعن کیا کہ تو حلیم ہی اور تمہارا مطلب یہ ہی کہ تو بیوقوف ہی خلاصہ یہ کہ جو شخص

اسطرح علم الیقینی از جانب حق تعالیٰ رکھتا ہو اور نور یقین سے اسکو بصیرت و بینائی حاصل ہو تمہین کہو کہ وہ کیونکر گمراہی و جہالت پر ہوسکتا ہو اور جسکو اللہ تعالیٰ نے مال حلال فراخی کے ساتھ دیا ہو تمہین کہو کہ وہ کیونکر پرائے مال پر ہاتھ بڑھاویگا تو پھر تم کیا طعنہ دیتے ہو کہ تو رشید ہی یعنی نیک چال چلن لیکر یہ مطلب لیتے ہو کہ تیرا چال چلن اچھا نہین کہ تو ہم کو یہ حکم دیتا ہو کہ لوگون کے مال مین کمی نکرو حالانکہ تو در پردہ ہمارے مالون مین تصرف کرنا چاہتا ہو اور ظاہر مین کچھ کہتا اور باطن مین اُسکے خلاف کرتا ہی لہذا فرمایا۔ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَآ اَنْھٰکُمْ عَنْهُ۔ اور میرا یہ ارادہ نہین ہو کہ جس کام سے تمکو منع کرتا ہون اسی کام کی طرف تم سے مخالفت کرکے جاؤن۔ زجاج نے کہا یعنی ایسا نہین ہون کہ جس کام سے تم کو منع کرون خود اسی کو کرون بلکہ جو بھلائی کی راہ اپنی ذات کیلئے پسند کرتا ہون وہی تم کو نصیحت کرتا ہون اور میرا علم الیقینی بوحی الٰہی ہو۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ۔ مین نہین چاہتا مگر اصلاح کردینا تاکہ تمہارے اعتقاد و معاملات مین سے فساد دور ہو جاوے۔ مَا اسْتَطَعْتُ۔ جہانتک مجھسے ممکن ہے وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور مجھے کچھ توفیق نہین مگر بقوت و طاقت الٰہی یعنی مین اصلاح اپنی طاقت بھر چاہتا ہون لیکن مجھے یہ طاقت پوری جبھی ملیگی جب اللہ تعالیٰ عطا فرماوے اور صلاح کے جسقدر سامان ہین وہ پورے کردے۔ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ۔ اسی پر مین نے بھروسا کیا یعنی سب کام جنین تمہاری اصلاح بھی ہو سب کی کوشش خوب کرتا ہون لیکن نظر میری اللہ تعالیٰ پر رہتی ہو اسی پر بھروسہ رکھتا ہون کہ یہ کام پورا کردے وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ۔ اور اُسی کی طرف رجوع لاتا ہون کہ اے رب میرے مجھے کچھ قوت و طاقت نہین ہے تو ہی اپنے فضل سے پورا کرادے مسئلہ تدبیر کرنا اور کام مین کوشش کرنا جہانتک ممکن ہو کوئی فریب خیانت نکرنا جو منع ہو یہ آدمی پر واجب ہی اور کافر بھی یہی کرتے ہین لیکن مسلم و کافر مین صرف یہ فرق ہوتا ہو کہ اس کوشش مین کافر کی نظر اپنی طرف یا غیر اسباب کیطرف ہوتی ہے اور مسلم کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے پس اسی نظر کا نام توکل ہو تو جب یہ کام پورا ہوا تو کافر اپنی کوشش پر خوش ہوکر اسکی تعریف کرتا ہو اور مسلم اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کرتا ہے اور اگر یہ کام پورا نہوا تو کافر کہتا ہو کہ اگر یون ہوتا تو ہو جاتا اور ایسا نہوا ورنہ پورا ہوتا اور رنجیدہ ہوکر افسوس کرتا ہو ولیکن مسلم جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ تھی لہذا وہ کچھ رنج نہین کرتا اور خوشی سے پھر کوشش کرتا ہے بعضے لوگون نے تقدیر و توکل کے یہ معنی سمجھے کہ خاموش آرام کرو اور کاہل و مجہول ہوکر بیٹھے رہو کچھ کوشش مت کرو حالانکہ یہ بہت بُری بات ہو کیونکہ تقدیر تو علم الٰہی ہو بندہ کو اس سے کچھ بحث نہین مگر اسقدر کہ مقدر ہوگا ہو جائیگا ورنہ نہین لہذا جو مجہول لوگ کہا کرتے ہین کہ ہم کچھ تدبیر و کوشش نہین کرتے ہم تو توکل کئے ہین یا ہم تو اپنی تقدیر پر شاکر ہین یہ لوگ جاہل بلکہ گنہگار ہین انکو کچھ علم نہین اور نہ آج تک توحید و توکل کے معنی سمجھے ہین اور ناحق اسلام کا نام بدنام کرتے ہین۔ اللہ تعالیٰ ہو الحافظ لدینہ القویم تفسیر ابن کثیرؒ مین اس آیت کی تفسیر مین ہو کہ قولہ رزقنی منہ رزقا حسنا بعض نے کہا کہ رزق حسن سے مراد نبوت ہو اور بعض نے کہا کہ رزق حلال اور احتمال دونون باتون کا ہے۔ قولہ ما ارید ان اخالفکم الخ ثوریؒ نے کہا کہ یہ معنی ہین کہ یہ نہین ہو کہ مین تم کو ایک کام سے منع کرون اور مین پوشیدہ تم سے اسکو عمل مین لاؤن اور ایسا ہی قتادہؒ سے مروی ہی پھر شیخ نے مسند امام احمدؒ سے اس مقام کے مناسب ایک حدیث حکیم بن معاویہ رضؓ سے روایت کی کہ حکیم نے کہا کہ میرے باپ معاویہ نے بیان کیا کہ میرے بھائی مالک نے مجھ سے کہا کہ اے معاویہ میرے پڑوسیون کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفتار کرلیا ہے سو تو میرے ساتھ آنحضرت صلعم کے پاس چل کہ آنحضرت تجھ سے باتین کرچکے اور تجکو پہچان چکے ہین پس مین بھائی

کے ساتھ گیا اُسنے آنحضرت صلعم سے کہا کہ میرے لیے میرے پڑوسیوں کو چھوڑ دیجئے وے مسلمان ہو چکے ہیں آپنے منہ پھیر لیا تو میرا بھائی
غصہ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا کہ واللہ اگر آپ ایسا کریں گے تو لوگ گمان کرتے ہیں کہ آپ ہم کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں اور خود اسکے
خلاف کرتے ہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا آیَن یہ بات لوگوں نے کہی ہی اگر میں ایسا کرون تو اسکا وبال مجھی پر ہوگا ان پر اسمیں سے
کچھ وبال نہیں ہی پھر فرمایا کہ اسکے پڑوسیوں کو اسکے واسطے چھوڑ دو۔ دوسرے طریق سے اس روایت کو نقل کیا اسمیں ہی کہ میری قوم
کے بعض لوگوں کو آنحضرت صلعم نے ایک بات کی تہمت میں گرفتار کرکے قید کیا پس یہ شخص آنحضرت صلعم کے پاس ایسے وقت آیا
کہ آپ خطبہ پڑھتے تھے اور کہا کہ یا حضرت میرے پڑوسی کس جرم پر گرفتار ہیں اور کہا کہ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایک بات کا حکم
دیتے ہیں اور خود اسکے خلاف کرتے ہیں پس آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں پس میں نے بیچ میں سے بات کاٹ دی اس
خوف سے کہ ایسا نہو آنحضرت صلعم اس بدوی گنوار کی بات پر رنجیدہ ہوکر میری قوم پر بددعا کریں کہ پھر کبھی اس قوم کو فلاح نہ ہو
لیکن آنحضرت صلعم نے برابر پوچھا یہاں تک کہ صاف ظاہر ہو گیا مگر اسی قدر فرمایا کہ آیَن کیا یہ بات کہتے ہیں یا کہا کہ ان میں ایسا
کہنے والا بھی ہی اور واللہ اگر میں ایسا کرتا تو مجھی پر اسکا وبال ہوتا اور ان پر کچھ نہوتا پھر فرمایا کہ اسکے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔ اقول
اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ جو کوئی اوروں کو ایک بات کا حکم کرے جسکو وہ اسکے کہنے سے عمدہ و بہتر خیال کریں اور یہ اسکے برخلاف
عمل میں لاوے تو اس شخص پر وبال ہوگا مترجم کہتا ہے کہ دین کی نیک بات جو پہلے سے معلوم ہے دوسرے کو اسپر آمادہ کرنا اگرچہ
خود نہ کرتا ہو بعضے علماء کے نزدیک ضرور ہی کیونکہ یہ تو فقط بھولے کو یاد دلانا ہوتا ہی اور اسکا نیکی ہونا تو پہلے سے معلوم ہی اور تمام
تفصیل فتاوی ہندیہ میں ہی۔ بیضاوی نے اس جواب کے فوائد میں کہا کہ اس طریق سے جواب میں بہت بڑی تنبیہ ہی کہ عاقل کو چا
ہیے کہ ہر امر میں تین حقوق سے ایک لحاظ رکھے انمیں سب سے بڑھکر حق الٰہی ہی۔ اور دوم حق نفس ہی اور سوم حق مخلوق ہی اور لکھا کہ
قولہ علیہ توکلت یعنی میں نے اسی پر بھروسا کیا کیونکہ اسی کو ہر چیز پر قدرت ہی اور جو کچھ اسکے سوائے ہی یعنی مخلوقات تو وہ اپنی ذات
میں مثل عاجز بلکہ نابود ہی اور اسمیں خالص توحید کی طرف اشارہ ہی اور جسکو یہ علم بالیقین حاصل ہوا اسکو وجود کے اعلی مرتبہ کا علم
ہوگیا اور قولہ والیہ اُنیب۔ اور میں اسی کی طرف راجع ہوں اسمیں اشارہ ہی کہ آنحضرت علیہ السلام کو جیسے مبدا کا پورا علم حاصل تھا
ویسا ہی معاد کا پورا علم تھا کیونکہ انجام سب کا اپنے خالق کی طرف رجوع ہی پھر لکھا کہ تمام کلام میں ایک تو (ابتداء) اللہ تعالیٰ سے ہر کام میں
ٹھیک ٹھیک (انجام) صواب حاصل ہونے کی توفیق مانگی اور تمام امور میں اسی کی استعانت چاہی اور بالکل دل و جان سے اسی کی طرف رجوع
کیا اور دوم کافروں کی طمع توڑ دی اور سوم ظاہر کیا کہ کافروں سے بالکلیہ نا ترس و بےفکر ہیں کچھ انکی دشمنی کی پروا نہیں کرتے
اور چہارم اُن کو خوف دلایا کہ پیغمبر ان کے ہاتھ سے ایذا پا کر جب اللہ کی طرف رجوع لایا تو سزا میں گرفتار ہوں گے تم — وفی العرائس
قولہ وما ارید ان اخالفکم الی ما انہٰکم عنہ۔ یاد رکھو کہ اہل صدق و صفا کو مخلوق سے کسی سبب دنیاوی میں عداوت و بغض نہیں ہوتا صرف
جبھی غصہ آتا ہے کہ جب وے طریقہ سنت کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کریں اقول صحیح حدیث میں ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات میں
کسی آدمی پر غضبناک نہوتے لیکن جب کوئی شخص شریعت کی ہتک حرمت کرتا تو نہایت غضبناک ہوجاتے تھے۔ قال الشیخ اور اہل
صدق کبھی مخلوق سے دل نہیں ملاتے مگر جبھی کہ وے لوگ اپنی نفسانی خواہش کو ترک کردیں اور جو کچھ انکو نصیحت کرتے ہیں وہ محض
شفقت سے ہوتی ہی۔ شیخ ابو عثمان نے فرمایا کہ وہ واعظ کچھ نہیں ہی کہ خالی زبان سے نصیحت کرے اور اسپر خود عمل کرنا نہ دکھلا دے

قولہ ان آرید الا الاصلاح ما استطعت یعنی میری عقل ونیت مین جو قوت ازجانب حق عزوجل ہے اس سے مین تمہاری بھلائی چاہتا ہون لیکن ہدایت یعنی نیک راہ پر ہوجانا اور توفیق میرے قبضۂ قدرت مین نہین ہے اور مجھے یہ طاقت نہین کہ جو حکم تم پر ازل مین جاری ہوچکا ہے یعنی گمراہی وبدبختی اس سے تم کو نکال لون - قولہ وما توفیقی الا باللہ یعنی اگر مجھے نبوت ودلالت حاصل ہوئی تو میرے صفات سے نہین ہے بلکہ ازل مین حق عزوجل نے اپنے علم قدیم سے مجھے اسطرح سرفراز فرمادیا ہے علیہ توکلت - اُسی پاک معبود عزیز قوی قدیر سے مجھے سکون ہے کسی دوسری چیز سے نہین ہے اور جو اُسنے اپنے فضل عمیم سے وعدہ فرمایا اسپر مجھے پورا اعتماد ہے - والیہ اُنیب مشتاق ہوکر اُسی کی طرف رجوع لاتا ہون بعض مشائخ نے قولہ ان ارید الا الاصلاح الخ مین کہا کہ میرا مقصد تمہاری درستی ہے بشرطیکہ توفیق آلہی مدد فرمائے اور خود مجھے ایسی قدرت نہین ہے مگر جبھی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو - شیخ نہرجوری نے توفیق کے یہ معنی بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک عنایت بندہ کو خودبخود پہونچتی ہے جسمین کوئی سبب نہین ہوتا اور نہ بندہ کی طلب ہوتی ہے حضرت جنیدؒ نے توکل کے یہ معنی فرمائے کہ اگر بندہ کو سخت ضرورت لاحق ہو تب بھی اُسکا دل کسی سبب کی طرف مضطر ہو اور حق عزوجل کے ساتھ تسکین سے ٹھہرے ہونے سے جنبش نکرے انتہی مافی العرائس - واضح ہو کہ تفسیر الحافظ رح مین اس مقام کے فوائد مین احادیث وآثار نقل کیے ازانجملہ ابوسلیمان الضبی نے کہا کہ ہمارے پاس عمر بن عبدالعزیز خلیفۂ وقت کے خطوط آتے جنمین وہ ہم لوگون کو نیک کامون کے کرنے اور بُرے کامون سے بچنے کا حکم ونصیحت لکھا کرتے اور آخر مین لکھتے کہ اس سب نصیحت کے بعد مین وہی کہتا ہون جو بندہ صالح حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا تھا کہ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب - اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے مصنف مین روایت کیا ہے مسروقؒ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ آپ عورتون کو بالونؒ مین بال جوڑنے سے منع فرماتے ہے فرمایا کہ ہان بیشک - اُسنے کہا کہ آپکی بعض عورتون نے خود ایسا کیا تو فرمایا کہ ایسی صورت مین بندۂ صالح حضرت شعیبؑ کی وصیت ما ارید ان اخالفکم الی ما انہاکم عنہ کو یاد نہین کیا مترجم کہتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جو تو کہتی ہے یہ نہین واقع ہوا کیونکہ مجھے حضرت شعیب کی وصیت یاد ہے تو اگر میرے یہان خود ایسا ہوتا تو مین اُسکے برخلاف تم عورتون کو منع نہ کرتا - فافہم واللہ تعالیٰ اعلم پھر شیخ حافظؒ نے ایک حدیث اس مطلب کے لئے ذکر کی کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کی طرف سے ایسی بات روایت کرے جو آپکی شان کے لائق نہین ہے تو قطعاً جان لو کہ راوی جھوٹا کذاب ملعون ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب تم ایسی حدیث مجھ سے روایت کی ہوئی سنو جس سے تمہارے دل اُنس کرین اور تمہارے رُوئین وکھال اسپر نرم ہوجاوین یعنی دل پر اچھا اثر پیدا کرے اور تم دیکھو کہ تم سے یہ بات قریب ہے تو جان لو کہ وہ بات مجھ سے بہ نسبت تمہارے اور زیادہ قریب ہوگی یعنی بیشک وہ میری طرف سے صحیح ہے اور جب تم مجھ سے ایسی حدیث کی روایت سنو کہ تمہارے دل اسسے انکار کرین اور تمہارے رونگٹے وکھال اس سے نفرت کرین اور سمجھو کہ تم سے ایسی بات ہونا بعید ہے تو یقین جانو کہ وہ مجھ سے بہت ہی دور ہے رواہ احمد وقال الشیخ واسنادہ صحیح مترجم اسکی مثال ذکر کرتا ہے کہ صحاح کے سوائے بعض نیچے درجہ کی کتابون مین روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت جبرئیل سے شکایت کی کہ میری قوت باہ بہت کمزور ہوگئی ہے تو جبرئیل نے آپکو ہریسہ کھلانے کو بتلایا مترجم کہتا ہے کہ نقاد محدثین نے صریح تنبیہ کردی کہ یہ روایت بالکل موضوع وباطل ہے اسکی کچھ اصل نہین ہے اور پتہ بتلادیا کہ اس روایت کو جن لوگون نے بسلسلہ پہونچایا انمین فلان وفلان راوی جھوٹے بیباک لوگ تھے مترجم کہتا ہے کہ راویون کے فاسق ہونیسے تو ظاہر ہی ہوگیا کہ روایت بنائی ہوئی ہے اور بحکم حدیث مسند صحیح مذکور بالا بھی معلوم ہوا کہ یہ بات عالم ربانی سے

بعید ہے تو شان نبوت سے بالکل دور ہے دو وجہ سے ایک تو یہ شہوت کی جستجو ہے جسکا نتیجہ آخرت مین کچھ باقی نہین مگر بواسطہ۔ دوم یہ کہ آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے پاک طاہر جامع کمالات بشری پیدا فرمایا تھا جہان کسی عیب کو دخل نہین دیا چنانچہ آپ سامنے آنکھون سے جیسے دیکھتے ویسے ہی سر کی پشت سے دیکھتے تھے اور بعض صحابہ کی آنکھ جو جہاد مین تیر کے زخم سے نکل پڑی تھی اپنا لب لگا کر دوبارہ حلقہ مین جما دی جس سے وہ نہایت بڑھاپے مین مرتے وقت تک ویسا ہی روشن دیکھتے تھے اور چالیس جوان زبردست قوی سے بڑھکر آپکو جماع کی قدرت تھی جیسا کہ صحیح مین ثابت ہے تو پھر اس روایت موضوع کا کچھ بھی نشان ہے اور یاد رکھو کہ اگر کسی عالم نے اس روایت کو لکھکر اسکی کچھ توجیہ و تاویل بیان کی تو اس عالم کو یہ معلوم نہوا کہ یہ روایت موضوع ہے اور عالم کیسا ہی بزرگ عابد و زاہد تہجد گزار ہو وہ کچھ نبی نہین ہوتا ہے پس جب ہم نے جان لیا کہ آنحضرت صلعم کو حضرت خالق عزوجل نے ہر عیب سے پاک معجزہ پیدا فرمایا تھا حتی کہ بڑھاپے کی سپیدی نہین ظاہر فرمائی تو یہ عیب بالکل دور تھا پھر اسکا علاج ڈھونڈھنا جو کہ اسپر لعنت ہے کیونکہ اسنے پیغمبر افضل علیہ السلام پر تہمت باندھی اور اسکے حکم سے برخلاف کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈرایا۔ کما فی قولہ۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ

اور اے قوم نہ کمائیو میری ضد کر کر یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ پڑا قوم نوح پر یا قوم

هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا

ہود پر یا قوم صالح پر اور قوم لوط تم سے دور نہین اور گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور اسکی طرف

اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝

رجوع لاؤ البتہ میرا رب مہربان ہے محبت والا

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ لا یجرمن صیغہ نہی بنون تاکید از جرم یجرم اور ابن کثیر سے ایک قرأت اجرم یجرم سے مروی ہے ولیکن بیضاوی نے کہا کہ فصحا کی زبان پر اسکا دوران کمتر ہے لہذا لغت فصیح وہی اول ہے اور یہ فعل متعدی بیک مفعول اور بدو مفعول آتا ہے یہان اسکا دوسرا مفعول لفظ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ ہے اور جرم کے معنی کسب لاکسبنکم یعنی تم کو کموا نہ دیوے یہ قول زجاج ہے۔ قتادہ نے کہا اے لایحملنکم یعنی تم کو آمادہ نہ کر دے یہی مجاہد و سدی سے مروی ہے اور اسی کو ابن کثیر نے اختیار کیا شقاق عداوت بقول زجاج اور یہی سدی و مجاہد سے مروی ہے اور قتادہ نے معنی فراق بیان کئے اور یہ بولی چال ایسے وقت مین ہے کہ ایک دوسرے سے پھٹا چلے اسطرح کہ ایک تو ایک شق و طرف اختیار کرے اور دوسرا اسکی عداوت سے دوسری طرف پھٹ جائے اور اصابہ پہونچنا المعنی اور اے قوم نہ کمائی کرا دے تمکو میری عداوت یہ کہ تم کو پہونچے مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ۔ ایسا ہی عذاب جو پہونچا تھا قوم نوح کو یعنی طوفان مین غرق ہوئے۔ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ یا قوم ہود کو یعنی ہوا کے طوفان سے ٹکرا کر مرے اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ یا قوم صالح کو کہ بجلی پتھرون سے ہلاک ہوئے الحاصل قوم کو نصیحت کی کہ تم مجھسے عداوت کر کے پھٹے پھٹے نہ چلو اور اپنے گناہون پر ہٹ نکرو ایسا نہ ہو کہ ایسی حرکت سے ان قومون کو جو عذاب پہونچا ویسا ہی تم کو پہونچے اور تم ان قومون کے تاریخی حالات سے خوب واقف ہو اگرچہ انکو کچھ زمانہ گذرا تو ان سے عبرت پکڑو۔ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ۔ اور قوم لوط تو تم سے دور نہ تھی۔ قتادہ نے کہا یعنی یہ قوم ایسی ہٹ گناہ پر کرنے اور پیغمبر سے مخالفت کرنے سے ابھی کل کی بات ہے کہ تمھارے روبرو ہلاک ہوئی یعنی انکو تباہ ہوئے کچھ زمانہ نہین گذرا اور بعض نے کہا

کہ اس قوم کی بستیان تم سے دور نہ تھین۔ قال الحافظ کلام مین دونون باتون کا احتمال ہے یعنی قوم لوط تم سے بہت قریب تھی نہ انکا زمانہ
دور تھا اور نہ انکی بستیان تم سے دور تھین عربی زبان کے موافق بعید صیغہ واحد کی جگہ بعیدین صیغہ جمع باعتبار کثرت افراد قوم کے اسواسطے
نہین فرمایا کہ مراد اہلاک قوم ہے یعنی ہلاک کیا جانا قوم لوط کا تم سے دور نہ تھا پس ہلاک کا لفظ دل مین سمجھا ہوا ہے اور قوم کثیر کا لفظ
سنایا تاکہ اچھی طرح ہولناک ہون کہ وہ اہلاک اس قوم کثیر چار لاکھ پر طاری ہوا تھا اس لطیف بلاغت کو غور سے سمجھو تو جب حضرت
شعیب نے ان کو انکا خوفناک انجام سنا دیا۔ تو پھر عذاب واقع ہونے سے پہلے انکو ایسی بات بتلائی جس سے بجائے عذاب کے نعمت و
رحمت پاوین اگر کرین یعنی فرمایا۔ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ۔ اور مغفرت مانگو اپنے رب سے یعنی پچھلے گناہون کی معافی
چاہو پھر اپنے رب کی طرف رجوع کرو یعنی آیندہ کیلئے اسی کے حکم پر چلو اور کفر اور ناپ و تول مین کمی چھوڑ دو إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ۔ بیشک
میرا پروردگار رحیم ہے بڑی رحمت والا ہے اسکی خاص رحمت تو مومنون کے ساتھ مخصوص ہے اور عام مین سب شریک ہین وَدُودٌ۔ بہت
محبت والا ہے یعنی اپنے نیک بندون کو محبوب رکھتا اور ان پر بہت رحم فرماتا ہے ودود بتشدید دال بمعنی محبت ہے اور یہان مراد یہ ہے کہ جیسے
اہل مودت مین جو نہایت ودود ہوتا ہے وہ دوسرے کو لطف سے خوش کرتا ہے اور اسکو بھلائی پہونچاتا اور اس سے برائی دور رکھتا
ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے مومن بندون کو اپنی کاملہ قدرت سے سرفراز فرماتا ہے اور مقصود یہ کہ میرا رب رحیم و ودود ہے اگر تم
اب بھی استغفار و توبہ کرو تو تم پر کرم و لطف و رحم فرمادیگا۔ واضح ہو کہ پہلے تو فرمایا استغفروا ربکم۔ رب انکا کہا اور آخر مین ان ربی میرا
رب کہا اسمین نہایت لطیف اشارہ ہے کہ رحیم و ودود ہونے کی صفت مین میرا رب ہے، اور جب تم میری راہ پر ہو تو تمھین بھی شمول ہو اور
ہنوز تم قابل استغفار و توبہ ہو۔ فافہم ف۔ فی العرائس قولہ واستغفروا ربکم ثم توبوا الیہ الخ۔ اہل قرب و منزلت اپنی عبادت سے
استغفار کرتے ہین تو حکم مین اشارہ ہے کہ تمھارے دلون پر جو خطرہ گذرا کہ تم کو بندگی یا نافرمانی کی قدرت ہوئی اس سے استغفار کرو
کیونکہ بندگی یا معصیت کا تعلق بندہ کی قدرت پر نہین بلکہ اسی سعادت ازلی یا شقاوت ازلی سے متعلق ہے جو تقدیر الٰہی ہے اور
قولہ ثم توبوا الیہ یعنی اپنی طاقت و قوت سے بیزاری کرو یعنی یقین کرلو کہ بذات خود تم کو ایسی قدرت نہین ہے پھر جب تم نے ایسا یقین
کرلیا اور اپنی ہستی کے دیکھنے سے خارج ہوگئے تو اسوقت تم کو میرا رب اپنی معرفت کا لباس پہناویگا کیونکہ وہ اپنے عارف بندون پر
رحیم ہے اور اپنے مودت والون کے ساتھ ودود ہے اقول معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ اپنے رب کے ساتھ بہت محبت رکھتے ہین انکا پروردگار
بھی ان سے بہت محبت و رحم و کرم فرماتا ہے محمد بن الفضل رح نے فرمایا کہ جس شخص کے استغفار کا نتیجہ آئندہ کیواسطے سچی توبہ و رجوع نہ ہوا تو
یہ شخص استغفار مین جھوٹا ہے اسنے سچے دل سے نہین چاہا کہ اے میرے پروردگار میرے گذرے گناہ بخشدے کیونکہ اگر سچا ہوتا تو آیندہ ضرور
توبہ مین مضبوط ہوتا کہ اب مجھسے کوئی گناہ سرزد نہ ہو یعنی اگر اتفاقاً جہالت سے ہو جاتا تو اسی وقت شرمندہ و نادم ہوکر توبہ کرتا اور جس شخص
کی توبہ کا نتیجہ سچی محبت نہ نکلا تو وہ توبہ مین جھوٹا ہے اسکے نفس نے اسپر دھوکے سے ظاہر کیا کہ تونے توبہ کرلی ہے اور حقیقت مین توبہ کا
اثر اسکے دل مین نہین ہے اور دلیل اس تمام کلام کی یہ ہے کہ فرمایا استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ۔ پہلے استغفار کو فرمایا پھر اسپر توبہ کو مرتب کیا
جو اس استغفار کا نتیجہ ہے تو استغفار ٹھیک ہوا پھر توبہ کرنے والون کے حق مین فرمایا ان اللہ یحب التوابین یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنیوالون
کو محبوب رکھتا ہے تو جو کوئی توبہ کرنیوالا ہوگا وہ ضرور محبت مین سرگرم ہوگا کیونکہ جھوٹا توبہ کرنیوالا تو تواب نہین ہے پس جھوٹی توبہ کا نتیجہ بھی
محبت نہو گا۔ قال المترجم یہ کلام نفیس قابل حفظ ہے اور اسکے فوائد مین سے یاد رکھو کہ محبت سے بندہ کی طرف سے عشق حقیقی کے معنی مراد ہین اور

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو بحث کرنا لغو وجہل ہے کیونکہ اسکی صفات سے ہم کو علم نہیں ہو سکتا مگر اسی قدر کہ وہ اپنے بندہ کو محبوب رکھتا ہے
اور ماہیت اس محبت کی مثل اور صفات آلہیہ متعالیہ کے ادراک مخلوق سے باہر و متعالی ہے فافہم شیخ ابو عثمان نے فرمایا کہ وہ وہ وہ
پاک منعم ہے جس نے تجکو قدیم سے ابتک ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں بدون اسکے کہ تیرا کوئی استحقاق ہو یا اسپر کسی طرح ان نعمتوں کا
دینا واجب ہو جب قوم کو آنحضرت علیہ السلام نے یہاں تک نصیحت بالغہ و رسالت تامہ پہونچائی تو قوم نے اپنا مردود ہونا ظاہر کرکے نصیحت
کے عوض عداوت کا جواب دیا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

بولے اے شعیب ہم نہیں بوجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں تو ہم میں کمزور ہے اور اگر نہ تیرے بھائی بند

لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ

تو تجکو ہم پتھراؤ کرتے اور تو ہم پر کچھ سردار نہیں بولا اے قوم کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے اللہ سے

وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

اور اسکو ڈال رکھا تم نے پیٹھ پیچھے فراموش تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کرتے ہو

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ قوم والے بولے کہ اے شعیب مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ ۔ ہم سمجھتے نہیں بہتیری باتوں کو ان باتوں میں سے
جو تو کہا کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کرنا اور شرک چھوڑنا و ناپ تول میں کمی نہ کرنا سب حق پورے کرنا و ان کی دلیلیں
ہم اکثر نہیں سمجھے اور یہ اسوجہ سے تھا کہ انکی عقل میں قصور تھا اور اسکے باوجود ان نبی باتوں کی طرف غور نہ کرتے و دھیان نہ لگاتے تھے
حالانکہ حضرت شعیبؑ ان کو انھیں کی زبان میں انکی سمجھ کی مقدار پر سمجھاتے تھے اور بعض نے کہا کہ سب سمجھتے مگر یہ مطلب تھا کہ تمہاری باتوں
کی توقیر کچھ نہیں ہے جیسے کہتے ہیں کہ اے شخص تیری بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی یعنی یہ بات قابل توجہ نہیں ہے۔ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا
ضَعِيْفًا ۔ اور ہم تو تجھے اپنے درمیان ضعیف دیکھتے ہیں کہ تجھے کچھ قوت نہیں ہے اگر ہم تجکو برائی پہونچانا چاہیں تو تو روک نہیں سکتا
یا ضعیف سے یہ مراد کہ تو ہم میں ایک ذلیل آدمی ہے تیری کچھ عزت نہیں ہے۔ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۔ اور اگر تیرا گروہ نہوتا جو تیرے
گھر والے ہیں تو ہم تجکو رجم کر ڈالتے یعنی پتھروں سے مار کر ہلاک کر دیتے یا کوڑوں وغیرہ سے یا تجھے قید کرتے ۔ رہط کا لفظ تین سے سات
تک یا دس تک کیلئے بولا جاتا ہے تو اسقدر آدمی اتنی قوت والے تو نہیں ہو سکتے کہ ہزاروں کا مقابلہ کریں بلکہ یہ غرض کہ ہم کو تیرے
خاندان والوں کی عزت و حرمت کا پاس ہے کیونکہ وے ہمارے دین پر ہیں تیرے ساتھی نہیں ہیں باوجود اسکے اگر تیری آبروریزی ہو
تو انکی بھی ذلت ہوگی جیسا دنیاوی لوگوں کے خیالات ہیں بس ربط کے لحاظ سے رجم نہیں کرتے ۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۔ اور تو
ہماری نظروں میں کچھ عزت والا نہیں ہے تاکہ تیری عزت سے ہم تجھے رجم کریں قولہ لنراک فینا ضعیفا علی بن عیسیٰ نے کہا کہ مقصود
ضعیف البدن و نحیف الجسم ہے۔ نحاسؒ نے کہا کہ قبیلہ حمیر کی زبان میں ضعیف اندھے کو کہتے ہیں اور یہی زجاج نے ذکر کیا ہے اسیواسطے
ثوری نے سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ شعیبؑ اندھے تھے اور اسوجہ سے اندھے ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت رویا کرتے تھے شداد
بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں شعیب یہاں تک روئے کہ اندھا ہوگیا ۔ اخرجہ
ابن عساکر والواحدی ۔ یہ بات اگرچہ واقع ہو لیکن ضعیف کی تفسیر اندھے کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے چنانچہ بیضاوی ؒ نے کہا کہ خود لفظ

فینا سے یہ قول رد ہوتا ہی اسلئے کہ جو اندھا ہوتا ہے وہ ہر ایک کے نزدیک ہر جگہ اندھا ہی پھر یہ کیا کہ تو ہم مین اندھا ہی اور سدی ؒ نے کہا کہ اسکے یہی معنی ہین کہ تو اکیلا تنہا ہی یعنی تیرے یار و مددگار لوگ نہین ہین اور ایسے شخص کو کمزور کہا کرتے ہین اور یہ قول اقرب ہے کیونکہ ذلیل و بغیرت ہونے کو بقولہم وما انت علینا بعزیز بصرح کردیا ہے پس حاصل یہ کہ قوم مردودنے اول تو یہ کہا کہ تیری باتین لایعنی ہین ہم اکثر نہین سمجھتے اور دوم آنکہ تو ہم مین تنہا کمزور ہی کیونکہ تیرے کنبہ والے تیرے ساتھ شریک نہین ہین اگرچہ تیری ذلت اُنکی ذلت ہوگی لہذا اگر وے نہوتے تو ہم تجکو بہت جلد رجم کردیتے ہم کو صرف اُنکی آبرو و عزت کا خیال ہی اور تو ہمارے نزدیک کچھ بھی عزت والا نہین ہی علی ؓ نے فرمایا کہ قسم اس ذات پاک کی جسکے سوائے کوئی معبود نہین ہی کہ اس قوم نے جلال آلہی سے خوف نہ کیا بلکہ فقط پیغمبر کے کنبہ والون سے خوف کیا بیضاوی ؒ نے کہا کہ قوم نے حضرت شعیب کے جواب مین بیہودہ گوئی و مارپیٹ کی دھمکی دی اور بیوقوفون کا یہی دستور ہوتا ہی کہ نور ایمان سے بے بہرہ ہوکر جہالت کی تاریکی مین پڑے ہوئے روشن آیات و کھلے دلائل کے مقابلہ مین ایسی ہی شیطانی حرکات کیا کرتے ہین حضرت شعیب ؑ کو اپنی طرف خیال نہ ہوا بلکہ بمقابلہ آلہی عزوجل جو اُنھون نے کنبہ والون کی عزت کی اُس سے غمناک ہوئے ۔ قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَهۡطِیۡۤ اَعَزُّ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ فرمایا کہ اے میری قوم کیا میرا کنبہ تمھاری نظرون پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا ٹھہرا کہ تم نے کنبہ کی عزت سے مجھے اپنے نزدیک چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کی جلال و عظمت کے خوف سے نہین چھوڑا ۔ وَاتَّخَذۡتُمُوۡہُ وَرَآءَکُمۡ ظِهۡرِیًّا ۔ اور کرلیا ہی تم نے اُس کو ادھر اپنی پیٹھ پیچھے یعنی حضرت ذوالجلال والاکرام کو ایسے بھولے ہو جیسے کوئی بھولی چیز کو پیٹھ پیچھے ڈال دیتا ہی چنانچہ تم نے بلا تردد اسکی جناب مین شرک کیا اور اسکے رسول کی اہانت کرتے جاتے ہو جو تم کو برابر نرمی سے عمدہ طور پر نصیحت کر رہا ہی تو تم نے عمداً حق آلہی عزوجل کو بھلایا ہے مگر یاد رکھو کہ تمھاری حرکتون سے تم کو کچھ فائدہ نہین ہی ۔ اِنَّ رَبِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ ۔ بیشک میرا پروردگار سب کو جو تم کرتے ہو محیط ہی یعنی وہ سب جانتا ہی اسپر ذرہ برابر پوشیدہ نہین ہی وہ ضرور تم کو تمھاری حرکتون کو بدلا دیگا ۔ ظہری بکسر اول منسوب بظہر بفتح الظاء بمعنی پشت ہی ولیکن عرب اکثر نسبت مین ایسا تغیر کردیتے ہین جیسے بصرہ کی طرف نسبت مین بصری بالکسر بولتے ہین ف فی العرائس قولہ وانا لنراک فینا ضعیفا ۔ یہ خطاب جبکہ قوم کی طرف سے ہی تو اسکی تفسیر گذر چکی اور جبکہ خطاب بطریق اشارات ہی تو منجملہ اسکے اشارون کے ضعیف سے اشارہ ہی کہ جس حال مین اہل الکفر تھے اس سے پیغمبر علیہ السلام کو توحش تھا اور جس حال مین خود تھے اس سے مانوس تھے اور نیز ضعیف اس دعوی رسالت و معجزہ مین و دعوی قربت و مشاہدہ مین بدین معنی کہ جلال احدیت عز سلطانہ سے جسقدر معرفت حاصل ہو وہ بذات خود اگرچہ معنی قربت ہین لیکن بذات تعالیٰ و تقدس محض ہیچ ہے عقول خلائق کو وہان رسائی نہین ہی حکیم ترمذی ؒ نے کہا کہ ضعیف سے اُنکی یہ مراد تھی کہ ہمارے درمیان سے نکالا ہوا ہی ہم مین تجھے جلسہ و برادری کے معاملہ مین شرکت حاصل نہین ہی اور بعض نے کہا کہ مراد اُنکی قلیل العقل ہی واللہ اعلم ۔ پھر جب آنحضرت علیہ السلام اس قوم کی ہدایت سے مایوس ہوئے تو بواسطہ علم نبوت کے اُن کو ڈرانے سے بڑھکر انتظار عذاب کا وعدہ دیا ۔

وَیٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ ؕ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ یَّاۡتِیۡهِ عَذَابٌ

اور اے قوم کام کیے جاؤ اپنی جگہ مین بھی کام کرتا ہون آگے معلوم کروگے کس پر آتا ہے عذاب

یُّخۡزِیۡهِ وَمَنۡ هُوَ کَاذِبٌ ؕ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّیۡ مَعَکُمۡ رَقِیۡبٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا

کہ اُسکو رسوا کرے اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو مین بھی تمھارے ساتھ ہون تاکتا اور جب پہونچا ہمارا حکم

نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو یقین لائے تھے اسکے ساتھ اپنی مہر سے اور پکڑا اُن ظالمون کو

الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَا بُعْدًا

چنگھاڑ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھرون مین اوندھے پڑے جیسے کبھی نہ بسے تھے انمین سُن لو پھٹکار ہے

لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

مدین پر جیسے پھٹکار پائی ثمود نے

۸ ع ۱۲ ۸

جب آنحضرت علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ یہ قوم اپنے باپ دادون کے دین پر اور اپنے قبیح اعمال پر ہٹ کئے رہین گے اور نصیحت ان مین کارگر نہ ہوگی تو انسے کہا۔ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ۔ اور اے قوم تم کام کئے جاؤ اپنی حالت پر۔ اِنِّيْ عَامِلٌ۔ مین بھی اپنے حال پر کام کئے جاتا ہون اگر وہم ہو کہ قوم تو شرک و کفر و تطفیف کا کام کرتی تھی انکو انکے حال پر کام کرنے کا کیونکر حکم دیا اسلئے کہ شرع مین مسئلہ یہ ہے کہ کسی دوسرے کے کفر پر راضی ہونا کفر ہے نہ کہ اس سے بڑھکر کسی کو کفر کے موافق عمل کرنے کا حکم دینا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ شرک کرنیکا حکم نہین ہے بلکہ باوجود اس قوم کے ازلی مردود ہونے کو دھمکی وغیرہ سے جان لینے کے انکو اس طریقہ پر چلنے سے خوف دلایا چنانچہ اگر کسی کو سمجھاکر آدمی تھک گیا اور جانا کہ یہ ضرور وہی کریگا تو اس سے کہتا ہے کہ اچھا تو یہ کام کر دیکھ تو ابھی تجھے معلوم ہوا جاتا ہے جو تجھ پر پڑیگا پس یہ کہنا گویا بہت سخت منع کرنا ہوتا ہے ایسا ہی یہان ہے چنانچہ اسی پر دلالت صریح ہے قولہ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ عنقریب تم جان لوگے کہ ہم مین اور تم مین کون نیک راہ اور کون گمراہ ہے یا جان لوگے آنکھون دیکھکر کہ۔ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ کس پر آئیگا ایسا سخت عذاب جو اسکو دین و دنیا مین ذلیل و خوار کرے۔ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ۔ اور کون جھوٹا ہے۔ واضح ہو کہ قولہ علی مکانتکم بعض نے کہا کہ یعنی علی حالتکم جس حال پر تم ہو کہ شرک و گناہ پر ہٹ کئے جاتے ہو چنانچہ اسی معنی پر تفسیر مذکور ہوئی اور بعض نے کہا کہ مکانت منزلت و قدرت ہے تو مراد یہ ہے کہ جہان تک تم کو قدرت و طاقت ہو وہان تک شرک و کفر و گناہ کے اعمال کر لو جن کو تم اچھا سمجھتے ہو اور مین بھی اپنی استطاعت پر جسکو اچھا سمجھتا ہون عمل کرتا ہون پھر دونون کے اعمال کا حال عنقریب معلوم ہوجائیگا کہ کس کو ثواب ملا اور کس کو عذاب پس جو بدکار و جھوٹا ہوگا اسی پر عذاب آویگا۔ زمخشری نے کشاف مین ذکر کیا کہ قولہ سوف تعلمون بطریق استیناف گویا یہان سے نیا جملہ شروع کیا حالانکہ وہ اپنے اوپر سے مربوط ہے اور کبھی فا سے وصل کرکے فسوف تعلمون کہتے ہین لیکن استیناف مین زیادہ بلاغت ہے کیونکہ اسمین ہول طاری ہونا زیادہ ہوجاتا ہے اور یہی اصلی مقصد ہے۔ اقول یعنی بدون فا کے استیناف بیانی زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس صورت مین گویا پوچھنے والے کا فرنے پوچھا کہ اچھا جب سب کفار اپنے حال پر اور آپ اپنے طریقہ پر عمل کرینگے تو کیا ہوگا جواب دیا کہ سوف تعلمون الیٰ آخرہ تو ہول سمایا کہ اسطرح اس بحث کا خاتمہ تو بہت سخت ہے کہ اسمین بدکار کا فیصلہ ہوجائیگا واضح ہو کہ کافرون نے کہا تھا کہ ما نفقہ کثیرا مما تقول۔ تیری بہتیری باتین ہم سمجھتے نہین یعنی تیری اکثر باتین ہم کو جھوٹ معلوم ہوتی ہین مثلاً کفر پر عذاب پانا و بعث و نشر و حشر و جزاء و سزا وغیرہ اکثر باتون مین جھوٹا بتلایا اور کہا تھا کہ ما انت علینا بعزیز یعنی تو ہمارے نزدیک ذلیل و خوار ہے تو آنحضرت علیہ السلام نے ہماری عزت بمقابلہ حضرت ذوالعظمۃ والکبریاء کے منکر جانکر فوراً قوم پر رد کردی پھر علم و حی و الہام سے آگاہ ہوکر یہ فیصلہ کیا کہ اچھا نہین مانتے ہو تو خیر اپنے طور پر خوب برتاؤ کر دیکھو انجام کو عنقریب معلوم ہوجائیگا کہ جھوٹا کون ہے

اور کھل جائیگا کہ ذلیل و خوار کون ہوا - اور یہ وعدہ ایسا قریب ہے کہ اسکی طرف ٹکٹکی لگاؤ - وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ اور انتظار کرو مین بھی تمہارے ساتھ منتظر ہون دیکھو کہ اللہ تعالیٰ ہم دونون کے بیچ مین کیا حکم و فیصلہ جاری فرماتا ہی پھر حسب وعدہ عنقریب ہی قوم پر عذاب آگیا - فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا - اور جب آگیا ہمارا حکم یعنی عذاب مقدر یا عذاب کا حکم تو ہم نے دونون فریق مین سے نجات دی شعیب کو اور ان بندون کو جو اسکے ساتھ مین ایمان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت کے ساتھ یعنی ان بندون کو ہمارا نجات دینا ہماری طرف سے اُنپر خاصہ رحمت تھی اسی کا اثر تھا کہ یہ لوگ ایمان لائے اور نیکوکار تھے اور قوم مردود سے دل سے بیزار و علیحدہ تھے پس انکو خواری و عذاب آخرت کے مکانات مین بھی قوم سے الگ کر دیا گیا - وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ - اور گرفتار کر لیا اس قوم کو جنھون نے خود اپنی جانون پر آپ شرک و عصیان سے ظلم کر رکھا تھا ایک کرخت آواز نے - روایت ہی کہ جبرئیل ؑ نے انکو سخت ہولناک آواز سے ڈانٹا جبکہ وے اللہ تعالیٰ خالق کی نافرمانی مین اسکے پیغمبر و مومنون کو آزار دیتے تھے پس دہشت سے ان کے دل پھٹ گئے - فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ - پس یہ لوگ اپنے گھرون مین گھٹنون کے بل پڑے رہگئے یعنی اس ہیأت پر مرے کہ گھٹنے زمین پر ٹیکے تھے اور دونون ہاتھ کے بل زمین پر تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ زمین کو زلزلہ سخت آیا تھا تو لڑکھڑا کر اس ہیأت پر رہ گئے تھے چنانچہ سورہ اعراف و عنکبوت مین زلزلہ مذکور ہی بقولہ فاخذتہم الرجفۃ - اور یہ زلزلہ بھی ان پر عذاب تھا اور واضح ہو کہ اس امر مین گفتگو ہی کہ اصحاب لایکۃ قوم شعیب تھے حالانکہ وہ عذاب ظلہ سے ہلاک ہوئے تو کہا گیا کہ خاص وہ شہر مدین جسمین حضرت شعیب تھے وہ تو زلزلہ و کرخت آواز سے مرے اور ایکہ والون پر آسمان سے آگ اتری جس سے ہلاک ہوئے اور سوائے غریب مومنون کے اس قوم مالدار مغرور بدکردار مین سے کوئی نہین بچا سب مال و دولت مکان و ثروت جسکی محبت مین اترائے اور ایمان کھوئے ہوئے حضرت پیغمبر علیہ السلام کو ذلیل و خوار سمجھے و انکی طاعت سے عار کرتے تھے سب چھوڑ کر عذاب دائمی مین گرفتار ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا - كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا - گویا کبھی ان گھرون مین نہین بستے تھے پھر فرمایا - اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ - آگاہ رہو کہ ہلاکت ہی مدین کے لیے كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ - جیسے ثمود ہلاک ہوئے اور تشبیہ اس بات مین ہی کہ مدین قوم شعیب بھی اسی عذاب صیحہ سے ہلاک ہوئی جس سے ثمود قوم صالح مری تھی صرف فرق اسقدر تھا کہ قوم ثمود کو صیحہ نے نیچے سے ہلاک کیا اور مدین کو صیحہ اوپر سے پہونچا تھا اور روایت ہی کہ کسی دو قوم کو اللہ تعالیٰ نے ایک عذاب سے نہین مارا سوائے مدین و ثمود کے کہ دونون صیحہ سے مرے اور شیخ حافظ نے کہا کہ دونون کی تشبیہ معنوی یہ ہی کہ دونون قومین کفر اور بدی مین یکسان تھین اور دونون عرب مین سے تھے - واضح ہو کہ البعد ضد قرب ہے یعنی دوری اور فعل اسکا کرم بضم العین آتا ہی اور بمعنی ہلاکت اور فعل اسکا بروزن سمع بکسر العین آتا ہی اور ابن الانباری نے کہا کہ بعضے عرب ہلاک و دوری مین فرق نہین کرتے ہین - مہدوی نے کہا کہ بَعُدَ بضم العین کا استعمال بھلائی و برائی دونون مین ہوتا ہی اور بکسر العین کا استعمال خاصکر برائی سے مخصوص ہی اور یہان بعدت بکسر العین جمہور کی قرأت ہی اور مراد اس سے لعنت ہی تو معنی یہ ہوئے کہ مدین پر لعنت ہو جیسے ثمود ملعون ہوئے اور بعدت صیغہ تانیث باعتبار قبیلہ کے ہی - واضح ہو کہ تطفیف جو مدین کا فعل تھا کبیرہ گناہ ہی اور اسکا عذاب علاوہ تذکرہ مدین کے قولہ تعالیٰ ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا الآیۃ - مین منصوص ہی اور حدیث سنن مین یہ مضمون آیا ہی کہ آنحضرت صلعم نے موالی کو فرمایا کہ تم نے ناپ تول کا پیشہ وہ اختیار کیا ہی جسمین امتون مین سے بعض ہلاک ہوئے تو احتیاط رکھو یعنی پورا دو اور عذاب سے ڈرو - واضح ہو کہ جس بدفعلی کا عذاب دنیا مین کسی قوم کو ملا چنانچہ اس امت مین بسبب برکت

آنحضرت صلعم کے دنیا مین عذاب عام نہ دیا جائے گا تو اس سے آخرت کے عذاب سے چھٹکارا نہ ہوگا بلکہ مرتے ہی آثار عذاب طاری ہونگے
اور عذاب القبر شروع ہو جائیگا نعوذ باللہ من عذاب اللہ تعالیٰ ومن سیئات الاعمال۔ پھر حق تعالیٰ نے ساتوان تذکرہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام اور بادشاہ فرعون کا بیان فرمایا بقولہ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا
اور بھیج چکے ہین ہم موسیٰ کو اپنی نشانیون سے اور واضح سند سے فرعون اور اُسکے سردارون پاس پھر چلے کہنے مین

أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
فرعون کے اور نہین بات فرعون کی کچھ نیک چال چلتی آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن

فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ۝ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ
پھر پہنچا دیگا اُن کو آگ پر اور بُرا گھاٹ ہے جسپر پہنچے اور پیچھے سے ملی اس جہان مین لعنت اور دن

الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۝
قیامت کے بُرا انعام ہے جو ملا

اس تذکرہ کو بلفظ لقد ارسلنا۔ شروع فرمایا جسکے معنی تاکید و تحقیق کے ہین اور عرب اگرچہ اس قصۂ واقعیہ سے خوب واقف تھے خصوص عرب
کے یہود اور دیگر مقامات کے نصاریٰ سے متواتر اخبار موصول ہوئے لیکن پھر بھی یہ عرب کی سرزمین کا واقعہ نہ تھا تو ان کو بحرف تاکید
سنایا اور دوسرے سننے کیلئے تاکید و تنبیہ ہے کہ اس سے کمال عبرت حاصل کرو کیونکہ اصلی مقصود ان تذکرون سے یہی ہے کہ اہل عقل
ان سے اپنے خالق کی قدرت و اُسکا طریقہ عبودیت پہچانین اور اہل حال اس سے اسرار کے مقامات جو انھین عبارات کلام مین عجیب
لطافت سے مندمج ہین ادراک کرین اور اہل توحید و اسرار کو اعلیٰ مقامات فنا تک وصول حاصل ہو اور یہ سب بخاصیت ہدایت الٰہی
عزوجل ہے مگر ابتدا اسکی یہی ہے کہ نفس کے فریب و شیطان کے وساوس اور زندگی و جان کے شہوات سے مقابلہ کرکے نفرت کی
نظر کو دور کرین اور حضرت خالق عزوجل کی عظمت اور اپنے بندہ ہونے کو دیکھین اسکے ساتھ اس کلام کو غور سے سنین پس بتاکید فرمایا
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ ۔ اور بیشک بھیجا تھا ہم نے موسیٰؑ کو ازلی علم مین اسکو یون مقدر کر دیا تھا کہ فلان وقت و زمانہ مین پیدا
ہو اور اسطرح زندہ رہے اور اسطرح فرعون اسکو پالے پھر دشمن ہو پھر دیکھا کہ ہماری تعلیم خاص و تنویر قلبی سے فیضیاب ہو ہمارا
ایلچی ہو کر جاوے بِآيَاتِنَا ہماری آیتون کو ساتھ لئے۔ وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ۔ اور کھلے ہوئے غلبہ کے ساتھ مین یعنی موسیٰؑ کے ساتھ
دو باتین ہم نے عطا فرمائین ایک آیات اور دوم سلطنت واضحہ۔ اور مفسرین نے باہم گفتگو کی کہ یہان ان دونون سے کیا مراد ہے
پس بعض نے کہا کہ آیات سے مراد توریت کتاب آسمانی ہے ولیکن یہ قول صحیح نہین اسواسطے کہ آگے فرمایا۔ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ
فرعون اور اسکے سردارون کی طرف۔ حالانکہ جسوقت حضرت موسیٰؑ رسول ہو کر فرعون کی طرف گئے اسوقت توریت انکو نہین ملی تھی
بلکہ یہ تو فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد ملی ہے اور صاحب فتح البیان سے عجب ہے کہ اُسنے لکھا قولہ بآیاتنا اے بالتوراۃ حال کونہ
متلبسا بہا پھر آگے جا کر لکھا وقیل المراد بالآیات ہی التسع المذکورۃ فی غیر ہذا الموضع الیٰ قولہ ولیس من الآیات المرادۃ ہہنا التوراۃ
لانہا اُنزلت بعد اغراق فرعون وقومہ انتہی حالانکہ یہی بات صحیح ہے تو اُسنے برعکس معاملہ کیا چاہئے تھا کہ آیات کی تفسیر بیان کی

مراد سے کرتا پھر ایک قول کرکے لکھدیتا کہ بعض نے توریت سے تفسیر لکھی ہو واللہ اعلم اور یہ جواب کہ متلبس بالتوراۃ تھا پس یہ حال مقدرہ
ہے تو یہ جواب کچھ نہیں ہو اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے انوار قلبی و سعادہ باطنی کا اثر فرعون کے حق میں نفس رسالت کی راہ سے
کچھ نہ تھا فلیتامل اور بیضاوی رح نے بھی آیات کی تفسیر میں توریت لکھی لیکن کہا کہ مراد توریت ہو یا معجزات ہیں اور سراج میں اسی کی
پیروی کی ہو اور شیخ حافظ ابن کثیر رح نے آیات سے نشانیاں مراد لیں جیسا کہ ظاہر کلام شیخ اسپر دلیل ہو اور حاصل اُسکا یہی معجزات
باہرہ تھے پس سیاق کلام گویا اس امر کو مفید ہوا کہ اولاد آدم اگر اپنے خالق کو بالکل فراموش کر بیٹھے تو نوحؑ و ہودؑ و صالحؑ و ابراہیمؑ
و لوطؑ و شعیبؑ و انبیاء عظام اُنکی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول گئے اور سمجھایا مگر اُنھوں نے سب کو جھٹلایا اور محسوس چیزوں کے سامنے
غیب کی باتوں پر ایمان نہ لائے آخر عذاب سے تباہ و ہلاک ہوئے پھر ہم نے موسیٰؑ کو بلا شبہہ بہت سے آیات و معجزات کے ساتھ بھیجا
کہ ان کے سامنے جھٹلانے اور رسول نہ ماننے کا موقع نہ تھا اور ایسے معجزات دیے کہ جو بالکل واضح تھے کہ ضرور آدمی محسوسات سے
تجاوز کرکے غیب پر ایمان لاوے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ انبیاء سابقین کیساتھ اگر کثرت سے معجزات نہ تھے اور کوئی سمجھے کہ قوم نے اپنی عادت
کے موافق محسوس چیز سے تجاوز نہ کیا اور ان کو جھٹلایا اور بہت معجزے ہوتے تو شاید مان لیتے تو بتاکید فرمایا کہ ہم نے موسیٰؑ کو فرعون کی طرف
بہت سے معجزات کیساتھ بھیجا تب بھی اسکا حکم نہ مانے اب اگر کہا جاوے کہ آیات سے اگر معجزات مراد ہیں تو سلطان مبین سے کیا مراد
ہے تو بیضاوی وغیرہ نے کہا کہ دونوں سے معجزات ہی مراد ہو سکتے ہیں اور فائدہ یہ ہو کہ معلوم ہو جاوے کہ یہ معجزات ہماری قدرت
و عظمت والوہیت پر نشانی تھے اور موسیٰ کیلئے اسکی نبوت پر سلطان مبین تھے کیونکہ معجزہ کے معنی عاجز کرنیوالا تو جب ان معجزات سے
موسیٰؑ نے منکروں کو عاجز کیا اور وے کچھ مقابلہ نہ کر سکے تو موسیٰ کو سلطنت یعنی غلبہ ان پر حاصل ہوا اور مراد غلبہ سے یہی حجت و دلیل
سے غلبہ ہو زبردستی وغیرہ عوام کے معنی مراد نہیں ہیں اور چونکہ سلطان بروزن مصدر ہو تو مفرد و جمع اور مذکر و مؤنث اسکا یکساں
ہے اور لکھا کہ آیت تو ایسی چیز کو بھی کہتے ہیں کہ جو نشانی ہو خواہ یقینی قطعی ہو یا نہو اور سلطان ہر ایسی آیت ہو جو قطعی ہو اور امام
رازی نے کبیر میں اور سراج وغیرہ میں اُنہیں سے نقل کیا کہ قطعی حجت کو سلطان اسلئے کہتے ہیں کہ اسکو بدون حجت والے پر غلبہ
ہوتا ہو کہ اسکو مقہور کرلیتا ہو جیسے سلطان اپنے محکوم پر غالب ہوتا ہو اور علماء اپنی قوت علمیہ کے کمال سے سلاطین ہیں جیسے بادشاہ
اپنی فوج وغیرہ سے سلطان ہو لیکن علماء کی سلطنت اُنسے دو وجہ سے زیادہ قوی ہوتی ہو کیونکہ بادشاہ تو تخت سے معزول ہو سکتا ہے
اور عالم اپنے علم سے معزول نہیں ہو سکتا اور عالموں کی سلطنت انبیاء کی سلطنت کے جنس سے ہو تو ملوک انکے تابع ہیں اور بادشاہوں
کی سلطنت فرعون کی سلطنت کی جنس سے ہو حالانکہ موسیٰ وہاں بھیجے گئے تھے کہ وہ اُنکا تابع ہو کر رہے اگرچہ دنیاوی تمام ثروت
میں سے موسیٰؑ کو کچھ حصہ نہ تھا۔ بیضاوی رح نے لکھا کہ یہ بھی ہو سکتا ہو کہ سلطان مبین سے مراد عصا کا معجزہ ہو اگرچہ وہ آیات میں داخل
ہے چنانچہ نو آیات میں آٹھ سورہ اعراف میں مع عصا اور نویں سورہ یونس میں مذکور رہی لیکن اسکو الگ کرکے سلطان مبین اسوجہ سے
کہا جا سکتا ہو کہ وہ نہایت زبردست معجزہ تھا اور بعض نے لکھا کہ سلطان مبین سے مراد وہ غلبہ ہو جو موسیٰؑ نے فرعون کے ساتھ
سوال و جواب میں پایا۔ اقول یہ بہت ضعیف قول ہو اسوجہ سے کہ ہر پیغمبر کو قطعاً یہ سلطنت حاصل تھی بلکہ جو شخص دنیا میں سچا ہو
وہ اپنے مقابل جاہل پر سلطان مبین رکھتا ہو اور ایسے قول سے تو میرے نزدیک یہ اچھا تھا کہ یوں کہا جاتا کہ فرعون ایک سرکش
ظالم تھا جو الوہیت کا مدعی تھا اور کثرت اموال و افواج و قہر و غلبہ پر مغرور اور اپنے تمام بنی اسرائیل کو خوار و ذلیل کر رکھا تھا پھر اُسپر

پیغمبر کرکے تنہا حضرت موسیٰؑ کو بھیجا اور اسکو ہرگز قوت نہوئی کہ ان کو قتل کرے یا کوئی آزار پہونچاوے بلکہ وہ خوفناک رہتا تھا اور بیس برس
تک برابر حضرت موسیٰ دین حق کی دعوت فرماتے رہے تو کیسی سلطان مبین تھی کہ اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت و سلطنت پر دلیل واضح
ہے اور کھلی دلیل ہے کہ دنیا میں وہی واقع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کسی تدبیر سے یا کسی کی قدرت سے کچھ نہیں ہو سکتا ہے پھر
واضح رہے کہ اس تفسیر میں علمائے حقائق صرف اسیقدر کلام کرتے ہیں جو عقل والون کی عقل کے اندازہ پر ہے حالانکہ احوال و اسرار بہت
کچھ مندرج ہوتے ہیں لیکن اُنسے بالکل سکوت اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ کمالات ہیں بیانات نہیں ہیں تو بعض مقامات میں ظاہری
تفسیر سے اسرار اعلیٰ ہوتے ہیں اہل بیان خاص توفیق تک جناب باری تعالیٰ میں اُمیدوار رہیں اور یہ بات اس مقام پر ظاہر ہے کہ
خواہ آیات و سلطان مبین کی مراد معلوم ہو یا نہو اصلی مقصود ضرور ظاہر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے موسیٰؑ اولوالعزم پیغمبر کو آیات
و سلطان مبین کے ساتھ فرعون و اسکے گروہ کی طرف ایلچی کرکے بھیجا اور باوجود اسقدر معجزات ظاہرہ و حجج قاہرہ کے ان سرکشون نے پیغمبر
الٰہی عزوجل کی بات نہ مانی ۔ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۔ اور یہ نتیجہ ہوا کہ اس گروہ نے فرعون کے امر کی پیروی کی۔ اگر امر سے حکم مراد ہے تو
یہ معنی ہوئے کہ فرعون نے خود کفر کیا اور اپنے گروہ کو حکم کیا کہ موسیٰؑ کو جادوگر جانو اسکی بات نہ مانو تو بس باوجود ایسے معجزہ دلائل دیکھنے کے
ان جاہلون نے دنیا کے لالچ سے اسی کا حکم مانا اور اگر امر سے طریقہ مراد ہے تو یہ معنی کہ نفس کی خواہش دنیا کی لالچ و آخرت و موت
سے غفلت میں یہ جاہل ایسے پھنسے تھے کہ موسیٰؑ کو ایسے معجزات حقانی کے ساتھ نہایت ادب بندگی کے طریقہ پر دیکھکر نہ مانے اور
اُسکے طریقہ پر نہ چلے بلکہ فرعون گمراہ جسکی گمراہی و بدفعلی اور بد قولی ظاہر تھی اسی کے طریقہ پر چلے۔ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۔
اور نہیں تھا حکم فرعون کا یا طریقہ فرعون کا رشید یعنی سیدھی راہ پر چلانیوالا یا راستی والا نہ تھا بلکہ محض گمراہی و فساد تھا۔ حاصل یہ کہ
وے لوگ فرعون کی بات مانے و اسکے طریقہ پر چلے حالانکہ اسکا طریقہ راستی پر نہ تھا اگر کہا جاوے کہ وے لوگ اسی سمجھکر چلے تو سراج میں
لکھا کہ طریقہ و امر فرعون کا راستی سے خالی ہونا ظاہر تھا اسکا عذر نہیں ہو سکتا اقول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں معجزات
سے ظاہر ہونیکے بعد جو کچھ امر یا طریقہ ہو سب باطل ہے۔ اور میں کہتا ہون کہ سراج کی تقریر پر یہ امر ظاہر ہوا کہ اس کلام میں تلویح
ہے کہ حسن و قبح عقلی ہوتا ہے اور یہ بحث علم کلام و اصول سے متعلق ہے پھر فرعون کا انجام دنیا کے برعکس آخرت کا بیان فرمایا۔
يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ اور فرعون پیشوا ہوگا اپنی قوم کا قیامت کے دن ۔ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ ان
سب کو آگ میں داخل کریگا یہ دنیا کے برعکس نتیجہ ہے کیونکہ دنیا میں انکا پیشوا تھا تو اُن کو مال و منال و تمام خواہش کی چیزون
میں داخل کرتا تھا یعنی اسکی پیروی میں انکو تمام شہوات حاصل ہوتی تھیں اور آخرت میں اسکی پیشوائی سے یہ نتیجہ ہوگا کہ اسکے پیچھے پیچھے
آگ میں جا پہونچین گے حدیث میں ہے کہ مجمع قیامت میں حکم الٰہی ہوگا کہ جو جسکی پرستش کرتا تھا اسکے نشان کیساتھ پیچھے چلے حتی کہ سوائے
اہل توحید کے سب گمراہ اپنے پیشواؤنکے پیچھے جاوینگے یہانتک کہ دوزخ میں گرینگے اور حدیث صحیح میں ہے کہ حفت النار بالشہوات یعنی نفس کی
خواہشون سے دوزخ گھری ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے جی چاہتی چیزونکے پیچھے دین الٰہی سے باہر ہوا اور حرام و رشوت و شراب و شاہد مین
اپنی شہوات پوری کرے تو جب شہوات طے ہون گے تو جہنم تک پہونچ جائیگا اور اگر بیچ میں ہوشیار ہو کر توبہ و استغفار سے واپس آیا اور نیک
کام کئے تو جنت نصیب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اگرچہ نیک کام حقیقت میں نہایت آسان ہیں نفس پر بہت شاق گزرتے ہیں اور اسیواسطے حدیث میں
ہے کہ حفت الجنة بالمکارہ جنت ایسی چیزون سے گھری ہے جو آدمی کے جی پر گران اور شاق گذرتی ہیں تو دیکھو کہ فرعون والون نے باوجود ظہور نبوت موسیٰ

وکثرت معجزات باہرات وخوبی وراستی طریقہ کے صرف دنیاوی خواہشون کی لالچ مین فرعون کی پیروی کی اور شہوات کو پیدا کر لیا
آخر اسنے اپنی پیروی مین انکو جہنم مین ڈالا اور دنیا مین جب سے بحر قلزم مین غرق ہوئے دوزخ کی آنچ پر پیش کئے جاتے ہین کما
قال تعالیٰ النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا الآیۃ - اور دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنیوالے دنیا مین فرعون کے ہاتھون
مصیبت اٹھاتے اور طرح طرح کی تکلیفین سہتے تھے مگر دین الٰہی پر ثابت قدم تھے تو آخرت مین جنت دائمی مین آرام پاوینگے انشاء اللہ تعالیٰ
اگر کہا جاوے کہ فرعون خوار و ذلیل کیلئے جھنڈا کیسا ہوگا تو جواب یہ ہو کہ یہ خواری و ذلت کا جھنڈا ہوگا چنانچہ جہنم مین جاوے گا
اور کچھ اسی پر موقوف نہین ہو جو کوئی کسی گمراہی کا پیشوا بنا ہو آخر رسوائی کا جھنڈا اُٹھاویگا چنانچہ ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ آنحضرت
صلعم نے فرمایا کہ جاہلیت کے شاعرون کا جھنڈا اُٹھانیوالا امراء القیس ہوگا - رواہ الامام احمد - اگر کہا جاوے کہ قولہ اوردہم النار - مین
ایراد اور ورود کا استعمال عرب مین پانی کے ساتھ مستعمل ہو مثلاً اور دالبعیر الحوض - اور جیسے قولہ تعالیٰ وردماء مدین - پس بجائے ادخلہم
النار کے اوردہم - جو پانی کے واسطے ہو کیون فرمایا ہو تو سراج وخفاجی وغیرہ مین زبانی بلاغت کی توجیہ کی کہ نار کو ان کے حق مین بمنزلہ
پانی کے استعارہ کر کے ورود کے لفظ سے استعمال کیا اور بلاغت کی اصطلاح مین اسکا نام استعارہ مکنیہ تہکمیہ ہو - حاصل یہ ہو کہ جیسے پانی سے
آدمی سیراب وخوش ہوتا ہے جب وہان وارد ہو تو ان کے حق مین آگ ایسی ہی قرار دی جیسے قولہ ذق انک انت العزیز الکریم مین ہے
اگر کہا جاوے کہ اوردہم ماضی فرمایا حالانکہ مراد یوردہم ہے یعنی وارد کریگا جواب دیا گیا کہ منجملہ قواعد بلاغت کے ہو کہ جب کوئی واقعہ
قطعی ہونیوالا ہو تو اسکو ماضی سے بولتے ہین تاکہ اشارہ ہو کہ گویا واقع ہو چکا بعض علماء نے کہا کہ آگ کے ساتھ پانی کا لفظ اُن کے حق مین اور
مضارع کی جگہ ماضی اس نکتہ کی وجہ سے ہو کہ ظاہر مین تو فرعون مع قوم کے بحر قلزم مین ڈوبا مگر وہ آگ پر پہونچا ہے بقولہ تعالیٰ - النار
یعرضون علیہا غدوا وعشیا - دونون وقت آگ پر پیش ہوتے ہین اگرچہ قیامت مین اسمین داخل ہو جاوینگے تو وقوع اسکا شروع ہو چکا ہے
چنانچہ حدیث مین ہو من مات فقد قامت قیامتہ - جو مرا اسکی قیامت قائم ہو چکی بعض متصوفین نے کہا کہ رحمت الٰہی اسکے غضب پر سبقت
لے گئی ہو چنانچہ آیت سے وصریح حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہو چکی ہو تو فرعونیون کے حق مین باوجودیکہ آگ مین ڈالے جاوینگے
اسکے ساتھ ورود کا لفظ جو پانی کے ساتھ مستعمل ہو اشارہ ہو کہ اس آگ مین بھی ایک طرح کی رحمت خفی ہوگی واللہ اعلم - ظاہر توجیہ تو
وہی ہو جو مذکور ہوئی کہ جیسے محرم کو کہتے ہین کہ لو اب جوتے کھانے یا کوڑے کھانے کا مزہ چکھو اس سے زیادہ بلاغت لطیفہ کیسا تھا انکے
حق مین کہا کہ سیر ہونے کو آگ پر وارد ہون گے پھر تصریح کر دی بقولہ - وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ - اے بئس مکان الورد المورود
فیہ یعنی کتنا برا انکا سیرابی کا یہ گھاٹ ہو جسمین اترے ہین کیونکہ گھاٹ پر آدمی کو پوری اُمید ہوتی ہو کہ پیاس کی جلن اور دھوپ
کی گرمی سے یہان سیراب ہو کر آرام وآسائش مین ٹھنڈا ہوگا اور یہان اسکے برعکس ہوگا کہ پیاس کے مارے زبان چھاتی پر لٹک پڑیگی
اور ہونٹھ سوجکر کھال جلکر اُدھڑ پڑیگی پھر جے وجلیگی اور پیپ وبج لوہو پئین گے اللہم اعوذ بک من عذاب النار - وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً
اور اس دنیا مین اس قوم کے پیچھے لعنت لگا دی گئی یعنی جس دولت فانی وسلطنت وخواہش نفسانی کے پیچھے تکبر کرتے اور اپنے خالق عزوجل
کے رسول سے انکار وتمسخر کرتے تھے اسی دنیا مین ان پر لعنت کی جاتی ہو - وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ - اور قیامت کے روز بھی لعنت اُن کے پیچھے
لگا دی گئی کہ وہان تمام اہل محشر حتی کہ کافر بھی اُن پر لعنت کرین گے اور یہ بات اکثر منکرون کی سمجھ مین نہین آتی ہو تو وہ یون سمجھین کہ
حق عزوجل جسنے سب چیز پیدا کی ہو اس نے لعنت اُنکے پیچھے لگا دی بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ - یہ کتنا برا عطیہ ہو جو ان کو انعام

مین ملا ہی۔ کسائی نے کہا کہ رفد نام ہے عطیہ کا پس لعنت کو بطریق تہکم کے ان کے حق مین عطیہ قرار دیا سا اور رفد کے معنی عون یعنی مدد
بھی ہین تو دنیا کی لعنت پر قیامت کی لعنت انکے لئے ایک عون قرار دی حتی کہ جہنم کے سب سے نیچے طبقہ مین اس مدد سے جگہ پائی ۔
ماوردی نے اصمعی سے نقل کیا کہ رفد وہ قدح جسمین شراب ہو تو اس معنی پر جو انکو دوزخ مین پینے کو ملیگا اسکی مذمت ہی پس ورد مورود
سے اسکو زیادہ مناسبت ہوئی۔ ابوالسعود نے عطیہ کے معنی کو کہا کہ وہ چندان مناسب اس مقام کے نہین ہین۔ کلبی وغیرہ نے کہا
کہ رفد کے معنی زیادت کے ہین یعنی لعنت پر لعنت کی زیادتی بڑی مذموم زیادتی ہی۔ شیخ حافظ رح نے اسی معنی کو ذکر کیا اور کہا کہ مراد
یہ ہی کہ ہم نے عذاب جہنم پر انکے حق مین یہ مزید کیا کہ دنیا مین اُن پر لعنت باقی رہے اور قیامت مین اسپر لعنت ہو۔ مجاہد رح نے کہا
کہ قیامت کے روز انکے لیئے ایک لعنت بڑھائی گئی تو دو لعنتین ہو گئین۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے رفد مرفود کے معنی روایت
کئے کہ لعنت دنیا و آخرت کی اور یہی ضحاک و قتادہ کا قول ہی اور لکھا کہ یہ بمانند قولہ تعالی وجعلناہم ائمۃ یدعون الی النار الآیتین
یعنی امام تو ایک کرامت کا لفظ ہی جو پیشوا کیلئے بولتے ہین اور حضرت موسی علیہ السلام کے متبعین مین اللہ تعالی نے ائمہ و پیشوا فرمائے تھے
تو انکے مقابلے مین فرعون و اُسکے اشراف کی نسبت بطریق تہکم کے فرمایا کہ ہم نے اُنکو جہنم کی طرف دعوت کرنیوالے پیشوا بنائے یعنی جنھون نے
انکی پیروی کی انکو وے جہنم کو لیگئے حالانکہ یہ اُن کے حق مین کمال مذمت ہی چنانچہ کہا جاتا ہی کہ یہ تو کتنی بری پیشوائی ہی اللہ تعالی ایسے
پیشوا ہونے سے محفوظ رکھے۔ ف فی العرائس قولہ ولقد ارسلنا موسی بآیاتنا الآیۃ۔ آیات مین سے تھا کہ حضرت موسیٰ کو قدرت ہوئی کہ
جانوا جلال و جمال حقائق و معارف پائے انسے صالح بندون کو آگاہ فرماوین اور معارف و صفات کو اہل الخیر والصدق مین پھیلادین
اور سلطان مبین وہ آثار ہین جو نور ازلیت اور برق محبت سے ظاہر ہوتے تھے کما فی قولہ والقیت علیک محبۃ منی۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ
آیات مین وہ قوت تامہ بھی تھی جو کلام الٰہی سننے کے وقت فنا ہونے سے ظاہر ہے اور سلطان وہ انبساط تھا جس سے دیدار کا سوال کیا
جعفرؒ نے کہا کہ آیات مین سے ہی کہ اللہ تعالی کے بندون مین سے اولیاء کے ساتھ متواضع اور اعداء کے ساتھ متکبر ہو بعض نے کہا
کہ آیات مین سے خلق کو انکی محبت ہی اور سلطان اس محبت مین ہیبت ہی۔ اب جاننا چاہیئے کہ اس سورت شریفہ مین سات تذکرہ
اس اُمت سے اگلون کے اسواسطے ذکر فرمائے کہ تمام بنی آدم یکسان اللہ تعالی کی مخلوق ہین وہ اُن پر ہر حال مین ہر طرح قادر ہے
تو اس اُمت والے ان واقعات سے عبرت حاصل کرین کہ اس دنیا سے فنا ہونا مثل اُنکے ضرور ہی پھر سعادت پر مرنا بیشک بدبختی پر
مرنے سے اچھا ہی اور سعادت ظاہر ہی کہ اگلون کو اُنکے انبیاء کی پیروی مین تھے ورنہ اپنی رائے سے اُنھون نے دنیا کی بہت کچھ ثروت
حاصل کر رکھی تھی اور نبوت کا اُن مین طریقہ برابر چلا آیا پھر نبوت کے انکار سے بدبخت ہوئے اور آخر کس حد تک اُنھون نے تجاوز کیا جب
عذاب اسی زندگی سے شروع ہو گیا اور سبب انکار و سرکشی کا یہی ہوا کہ فنا ہونا جو ہر شخص کے نزدیک یقینی ہی اُس سے غفلت کر گئے
اور باعث غفلت کا یہی دنیا کی لذتین و مال و منال و آل و اولاد و مکان و جائداد اور فخر و ناموری وغیرہ آخرت سے غافل کرنیوالی باتین
واقع ہوئین اور اپنے جی کی خواہش پر تکیہ لگا کر جھگڑالو بنکر الٹی سمجھنے لگے تو مزا اُسکا خود اُنھین پر واقع ہوا کیونکہ پیدا کرنیوالا تو مٹنے و پھر
پیدا کرنے پر ہزار بار قادر ہی اور جس نے یہ عجائب کارخانہ دنیا پیدا کیا وہ اس سے افضل و اعلی اور ہزار پیدا کر سکتا ہی تو خواہشین و لذت کی
چیزین اسی پر مقصود نہین ہین لہذا عبرت حاصل کر کے فنا کو پیش نظر کر کے نبوت کو اعلی نعمت جانکر پیروی کر کے نعمت باقیہ حاصل کرین ورنہ
عذاب سے ڈرین کہ جسطرح اگلون کے ساتھ ہوا انکے ساتھ ہو۔ لہذا اللہ تعالی جل سلطانہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو خطاب فرمایا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ○ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

یہ تھوڑے احوال ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجکو کوئی اُنمیں قائم ہے اور کوئی کٹ گیا اور ہم نے اُن پر ظلم نہ کیا

وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

لیکن ظلم کر گئے اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ آئے اُن کے ٹھاکر جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے

مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ○ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ

کسی چیز میں جب پہونچا حکم تیرے رب کا اور کچھ نہ بڑھایا اُن کے حق میں سوائے ہلاک کرنا اور ایسی ہی ہے پکڑ

رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

تیرے رب کی جب پکڑتا ہی بستیوں کو اور وہ ظلم کر رہے ہیں بیشک اسکی پکڑ دُکھ دینی ہی زور کی اس بات میں

لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ○

نشانی ہی اُسکو جو ڈرتا ہی آخرت کے عذاب سے وہ دن ہی جس دن میں جمع ہوں گے سب لوگ اور وہ دن ہے دیکھنے کا

ذٰلِكَ ۔ یہ سب ہولناک و عبرتناک قصص جو اس سورہ میں اوپر مذکور ہوئے مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى ۔ چند قریہ کے اخبار ون میں سے ہیں نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ ۔ ہم اسکو تجھے سنواتے ہیں تاکہ تو اپنی قوم کو سنائے کہ وے عبرت حاصل کریں اور عذاب کے لئے نشانہ ہوں آہین اشارہ ہی کہ اگلی اُمتوں میں صرف اسی قدر واقع نہیں ہیں بلکہ یہ صرف چند قریہ کے حالات ہیں جن سے عرب واقف تھے اور اُنکے حالات بھی سب نہیں ہیں چنانچہ جن سے عبرت کی غرض نہ تھی اُنکو ذکر نہیں فرمایا اسی واسطے علمائے حقانی ان قصوں میں سے صرف اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اور زائد حالات سے کچھ تعرض نہیں کرتے ہیں پھر گویا عبرت حاصل کرنیوالے کو خیال ہوا کہ یہ قریہ کیا ہوئے تو فرمایا مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۔ اُن میں سے بعضے قائم ہیں جیسے کھیتی کے درخت کھڑے ہوتے ہیں اور بعضے محصود ہیں جیسے کھیتی کٹی ہوئی ہوتی ہے ۔ قال الشیخ منہا قائم یعنی معمور آباد ہیں وحصید تباہ ہیں اور ون نے کہا کہ یہی ابن عباس رض سے مروی ہی ۔ قتادہ رح نے کہا کہ قائم جنکا ٹھکانا پہچان پڑتا ہی اور حصید جنکا اثر بھی نہیں ہی ۔ اقول حدیث صحیح میں مروی ہی کہ تبوک کو جہاد کیلئے جاتے ہوئے لشکر کا گذر قوم ثمود کے قریہ سے ہوا اور عرب انکو خوب جانتے تھے تو آنحضرت صلعم نے انکو وہ کنواں بتلایا جو ثمود کا تھا اور ناقہ کے آنے کا نالہ اور لوٹتے وقت دوسرے نالہ سے جانے کا پتہ بتلایا اور قوم میں سے جس نے اس کنوین سے پانی لیا تھا انکی ہانڈی تک لنڈھوا دی اور مع لشکر دوسرے کنوین پہ اُترے جو شہر سے باہر تھا اور بعضے لوگ اس قریہ میں نشانات دیکھنے گئے تھے اُنکو بلوایا اور کہا کہ معذب قوم میں مت جاؤ اور یہاں سے روتے ہوئے گذرو وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا یعنی جو اُن پر واقع ہوا عذاب ہلاک تو یہ ہماری طرف سے اُن پر ظلم نہ تھا سو وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ۔ ولیکن اُنھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کیونکہ خالق عزوجل سے کفر و اسکی رضا کے برخلاف قبیح اعمال کئے اور بتوں کو اپنا معبود بنایا اور یہ مستوجب عذاب ہے فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ اُنکو نفع نہ دیا عذاب الٰہی اُن پر سے دور کرنے میں اُنکے معبودوں نے ۔ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے پوجتے تھے ۔ مِنْ شَيْءٍ ۔ کچھ بھی لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ہرگاہ کہ اُن پر تیرے پروردگار کا عذاب آیا یعنی ان لوگوں نے اپنے خالق سے کفر کرکے بتوں وغیرہ کو اپنا معبود بنایا تھا اور اُن کو قدرت والا جانتے کہ مصیبت ڈالتے اور بھلائی دیتے ہیں یعنی ان کو ہر طرح نفع و ضرر دینے والا جانتے تھے

تو جب اُن پر عذاب الٰہی آیا تو اُن پر سے عذاب کو اُنکے یہ معبود کچھ بھی دور نہ کر سکے اور کچھ بھی نفع نہ دے سکے اور کچھ بھی کام نہ آئے۔ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ۔ اور نہ بڑھایا اُن کے معبودون نے اُن کے حق مین سوائے ہلاک کے یعنی انہین معبودون کی بدولت یہ لوگ ہلاک ہوئے اور کچھ بھی اُنکو فائدہ نہ دیا۔ اولیاء کرام نے فرمایا کہ جو کوئی چیز تجکو اللہ تعالیٰ سے غافل کر کے اپنی طرف متوجہ کرے وہی تیرے حق مین طاغوت ہو اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کی ہوائے نفس کو اُسکا معبود بتلایا لقولہ افرایت من اتخذ الٰہہ ہواہ۔ اور سوائے اللہ تعالیٰ کے غیر کی پرستش کرنا بڑا سخت ظلم ہو پھر بھی حق تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب گرفتار فرماتا ہو تو رہائی نہین ہوتی پھر ممکن ہے کہ دنیاوی زندگی بھر مہلت ہو اور موت کے وقت عذاب مین گرفتار ہو پھر رہائی نہین ہو۔ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ۔ اور ایسے ہی ہوتا ہو گرفتار کرنا تیرے پروردگار کا۔ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى۔ جب اُسنے کسی بستی والون کو پکڑا یعنی عذاب مین گرفتار کیا۔ وَهِيَ ظَالِمَةٌ۔ درحالیکہ یہ قریہ ظالم ہو یعنی کثرت گناہ ونافرمانیون سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوتے ہین تو اسی طرح عذاب مین پکڑتا ہو کہ کوئی اُن کو رہا کرنے کی مجال نہین رکھتا۔ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔ بیشک اُسکا عذاب کافرون کے حق مین سخت دردناک ہو تو لوگ دوستے رہین کہ اسی چلدروزہ زندگی مین نیکی ورضائے الٰہی کو بتوفیق الٰہی ستدعا کرین۔ ورنہ عذاب مین گرفتار ہون گے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ بندہ ظالم کو ڈھیل دیدیتا ہو حتیٰ کہ جب اُسکو گرفتار کرلیتا ہو تو پھر اسکو رہائی نہین دیتا ہو پھر یہی آیت پڑھی۔ کما فی صحیح البخاری ومسلم۔ واضح ہو کہ ظالم کا حال زمانہ مہلت مین نہایت خوفناک ہوتا ہو کیونکہ کمال جہالت سے وہ سمجھتا ہو کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہو کہ مجکو اسقدر مال ودولت دیدی اور کبھی تکلیف وبیماری بھی نہین ہوتی ہو اور جاننا چاہیئے کہ جسکو عاقبت کی بھلائی نہین ہوتی اسکو یہان اسکی خواہشین مال ودولت وآل واولاد بہت کچھ دیدی جاتی ہین جیسا کہ دوسرے مقام کی آیات سے ظاہر ہے تو اس سے وہ اپنے کو اچھا سمجھتا ہو آخر یکایک عذاب مین پڑجاتا ہے اسیواسطے بعضے مشائخ کرام نے کہا کہ امن کی حالت زیادہ خوفناک ہوتی ہو کیونکہ مشتبہ رہتا ہو کہ یہ ظالم کی مہلت ہو یا فضل الٰہی ہو اور جس نے یہ سمجھا کہ آیت شریف کا حکم اگلی امتون کے ظالمون کیواسطے مخصوص تھا تو اُسنے آیت کے معنی نہ سمجھے اور حدیث موصوفہ بالا بھول گیا صرف اپنے نفس وشیطان کے وسوسہ پر تکیہ لگا کر بیٹھ رہا اب کلام الٰہی سے عبرت حاصل نہین کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ۔ بیشک اس گزشتہ مین یا ان قصص مین عبرت ہو ہر ایسے شخص کیلئے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہو یعنی ایمان لایا کیونکہ جو نہین ڈرا اور آخرت پر ایمان نہ لایا اُسکا تو وہ حال ہو جو اگلی امتون کا ہوا اور نصیحت وعبرت اُسی کو ہوگی جو آخرت پر ایمان لاوے اور اُس سے ڈرے تو ویسی حرکتین نہ کریگا کہ عذاب یاد دے بعض اہل العلم نے بتوفیق الٰہی کہا کہ اس کلام مین ایک لطیف اشارہ ہو کہ اس اُمت کے ظالم لوگ اسطرح عذاب مین ماخوذ نہ ہونگے جیسے اگلی قومین ماخوذ ہوئین کیونکہ یہ نہین فرمایا کہ عبرت ہو اُسکے لئے جو عذاب الٰہی سے ڈرے بلکہ عذاب الاخرۃ فرمایا یعنی عذاب الحیوۃ الاٰخرۃ یا عذاب النشاۃ الاٰخرۃ۔ تو معلوم ہوا کہ عذاب الحیوۃ الدنیا کی عبرت اب ایک خاص حکمت کیوجہ سے نہ ہوگی اور حدیث صحیح سے ثابت ہو کہ آنحضرتؐ نے درگاہ الٰہی مین دعا فرمائی تھی کہ حیات دنیا کے عذاب سے اس اُمت کو عفو فرمایا جائے اور اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی ہو اسیواسطے تو دیکھتا ہو کہ اس اُمت مین اگلون سے زیادہ ظالم ہین لیکن عذاب ظاہری مین گرفتار نہین ہوتے ہین اور یہ بڑا معجزہ تمام قومون کیلئے ظاہر ثابت ہو لیکن اس سے یہ لازم نہین کہ آخرت مین عذاب نہو بلکہ آیات واحادیث صریح متواتر ہین کہ مرتے ہی عذاب القبر شروع ہوجاتا ہو لہذا عبرت یہ ہو کہ اسی زندگی

مین عذاب سے خوفناک ہوکر توبہ و استغفار کرے کیونکہ یہ بھی عام رحمت و خاص رحمت ہے کہ کوئی بندہ کیسا ہی گنہگار حتی کہ کافر و مشرک ہو پھر
وہ آخرت پر ایمان لاکر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اسکو پاک بخشدیتا ہے گویا آج اپنی مان کے پیٹ سے پیدا ہوا اور کافر نے حالت
کفر مین اگر خون بھی کیا ہو وہ بھی معاف ہوجاتا ہے کیونکہ پہلے ایمان و بندگی کے بعد کافر کو نورانی علم حاصل ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ مین حالت
کفر مین اگرچہ خوش خوراک خوش پوشاک اور بڑا باتونی اور بڑی عمدہ تدبیر والا اور بہت عقلمند تاجر تھا لیکن بلاشبہہ مین جانور کے مثل تھا
تو جانور اگر خون کرے معاف ہونے کے قابل ہے اور اگر ایمان نہ لایا تو ہرگز معاف نہو کیونکہ جانور وہ خود بنا تھا پیدائشی جانور نہین ہے اور جسکو
ذرہ برابر سمجھ ہو وہ دنیا کے لوگون و پیدائشی حالتون مین ذرا انصاف کی نظر سے دیکھکر جان جائیگا کہ سب کے لیئے ایک اور پیدائش و دوسرا گھر
ضرور ہے پھر جب ابتدائے خلقت سے لیکر حضرت خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین تمام سب پیغمبرون نے متواتر آگاہ فرمایا کہ اے لوگو تمھاری
جزا و سزا کیلیے دوسرا جہان ہے تو یقین قطعی ہو گیا کہ یہ دنیا اور یہ زندگانی خوب نیکی و بندگی کیلیے ہے جسکا آرام و انعام و ثواب دوسرے جہان
مین غیر متناہی اور آدمی کی ہوس سے بڑھکر ہے اور جس نے بدکاری کی اسپر عذاب بھی وہم و گمان سے باہر ہے چنانچہ بعضی قومون کو جن کی نافرمانی
پر غضب آیا اسی جہان مین طاری ہو گیا جس سے نیک بندون نے عبرت حاصل کی اور عذاب الآخرۃ سے ڈرے پھر اس آخرت کا حال فرمایا ذٰلِكَ
يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ - یہ روز آخرت ایسا دن ہے کہ اسمین سب لوگ جمع کیے جاوینگے اور یہ ایسا دن ہے
کہ مشہود ہوگا یعنی سب اہل محشر اسمین شاہد و حاضر ہونگے یا بجملہ خلائق جن و انسان و چرند و پرند وغیرہ یا سب آسمانی و زمینی حاضر ہونگے
یا اسمین شہادت ادا ہوگی ف بعض اشارات اس مقام کے عرائس البیان مین ہین قولہ تعالیٰ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وہی ظالمۃ
اسمین ایسے لوگون کے حق مین دھمکی ہے جو دنیاوی نعمتون مین پڑکر ایسے غافل ہوگئے کہ نعمت کی محبت مین نعمت دینے والے سے انقطاع
کرلیا۔ شیخ ابوبکر الوراق رح نے کہا کہ جب حق تعالیٰ کسی پر خشم فرماتا ہے تو اسکو دنیا کی نعمت بہت دیدیتا ہے اور اسکا شکر کرنے سے غفلت
نصیب ہوتی ہے اور اسکے دل سے توفیق جاتی رہتی ہے اور آخرت سے منقطع ہوکر مہمل ہوجاتا ہے اور اسی دنیاوی نعمت پر مغرور ہوکر ایسے
گناہون کا مرتکب ہوتا ہے جو مستوجب گرفتاری عذاب مین تو وہ ناگاہ غفلت ہی مین بدون توبہ و استغفار کے عذاب مین گرفتار ہوجاتا
ہے اقول شیخ ابوبکر الوراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے حق مین یہ حال بیان فرمایا جسنے دنیاوی نعمت کو شرعی حلال طریقہ سے حاصل کیا
ولیکن اسکی محبت مین آخرت سے غافل ہوگیا پھر وائے برحال ان لوگون کے جو بدون مال کے صرف ہوس پر دل مین اسکی محبت ایسی
بھر لیتے ہین کہ حالت افلاس ہی مین آخرت سے غافل ہوتے ہین اور مال تو مثال ہے کوئی چیز دنیاوی ہو یکسان ہے پھر کبھی ایمان سلب
ہوجانیکے بعد اسکو آخرت کے عوض حرام و حلال کسی طریقہ سے یہ چیز حاصل ہوجاتی ہے اور کبھی یون ہی محروم مرجاتا ہے بس خسر الدنیا والآخرۃ کا
مصداق ہوجاتا ہے حالانکہ مقدر سے زائد ملنا ممکن نہین ہے اور جب خود فانی ہے تو یہ اموال و اسباب بدرجۂ اولیٰ فانی ہین تو بہتر تھا کہ دار آخرت باقی
کا ذخیرہ وہان جمع کرتا بعد یقین واثق و ایمان کامل کے کیونکہ روز قیامت برحق ہے۔ قولہ تعالیٰ ذلک یوم مجموع لہ الناس الآیۃ۔ اسمین عارفین
تو دیدار جلال و مشاہدہ عظمت و کبریاء کیلیے حاضر ہونگے اور محبین وصال و جمال و لقاء باقی کے واسطے یکجا ہونگے اور موحدین جن کو
سوائے واحد کے کچھ بھی یہان مشاہدہ نہین ہے وے دیدار قدم و شہود ازل کیلیے مجتمع ہونگے اور یہی لوگ اہل الصبر ہین کہ بار دنیا مین طوارق
تقدیر و سطوات عظمت پر صابر ہوکر ہین اہل الجمع و الشہود تھے ابو سعید الخراز رح نے فرمایا کہ جس نے حقیقت مین الجمع سے معائنہ کیا اسکو مجمع
قیامت مین ہول نہوگا اور جو کشف المشاہدہ مین تھے اسکو شہود قیامت سے تعجب ہوگا کیونکہ انکشاف کشفی مطابق حقیقی اسکو حصول تھا

یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایام تین ہیں ایک یوم مفقود ہے دوم یوم مشہود سوم یوم مورود اور چہارم یوم موعود پنجم یوم ممدود پس یوم مفقود جو گزر گیا تو استغفار و توبہ سے مکافات ممکن نہیں اسکو حسرت سے یاد رکھ کہ میں نے اسمیں کیسی تقصیر کی ہے یوم مشہود یہ روز ہے جسمیں تو حاضر ہے توجسقدر تجھ سے ممکن ہے زاد راہ جمع کر لے۔ یوم مورود وہ ہے کہ ابھی تجکو معلوم نہیں کہ وہ تیرے لئے ہے یا تو اُسکے لئے ہے یعنی شاید یہ تیرے زمانہ کا نہو اور وہ کل کا روز ہے تو اسکے بھروسہ پر مت بیٹھ اور اُسکے اہتمام میں مشغول مت ہو۔ یوم موعود اپنے دل میں یاد رکھ کبھی کسی حال میں اسکو مت بھول اور اسکے واسطے سامان جمع کر کہ وہی تیرا آخری دن ہے اگرچہ ابھی تجھکو معلوم نہیں کہ وہ کون دن ہوگا مگر آخر ایک روز موت کا قطعی موعود ہے۔ یوم ممدود وہ دن ہے کہ تمام مخلوق محشر میں رب العالمین کے لئے حاضر قائم ہوں گے تو ہر روز اپنے نفس سے اس روز کے سوال و جواب کے لئے حساب کر لیا کر کہ آخر تجھکو یہ کرنا ضروری ہے پھر تو افراط و تفریط کیلئے کیا جواب رکھتا ہے اور اگر کسی کافر کو شبہ ہو کہ

آخر وہ دن کب ہوگا ابھی قائم کیوں نہیں ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ﴿﴾ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ

اور اسکو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدے کی گنتی تک جس دن وہ آویگا نہ بولیگا کوئی جاندار مگر اسکے حکم سے سو ان میں کوئی بدبخت ہے اور

سَعِيدٌ ﴿﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ ﴿﴾ خَالِدِينَ فِيهَا

کوئی نیکبخت سو وہ لوگ جو بدبخت ہیں سو آگ میں ہیں اُن کو وہاں چلانا ہے اور دھاڑنا رہا کریں اُس میں

مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿﴾

جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے

وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ

اور وہ جو نیکبخت ہیں سو جنت میں ہیں رہا کریں اُسمیں جب تک رہے آسمان اور زمین

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ﴿﴾

مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا

وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ۔ اور نہیں تاخیر دیتے ہم اس کو مگر بواسطے مدت معدود کے یعنی ہم نے ایک قلیل مدت مقرر کر دی ہے جسکو کوئی مخلوق سوائے ہمارے نہیں جانتی ہے جب وہ پوری ہوگی اُسوقت اچانک قیامت قائم ہو جائیگی۔ اس مدت کی قلت اسوجہ سے ہے کہ بقاء آخرت غیر متناہی ہے تو دنیا کی مدت کسی قدر ہو محدود ہوگی اور وہ غیر محدود کے مقابلہ میں محض قلیل ہے حالانکہ آدمی سخت احمق ہے جو کمی و بیشی پر نظر کرے اسکے لئے تو دنیا بھی چند روز حیات تک ہے اور قیامت کیلئے اگرچہ آثار بہت مروی ہیں جنکو اس زمانہ میں مشاہدہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ بالکل آثار ظاہر ہیں سوائے چند آثار کے جنکی تعداد چار پانچ تک پہونچتی ہے ان چار پانچ کیلئے جو آثار مروی ہیں سو بھی ظاہر ہوتے جاتے ہیں مثلاً مروی ہے کہ اسوقت امت اسلامیہ کے اخلاق و عادات بگڑ جاوینگے اور نصرانی تمام روئے زمین کے لوگوں سے زیادہ شمار میں اور زیادہ ثروت و قوت میں ہوں گے اور جو آثار ابھی ظاہر نہیں ہوئے از انجملہ یہ ہے کہ تمام زمین میں سے صرف جزیرہ و ایک صوبہ مصر میں اور عرب چند قطعہ معدود مسلمانوں کے قبضہ میں رہ جاوینگے اس امر کیلئے بھی آثار ظاہر ہوتے جاتے ہیں از انجملہ ظہور امام مہدی علیہ السلام ہے۔ از انجملہ خروج دجال ہے از انجملہ فتح قسطنطنیہ ہے پھر اسکے آثار بھی قریب ہیں اور رہے

آثار صغری مثل کثرت زنا و شراب خواری و فساد علماء و کثرت دروغگوئی و مسجد مین دنیاوی باتین و توحید کے نام سے شرک کرنا اور جاہلون
کا جاہل کو پیشوا بنا کر گمراہ ہونا اور مانند اسکے جو بکثرت مذکور ہین وہ غالباً سب ہی پائے جاتے ہین اور رہا قیامت کا علم سوائے اللہ تعالی کے کسی
پیغمبر کو بھی نہین تو یہ قرآن مجید و صحاح احادیث مین صریح مذکور ہے اور علماء سب اسپر متفق ہین اور اچانک قائم ہونا تو حدیث صحیح مین یہ مضمون
ہے کہ آدمی بازار مین کپڑا خرید کر ہاتھ مین لئے ہوگا اور عربی آدمی اپنے اونٹ کے پانی پلانے کا حوض درست کرتا ہوگا کہ ناگاہ صور کی آواز
سے وہین ہاتھ جیسے ہوگا ویسا ہی رہجائیگا پھر حشر وصلا ایک واقعہ سخت ہولناک و عظیم ہے سوائے کافر و جاہل کے کوئی اس ہولناک واقعہ کیلئے
آمادہ نہین ہے الغرض قیامت ہولناک کی تاخیر اسوجہ سے ہے کہ علم الٰہی مین دنیا کی انتہا کیلئے ایک مدت قلیل بہ نسبت آخرت کے مقدر ہے
اسوقت تک نسل آدم جنکا ظہور مقدر ہوا ہے ظاہر ہوجائیگی اور حکمت بالغہ الٰہیہ اسکی مقتضی ہے یَوْمَ یَأْتِ یاتی یوم القیامۃ - لَا تَكَلَّمُ لا تکلم
نَفْسٌ - جس روز آجائے گی قیامت تو نہ بول سکے گا کوئی نفس - اِلَّا بِاِذْنِهٖ - مگر اللہ تعالی کی اجازت سے یعنی کسی کو اُس دن بولنے کی
مجال نہوگی بسبب ہول وقائع اور ظہور جلال و غضب الٰہی کے مگر وہی بول سکے گا جسکو اجازت ہوگی اور وہ بھی قول صواب کہیگا
صحیحین کی حدیث شفاعت مین مذکور ہے کہ اُسدن کوئی شخص بات نکرسکے گا سوائے رسولون کے اور رسول بھی یہی کہین گے یارب سلم سلم
یعنی اے رب ہمارے سلامتی سلامتی - اگر کہا جاوے کہ دیگر آیات مین تو مذکور ہے کہ کفار مکر جاوینگے اور اپنی طرف سے جھوٹ بولینگے کقولہ تعالی
یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسها - اور مثل قولہ تعالی ربنا ما کنا مشرکین اور عدم کلام کی دوسری آیت ہے قولہ یوم لا ینطقون ولا یؤذن لہم فیعتذرون
تو حضرت ابن عباس وغیرہم سے یہ جواب مروی ہے کہ اس روز دن مین مواقف متعدد ہون گے مثلاً اول مین بسبب حیرت و ہیبت کے زبان
سے بول نہ پھوٹے گا پھر بقدرت الٰہیہ نہ بول سکین گے بلکہ ان کے اعضاء و جوارح انکی بداعمالیون کی گواہی دینگے پھر حق تعالی کی
بخشش و انبیاء و مومنین یعنی صدیقین و شہداء و صالحین کی شفاعت سے نجات دیکھکر کفار مکر سے منکر ہونے لگین گے کہ ہم بھی مشرک نہ
تھے اور اس مقام پر دیگر اقوال بھی ہین اور ظاہر ہے کہ آخرت کے معاملات سے جسقدر فہم ہے کچھ سمجھ مین آسکتا ہے اور سمجھدار جانتا ہے کہ اکثر
امور آخرت دنیا کے قیاسات پر موافق نہین ہوسکتے ہین اور بیشبہ آدمی بڑا احمق ہے کہ جب اسکو دنیا مین اپنی روح و نفس کا علم جو اسکے اندر موجود
ہے نہین ہوسکتا تو وہ آخرت مین کیا گفتگو کرتا ہے جب اسکو رسول کی رسالت حقہ کی تصدیق ہوگئی تو جو کچھ رسول علیہ السلام نے فرمایا ضرور
صحیح و درست ہے یعنی جو کچھ قرآن کلام الٰہی مین مذکور ہے بالکل صحیح ہے - واضح ہو کہ اس آیت مین بلاغت بدیع کے تین نوع جمع ہین اول تو
اجتماع بقولہ لا تکلم نفس پھر افتراق بقولہ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ - پس ان نفوس مجتمعہ مین سے بعضے شقی ہون گے اور بعضے سعید ہونگے
پھر تیسری نوع تقسیم اور وہ آگے آتی ہے - پھر شقی بدبخت بداعمال وہ ہین جن کے حق مین شقاوت ازلی مقدر ہوچکی ہے اور سعید نیک بخت
نیکوکار وہ ہین جو ازلی برگزیدہ محبوب بندے ہین اور ازلی تقدیر کے یہ معنی ہین کہ خالق تمام مخلوقات غیر متناہیہ کا علیم خبیر ہے اسکی شان
مین جہل و نادانی کا لفظ جائز نہین ہے پس یہان یہ سوال ہے کہ جسوقت اسنے مثلاً زید کو پیدا کیا تو اسکا یہ علم تھا کہ یہ بندہ ایسے ایسے کام کریگا
یا نہ تھا اگر نہ تھا تو نادانی ہوئی اور یہ جہالت کا اعتقاد بالکل کفر و محض حماقت و جہالت ہے بلکہ خالق علیم ضرور جانتا تھا اور اُسکے علم سے
برخلاف دنیا مین زید سے واقع نہ ہوگا بلکہ وہی واقع ہوگا جو علم الٰہی مین تھا پس یہی ازلی سعادت یا شقاوت ہے حضرت عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی فمنہم شقی و سعید - تو مین نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ جو عمل کرتے ہین وہ کس طرح پر
ہے آیا ایسی وجہ پر ہے کہ اُس سے فراغت ہوچکی یا فراغت نہین ہوئی ہے فرمایا کہ اے عمر اُس سے فراغت ہوچکی اور قلم اسکو لکھ چکے ولیکن

ہر شخص کو وہی کام میسر آویگا جسکے واسطے وہ مخلوق ہوا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی و ابو یعلیٰ و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابوالشیخ
و ابن مردویہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ حدیث حسن ہے اور یہ مضمون تو صحیحین میں ثابت ہے پھر جاننا چاہیے کہ یہاں دو قسم مذکور ہیں
ایک شقی دوم سعید اور بعض سلف نے زعم کیا کہ تیسری قسم اور باقی رہی اور یہ وہ لوگ ہیں جنکی بدی و نیکی مساوی ہوں یا نیکی و بدی کچھ نہ ہوں
جیسے اطفال و مجنون اور لکھا کہ یہ قسم مشیت الٰہی میں ہے جو چاہے حکم کرے و اقول یہ غلط بحث ہے اور تحقیق یہ ہے کہ تقسیم بندوں کی گر باعتبار
اعمال کے ہو مثلاً کہا جاوے کہ مومن یا کافر پھر مومن میں اقسام ہیں تو مومن کے اقسام میں البتہ کئی صورتیں نکلتی ہیں پھر بھی وے سب سعید ہیں
کیونکہ عدم خلود ان کے حق میں ثابت ہے و لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے بندوں کی تقسیم باعتبار اپنے علم ازلی کے فرمائی ہے پس وہ دو ہی قسم ہیں
سعید یا شقی اور اُن کے سوائے تیسری قسم نہیں ہے یا کہا جاوے کہ مومن و کافر تو تیسری قسم نہیں ہے البتہ معتزلہ ایک منزلہ دونوں کے
بیچ میں قائم کرتے ہیں اور وہ قول مردود ہے اور جہنم میں فی الجملہ عذاب ہونا جیسے مومن ہے ویسے خارج نہیں کرتا ویسے ہی سعادت سے
خارج نہیں کرتا اور اطفال کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ شقی ہیں یا سعید ہیں ہاں بندوں میں سے اہل علم پر یہ مسئلہ مشکل ہوا اور جمہور اسی طرف
ہیں کہ معذب ہوں گے اور مومنوں کے اطفال کی نسبت گویا اتفاق ہے کہ وہ مغفور ہیں جیسا کہ کلام امام نووی ؒ وغیرہ دلالت کرتا ہے
واللہ تعالیٰ اعلم اور سابق میں یہ بحث قولہ تعالیٰ ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس الآیۃ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شقی وہ ہیں جو
ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور سعید وہ ہیں جو ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور گنہگار مومن جب ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے تو وے سعید ہیں کیونکہ
جنت میں جس وقت سے داخل کیے جاویں گے پھر اسمیں ہمیشہ رہیں گے تو تیسری قسم کوئی خارج از علم الٰہی نہیں ہے غایت یہ ہے کہ ہم کو نہیں معلوم کہ اطفال
و مجنون میں کون سعید و کون شقی ہے اور یہ تو درحقیقت عاقل و بالغ میں بھی مشتبہ ہے۔ یہاں ایک نکتہ اور ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قولہ منہم شقی و سعید
میں پہلے شقی کو کیوں ذکر فرمایا تو اہل البیان نے کہا کہ مقام چونکہ ڈرانے و عبرت دلانے کا ہے لہٰذا اسکو مقدم کیا اور میں کہتا ہوں کہ پہلے
شقی کو بیان کر کے اسکی تفصیل کر دی کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو جس وقت سے دوزخ میں داخل ہونگے ہمیشہ اسی میں رہیں گے تو معلوم ہوا کہ سعید
وہ ہیں جو جنت میں جس وقت سے داخل ہونگے ہمیشہ اسمیں رہیں گے اور اس سے نکل آیا کہ گنہگار مومنوں پر شقی صادق نہیں آیا اسلیے کہ ان کو
دوزخ میں خلود نہیں ہے پس ضرور سعید صادق آیا اور معنی یہ ہوئے کہ جب سے جنت میں جاویں گے اگرچہ عذاب دوزخ اٹھا کر ایک زمانہ کے بعد
جاویں تب سے ہمیشہ جنت میں رہیں گے چنانچہ تفصیل ہر دو قسم میں فرمایا۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا پس جو لوگ کہ شقی ہوئے ہیں یعنی علم الٰہی میں
انکی شقاوت مقدر ہوئی ہے فَفِی النَّارِ تو وے دوزخ میں ہیں۔ یہاں کوئی فعل نہیں ذکر کیا کہ جس سے جملہ فعلیہ ہو جاوے اور فعلیہ جملہ
ہمیشگی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اسکو جملہ اسمیہ فرمایا جس سے عرب اپنی زبان میں ہمیشگی کے معنی سمجھتے ہیں تو اس سے نکلا کہ وے ہمیشہ دوزخ
میں ہیں۔ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ اُن کے لیے دوزخ میں زفیر و شہیق ہے یعنی اس حالت پر کرب و غم والم میں رہیں گے۔ زجاج
نے کہا کہ بصری و کوفی زباندان لوگ کہتے ہیں کہ زفیر تو گدھے کی شروع آواز کے مانند ہے اور شہیق اسکی آخر کی بلند آواز کے مثل ہے۔ اسکی مثال
یہ ہے کہ جیسے کسی کے دل پر آگ کی طپش ہو رہی اور اسکی روح گھٹ گئی تو یکایک اسکی آواز باریک بھی ہوئی نکلی پھر آخر میں گدھے کی طرح بیایا
اور زجاج کے مانند بیہقی کی تفسیر بھی ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ اہل دوزخ آگ کی جلن و قلب کی طپش سے نہایت غم والم میں ہو کر
پہلے زفیر نکالیں گے پھر انکی آواز شہیق ہوگی۔ پھر حضرت خالق قادر مختار مطلق نے تصریح فرمائی کہ اس حالت پر وے لوگ ہمیشہ رہیں گے
بقولہ۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ہمیشہ اسمیں اسی حال پر جیتے رہیں گے جب سے داخل کیے جاویں گے جبتک

لم الزواہر
الدرالکامنین
خازن معالم
فتح البیان ۷

برابر قائم رہین آسمان و زمین ۔ ما مصدریہ و دامت بمعنی قامت و بقیت یعنی تا دوام آسمان و زمین ۔ اگر کہا جاوے کہ آسمان و زمین تو برابر قائم نہین رہین گے بلکہ مدت دنیا پوری ہونے کے بعد آخرت کے روز یہ بھی زائل ہون گے جیسا کہ آیات و احادیث مین مصرح ہے تو کفار کا عذاب جہنم صرف اسی وقت تک منتہی ہوا حالانکہ دیگر آیات و احادیث سے ثبوت ہو کہ عذاب کفار دائمی ہوگا کبھی اس کا انقطاع نہین ہی تو جواب دیا گیا کہ آسمان و زمین سے یہ آسمان و زمین دنیاوی مراد نہین ہو اسوجہ سے کہ دنیا کے وجود تک کفار داخل جہنم نہونگے بلکہ بعد قیامت کے جاوین گے اور اُسوقت یہ آسمان و زمین نہ ہوگا بلکہ مراد آخرت کا آسمان و زمین ہو کیونکہ قولہ تعالےٰ یوم تبدل الارض غیر الارض الآیۃ سے ثابت ہو کہ دوسرا آسمان و زمین بدلا جاویگا جو ہمیشہ باقی رہیگا تو کفار کا عذاب بھی ہمیشہ رہیگا ۔ اور بعض نے جواب دیا کہ یہ عرب کے محاورہ پر ہو اور اللہ تعالیٰ نے عرب سے انکے محاورہ پر کلام فرمایا ہو چنانچہ عرب جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے ہین تو کہتے ہین ہو دائم مادامت السموات والارض ۔ یہ ہمیشہ رہیگا بدوام آسمان و زمین اور کہتے ہین کہ الیٰ ما اختلف اللیل والنہار جبتک رات دن آگے پیچھے باری باری آتے ہین تب تک نہ رہ یعنی ہمیشہ تو قولہ مادامت السموات والارض سے صرف یہ معنی مراد ہین کہ ہمیشہ جسکا انقطاع نہین ہو اور یہ معنی لفظ سے ماخوذ نہین بلکہ انکے محاورہ سے مستنبط ہین اور بعض نے جواب دیا کہ اس سے مراد یہی آسمان و زمین دنیاوی ہو اور کلام سے مقصود اس آسمان و زمین کے باقی رہنے کی مدت ہو تو عوام جو محسوسات کے پابند ہین ان دونون کے باقی رہنے کی مدت بہت دراز جانتے ہین پس خوفناک ہونگے کہ زفیر و شہیق کی تکلیف کے ساتھ اسقدر دراز مدت تک عذاب سہنا ہوگا پھر اس عذاب کا دوام بتلا دیا بقولہ ۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ۔ الا اسقدر کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی یہ مدت دراز جس سے خوفناک ہوئے یہ تو تمھارے خیال مین آئی اور اُسپر اور زیادہ مشیت الٰہی مین ہو جسکی مقدار نہین بتلائی ولیکن دیگر آیات و احادیث سے معلوم ہو کہ وہ بے انتہا رہے ۔ چنانچہ صحیح حدیث مین یہ مضمون وارد ہو کہ جب جنتی جنت مین اور دوزخی دوزخ مین داخل ہو جاوینگے یعنی گنہگار مومن اور رائی برابر ایمان والے بھی بشفاعت و خاصہ رحمت الٰہی جہنم سے نکالکر جنت مین داخل کردیے جاوین گے اور دوزخ مین کوئی بھلائی والا نہین رہے گا سوائے ایسی قوم کے جنپر عذاب قطعی ہی تو اسوقت موت ایک مینڈھے کی صورت لاکر جنت و دوزخ کے بیچ مین ذبح کردیجائے گی اور پکار دیا جائیگا کہ اے اہل جنت ہمیشگی ہو اور کبھی موت نہ آویگی اور اے دوزخیو ہمیشگی ہو اور کبھی موت نہ آویگی ۔ واضح ہو کہ اس تقریر پر یہ مشکل ضرور پیش آویگی کہ الا حرف استثنار اپنے معنی پر نہین ہو کیونکہ اس تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ جہنم والے جب اسمین داخل ہون گے تو مدت بقار آسمان و زمین تک مع اور زیادہ بے انتہا مدت کے وہین رہین گے اور الا حرف استثنار ہو چاہیے تھا کہ دوام بقار آسمان و زمین سے کچھ مستثنیٰ کیا جاتا اور کم کیا جاتا ۔ تو جواب یہ ہو کہ استثنار منقطع ہو اور معنی مین صرف الا بمعنی حرف عطف ہو یعنی الا بمعنی لکن و سوائے وغیرہ ہو یعنی جہنمی اسمین ہمیشہ رہین گے جبتک آسمان و زمین ہین لیکن اس سے زیادہ جبتک اللہ تعالیٰ چاہے یا سوائے اس مدت کے جبتک اللہ تعالیٰ چاہے اور معلوم ہو گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ بے انتہا مدت تک چاہا ہے ۔ ایسا ہی شیخ مفسر سیوطی نے تاویل کو پسند کیا اور جمل نے اسکی توضیح کی ۔ واضح ہو کہ اس آیت کو مفسرین نے مانند متشابہات کے قرار دیا اور طرح طرح کی تاویلین کی ازانجملہ شیخ سیوطی نے اسی تاویل مذکورہ کو اظہر قرار دیا اور یہ اس بنا پر ہو کہ استثنار مذکور خلود سے ہو یعنی تا بقار آسمان و زمین خلود ہوگا سوائے زائد مدت کے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور دیگر اہل علم نے استثنار مین تعدد اقوال پر اختلاف کیا ہو اور مترجم کو پسندیدہ معلوم ہوا کہ نایاب کتب عربیہ کی تلاش سے عموماً کلفت دور کر کے جہان تک علمار نے لکھا ہو آسان تفسیر مین ترجمہ کر دون کہ متوسط درجہ کے اہل علم و ایمان محروم

زمین کیونکہ مقصود علم ہی خواہ کسی عبارت مین ہو بیں مین کہتا ہون کہ شیخ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر مین لکھا کہ قولہ فاما الذین
شقوا ففی النار الآیۃ ـ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سینہ مین گھٹی ہوئی سانس تو زفیر ہے اور زور سے مکروہ آواز سے (مثل گدھے کے)
باہر نکالنا وہ شہیق ہی ـ قولہ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض ـ ابن جریرؒ نے کہا کہ عرب کی عادت ہو کہ جب کسی چیز کا
دوام ہمیشہ ہونا بیان کرتے ہین تو کہتے ہین کہ ہذا دائم بدوام السموات والارض یعنی آسمان و زمین کے دوام کی طرح یہ دائم ہی پس
حق سبحانہ تعالی نے ان سے ان کے عرف کے موافق خطاب فرمایا یعنی اس محاورہ سے وہ ضرور سمجھ لین گے کہ دوزخیون کے لیئے عذاب
مین دوام مراد ہی اور حافظؒ نے کہا کہ مین کہتا ہون کہ آسمان و زمین سے اس موجودہ کے سوائے دوسرا مراد ہو سکتا ہی جو کبھی زائل نہو
اور ایسا آسمان و زمین آخرت ہی ہونا ضرور ہی چنانچہ مجاہدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ ہر جنت کیواسطے علیحدہ آسمان و زمین ہی
رواہ ابن ابی حاتم یعنی تو دوزخ کیلیئے بھی علیحدہ ہوگا اور قولہ الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید یہ قول ایسا ہی جیسے دوسرے
مقام پر فرمایا ـ النار مثواکم خالدین فیہا الا ما شاء اللہ ـ یعنی انکے واسطے خلود ہو گا لیکن اس استثناء مین علماء کے کئی اقوال مختلف ہین
جنکو شیخ ابن الجوزی نے زاد المسیر مین نقل کیا ہی و ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر مین کہا کہ میرے نزدیک مختار وہ قول ہی جو خالد بن معدان
و ضحاک و قتادہ و ابن سنان سے منقول ہی کہ یہ استثناء گنہگار مومنون کی طرف راجع ہے ـ قال المترجم یعنی استثناء اہل جہنم سے
ہے اور معنی یہ ہین کہ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض ـ ہمیشہ جہنم مین رہین گے یہ اشقیاء سب کے سب ـ الا ما شاء ربک ـ
سوائے ان بندون کے جن کو اللہ تعالی چاہے تو وہ ہمیشہ نہ رہین گے بلکہ خارج کر کے جنت مین داخل کیے جاوین گے اور متواتر
اخبار سے صحیح ہوا کہ وہ گنہگار مومنین ہین و اضح ہو کہ اس صورت مین الا ما شاء بمعنی الا من شاء ہو گا کیونکہ من ذوی العقول کے لیئے
آتا ہی اور ما بمعنی من دوسری جگہ مانند قولہ الا ما قد سلف وغیرہ مین بھی آیا ہی اور لکھا کہ بعض سلف سے اسکی تفسیر مین اقوال
غریبہ بھی آئے ہین اور قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالی اپنے کلام کے استثناء سے خوب آگاہ ہے پھر اہل الجنۃ کی آیت مین جو استثناء ہے
یعنی قولہ الا ما شاء ربک عطاء غیر مجذوذ ـ مین کہا کہ مراد یہ ہی کہ اہل جنت کا دوام کچھ بذات خود امر واجب نہین ہی بلکہ اللہ تعالی
کی مشیت پر ہی اور ضحاک و حسن بصری نے کہا کہ یہ گنہگار مومنون کے حق مین ہی یعنی وہ ہمیشہ جنت مین نہین تھے کیونکہ پہلے دوزخ
مین تھے پھر نکال کر جنت مین آئے اقول خالدین فیہا کو جمہور مفسرین نے حال مقدرہ قرار دیا یعنی ان کے حق مین خلود مقدر ہے
جب سے داخل ہون گے اسوقت سے خلود ہی فلیتامل فیہ ـ پھر لکھا کہ اہل جنت کیساتھ قولہ عطاء غیر مجذوذ سے وہم دور کر دیا
کہ یہ دوام کبھی منقطع نہ ہو گا جیسے دوزخیون کا دوام اپنی مشیت پر رکھا ہی اور ظاہر کیا کہ عذاب اہل جہنم کا عدل و حکمت پر ہی لہذا فرمایا
إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ـ بیشبہہ تیرا رب جو چاہے اسکو کرنے پر خوب قادر ہے پھر صحیحین کی حدیث دوام خلود اور ذبح موت
کی ذکر فرمائی ـ اور تلخیص کلام بیضاوی و معالم و سراج و جلالین و کبیر وغیرہ اس مقام پر یہ ہی کہ قولہ خالدین فیہا ما دامت السموات
والارض ـ قید ما دامت السموات کی اسواسطے نہین ہی کہ اہل دوزخ کا دوام عذاب ان دونون کے دوام سے مربوط ہی کیونکہ
نصوص قرآن و حدیث سے صاف ظاہر ہی کہ انکے عذاب کا دوام ہی اور ان دونون کا دوام منقطع ہو گا بلکہ یہ عبارت انکے
دوام عذاب سے ہی اور یہ کثرت درازی عذاب کا بیان ہی اس عبارت کیساتھ جو عرب ایسے موقع پر بولا کرتے تھے بر سبیل تمثیل ـ
اور اگر یہ قید انکی دوام عذاب[1] سے ارتباط کیلیئے بھی ہوتی تب بھی یہ لازم نہین آتا کہ ان دونون کے زوال سے ان کے عذاب کا زوال

[1] دوام عذاب یعنی بیان ہوتا دوام عذاب اتنا کہ دوام آسمان زمین تک ہی ۱۲

ہو جاوے یا عذاب کے دوام سے ان دونون کا دوام لازم آوے ہان مفہوم ہو سکتا ہو کیونکہ دوام عذاب کیلئے ان دونون کا دوام گویا ملزوم ہے ولیکن یہ محقق ہو چکا ہو کہ جہان صریح نص سے کوئی امر ثابت ہو جاوے تو کوئی مفہوم اسکے برخلاف اثبات کیلئے مقابل نہین ہو سکتا کیونکہ منصوص صریح مقدم ہو اسکے سامنے مفہوم کا اعتبار نہین ہی۔ اقول اگر مادامت السموات والارض کو انکے عذاب سے مرتبط کہا جائے تب بھی دونون کے زوال سے عذاب کا زوال لازم نہین ہی اسلئے کہ یہ قید کچھ انکی مقدار عذاب یا نفس عذاب کیلئے شرط نہین اور نہ ملزوم ہے کہ فوات شرط یا زوال ملزوم سے مشروط یا لازم کا وجود نہ رہے بلکہ صرف اسقدر ظاہر ہوا کہ عذاب اسوقت تک ممتد رہیگا کہ جبتک دوام آسمان و زمین ہی اور مفہوم یہ ہی کہ شاید ان دونون کا بھی دوام ہو لیکن نصوص صریح سے دوام عذاب ہمیشہ کیلئے ثابت اور زوال دوام ان دونون کا ثابت ہی تو یہی ثبوت مقدم ہوگا اور معنی یہ مفہوم ہوئے کہ ان دونون کے برابر باقی رہنے تک عذاب رہیگا مگر انحصار نہین کہ پھر نہ ہوگا کیونکہ جائز ہی کہ ان کے بعد باقی رہے فافہم ولیکن مترجم کہتا ہی کہ ارتباط کیلئے ہونا منظور فیہ ہی کیونکہ جہنم مین داخل ہونیکے وقت ان دونون کا دوام تو درکنار نفس وجود ہی باقی نہ ہوگا فلیتامل فیہ پھر بیضاوی وغیرہ نے ذکر کیا کہ بعض نے کہا کہ آخرت کے سموات والارض مراد ہین بدلیل قولہ یوم تبدل الارض غیر الارض الآیہ اور انکا وجود ہمیشہ کیلئے ہی۔ پھر لکھا کہ یہ قول قابل نظر ہی اسلئے کہ اس صورت مین ایسی چیز سے تشبیہ ہوئی جسکو اکثر مخلوق نہین پہچانتے ہین نہ انکا وجود اور نہ دوام اور جو پہچانتا ہو وہ انکا دوام اسیوجہ سے پہچانتا ہی کہ ثواب جنت و عقاب دوزخ دائمی ہی تو تشبیہ سے فائدہ نہ ہوگا۔ قولہ الا ما شاء ربک۔ خلود سے استثناء ہی کیونکہ گنہگار موحدین دوزخ مین ہمیشہ نہین رہین گے بلکہ نکالے جاوینگے اور استثناء صحیح ہونے کیلئے اسقدر کافی ہی کیونکہ کل سے جو حکم زائل کرنا مقصود ہی وہ اگر اسکے بعض سے زائل ہو جاوے تو کافی ہی کیونکہ یہ صحیح ہو گیا کہ سب کے سب خلود فی النار مین نہین رہے اور اما الذین سعدوا مین جو استثناء ہی وہان بھی یہی گنہگار موحدین مراد ہین کیونکہ جنت مین اسوقت تک ہونگے جبتک عذاب کیلئے دوزخ مین ہین اور یہ لوگ اگرچہ بوجہ گناہ کے شقی ہین لیکن ایمان کی وجہ سے سعید ہین اگر اسپر اعتراض ہو کہ شقی و سعید دو قسمون مین تقسیم اب صحیح نہ ہوئی کیونکہ ایک قسم کی صفت دوسری قسم مین نہ ہونا شرط ہی تو جواب یہ ہی کہ یہ بات اسوقت ملحوظ ہوتی ہی کہ جب تقسیم اس راہ سے ہو کہ دونون قسمون مین ہر طرح بالکل جدائی ہو یا جمع نہ ہو سکین اور یہان تو یہ مراد ہی کہ مجمع حشر کے لوگ سعادت و شقاوت کی حالت سے باہر نہ ہون گے اور ایسی صورت مین ہو سکتا ہی کہ ایک ہی شخص مین دونون صفتین دو لحاظ سے مجتمع ہون مثلاً ایمان کی راہ سے سعید ہو اور گناہون کے اعمال سے شقی ہو۔ یا یہان استثناء بدین معنی ہو کہ اہل جنہم کبھی زمہریر وغیرہ کی طرف عذاب کیلئے باہر نکالے جاوینگے اور اسیطرح اہل جنت بھی کبھی زیادہ انعام مانند دیدار الٰہی سبحانہ کے اعلیٰ درجہ پر جاوین گے اور احتمال ہی کہ استثناء اصل حکم سے ہو اسقدر مدت کہ حساب کے لئے خارج رہین یا دنیا کی زندگی بھر یا برزخ کی مدت تک بشرطیکہ حکم مذکور اسی روز قیامت کیساتھ مقید نہ ہو بلکہ مطلقاً لیا جاوے اور اس تاویل پر خلود سے بھی استثناء ممکن ہی اور بعض نے کہا کہ زفیر و شہیق سے استثناء ہی اور بعض نے کہا کہ الا حرف استثناء بمعنی لکن و سوائے ہی اور معنی یہ کہ سوائے اس مدت کے جو تیرا رب اس سے زیادہ چاہے جسکی کوئی حد مقرر نہین ہی اقول پہلے مذکور ہوا کہ اسی اخیر کے تاویل کے قریب شیخ مفسر سیوطیؒ نے مختار قرار دیا ہو چونکہ اس مقام کے اقوال کو مؤلف فتح البیان نے زیادہ کوشش سے جمع کر دیا ہو لہذا مین اسی کی ترجمہ پر اکتفا کرتا ہون اور جسقدر مین نے ذکر کئے ہین انہین اختصار کر دونگا اور جو مجھے لکھنا ہوگا بلفظ اقول علیحدہ کر دونگا پس مؤلف رحمہ اللہ نے لکھا کہ اس استثناء مین اہل العلم کے چند اختلافی اقوال ہین۔ الاول یہ استثناء قولہ ففی النار سے ہی یعنی اشقیا تو دوزخ مین

ہون گے باستثناء مشیت الٰہی کے کہ کسی قوم سے دوزخ مین داخل کرنے مین تاخیر فرمائے کسی مدت تک۔ یہ تاویل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہو اقول یہ جبھی ہوگا کہ اصل حکم مقید بروز قیامت نہو تو موقف حساب یا مدت دنیا یا برزخ تک مشیت الٰہی تاخیر ہوگی۔ الثانی خالدین مستثنیٰ منہ اور ماشاء مبنی من شاء اور مراد گنہگار موحد ہین یہ قتادہ وضحاک و ابوسنان وغیرہم سے مروی ہو۔ اقول یہی ابن الجوزی و ابن جریر نے اختیار کیا کیونکہ متواتر احادیث سے قطعاً ثابت ہوا کہ اہل التوحید ہمیشہ دوزخ مین رہینگے اگرچہ عاصی ہون۔ الثالث استثناء از زفیر و شہیق ہو یعنی سوائے اسکے جو نوع عذاب انکے لئے اللہ تعالیٰ چاہے اسکو ابن الانباری نے کہا ہو۔ الرابع معنی یہ ہین کہ تا دوام آسمان و زمین مر رہینگے مگر مشیت الٰہی کہ ان کو آگ کھا جائے پھر نئے سرے سے پیدا ہون۔ یہ ابن مسعود رضہ سے روایت کیا جاتا ہو اقول یہ تقدیر موت کی زیادت ہو جو بغیر قطعی حجت کے قبول نہ ہوگی حالانکہ یہان اسکے برخلاف منصوص ہو مثلاً حدیث ذبح الموت جو اوپر گذری اور صریح آیات جنمین عدم موت مذکور ہی۔ الخامس الا بمعنی لکن و سوائے ہے و استثناء منقطع ہو گویا جس زمانہ کو عرب نہایت دراز سمجھتے کہ اس سے بڑھکر نہین جانتے تھے وہ خلود کے واسطے ذکر کر کے پھر غیر متناہی کو اپنی مشیت پر زیادہ کیا یہ قول زجاج نے حکایت کیا اقول یہی شیخ مفسر سیوطی نے ظاہراً اختیار کیا ہے۔ السادس قراء ابن الانباری و ابن قتیبہ سے مروی ہو کہ آیت مین صرف استثناء مشیت پر ہے اور ممکن ہو مشیت نہ ہو تو دوام خلود ہوا۔ اس قول کو زجاج نے بھی نقل کیا اقول یہ بعض سلف سے بھی منقول ہو کہ مدینہ مین دوسری آیات سے عدم مشیت ظاہر ہوگئی السابع ماشاء ربک یعنی مقدار موقف حساب برزخ وغیرہ حکاہ الزجاج ایضاً۔ اقول یہ وہی اصل حکم سے استثناء بنا بر وجہ اول ہو اسکو مستقل قول قرار دینا وہم ہو۔ الثامن الا ماشاء ربک مگر وہ کہ جو چاہے تیرا پروردگار یعنی زیادتی عذاب کی اہل جہنم کیلئے اور ایسی ہی زیادتی نعمت کی اہل جنت کیلئے حکاہ الزجاج اور اسی کو حکیم ترمذی نے اختیار کیا۔ اقول غیر موجہ ہو مگر بتاویل الا بمعنی لکن و سوائے و حرف عطف تو یہ مستقل قول نہ ہوا۔ التاسع الا بمعنی واؤ ہے بقول فراء اور مکی نے کہا کہ یہ قول بصریون کے نزدیک بعید ہو اقول حرف الا بمعنی عطف کے تحت مین یہ قول بھی ہو۔ العاشر حرف الا بمعنی کاف ہو جیسے قولہ تعالیٰ الا ما قد سلف۔ اے کما قد سلف مین ہو پس معنی کماشاء ربک ہوئے اقول اس صورت مین آسمان و زمین کا دوام جبھی ہوگا کہ اخروی آسمان و زمین لیا جائے لیکن اس صورت مین وہ وارد ہوگا جو بیضاوی رح نے کہا کہ اخروی آسمان و زمین سے تشبیہ قلیل النفع ہو جبکہ اکثر لوگ اسکو جانتے نہین ہین اور مترجم کہتا ہے کہ جواب یہ ہوسکتا ہو کہ دوام آسمان و زمین محسوس سے عرب قائل تھے یا ان کے عرف مین یہ محاورہ مفید دوام ہوتا تھا تو دوام اس سے مراد ہوا لیکن چونکہ واقع مین انکا دوام نہ تھا اسواسطے کما قد شاء ربک بڑھا دیا جس سے دوام تحقیقی ہوگیا فافہم فانہ توجیہ حسن دقیق واللہ تعالیٰ اعلم۔ الحادی عشر ابن عطیہ نے کہا کہ یہ استثناء بمنزلہ ایسے استثناءات کے ہو جن کے کہنے کی شارع نے تاکید فرمائی ہو پس یہ کلام بمنزلہ قولہ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین الآیۃ۔ اور اسی کے مانند ابوعبید سے مروی ہو اور اس صورت مین استثناء مذکور کے متصل یا منقطع ہونے کی کچھ ضرورت باقی نہین اقول یہ کلام طبع سلیم کے نزدیک ایک وقعت رکھتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ مؤلف نے لکھا کہ شیخ شوکانی رحمہ اللہ نے ان اقوال کو توضیح کیساتھ مع سوال و جواب کے ایک مستقل رسالہ مین جمع کیا ہو پھر شیخ مفسر سیوطی رحمہ اللہ کا قول ممتاز نقل کیا اور جمل نے اسکا حاصل بیان کیا جو اوپر مذکور ہو چکا ہو اور جمل نے اشارہ کیا کہ یہان مفسرین نے تیرہ وجوہ بیان کئے ہین اور لکھا کہ ابن حجر مکی رح نے دواجر عن اقتراف الکبائر مین لکھا کہ آیات و احادیث دلیل صریح ہین کہ جہنم مین کافرون کا عذاب دائمی ابدی ہو اور وجہ کلام اسکے مخالف معنی کا شبہہ پیدا کرتا ہی

اسکی تاویل واجب ہو ازانجملہ قولہ تعالیٰ خالدین فیہا مادامت السموات والارض الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید چنانچہ اس سے
ظاہر یہ ہو کہ اہل شقاوت کے عذاب کی مدت بقائے آسمان و زمین کے برابر ہو الا اسقدر مدت کہ اللہ تعالیٰ چاہے کہ اسمین انکو اسقدر مدت
خلود نہ ہوگا اور علماء نے اسکو قریب بیس وجہ سے تاویل فرمایا ہو منجملہ ان وجوہ کے بعض اس جانب راجع ہین کہ دوام آسمان و زمین کی
مدت سے مقید کرنے مین کیا فائدہ ہو۔ اور بعض کا مرجع حکمت استثناء ہو پس قسم اول مین سے یہ تاویل ہو کہ آسمان سے آسمان جنت
و زمین سے جنت کی زمین مراد ہو کیونکہ سماء ہر وہ چیز جو تیرے اوپر سایبان ہو اور زمین وہ جسپر تیرا استقرار ہو اور بدین معنی جنت
و دوزخ کا آسمان و زمین ہونا امر قطعی ہو کسی پر پوشیدہ نہین ہو پس ہماری اس تقریر سے جو بعض نے اسمین اعتراض کیا تھا کہ اخروی
آسمان و زمین پر محمول کرنا آیت کے سموات و ارض کا اسوجہ سے نہین جائز ہو کہ مخاطبین کو اسکا علم نہین ہو وہ دفع ہو گیا۔ قال المترجم
اعتراض مین نے بیضاوی سے اوپر نقل کیا ہو اور ابن حجر کا یہ زعم کہ اعتراض دفع ہو گیا مجرد ادعا ہو میرے نزدیک اعتراض دفع
نہین ہوتا کیونکہ مخاطبین اگر جنت و دوزخ کے بروجہ مذکور قائل ہون تو اخبار غیب پر ایمان کے طور پر ہوگا حالانکہ وے آخرت کے
منکر ہین۔ فلیتامل فیہ پھر شیخ ابن حجر نے اس لفظ سے دوام ابدی بطریق محاورہ عرب کے تاویل ذکر فرمائی پھر لکھا کہ ابن عباس رض سے
روایت ہو کہ تمام مخلوقات کی اصل نور عرش سے ہو اور آسمان و زمین آخرت مین اُسی نور کی طرف پھیر دیے جاوینگے جس سے
دونون مخلوق ہوئے تھے اور وہ دونون نور عرش سے دائمی ابدی رہین گے۔ پھر لکھا کہ اس جواب کی ضرورت اس بناء پر ہو کہ دوام
سموات و ارض کی قید سے یہ مفہوم ہوتا ہو کہ دوزخی دوزخ مین انھین دونون کے دوام تک باقی رہین گے اور بعض نے اسکو منع کیا
اے آخرما ذکر اقول مانع اس سے شیخ مفسر بیضاوی ہین اور مین نے انکی تقریر اوپر لکھدی ہو پھر ابن حجر نے لکھا کہ اگر کہا جاوے کہ جب
انکا عذاب دائمی ہوگا خواہ دونون باقی رہین یا زائل ہو جاوین تو پھر اس تقلید سے کیا فائدہ ہو تو جواب یہ کہ نہین بلکہ اسمین بہت
بڑے فوائد ہین ازانجملہ یہ ہو کہ مخاطبین کو دوام آسمان و زمین تک بقائے عذاب سے ہول ہوگا کہ ایک زمانہ طویل دراز ہو کہ وہم کو احاطہ
کرنا دشوار ہو اقول بلکہ جب یہ لوگ دوام آسمان و زمین سے ابدی قیام سمجھتے تھے تو غیر متناہی زمانہ تک خلود عذاب سے تہویل کا مقصود
حاصل ہو اور لکھا کہ باقی رہی یہ بات کہ آیا اس عذاب کی کوئی حد مقرر ہو کہ وہان منقطع ہو جائیگا یا نہین تو یہ بات دوسری دلیلون
سے حاصل ہوتی ہو یعنی اُن آیات سے جنمین مذکور ہو کہ کبھی جہنم سے نہ چھوٹین گے ہمیشہ اسی مین رہین گے اور قسم دوم تاویلون سے
ایک وجہ یہ ہو کہ فیہا سے استثناء ہو یعنی برابر اسی مین رہین گے سوائے ان مقامات کے جہان بمشیت الٰہی انواع عذاب کے لیے نکالے جاوین
جیسے زمہریر و شرب حمیم وغیرہ پھر اسی مین واپس کر دیے جائین گے اور لکھا کہ یا لفظ ما بمعنی من ذی عقل کے واسطے لیا جاوے مثل قولہ
فانکحوا ما طاب لکم من النساء اے من طاب پس یہ گنہگار مومنون کا استثناء ہوگا خواہ متصل قرار دیا جاوے جبکہ شقوا مین یہ لوگ بھی شامل
ہون یعنی گنہگار مومنین کو بھی اشقیاء کا لفظ شامل ہووے جو الذین شقوا سے معلوم ہے یا استثناء منقطع ہو جبکہ اہل شقاوت مین انکا
شمول نہ لیا جاوے اور یہی اظہر ہو یا حرف الا بمعنی سوائے لیا جاوے اور یہان کچھ اور تاویلین بھی باقی رہین جن کے بیان سے مین اعراض
کرتا ہون کیونکہ تاویلات بعیدہ ہین اگر کہا جاوے کہ یہ طریقہ تاویل کا اسی تعین پر ہو کہ جہنم سے کبھی انکو نکلنا میسر نہ ہوگا حالانکہ عبداللہ
بن عمرو سے روایت ہو کہ لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد و ذلک بعد ما یلبثون فیہا احقابا۔ رواہ الامام احمد۔ جہنم پر
ایسا زمانہ آویگا کہ اسکے دروازے مصفوق کر لیے جاوین گے اسمین کوئی آدمی نہ ہوگا اور یہ کئی احقاب ان کے جہنم مین پڑے رہنے کے بعد

منہ ۱۲

ہوگا۔ اسکو امام احمد نے مسند مین روایت کیا ہی۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہی کہ جہنم مین اشقیار کو دوام خلود نہ ہوگا پھر قولہ الا ماشاء ربک۔ کی تاویل کی ضرورت نہین ہی تو جواب یہ ہی کہ اس روایت مین بعض راوی ثقہ نہین ہی اور اسکی نسبت ثابت ہوا کہ وہ بہت جھوٹ بولا ہے تو جب اسکا ثبوت نہ ہوا تو کالعدم ہوا لہذا تاویل واجب ہوئی۔ ہان یہ بات البتہ ہی کہ جو قول عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہوا وہی کسی علمانے حضرت ابن مسعود و ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا کہ یہی قول عمر بن الخطاب و ابن عباس و ابن مسعود و ابو ہریرہ و انس بن مالک رضی اللہ عنہم کا ہی اور اسی طرف حسن بصری و حماد بن سلمہ گئے ہین اور یہی قول علی بن ابی طلحۃ الوالبی و ایک جماعت تابعین مفسرین کا ہی انتہی کلامہ ولیکن حسن بصری سے جو نقل کیا وہ دیگر علمار کی نقل سے رد ہوا جاتا ہی کیونکہ ثابتؒ نے کہا کہ مین نے حسنؒ سے اُنکا مقولہ پوچھا تو اُنھون نے اس سے انکار کیا اور ظاہر یہ ہی کہ جن علمار و صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مقولہ نقل کیا ہی اُن سے درحقیقت کچھ روایت صحیح نہین ہی اور اگر ہم تسلیم بھی کر لین تو اسکے معنی وہ ہون گے جو علمانے بیان کئے کہ اسمین کوئی اجنبی نہوگا یعنی گنہگار مومنون مین سے کوئی نہ ہوگا اور رہے کافرون کے ٹھکانے تو وہ خوب بھرے ہون گے وے اسمین سے کبھی خارج نہ ہونگے جیسا کہ بہت سی آیات مین مذکور ہے۔ اقول حاصل طریقہ تاویل یہان یہ ہی کہ قولہ لیس فیہا احد۔ عام ہی اسکو نصوص قطعیہ خلود کفار سے مخصوص کیا تو معنی یہ ہوے کہ لیس فیہا احد من عصاۃ المومنین۔ اسمین گنہگار مومنون سے کوئی نہ ہوگا۔ اور صفق الابواب کا فائدہ یہ ہے کہ جبتک گنہگار موحد کوئی رہیگا اسوقت تک ابواب مسدود نہ ہونگے اور یہ تاویل قریب اسکے ہی جو طویل حدیث شفاعت مرویہ صحیحین وغیرہ مین آخر مین مذکور ہی کہ جب جنت مین ذرہ برابر خیر والا بھی کوئی نہین رہیگا تو اللہ تعالیٰ ایک مٹھی یا دو مٹھی اپنی قدرت و شان کے لائق مٹھی سے اہل دوزخ سے نکال لیگا جو عتقار الرحمٰن کہلاوین گے تو علمانے کہا کہ خیر سے ایمان مراد نہیں بلکہ عمل مراد ہے یعنی ایسے ہون گے جنھون نے کوئی نیکی نہین کی ہے مگر نفس ایمان ان مین تھا اور مترجم نے اسکو تاویل اس وجہ سے قرار دیا کہ سیاق مین ذرہ برابر ایمان والے کے نکال لینے کا حکم بدون شفاعت کے محض فضل سے ہو چکا ہے تو شبہہ یہ ہوتا تھا کہ اب کوئی ایسا نہین ہی جسمین ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو محض کافر کی نجات ظاہر ہوتی ہی حالانکہ کفر پر نجات نہ ہونا قطعی آیات سے ثابت ہی لہذا کہا گیا کہ مراد ایمان سے عمل خیر ہے کما فی قولہ تعالیٰ ما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ اور مراد نماز بجانب غیر القبلہ ہی۔ فافہم پھر ابن حجرؒ نے کہا کہ رازی کی تفسیر کبیر مین ہی کہ ایک قوم کا قول ہی کہ کافرون کے عذاب کی ایک انتہا ہی جہان منقطع ہو جائیگا اور استدلال اُنکا اسی آیت سے ہی اور قولہ تعالیٰ لابثین فیہا احقاباً۔ سے ہی اور بدین دلیل کہ ظالم کی معصیت متناہی ہی تو اسپر غیر متناہی عذاب ہونا ظلم ہوگا انتہی اور اسکا جواب ابن حجرؒ نے یہ دیا کہ احقاباً سے استدلال اسکے متناہی ہونے پر صحیح نہین اور نہ اس آیت سے صحیح ہی کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا کہ عرب ایسے استعمال مین دوام ابدی مراد لیتے ہین اقول ہان لیکن استثناء الا ماشاء ربک سے استدلال ہی نہ بقولہ مادامت السموات والارض۔ لیکن چونکہ اسمین احتمالات پیدا ہوگئے ہین اس سے البتہ استدلال کسی قطعی بات کیلئے صحیح نہ رہا۔ پھر دلیل عقلی ظلم کا جواب دیا کہ ظلم کچھ نہین ہی اسواسطے کہ کافر کو دوام زندگی بھر یہی عزم تھا کہ کفر پر جارہے تو اسکے عوض اُخروی زندگی بھر عذاب دیا جائیگا حالانکہ وہ زندگی دائمی ہی پس عذاب الم ہوا تو دائمی ظلم کے موافق دائمی عذاب ہوا باوجودیکہ اسکو اُخروی زندگی دائمی و عذاب سے آگاہ کر دیا گیا تھا وہذا ماحررہ المترجم۔ ولیکن اسمین تردد ہنوز مثل عقلی دلیلون کے باقی ہی اور وہ یہ ہی کہ ظلم کافر کا اسکی زندگی بھر تھا اور یہ مقدار متناہی ہی۔

اور ابن حجرؒ نے کہا تھا کہ کافر کو کفر پر عزم تھا مادامیکہ زندہ ہی تو جزا و سزا ایک دوسرے کے متوافق دائمی ہوئی اور اسپر تردد مذکور زیادہ جاری ہے

اور جسطرح مترجم نے تقریر مین تغیر کردیا اسکے موافق رفع تردد ہوسکتا ہو کہ جب ایک شخص کے واسطے موت کی دونون طرف دو زندگی مقرر ہوئین اور بتلایا گیا کہ دنیاوی فانی ہو اور اخروی باقی ہے تو اُسنے خود باقی زندگی بھر عذاب کو اختیار کیا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا یعنی جبتک رسول کے واسطہ سے کسی قوم کو آگاہ نہین کیا گیا ان پر عذاب نہوگا اگر آگاہ نہوے ہون الا نہ بشبہہ جو زمانہ فترت کا ہے یعنی ایک رسول کے بعد دوسرے رسول تک شریعت ایسے متغیر ہوئے کہ اس سے آگاہی و اطمینان نہین ہوسکتا جیسے حضرت موسیٰ سے پہلے یا حضرت عیسیٰ اور حضرت خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے بیچ مین تھا لہذا جب فرعون نے موسیٰؑ سے پوچھا کہ ما بال القرون الاولی۔ تو اُسکا جواب نہین دیا بلکہ فرمایا علمها عند ربی فی کتاب پس جہان تک نصوص وارد ہین بندہ وہان تک اعتقاد رکھتا ہو اور ماورا اسکے علم الٰہی محیط ہو وہی اپنی مخلوق کا دانا ہو لہذا بعض سلف نے کہا کہ کوئی کسی مخلوق کو جنت یا دوزخ مین نہین اُتار سکتا اور خود اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا دانا ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ خالدین فیہا الا ما شاء اللہ۔ کی تفسیر مین سابق مین مذکور ہوا ہو پھر شیخ ابن حجرؒ نے لکھا کہ واضح ہو کہ اہل جنت کیواسطے دوسری آیت مین ایسا ہی استثنار مذکور ہو اور وہان بالاجماع یہ مراد نہین ہو کہ اُن کے خلود مین دوام نہوگا بلکہ کبھی استثنار ہے گا اور خود اللہ تعالیٰ نے دوام کی تخصیص فرمائی بقولہ عطاءً غیر مجذوذ۔ یعنی ایسی عطار کہ کبھی منقطع نہوگی تو جیسی تاویل بیان مذکور ہوئی اسی نظیر پر یہان تاویل ہوگی اور جبکہ ما بمعنی من ہو تو مراد گنہگار مومنین اہل اعراف ہون گے جو ہنوز جنت مین داخل نہین ہوئے ولیکن داخل ہونے کی طمع رکھتے ہین۔ اقول دوسری آیت جو اہل جنت کے حق مین ہو جبکہ اسمین بالاجماع استثنار سے ظاہر مراد نہین ہو تو یہی مؤید ہو کہ اس آیت مین جو دوزخیون کے حکم مین ہو یہ ظاہر جو عموماً سمجھ مین آتا خلاف دیگر نصوص قطعیہ ہو مراد نہ ہوئے پس جب ظاہر معنی مقصود نہ ہونا معلوم ہو گیا تو جملہ نصوص کے موافق و متعاضد معنی پر بقاعدۂ زبان عربی محمول کیا جائے گا اور یہ ویسی ہی تاویل ہین جو اوپر مذکور ہوئین۔ پھر شیخ نے لکھا کہ ابن زید نے فرمایا کہ اہل جنت کی آیت مین الا ما شاء ربک فرمایا اور اس مشیت سے ہم کو آگاہ کر دیا کہ جو کچھ مراد ہو خلود و دوام سے استثنار نہین ہو چنانچہ صریح فرما دیا عطاء غیر مجذوذ۔ یعنی غیر مقطوع لہ یعنی اس نعمت کا انقطاع نہوگا اور جو اہل دوزخ کے حق مین ایسا ہی استثنار کیا تو اس مشیت سے ہم کو آگاہ نہین فرمایا کہ اُن کے حق مین کیا چاہا ہے انتہی کلامہ۔ مؤلف نے کہا کہ شیخ ابن تیمیہ نے جو آثار نقل کئے ہین اُنکا ثبوت ہو اور اسکو شیخ ابن القیم نے حادی الارواح الی بلاد الافراح مین توضیح بیان کیا ہے ابو الشیخ نے قتادہ سے روایت کی کہ اُنھون نے یہ آیت پڑھکر کہا کہ ہم سے حضرت انس بن مالکؓ نے حدیث بیان فرمائی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک قوم دوزخ سے نکالی جاوے گی اور کہا کہ ہمارا وہ قول نہین ہے جو اہل حرورا یعنی خارجی کہتے ہین کہ جو کوئی جہنم مین گیا پھر وہان سے نہین نکلے گا اقول یہی کبائر مین معتزلہ کا قول ہو۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہو کہ آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھکر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ ان لوگون مین سے جو شقی ہوئے ہین انکو دوزخ سے نکالے تو کر سکتا ہے رواہ ابن مردویہ اقول یہ کلام ایسا واقع ہونے کیلئے دلیل نہین ہو بلکہ قولہ تعالیٰ ان ربک فعال لما یرید۔ کی تفسیر ہے خالد بن معدان نے آیت کی تفسیر مین کہا کہ یہ اہل توحید اہل القبلہ کیواسطے ہو یعنی گنہگار مومنین بمشیت الٰہی جہنم سے نکالے جاوین گے جبکہ مشرک نہون۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ یہ آیت تمام قرآن مین جہان خالدین فیہا آیا ہو فیصلہ کرتی ہے یعنی ہر خلود پر وارد ہے ابن عباس سے مروی ہے کہ قولہ تعالیٰ الا ما شاء ربک مین کہا کہ پھر پروردگار کی مشیت معلوم ہوئی کہ دوزخی ہمیشہ دوزخ مین رہین اور جنتی ہمیشہ جنت مین رہین اور ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہو کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے النار سے استثنار کیا کہ ان کو بالکل نہ کھاوے

سدی ؒ نے آیت میں کہا کہ پھر اسکے بعد مشیت الٰہی کا علم آیا جس سے معلوم ہوگیا چنانچہ مدینہ میں نازل ہوا قولہ ان الذین کفروا وظلموا
لم یکن اللہ لیغفر لہم ولا لیہدیہم طریقا الآیۃ - پس دوزخیوں کی نجات کی امید جاتی رہی اور انکے لیے ہمیشہ کی خلود کا حکم واجب ہوگیا اور قولہ
اما الذین سعدوا الآیۃ میں مشیت الٰہی کا علم مدینہ میں نازل ہوا بقولہ والذین آمنوا وعملوا الصالحات سندخلہم الی قولہ ظلا ظلیلا پس انکے لیے
ہمیشہ خلود واجب ہوگیا - اور ابو نضرہ ؒ سے روایت ہے کہ پورا قرآن اس آیت پر منتہی ہوتا ہے یعنی قولہ ان ربک فعال لما یرید - تیرا رب
جو چاہتا ہے کرتا ہے اور مناوی کبیر علی الجامع الصغیر میں لکھا کہ یہ جو ہم نے ذکر کیا کہ جہنم میں کفار کا عذاب دائمی ابدی ہے اسی پر آیات و اخبار
و آثار دلالت کرتے ہیں اور جمہور امت سلف و خلف اسی پر یقین کیے ہوئے ہیں - اور اسکے سوائے بھی کچھ اقوال منقول ہیں جنکی تاویل واجب ہے
ازانجملہ شیخ محی الدین بن العربی کا قول ہے کہ دوزخی مدت تک دوزخ میں عذاب پاوینگے پھر ان پر انقلاب ہوگا اور انکے لیے ایک آتشی طبیعت
رہجائیگی جسسے ان کو ایک طرح کی لذت حاصل ہوگی کیونکہ وہ انکی طبیعت کیواسطے موافق ہوگی اور خلف وعید کا شبہہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ
ثنا تو وعدہ کی سچائی میں ہے جو وعدہ انعام کا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسکو پورا کرنے میں اسکی شان کیواسطے حمد و ثنا ہے اور وعید یعنی عذاب و سزا کا
وعدہ پورا کر دینا ثنا نہیں بلکہ سزا سے تجاوز کرنا ثنا ہے چنانچہ فرمایا فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ - اور یہ نہیں فرمایا مخلف وعیدہ - بلکہ فرمایا
ہے ونتجاوز عن سیئاتہم - باوجودیکہ ان کو اس فعل پر وعید فرمائی تھی اور حضرت اسمعیل ؑ کو فرمایا - انہ کان صادق الوعد یعنی وعید کے صدق
میں تعریف نہیں فرمائی اور دوسرے مقام پر شیخ نے لکھا کہ دوزخی جب اسمیں داخل کیے جاوینگے تو برابر خوفناک منتظر رہینگے کہ شاید اسمیں سے
نکالے جاویں پھر جب جہنم کے دروازے بند کر دیے جاوینگے تو مطمئن ہو جاوینگے کیونکہ جہنم انکی طبیعتوں کے موافق پیدا کی گئی ہے قال
المترجم حضرت ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اثر میں اس تاویل کو دخل ہے کہ جبتک کوئی موحد عاصی حتیٰ کہ جس نے کوئی نیکی کبھی نہیں کی
ہے جہنم میں ہوگا اسوقت تک اس کے دروازے مسدود نہ ہونگے پس مسدود اسوقت ہونگے کہ اس میں کوئی نہ ہو یعنی موحد کوئی نہ ہو - اور
واضح ہو کہ تفسیر ابن العربی اسوقت موجود ہے اسمیں یہ عبارت جو مناوی میں ہے مذکور نہیں ہے - ظاہرا شیخ کی دوسری کتابوں سے نقل کی گئی ہے
اور مناسب مقام ہے کہ شیخ کا قول انکی تفسیر سے بھی اس مقام پر ترجمہ کر دوں - قولہ تعالیٰ فمنہم شقی وسعید - جب شقی و سعید منکر نبوت و تعلیم کا ذکر کیا
تو ازلی ابدی سعید و شقی کو بیان فرمایا اور جب تقسیم تفصیلی میں انکا حال بیان کیا یعنی بقولہ فاما الذین شقوا - تو اسمیں سے شقی کے ہمیشہ دوزخ میں
رہنے سے اور سعید کے جنت میں رہنے سے استثنا کیا بقولہ الا ما شاء ربک - کیونکہ جنت و دوزخ سے مقصود سے محروم ہو کر رنج و الم پانا اور حصول مراد
سے لذت اٹھانا ہے پس دونوں میں استثنا کرنے سے یہ غرض ہے کہ جہنمی تو اس رنج و الم سے بڑھکر غم میں پڑیگا یعنی صفات کے حجاب میں ہو کر قلب کی
آگ سے جلیگا اور افعال کے حجاب خشم و مطرود ہونے اور ذلت و اہانت میں پڑیگا اور روح کی سوزش سے پردہ و لعنت و قہر میں گرفتار ہوگا اور جنتی
اس لذت سے بڑھکر اکرام میں پہونچیگا مثلاً تجلیات صفات سے جنان قلب میں بعنوان و لطف و اکرام و اعزاز پاویگا اور تجلیات ذات و ظہور سے
جنان روح میں مقام شہود و نظارہ و ظہور سبحات جلال وہ کچھ پاویگا کہ جسکی نسبت حدیث صحیح میں آیا ہے لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر
اور یہ اسوجہ سے کہ سعید بمقابلہ شقی کے ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ سعید نکلکر دوزخ میں جاوے اور نکالے نہ جانے کیلئے یہ کلام دلیل ہے عطاءً
غیر مجذوذ یعنی یہ عطا کبھی منقطع نہ ہوگی پس ایسے ہی سعید کا مقابل شقی بھی زیادہ عذاب و رنج و الم میں جاویگا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سعید ہمیشہ
علاوہ ازیں قولہ ان ربک فعال لما یرید - اسکو مقرر ہے کیونکہ یہ ایک سخت وعید ہے یہ جو لکھا گیا برعایت ادب ہے اور بواطن کی تحقیق میں ظواہر
کا لحاظ رہا اور رہا بیان حقیقت تو جاننا چاہیے کہ شقی جب دوزخ میں ان مراتب مذکورہ پر رہتا تو اس سے کبھی خارج نہ ہوگا بلکہ ایک طبقہ سے

دوسرے طبقہ کو منتقل ہوتا رہیگا اور ایک درک سے دوسرے درک کو جاویگا تو وہ ہمیشہ اسی عذاب مین رہا بلکہ عذاب بڑھکر عذاب ہوتا گیا اور مراد استثناء سے اس خلود کے علاوہ ہے اور وہ یہ ہو کہ دوزخی اور راہ احدیت کے اپنے رب کے ساتھ ہو وہ اسکی پیشانی کے بال پکڑے یعنی اپنا مسخر کیئے ہوئے خود راہ راست پر ہے اور بدبختی کی ہوا یعنی خواہش نفس کی پیروی اسکو جہنم کی طرف ہانکے اور اٹھائے لئے جاتی ہو پس وہ وہان رب کے ساتھ عین القرب مین ہو پس اپنے موافق سے متلذذ ہوتا رہیگا جو اسکے حق مین عین نعمت ہو جائے گا تو آگ کے معنی اسکے حق مین زائل ہوگئے اور یہ وہ مقام اسکے لئے جنت کے حکم مین ہوگیا اگرچہ فی الحقیقت جو جنت کہ سعید کیلئے ہے اس سے وہ بعد المشرقین بہت دور پڑا ہے چنانچہ حدیث مین آیا ہو کہ تھوڑی مدت مین جہنم مین جرجیر اُگیگا اور آیا ہے کہ جہنم پر ایک زمانہ آویگا کہ اسکے دروازے بند کیئے جاوینگے اسمین کوئی نہو گا۔ ایسی ہی سعید کی جانب ہے کہ جنت مین اسکا مراتب پر منتقل ہونا دوام خلود کے حکم مین ہو اور استثناء سے اس خلود کے علاوہ مراد ہو اور وہ یہ ہو کہ احدیت ذات مین فانی اور سبحات جمال سے عشق مین فنا ہو گا جہان کہ حق مین شاہد و مشہود ہو اور یہ بطریق مشاہدہ روحی نہین بلکہ شہود ذاتی احدی کے ساتھ جہان غیر کا کچھ اثر بھی نہو گا اور یہ کمال نعمت ہو جیسا کہ حدیث مین اشارت ہو کہ نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کانون نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر اسکا خطور ہوا۔ اور اگر شقی وسعید مین تنوین نوعیت کیلئے ہو نہ تعظیم کے لئے تو یہان دنیا مین نیک کلام سے بدکار شیت الٰہی نیکوکار ہو سکتا ہو ولیکن اس صورت مین یہ شقی ازلی کا بیان نہو گا۔ انتہی کلامہ مترجما۔ اس کلام سے جیسا تو دیکھتا ہو طریقت کی توجیہ موافق جمہور امت کے ہو اور تاویل موافق بتاویل مختار شیخ سیوطی رح ہے یعنی شقی کو دائمی شقی رکھا جو کبھی سعید نہو گا اور استثناء سے مزید عذاب مراد لیا اگرچہ حقیقت کے معنی مین باطنی الم کو ایک خاص انتقال حالت پر قرار دیا اور اس سے انکار کیا کہ کبھی دوزخ سے نکلے اگرچہ بعض آثار کو تاویلی تائید مین نقل کیا ہو بل اللہ تعالیٰ دانا ہو کہ جہان سے منادی مین منقول ہو وہان آیا یہی مقصود ہو یا کیا مراد ہے فلیتدبر۔ پھر منادی مین لکھا کہ حافظ ابن القیم نے کہا کہ یہ قول ایک طرف ہو یعنی ابن العربی کا قول کہ دوزخ فنا ہو کر ان کیلئے جنت ہو جائے گی ایک طرف ہو اور معتزلہ کا قول کہ جو جہنم مین گیا وہ کبھی نہ نکلیگا دوسری طرف ہو اور ہر دو قول ان نصوص کے خلاف ہین جو بالضرور رسول اللہ صلعم کی احادیث اور آپ پر نازل ہوئے قرآن سے معلوم ہوئے ہین اور کہا کہ جیسے ایک جماعت کا قول کہ دوزخ فنا ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے ایک انتہا مقرر فرمائی ہو پھر ان لوگون سے اسکا عذاب بھی زائل ہو جائیگا اور استدلال ایک اس آیت سے فرمایا اور ایک قولہ تعالیٰ لابثین فیہا احقابا۔ یعنی کئی احقاب اسمین پڑے رہین گے۔ تو معلوم ہوا کہ کئی احقاب کے بعد پھر نجات ہو گی۔ اور ان لوگون کا یہ بھی قول ہو کہ قرآن مین دوزخ کے دوام بقاء پر کوئی دلالت نہین ہو بلکہ قرآن مین تو فقط اسیقدر ہو کہ کفار اسمین ہمیشہ رہین گے اور وے اسمین سے کبھی نہین نکلین گے اور اُن سے اسکا عذاب فتور نہ کریگا اور وے کبھی نہین مرین گے اور اُن پر عذاب اسمین مقیم و غرام و لازم ہو گا۔ اور یہ بات وہ ہو کہ جسمین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ مین کچھ اختلاف نہین ہو بلکہ اختلاف ایک اور بات مین ہو اور وہ یہ ہو کہ دوزخ دائمی ابدی چیز ہو یا اسپر بھی فنا لکھی گئی ہو اور یہ بات کہ کفار اسمین سے کبھی نہین نکلین گے اور جنت مین کبھی نہین داخل ہون گے تو اس بات مین اہل السنتہ مین سے کسی نے اختلاف نہین کیا ہو۔ الحاصل اگر کچھ اختلاف ہو تو اس بات مین کہ آیا دوزخ پر بھی فنا لکھی گئی ہو جیسے کل چیزون پر یا نہین تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے دوزخ کے فانی ہونے کا قول ایک جماعت صحابہ و تابعین سے نقل کیا اور شیخ ابن القیم نے مثل اپنے استاد ابن تیمیہ کے اسی قول کو نصرت دی اور اسی کو محقق کیا لیکن جمہور نے اسکو ترک کیا یہ قول متروک مہجور ہو اسکا قائل نہونا چاہیئے اور نہ اسپر اعتماد کرنا چاہیئے کیونکہ جمہور نے ان اقوال کی تاویل کر دی اسطرح کہ صحابہ رض کی مراد یہ ہو کہ اسمین کوئی گنہگار مومن نہ ہو گا اور رہے کفار تو وہ اسمین

بھرے ہوں گے کبھی اسمین سے نہیں نکلیں گے جیساکہ بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور دونوں آیتوں کو قریب میں وجہ سے
ماؤل کر دیا ہے انتہی کلام المناوی مؤلف نے کہاکہ ابن المنذر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ کہاکہ لو لبث اہل النار فی النار کقدر
رمل عالج لکان لہم علی ذلک یوم یخرجون فیہ ۔ اگر پڑے رہیں دوزخ والے دوزخ میں شمار ریگ تودہ کے تو البتہ اُن کے لئے اسپر ایکدن
ہوگا کہ اسدن نکلیں ۔ قال المترجم مبہم ہے معلوم نہیں کہ اہل النار سے کفار دوزخی مراد ہیں یا گنہگار موحد جو دوزخ میں داخل ہوئے ہیں ۔
ولیکن دوم کی تائید دیگر احادیث مرفوعہ صحیحہ سے ظاہر ہے اور اول مخالف آیات واحادیث ہوگا پھر لکھاکہ عبد بن حمید نے بھی ثقات راویوں
سے حضرت عمرؓ سے اسی قول کے مانند روایت کیا اور ابن راہویہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ کہاکہ سیاتی علی جہنم یوم لایبقی فیہا احد
وقرا فاما الذین شقوا الآیۃ ۔ البتہ جہنم پر ایسا روز آویگا کہ اسمین کوئی شخص باقی نہیں رہیگا اور پڑھی یہ آیت فاما الذین شقوا ففی النار خالدین فیہا
الآیۃ ۔ مترجم نے کہاکہ اسمین بھی وہی تردد ہے کہ اسمین کوئی شخص باقی نہ رہیگا اس لفظ سے کون مراد ہے آیا کوئی شخص کافر ہو یا موحد ہو باقی
نہ رہیگا یا گنہگار موحد باقی نہ رہیگا ۔ اگر اول مراد ہے تو خلاف آیات واحادیث ہے اور اگر دوم مراد ہے تو موافق احادیث صحیحہ ہے اگر کہا جاوے کہ
فاما الذین شقوا کے پڑھنے سے تو یہی ظاہر ہے کہ شقی کافر مراد ہیں تو کہا جائیگا کہ گنہگار موحد بھی بسبب بداعمالی کے شقی یعنی بدبخت ہو سکتا ہے
اگرچہ وہ بوجہ نفس اعتقاد توحید کے سعید ہو ولیکن واضح ہو کہ یہ اسی صورت میں ہے کہ قولہ فمنہم شقی وسعید سے باعتبار اعمال کے دو قسم کی گئی ہوں
تو ضرور ہوگا کہ سوائے دو کے دیگر اقسام بھی نکلیں ورنہ ازلی شقاوت وسعادت کی راہ سے تو دو ہی قسم میں انحصار ہوگا مگر فاما الذین شقوا سے
خالی ازلی کافر دائمی دوزخی مراد ہوں گے ۔ ان میں گنہگار موحد داخل نہیں ہو سکتے تو قول حضرت ابوہریرہ میں تاویل مذکور میں تردد ہو گا ۔ اگر کہا جاوے
کہ قولہ لایبقی فیہا احد ۔ یا لیس فیہا احد میں نکرہ تحت نفی مفید عموم ہے تو یہی معنی ہوئے کہ کوئی نہ ہو گا خواہ کافر ہو یا مومن ہو ۔ کہا جائیگا کہ ہاں عموم تو ہے لیکن
آیا یہ عام اپنے معنی عموم پر لیا گیا یا نہیں چنانچہ شرع میں بہت الفاظ عموم اپنے عموم پر نہیں مراد ہیں جیسے بلقیس کو کہاکہ اوتیت من کل شیٔ اسکو ہر چیز
دی گئی حالانکہ اسکو آسمان یا ستارہ یا روس کی سلطنت نہیں دی گئی تھی لہذا جب ہم نے دوسری آیات واحادیث کو دیکھا تو اس سے معلوم ہوا کہ
تعمیم مراد نہیں بلکہ خصوص گنہگار موحد مراد ہیں فافہم ۔ پھر مؤلف نے لکھا کہ ابن المنذر و ابوالشیخ نے ابراہیم رحمہ اللہ یعنی تابعی نخعی سے روایت کی کہ کہاکہ مافی
القرآن ارجی آیۃ لاہل النار من ہذہ الآیۃ خالدین فیہا مادامت السموات والارض الا ماشاء ربک ان ربک فعال لما یرید یعنی کہاکہ اہل دوزخ کیلئے قرآن
میں اس آیت سے بڑھکر کوئی آیت امید کی نہیں ہے یعنی خالدین فیہا مادامت الآیۃ ۔ قال المترجم اسمین بھی اہل النار سے شاید گنہگار موحد
مراد ہیں جیسے دیگر اقوال ہیں ۔ اور اسی قول ابراہیم میں ہے کہ کہا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا لیاتین علیہا زمان تصفق ابوابہا کہ جہنم پر ایک زمانہ آویگا کہ اسکے
دروازے بند کئے جاوینگے ۔ اقول شاید یہ مراد ہے کہ موحدین گنہگار کے نکالے جانیکے بعد جب اسمین کوئی ان میں سے نہ رہیگا تو کفار پر مسدود کر دئے
جاوینگے واللہ اعلم ۔ امام احمد نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی کہ قال لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد ۔ اور اس
قول کو محی السنۃ بغوی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ وغیرہ سے حکایت کیا اور ابن جریرؒ نے اپنی اسناد سے شعبی تابعی رحمہ اللہ سے روایت کی کہ
قال جہنم اسرع الدارین عمرانا واسرعہما خرابا یعنی دوزخ وجنت دونوں گھروں میں سے دوزخ زیادہ جلد آباد ہو جائیگی اور زیادہ جلد خراب یعنی
ویران و کھنڈل ہو گی اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہاکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا الا ماشاء ربک ان ربک فعال لما یرید ۔ تو وہی جانتا ہے کہ یہ استثناء
کس پر واقع ہوا اور جاننا چاہئیے کہ جیسا حضرت ابن مسعود و حضرت عمر و ابوہریرہ و عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہوا ویسا ہی ایک
جماعت سلف سے مروی ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ابن عباسؓ و ابن عمرو جابر و ابوسعید خدری سے اور تابعین میں سے ابومجلز و

عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ سے روایت کیا گیا اور اسمیں ایک حدیث بھی طبرانی کے معجم کبیر میں ابو امامہ صدی بن عجلان الباہلی سے مرفوع
روایت ہی لیکن اسکی اسناد بعض راویوں کی وجہ سے ضعیف ہو۔ مؤلف نے کہا کہ اس بیان سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ
نے جو کچھ ان بزرگوں سے نقل کیا وہ صحیح ثابت ہو انتہا اور ابن القیم نے جو اسکا اعتقاد کیا وہ بجا ہے اور ابن حجر مکی ومناوی کا قول سست
ہے اگرچہ بیشک ارجح وہی جمہور کا مذہب ہے۔ **قال المترجم** سندی میں یہ نہیں کہا تھا کہ شیخ الاسلام کی نقل میں فتور ہو بلکہ اُسنے یہی کہا تھا کہ یہ قول
مہجور و متروک ہے اور ابن حجر نے البتہ عدم ثبوت کا احتمال پیدا کیا تھا تو ان سانید سے ثبوت ہو جاتا ہو لیکن اصل کلام اسکے معنی میں ہو۔ مترجم
کہتا ہو کہ عذاب جہنم ایک نہایت سخت چیز ہو نعوذ باللہ من عذاب جہنم و عذاب القبر چنانچہ صحیح حدیث میں ہو کہ بسبب برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے ابو طالب آپکی پرورش کرنے والے جان نثار چچا پر جو کافر رہے عذاب میں بالکل تخفیف ہوئی اسپر بھی آپنے فرمایا کہ اسکے پاؤں میں آگ
کی دو جوتیاں ہیں جس سے اسکا دماغ اُبلتا ہے۔ اعوذ باللہ اعوذ باللہ۔ لہذا مترجم کہتا ہو کہ تمام برادران اسلام ہر وقت اپنے آپکو مع
اہل وعیال و دوست واحباب کے نافرمانی الٰہی سے روکیں اور شریعت پر جو نہایت آسان راستہ ہی چلے چلیں اور ضرور بالضرور اپنے ایمان ویقین کو
ہر دم تازہ رکھیں ورنہ جس وقت غفلت ہوگی شیطان اُن کو کافر بنا دیگا کہ جس سے اُنکو خود خبر نہ ہوگی اور شرک سے بالکل دور رہیں اور اس کے بعد
میں کہتا ہوں کہ یہاں جو بحث مذکور رہی اس میں خود خوض نہ کریں اسکو علماء پر چھوڑیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کرنا ضرور ہی جیسے اسکے
عذاب سے ڈرنا ضرور ہو۔ پھر واضح ہو کہ مؤلف نے لکھا کہ یہاں جار اللہ محمود زمخشری نے کشاف میں اپنا معتزلہ ہونا خوب ظاہر کیا اور اس سے آگے
بڑھکر خندق میں گرا اور اسکا مذہب نزدیک معتزلہ کے یہ ہو کہ کبیرہ گناہ کرنے والے موحد دوزخ سے نہیں نکالے جاویں گے چنانچہ اُن کے
نزدیک جو دوزخ میں گیا وہ ہمیشہ اسی میں رہیگا بنا برین اُس نے لکھا کہ تو اہل السنہ کے اس قول سے دھوکا نہ کھا کہ استثناء سے یہ مراد
ہے کہ کبیرہ گناہ والے دوزخ سے نکالے جاویں گے کیونکہ اہل سعادت کے حکم میں بھی استثناء ہو وہ صاف ان لوگوں کا جھوٹ و افترا پکار کر
ظاہر کرتا ہو اور تو ان لوگوں سے بھلا کیا بھلائی کی امید رکھتا ہو جو قرآن کو چھوڑ دیتے ہیں پیچھے تو اسود کی روایت پر کہ اُسنے عبداللہ بن عمرو
بن العاص سے روایت کی کہ یاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد۔ اور میں تجھ سے کہتا ہوں کہ عبداللہ بن عمرو کو اپنی دونوں تلواریں لیکر
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقاتلہ کرنے سے اتنی فرصت کیوں ملی جو انھوں نے تمام زمانہ میں یہ حدیث پھیلادی۔ انتہی کلامہ ملخصا۔ شیخ شوکانی رحمہ اللہ
نے اس قول کو نقل کر کے کہا کہ اے مسکین تو نے جو ہم پر طعن کیا کہ کبیرہ گناہ والے کے دوزخ سے نجات پانے کے قائل ہیں تو یہ خود رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی اور آپ کے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہم لوگوں کو پہونچایا اور سنت مطہرہ
کی کتابوں میں جو ایمان و اسلام کیواسطے خزائن جواہر بے بہا بیش بہا ہیں ایک جماعت سے بدرجہ تواتر بطریق متواتر نقل ہوا ہو پس تیری
بساط کیا ہو جو تو ایسی قوم پر طعن کرتا ہے جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عارف ہیں اور طریقہ رسول وصحابہ کو اس قدر جانتے
ہیں کہ تو اس سے جاہل ہو اور ایسی پیروی ان کی راہ کی کرتے ہیں کہ جس سے تو کوسوں دور پڑا ہے اور یہ جو تو نے وہم کیا کہ آیت میں دوسرا
استثناء اہل سنت کی تکذیب کرتا ہو تو یہ تیرا وہم ہے اسے دونوں جگہ گنہگار مومنوں کی مراد لینے میں کوئی نقصان و کچھ مانع نہیں ہی پس دوسری
استثناء میں یہ معنی ہیں کہ بعضوں کے خلود میں اسقدر دیر ہوگی کہ جبتک اُن کے گناہوں کبیرہ وغیرہ کی وجہ سے اُن کو دوزخ میں عذاب
بھگتنا پڑے اور یہ قول تو ایک جماعت علماء سلف کا ہو جنکا ذکر ہم نے اوپر بیان کر دیا اور یہی حبر الامۃ حضرت ابن عباس کا قول ہی
الغرض بارہ جو تو نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص پر طعن کیا حالانکہ وہ صحابہ میں بڑے عابد و زاہد اور سنت کے حافظ تھے تو اے بیچارے

محمود تجھے کچھ بھی شعور ہوا کہ تو کیا کرتا ہے اور کس جنگل میں بھٹکا چلا جاتا ہے اور کس کنوئیں میں گرا پڑتا ہے اور بھلا تو اور تیری یہ لنگڑی ٹانگیں اور لولے
ہاتھ اور تیرا یہ اچکنا کہ صحابہ رسول اللہ صلعم کہ بحکم صحابی کالنجوم الحدیث کے آسمان کے ستارے ہیں وہاں تک تو ہاتھ بڑھاتا ہے افسوس کہ تیری
نحو ولغت کے طالبعلموں میں بھی کوئی نہ تھا جو تجھکو روکتا کہ جن علوم پاکیزہ وسنت مطہرہ میں تجھکو دخل ہی نہیں ہے آمیں تو کیوں کلام کرتا ہے فیا للہ
العجب اس علم الروایۃ ومعرفۃ السنت سے جاہل ہونا بھی کس خراب فضیحت میں ڈالتا ہے بلکہ فضیحت اٹھانے والا وہ شخص اپنے ہاتھوں ہوگا جو اپنی
کملی جھونپڑی سے پڑھکر بادشاہی تخت وتاج کا خواب بیان کرے ۔ انتہی کلام الحافظ الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ مترجما ۔ مترجم کہتا ہے کہ میں نے
اس مقام کو اس تفسیر میں کافی وضاحت سے نقل کیا تاکہ اہل اسلام اپنے علوم دینی کی طرف توجہ کرکے ضائع نہ کریں والتوفیق من اللہ سبحانہ وتعالیٰ
اب میں آیت کی تفسیر موافق مختار شیخ سیوطی رح کے اول موافق اکثر کے دوم اور موافق ایک جماعت کے جنکا مذہب جمہور ہے سوم نقل کرتا ہوں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فاما الذین شقوا ففی النار لہم فیہا زفیر وشہیق خالدین فیہا مادامت السموات والارض ۔پس جو لوگ شقی ہوئے یعنی ازلی کافر
ہوئے (بقول سیوطی) یا انکے اعمال بد ہوئے جو مستوجب عذاب دوزخ ہیں (بقول جمہور) تو وے آگ جہنم میں ہونگے انکے لئے اسمیں زفیر وشہیق
ہے درحالیکہ خلود دائمی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین دنیا کا دوام ہے (بقول سیوطی) یا ہمیشہ اسی میں رہیں گے ابد تک ۔ (بقول جمہور) الا
ماشاء ربک سوائے اسقدر مدت کے جو تیرا رب چاہے یعنی بے انتہا جسکی کوئی حد نہیں کیونکہ اس آسمان وزمین کو دوام ابدی نہیں اور کفار کو
خلود ابدی ہے (بقول سیوطی) یا باستثناء ان گنہگار موحد لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ بعد مقدار عذاب کے نکال کر
نہر الحیات میں غسل دیکر جنت میں داخل کئے جاوینگے (بقول جمہور) یا اس مقدار کہ تیرا رب چاہے تو جہنم فنا ہوگی اسمیں نہ ہونگے اگرچہ
عذاب ہے (بقول جمہور) ان ربک فعال لما یرید ۔ بیشک تیرا رب جو چاہے کرے ۔ اسکو کوئی مانع نہیں اور کوئی بات اسپر فرض وواجب نہیں
اور کسی کا اسپر حق نہیں آتا ہے بلکہ وہ سب کا خالق مالک خود مختار ہے لیکن فضل الٰہی تو اہل دوزخ جو اس سے نجات چاہیں گے اگر چاہے
انکی امید پوری کرے یا ان کو عذاب بڑھاوے جو چاہے کرے ۔ پھر اہل سعادت کا حال بیان فرمایا بقولہ ۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا ۔ اور جو لوگ
کہ سعود ہوئے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان پر مرے اگرچہ پہلے ان سے کفر وغیرہ گناہ صادر ہوئے ہوں یعنی ابتدا
میں اگر کوئی آدمی کافر ہو یا کسی گناہ میں مبتلا ہو لیکن ایک وقت سچے طور پر توبہ کرکے ایمان لاوے اور اسی ایمان پر مرے تو وہ سعید ہے ۔ یہاں
قرأت میں اختلاف ہے سمین نے کہا کہ حمزہ وکسائی وحفص نے بضم سین اور باقیوں نے بالفتح پڑھا پس قرأۃ اولیٰ تو عرب کے اس محاورہ پر ہے
کہ سعدہ اللہ اسعدہ ۔ فراء رح نے ہذیل سے حکایت کی کہ وے لوگ یوں ہی بولتے ہیں ولیکن سیبویہ نے کہا کہ سعد بضم سین نہیں بولتے جیسے
شقی مجہول نہیں بولتے کیونکہ فعل متعدی نہیں ہے ۔ نحاس نے کہا کہ میں نے علی بن سلیمان سے سنا کہ وہ بضم میں قرأت پر تعجب کرتے اور کہتے کہ
کسائی سے تعجب ہے کہ باوجود زبان عربی سے ماہر ہونے کے اسنے بضم پڑھا حالانکہ یہ لحن غیر جائز ہے ۔ ازہری رح نے کہا کہ دونوں صحیح ہیں سعد بالفتح
کا فاعل سعید ہوتا ہے اور سعد بالضم کا مسعود آتا ہے ۔ اقول بلا انکار مسعود معروف ہے اور یہ مستولد نہیں بلکہ خاص حجاز وعرب ہے پھر سعد بالضم جس سے
مسعود آوے سیبویہ وغیرہ کا انکار کرنا خود عجب ہے اور واضح ہو کہ سعد وا بالفتح قرأت پر یعنی ہیں بجائے مسعود کے سعید سمجھنا چاہیے یعنی جو لوگ
سعید ہوئے فَفِی الْجَنَّۃِ ۔ وہ جنت میں ہیں یعنی ہمیشہ کیونکہ جملہ اسمیہ سے استمرار پایا جاتا ہے پھر ہمیشگی پر تنصیص کردی بقولہ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ہمیشہ اسی میں رہیں گے
مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۔ جبتک آسمان وزمین ہیں یا اس لفظ سے بطریق محاورہ یہ معنی ہیں کہ دائم ابد تک یا جبتک کہ خود وہی آسمان وزمین ہیں جنالئکہ
وے ہمیشہ رہیں گے ۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ۔ الا اسقدر کہ اللہ تعالیٰ چاہے یا سوائے اسقدر زائد کے جو مشیت الٰہی میں ہے یعنی بے انتہا جسکا کبھی ختم نہیں ہے جیساکہ دوسری

آیات سے صریح معلوم ہوا اور خود یہاں تنصیص فرمائی بقولہ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۔ اے اعطوا عطاء غیر مقطوع لا نہایۃ لہ۔ دئے گئے یہ بندے ایسی نعمت کہ کبھی منقطع نہ ہوگی۔ بیضاوی رح نے کہا کہ یہ تصریح ہے کہ ثواب کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور تنبیہ ہے کہ ثواب جو استثنار کیا بقولہ الا ما شاء ربک اس سے ظاہر مراد نہیں کہ کبھی دوام میں انقطاع ہوگا کیونکہ آگے عطاء غیر مجذوذ فرمادیا اور اسی وجہ سے ثواب وعقاب کے تابید میں فرق کر دیا خفاجی نے کہا کہ بعض کو وہم ہوا کہ عذاب جہنم کبھی منقطع ہوگا اور ثواب جنت منقطع نہیں ہوگا اور اسمیں ایک حدیث عبداللہ بن عمرو سے وارد کی وابن الجوزی نے کہا کہ وہ موضوع ہے اور اسی کے قریب زمخشری نے کہا ولیکن زمخشری نے ابن عمرو کے حق میں ایسی بات کہی جسکا ذکر کرنا لائق نہیں ہے مترجم کہتا ہے کہ خفاجی رح سے عجب ہے کہ زمخشری رح کا قول بے روایات کی تضعیف وتوثیق میں سند قرار دیا حالانکہ اسکو اس علم سے کوئی سا سبت ہی نہیں ہے آیا تو نہیں دیکھا کہ وہ تو صحیح متفق علیہ احادیث سے منکر ہو جاتا ہے اور رہا ابن الجوزی کا موضوع کہنا کچھ مضر نہیں جبکہ مفصل معلوم ہو چکا کہ اسانید صحیح ہیں لیکن یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ خلود کفار کی آیات قطعی ہیں ان کے مقابلہ میں یہ نصوص جو محتمل تاویلات ہیں معارضہ نہیں کر سکتے ہیں لہذا قول جمہور اُمت کا مختار ہے اور یہ ہم نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں کیا ہے کیونکہ وہ فعال لما یرید ہے جو چاہے کرے اور یہی جمیع اہل السنت کا مذہب ہے پھر مشائخ صوفیہ کے اقوال بھی سننا چاہیئے **ف عرائس** میں ہے کہ قولہ تعالیٰ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک۔ اللہ تعالیٰ کے کرم ولطف سے یہ اُمید کی جاوے کہ کفار جب حشر میں اُٹھائے جاویں تو بلا حساب جہنم میں داخل کر دیئے جاویں پھر مومنوں کا حشر ہو اور میزان کے اعمال محسوب ہوں وزمین تبدیل کی جاوے وآسمان دوسرا بدلا جاوے یا درمیان سے دور کیا جاوے اور مومنوں سے آسان حساب لیا جاوے اور حق تعالیٰ قادر ہے کہ ان سے ایک لحظہ میں حساب کرے پھر جب ان کو جنت میں داخل کرنا چاہے تو کافروں کو جہنم سے نکالکر بحر الحیوان میں داخل کر کے پھر مومنوں کے ساتھ ان کو جنت میں لیجاوے کیونکہ اس نے وعدہ فرمایا کہ کفار جہنم میں اسوقت تک رہیں گے کہ آسمان وزمین رہوں پھر جب دونوں زائل ہوئے تو مدت پوری ہوگئی اور یہ ایک بات ایسی ہے کہ اُمید کی جاوے ورنہ اہل السنت کا یہ مذہب نہیں ہے ولیکن قولہ الا ما شاء ربک کے معنی یہ ہیں کہ وہ کافر ایسا ہو کہ آخرت معاینہ کرنے سے ایک لمحہ پہلے ایمان لے آیا ہو اور کوئی اسکے ایمان سے مطلع نہ ہوا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو اس صورت میں وہ بحر الحیوان سے نہا کر مومنوں کے ساتھ ہوگا۔ **قال المترجم** یہ دونوں اقوال نہایت عجیب ہیں شاید صوفیہ وغیر صوفیہ بلکہ جمیع اُمت میں سے کسی کا قول مجھے اسکے موافق نہیں ملا۔ اول قول کہ محشور ہو کر جہنم میں جاویں پھر مومنین محشور ہوں تو واضح ہو کہ آیات سے ثابت ہے کہ کفار بدہیات ومنصور ومقہور محشور ہونگے اور جملہ خلائق ایک میدان میں جمع ہونگی اور چنیں وچناں وقائع صریح منصوص آیات میں مذکور ہیں پھر اس قول کی کیا ہستی رہی اور دوم یہ کہا کہ کافروں کی نجات کی شرط یہ کہ لمحہ پہلے ایمان لایا ہو جس سے سوائے حق کے کوئی مطلع نہ ہو تو واضح ہو کہ جمہور اُمت کے نزدیک جو کوئی توبہ کے وقت تک توبہ کرے وہ ایسا ہے کہ جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تو اُسپر کوئی گناہ نہیں اگرچہ فضائل اعمال سے اسکو درجہ نہ ملے مگر وہ ایک لمحہ بھی دوزخ میں عذاب نہ پاویگا اور واخیر یعنی عمل صالح نہونا بلکہ عصیان ہونا تو اہل توحید بھی بعوض گناہ کے عذاب پاکر جہنم سے ایک وقت پر نکالے جائیں گے پھر بحر الحیوان یا نہر الحیات سے غسل دیکر جنت میں جاویں گے جیسا کہ صحاح میں مصرح ہے اور رہا رحمت آلہی کا بیان تو بیشک وہ ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اسکو کیا بیان کر سکے لیکن احادیث الرسول کے بیان سے جانتا ہے حتی کہ شیطان اس رحمت کی تمنا کریگا لیکن وہ قہار بھی ہے تو جامع صفات کمالیہ سے سب کو خوف ورجا ہے ولیکن شیخ نے بعد اسکے لکھا کہ اللہ تعالیٰ عذاب کافرین سے مستغنی ہے جیسے طاعت مومنین سے مستغنی ہے اور اُسکا کچھ نقصان نہیں اگر تمام کافروں کو جنت میں داخل کردے پس جب کرم فرمایا تو اولین وآخرین مومنین وکافرین سب اسکے کرم سے فیضیاب ہوں گے مگر جو اُسنے

وعدۂ رحمت دیا ہے یا عذاب سے ڈرایا ہے اُسمین سچا ہے اور سب علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اقول بیشک وہ کفر و طاعت و عذاب و ثواب سب سے مستغنی ہی ولیکن یہ غضب و رضا ہی اور یہ ہر ایک کے اعمال کا عوض ہر ایک کو ملا اسکو دونون سے استغنا ہی جیسا کہ تمام اہل السنت کا قول اور احادیث صحیحہ مین مصرح ہی پھر اللہ تعالیٰ و رسول و صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم و جمہور اکابر اولیا و ماموں کا قول اسطرح امید و بیم پر اُنکی مخالفت کرکے نہین چھوڑا جاسکتا ہے اور شیخ محی الدین بن العربی کا یا کسی صوفی کا یہ قول نہین ہی کہ جہنم والے جنتی یا جنت والے جہنمی ہوجاوینگے بلکہ شیخ ابن العربی نے اسکو صریح لکھا ہی جیسا کہ مین نے اوپر اُنکا قول ترجمہ کردیا ولیکن شیخ رہ نے جو قول لکھا وہ کسی کرام صوفیہ کے قول سے متوافق نہین ہوتا والعلم عند اللہ تعالیٰ پھر لکھا کہ جو کچھ مین نے لکھا اسکی تائید مین ابو مجلز کا قول ہے کہ جہنم کافرون کی سزا ہی لیکن اللہ تعالیٰ چاہے تو عفو کردے اور جہنم مین داخل نکرے اور ابن مسعودؓ نے کہا کہ لیاتین علی جہنم زمان الخ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اور ایسے ہی شعبی کا وہی قول نقل کیا جو اوپر مذکور ہوچکا اور کہا کہ تصدیق اسکی قولہ تعالیٰ ان ربک فعال لما یرید۔ وہ جو چاہے کرے اقول ان اقوال کے معنی و تاویلات سب اوپر مذکور ہوئین اور لکھا کہ قولہ تعالیٰ واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک عطاء غیر مجذوذ یعنی جو لوگ ایسے ہین کہ ازل مین سعادت کبریٰ سے سرفراز ہوئے وہ سرادق عرش کے نیچے مقاصیر معرفت مین ہین اُنکو دوام خلود ہی جبتک جنت کا آسمان و زمین قائم ہی آسمان اُسکا عرش عظیم ہی اور زمین اُسکی دُرِ مکہ بیضاء مشک اذفر کی ہوگی یعنی جیسا کہ حدیث مین زمین کی نسبت وارد ہی الا ما شاء ربک یعنی عارفین و محبین و مشتاقین کیلئے خاصہ تجلیت کمالات جمال مین تا ابد داخل ہون اور قولہ عطاء غیر مجذوذ یعنی کبھی منقطع نہوگی اور اہل جنت کے فواکہ کی نسبت بھی فرمایا کہ لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ۔ اقول یہ تفسیر باشارت متوافق ظاہر ہی پھر شیخ نے اکابر مشائخ صوفیہ سے اقوال موافق جمہور امت کے نقل کیے اور خود شیخ کا قول ان سب سے مخالف صریح ہی چنانچہ لکھا کہ ابن عطاء نے کہا کہ قولہ الا ما شاء ربک جو اہل جنت کیلئے ہی اسکے معنی یہ کہ سوائے خلود نعمت کے اور جو تیرا پروردگار چاہے زائد نعمت کہ اسکی انتہا نہین اور وہ ادراک بشری سے باہر ہے اور اہل جہنم کے حق مین جو الا ما شاء ربک فرمایا اسکے یہ معنی کہ سوائے خلود جہنم کے جو تیرا رب چاہے مزید عذاب سے جو طرح طرح کے انواع ہین۔ اقول دیکھو شیخ ابن عطاء کا قول بالکل علماء کے اقوال ہین سے شیخ سیوطی کے مختار کے موافق ہی۔ فافہم۔ شیخ جنیدؒ نے کہا کہ شقی وہ ہے جو رحمت سے محروم ہوا اور سعیدہ ہے جسکو رحمت نصیب ہو۔ اقول یہ تو صحیح ہی ولیکن شیخ مؤلفؒ نے شطح کے طور پر سب کو اہل سعادت کردیا کیونکہ کوئی رحمت سے محروم نہین کہا اور شاید کہ شیخ جنید رحمہ اللہ کی مراد خاص رحمت ہی۔ فافہم واللہ اعلم۔ ابراہیم خواصؒ نے فرمایا کہ شقی وہ ہے جس نے اپنی تدبیر پر اعتماد کیا اور قوت کا بھروسہ سمجھا اور سعید وہ شخص ہی جس نے اپنے کام کو اپنے رب کے سپرد کیا اور سعید وہ ہی جو مقامات و طاعات چاہتا ہے اسمین توفیق ازلی اسکی مساعدت کرے اور اسپر سہل کردے اور شقی وہ مردود ہی کہ تجلی رب سے محروم ہو جب قیامت تک کے لوگون کیلئے عموماً اور عرب کے لئے خصوصاً اگلی قومون کے عبرت آمیز احوال بیان کیے جس سے رسول اللہ صلعم نے انذار فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ایک اشارہ حکمت ازلیہ کیساتھ تسلی فرمائی اور اسکے ضمن مین امتراء و شک سے منع فرمایا اگرچہ رسول کریم افضل المرسلین کو اس مین کچھ شک نہ تھا۔

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُونَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ

سو تو نہ رہ دھوکے مین ان چیزون سے جنکو پوجتے ہین یہ لوگ کچھ نہین پوجتے مگر ویسا ہی جیسا پوجتے تھے اُن کے باپ دادے

مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

اس سے پہلے اور ہم دینے والے ہین اُنکو اُنکا حصہ بن گھٹایا اور ہم نے دی تھی

ع ۱۴
۹

مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

موسیٰ کو کتاب پھر اُسمین پھوٹ پڑگئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ آگے نکل چکا تیرے رب سے

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ

تو فیصلہ ہو جاتا اُن مین اور اُن کو اسمین شبہہ ہے کہ جی نہین ٹھہرا اور جتنے لوگ ہین جب وقت آیا پورا دیگا رب تیرا اُن کو

أَعْمَالَهُمْ ۭ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ

اُن کے کئے اسکو سب خبر ہے جو وہ کر رہے ہین سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھکو حکم ہوا اور جنے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو

إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

وہ دیکھتا ہے جو تم کر رہے ہو

قولہ تکُ - تکن - حذف نون بسبب کثرت استعمال کے ہے اور کرخی نے کہا کہ جب نون کنارے پڑتا ہے تو تلفظ مین اس سے فقط ایک غنہ باقی رہتا ہے اسواسطے انھون نے ایسے نون کو ساقط ہی کر دیا - فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۤءِ - اس چیز کی طرف سے جسکو یہ لوگ پوجتے ہین تو کچھ شک مین مت ہو جیو - ہؤلاء سے اشارہ کفار قریش کیطرف اولا اور قیامت تک سب کی طرف جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کی بندگی کرتے ہین اور بندگی خواہ اسطرح کہ صریح سجدہ کرتے ہون یا اور وجہون سے جو شرک ہین جیسے کسی کو قادر مختار جاننا یا مثل اللہ تعالیٰ کے حکم کے بیچون و چرا کسی کا کہنا مان لینا کما فی قولہ تعالیٰ اتخذوا احبارہم ورہبانہم اربابا الآیۃ - اور قادر مختار جاننے کی یہ مثال کہ کسی کو سمجھنا کہ وہ اولاد یا روزی چاہے خوش ہو کر دیدے یا ناراض ہو کر بند کر دے اور واضح ہو کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کام ہونیوالا ہے اور شیطان کو استراق السمع سے معلوم ہو گیا تو اُسنے اپنے ماننے والونکو وسوسہ دیا کہ فلان بت یا میت سے مراد مانو شاید وہ راضی ہو تو تمھین ملے تو اُسنے یونہی کیا اور وہ کام تو ہونیوالا تھا ہو گیا تو اُسکے اعتقاد مین یہی شرک جمگیا - اب حاصل معنی یہ ہوئے کہ آنحضرت صلعم کو خطاب فرما کر دوسرونکو نصیحت کی کہ کبھی شک نہ لانا اس چیز کی طرف سے جسکو یہ لوگ قریش و عرب کے پوجتے ہین یا قیامت تک کافر پوجنے والے ہین اور شک اس بات کا کہ شاید یہ نفع یا ضرر انکو اسی باطل معبود سے پہونچا ہو ہرگز نہین بلکہ وہ مقدر ہو گا اور یہ شک کرنا کہ اُن لوگون کی عاقلانہ تحقیق ہے جو معبود بناتے ہین بلکہ محض جہالت و گمراہی ہے ان چیزونکو کچھ بھی قدرت و تاثیر نہین ہے بعض نے کہا کہ اُنکے معبودون کے باطل ہونے مین کچھ شک نکرنا بعض نے کہا کہ ان لوگونکے ایسے شرک و کفر کرکے شقی و بدانجام ہونے مین کچھ شک کرنا حق یہ کہ ایسے سب معنی کو کلام شامل ہے اور محصول یہ کہ ان لوگونکی عبادت ان باطل معبودونکی کسی تحقیق و تاثیر نفع و ضرر واقعی پر نہین بلکہ محض جہالت و تقلید آبائی پر ہے - مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ - خازن نے لکھا یعنی ان لوگونکے پاس کوئی قطعی حجت ان معبودونکی عبادت مین نہین ہے مگر یہ جہالت کہ ہم تو وہی کرینگے جو ہمارے اگلے باپ دادے کرتے چلے آئے یا یہ معنی کہ اُن کا پوجنا بتون وغیرہ کو ویسا ہی ہے جیسے اُن کے اگلے باپ دادے پوجتے تھے - قال الحافظ یعنی تجھکو کچھ شک مت ہو کہ جو شرک پوجتے ہین محض باطل ہے کیونکہ ان کے پاس کوئی حجت ان کے خالق کی طرف سے نہین ہے سوائے اس جہالت کے کہ اپنے باپ دادون کی پیروی کئے جاینگے قولہ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ - اور ہم ان کو پوری جزا دینگے اس بدلے مین کچھ کمی نہ کرینگے اور اگر کوئی نیکی ہوگی تو اسکو دنیا ہی مین دیدینگے - الثوری عن جابر عن مجاہد عن ابن عباس کہا کہ جو کچھ ان کو بھلائی و برائی کا وعدہ دیا ہے ہم پورا بغیر کمی کے دیدینگے - ابن زید نے کہا کہ پورا عذاب دینگے اور بعض نے کہا کہ جو اُنکا حصہ ازل مین مقدر ہو چکا ہے ہم ان کو پورا دیدینگے - اس سے ظاہر ہوا کہ مشرک کا فرخالی اپنی بداعتقادی سے یہ سمجھتا ہے کہ بت یا میت نے ایسا کر دیا ورنہ جو مقدر نہین وہ ہرگز نہین ملتا ہے ورنہ ہر مشرک بادشاہ

ہوجاتا اور جو مقلد ہے ضرور پہونچتا ہے یہ جہالت سے شرک پر اعتقاد کرتا ہے۔ پھر جو لوگ حکم خالق سے خلاف کر کے دوسرے احکام پر چلے
خواہ اپنی رائے پر یا کسی دوسری مخلوق کی رائے پر اور مشرک ہو کر مستوجب عذاب ہوئے انکا حال فرمایا بقولہ۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
اور بیشک ہم نے عطا فرمائی یعنی کمال فضل سے اُس زمانہ والون کی ہدایت وسعادت کیلئے کتاب یعنی توریت۔ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ۔ پس
اسمین پھوٹ ڈالی گئی بعضے اسپر ایمان لائے اور بعضے کثرت معجزات اور رشد کامل دیکھکر ایمان نہ لائے۔ اور بعضون نے تھوڑے احکام مانے
اور بہتوڑے نہ مانے اور کسی کے معنی بگاڑے اور آخر مین پڑھے لکھے خود حاکم بن گئے۔ جو چاہا حکم دیا اور جس سے چاہا منع کیا اور جب چاہا منع کیا
اور جب چاہا جائز کیا اور عوام لوگ یہان سے جاہل ہو کر انھین کی گویا بندگی کرنے لگے پس اسمین آنحضرت صلعم کو بھی تسلی ہے کہ اگر قرآن پاک
کے ساتھ یہی برتاؤ ہو تو پہلے توریت کیساتھ ہو چکا اور اسمین اشارات قیامت تک قائم رہے ہین اور اسلام مین ایک فرقہ نے اسی واسطے نہایت
کوشش کی کہ وہی طور وطریقہ مضبوط پکڑے رہین بعد کامل تلاش کے جسپر آنحضرت صلعم وصحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم قائم تھے تاکہ کوئی خلاف
نہو کیونکہ یہ غضب الٰہی ہے لہذا فرمایا۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ ابن جریرؒ نے کہا یعنی اگر حکم ازلی مین یہ نہوتا
کہ اللہ تعالیٰ نے عام کرم سے بندون کیلئے ایک میعاد مقرر کر دی ہے کہ اس مدت تک تاخیر ہووے تو ابھی ان مین فیصلہ کر دیا جاتا۔ مراد
یہ کہ رحمت سابقہ سے ایک وقت تک باقی ہوئی ورنہ ابھی شرارت کرنے والے ماخوذ ہوتے۔ اور بعض نے کہا کہ قوم موسیٰ پر توریت مین
قرآن پر ایمان کا حکم تھا بعض نے مانا اور بعض نے اختلاف کیا تو اگر میعاد مہلت نہ ہوتی تو ابھی فیصلہ کیا جاتا۔ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ
مُرِيْبٍ۔ اور وے اس کتاب کی طرف سے یعنی توریت سے یا قرآن سے ایسے شک مین پڑے ہین جو انکو ریب مین ڈالنے والا ہے۔ فائدہ تاکید
یہ ہے کہ وسوسہ قبول کرنا شیطان کی طرف سے ان کے شک کا موجب ہے جو عند مقبول نہین کیونکہ حق تعالیٰ کی یاد سے قلب کو منور کرنا اور اوہام
وظنون شیطانی سے محفوظ رکھنا واجب تھا پھر اس شک کا فرون نے کفر کیا اور ظنون مین پھنسکر ہلاک ہوئے یعنی خالی وہم پر بتون وغیرہ کو پوجنا
اختیار کیا۔ کما قال تعالیٰ وان ہم الا یظنون۔ اور منافقون نے اپنا مال خرچ کرنا اور طاعت کی مشقت سے حمق کیا کہ شاید دین کے پیرایہ
مین برباد ہو اور دنیا ہاتھ سے جائے اور اللہ تعالیٰ نے بقولہ ام یخافون ان یحیف اللہ علیہم الآیۃ سے انکو تنبیہ کی الغرض بیشمار اقسام سے دین
وشکوکین کی برآمد ہوئے جو تنبیہ سے بھاگے اور کیچڑ مین پھنسے صرف ایک فرقہ اہل صدق وایمان کا باقی رہا پس وہ ہر وقت اپنے قلب کو
شک ووساوس شیطانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جملہ فرقون کو ایک جملہ مین گھیر دیا بقولہ۔ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ
تفسیر بیضاوی مین ہے کہ قراء سبعہ مین سے ابن کثیر ونافع وابوبکر نے حرف ان کو تخفیف پڑھا یعنی نون کو تشدید نہین دی مگر باوجود
اسکے کلاً کو اسکے عمل سے نصب دیا۔ حالانکہ انّ بتشدید تو اسم مین نصب کرتا ہے اور جب اسکو مخففہ کرتے ہین تو عمل نہین کرتا ہے اسکی وجہ یہ ہے
کہ ان مخفف کو اصل تشدید کے اعتبار سے عامل ٹھہرایا اور حاصل یہ کہ زبان کے لحاظ سے وہ انّ مشدد ہے لیکن پڑھنے مین آسانی وسلامت
کی راہ سے مخفف کر لیا اور باقیون نے اسکو اپنی اصل پر مشدد پڑھا بالجملہ کلاً سب کی قراۃ مین منصوب ہے اور حرف ان ہر سہ ائمہ قراۃ کے
نزدیک مخفف اور باقیون کے نزدیک مشدد ہے اور معنی بالاتفاق ایک ہین اور کہا کہ کُلًّا کی تنوین بعوض مضاف الیہ کے ہے یعنی ان کل الذین
اختلفوا من المومنین والکافرین یا ان کل الفریقین۔ یا۔ ان کل المختلفین الکافرین والمومنین یعنی بیشک ہر دو فرقہ اختلاف کرنے والے مومنین
وکافرین۔ اور لمّا کو ابن عامر وعاصم وحمزہ نے بتشدید میم پڑھا اور باقیون نے بتخفیف پڑھا تو اس صورت مین اس حرف کے معنی
مین فرق ہوا اگرچہ مجموعہ کلام کے معنی مین حاصل واحد ہے پس جبکہ لما بتخفیف لیا جاوے تو یہ حرف لام وما سے مرکب ہے اور لام تو قسم کا موطئہ ہے

خوب آگاہ ہو اُس سے جو تم کیا کرتے ہو اہل ایمان وطاعت والون مین نیت کے خالص و سچے سب کو جانتا ہے اور کافر و مشرک
و منافق سب کے حال سے واقف ہے تو ہر ایک کو اُسکا پورا بدلا ملیگا واضح ہو کہ اول کلام مین آنحضرت صلعم کو خطاب فرمایا تھا کیونکہ وہ
آپ ہی کے لائق مضمون تھا اور یہان خود عمل کرنیوالون کو خطاب کر دیا جس سے بدکار سخت خوف کرین اور نیکوکار اپنے رب کے حضور مین
جان نثاری مین سرگرم ہون پھر آنحضرت صلعم کو خطاب کرکے امت مرحومہ کو تاکید فرمائی بقولہ۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ پس تو استقامت کر
جیسا تجھے حکم دیا گیا یعنی جس چیز کا تجھے جسطرح حکم ہوا ہے تو اسی طرح اسپر ٹھیک مستقیم رہ۔ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔ اور ہر وہ بندہ بھی مستقیم
رہے جسنے تیرے ساتھ توبہ کی یعنی مخالفت الٰہی تعالیٰ سے توبہ کرکے اسی کی طرف رجوع کیا ہے بعض نے کہا کہ اسمین لطیف اشارت ہے کہ جیسا
حکم ہوا اس سے آنحضرت صلعم کا علم بوحی ہر طرح کی سمجھ کے ساتھ تھا اور مومنین کو یہ فہم آنحضرت صلعم کی اتباع مین ٹھیک حاصل ہوئی لہذا
اہل السنت نے تمام فہم حق کہ کتاب الٰہی کی سمجھ بالکل آنحضرت صلعم کے طریقۂ شریف سے حاصل کرکے اپنی نجات کا وسیلہ ڈھونڈھا بخلاف
معتزلہ وغیرہ بدعتی فرقہائے اسلام کے کہ وے طریقہ سنت سے منحرف ہوگئے اور گمراہ ہوئے اور جو اشارہ بیان ہوا وہ اسطرح ظاہر
ہے کہ یون نہین فرمایا کہ فاستقم انت ومن تاب معک کما امرتم حالانکہ طاعات وغیرہ احکام مومنون پر بھی بحکم الٰہی لازم ہین۔
شیخ امام عماد ابن کثیرؒ نے کہا کہ اس آیت مین اپنے رسول علیہ السلام و مومنون کو حکم دیا کہ استقامت پر ثابت قدم رہین۔ سراج مین کہا
کہ یہ بطور تاکید کے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر استقامت پر قائم تھے تو تاکید کی کہ ہمیشہ قائم رہنا یعنی جیسے نماز مین دعائے
اہدنا الصراط المستقیم کے یہی معنی کہ ہمکو صراط مستقیم پر قائم و ثابت رکھ جیسے فرمایا۔ یؤمنون بالغیب یعنی ایمان پر ثابت قدم رہتے ہین اور
جیسے کہتے ہین کہ قم حتی آتی۔ کھڑا ہو جب تک مین آؤن یعنی کھڑا رہیو کیونکہ وہ تو کھڑا تھا اور یہ تمہید ہے من تاب یعنی مومنون کیلیے استقامت
کے حکم کی یعنی جو تیرے ساتھ ایمان لایا ہر ایک دین الٰہی وطاعت پر اسطرح مستقیم رہے جیسا تجھے حکم دیا گیا یعنی تجھ سے اُنھون نے سیکھا
اقول یہی معنی ہین کہ رسول صلعم کی اطاعت کرنا عین اطاعت الٰہی ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا صلوا کما رأیتمونی اصلی یعنی ویسی ہی نماز
پڑھا کرو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اور لکھا کہ حضرت امیر المومنین عمر ابن الخطابؓ نے فرمایا کہ استقامت حقیقت مین یہ ہے کہ تو ٹھیک
جم جائے ایسے کام کرنے پر جسکا تجھے حکم دیا گیا اور ایسی بدی نہ کرنے پر جس سے تجھکو منع کیا گیا اور تیری یہ حالت نہو کہ لومڑی کی طرح حیلہ
ڈھونڈھے اقول جب دنیا سے منہ موڑکر آخرت کو برحق جانتا ہے اور نفس اسکا تماما بے وسواس سے محبت الٰہی مین منور اور روح خالص
سے مطمئن ہو جاتا اور فانی خواہشون سے بے رغبت ہو جاتا ہے تو پھر کوئی حیلہ نہین کرتا اور مستقیم ہو جاتا ہے تو حضرت امیر المومنین نے
خالص نیت سے سنت کی پیروی کاملہ کا اشارہ کیا ہے۔ اور یہ استقامت جبکہ پہلے نفس و شیطان کی مخالفت کرنے اور خواہش کی چیزین چھوٹنے
کے بعد حاصل ہوتی ہے لہذا آدمی پر شاق ہوتی ہے اگرچہ پیچھے اسکو استقامت کی نعمت سے وہ کچھ حاصل ہو جو کبھی کسی کے خیال مین نہین
آسکتا ہے فاللہ تعالیٰ اعلم۔ چونکہ اس آیت مین اُمت پر استقامت کا حکم ہے اور یہ امر دشوار ہے ان ضعیفون سے اسکی امید کم ہے سوائے
مردان حق و شیران الٰہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و ان کے تابعین کے تو باقیون کی حالت پر آنحضرت صلعم نے شفقت فرمائی اور
کمال ترحم سے انکی حالت گران گزری چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم پر اس آیت سے زیادہ سخت و شاق کوئی آیت نہین اُتری
اور سراج مین لکھا کہ بعض اکابر سے روایت ہے کہ مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب مین دیکھا اور کہا کہ میرے ماں باپ فدا ہون
آپ سے حدیث روایت کی جاتی ہے کہ آپنے فرمایا شیبتنی ہود یعنی مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا تو فرمایا کہ ہان صحیح ہے مین نے عرض کیا کہ

اُس آیت سے آپنے ایسا فرمایا ہی تو فرمایا کہ قولہ تعالی فاستقم کما اُمرت سے - واضح ہو کہ یہ حدیث صحاح و سنن مین صحیح الاسناد مروی ہی حسن
بصری رح سے مروی ہی کہ جب یہ آیت اُتری تو آپنے لوگون کو فرمایا کہ شمروا شمروا - یعنی دامن سمیٹ کر کمر باندھکر مضبوط آمادہ ہو جاؤ پھر اسکے بعد
آپکو کبھی ہنستے نہین دیکھا گیا - ابوالسعود رح نے لکھا کہ یہ حکم تمام اصلی و فرعی احکام و اعتقادی و عملی کمالات کو جامع ہے اور اسکو پورا ادا کرنا
بہت دشوار ہی یعنی جیسا حکم فرمایا ہی اس استقامت کو البتہ پاکیزہ نفوس مثل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادا کر سکتے ہین اسیواسطے آنحضرت
صلعم نے فرمایا کہ شیبتنی ہود - سفیان بن عبداللہ ۱۲ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ مین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اسلام مین ایسی بات بتلا دیجئے کہ
آپکے بعد کسی سے مجھے پوچھنے کی حاجت نہو تو فرمایا - قل آمنت باللہ ثم استقم - یعنی کہہ ایمان لایا مین اللہ تعالی پر پھر استقامت اختیار کر رواہ مسلم
فی صحیحہ - البتہ نہایت جامع کلمہ فرمادیا - بیضاوی مین ہے کہ استقامت عقائد و اعمال دونون کو شامل ہی چنانچہ عقیدہ مین تشبیہ نہ کرے یعنی
ایسا اعتقاد نہ رکھے کہ حضرت خالق عزوجل کی مشابہت کسی مخلوق سے لازم آوے اور نہ تعطیل کا قائل ہو یعنی فلاسفہ وغیرہ کے مانند یہ
اعتقاد نہین صحیح ہی کہ اللہ تعالی بالکل معطل ہی نعوذ باللہ منہ اور اعمال مین افراط و تفریط نہ کرے اسیواسطے فرمایا - وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ -
اور جو حد مقرر کر دی گئی اس سے تجاوز مت کرو - اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ - بیشک جو تم کرتے ہو وہ خوب دیکھتا ہے یعنی پوری استقامت
کروگے تو ثواب پورا اور اس سے کہین زیادہ اپنے فضل سے عطا فرمادیگا اور اگر سرکشی کروگے تو تم کو چھپانا مفید نہ ہوگا بلکہ ہر ذرہ ذرہ اسکو معلوم
ہے سب کا بدلا ہی مگر آنکہ استغفار کرو - واضح ہو کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر گویا تمام اعتقادات و اعمال کی پوری شرح ہی جسکے بیان کی
گنجایش نہین لیکن ایسی تلخیص سے چند ضروری باتین مترجم کو واجب معلوم ہوئین جن کے جانے بغیر آدمی اس مقام کی تفسیر سے فائدہ مند
نہ ہوگا بلکہ برعکس خیال مین پڑیگا اور اگر سمجھکر ان فوائد سے ہوشیار رہے تو امید ہی کہ دین مین بصارت حاصل ہوگی وانما التوفیق من اللہ عزوجل
واضح ہو کہ بالاتفاق علماء کے نزدیک صحیح ہوا کہ ایمان کا اعتقاد ہر شخص پر اپنے یقین کے ساتھ فرض ہی مثلاً خوب یقین کر لے کہ ہمارا خالق و
معبود جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اور اسی کی بندگی ہم پر فرض ہی وہ وحدہ لاشریک ہی اور جو کچھ اسکے سوائے موجود ہو یا خیال مین آوے سب اسکی
مخلوق ہی وہ اپنی مخلوق سے نرالا ہی اسکے مثل کوئی چیز نہین ہی اور اہل حق سب کا اجماع ہی کہ وہ سمیع سننے والا البصیر دیکھنے والا الخبیر آگاہ علیم
و رزاق و ارادہ کرنے والا اور ایسی بہت صفات مین ان سب سے موصوف ہی لیکن یہ نہین کہ جیسے مخلوق دیکھتی ہی ویسے ہی دیکھتا ہی مثلاً سمجھو
کہ ہم اس آنکھ سے دیکھتے ہین کہ اگر اسپر ایک تل کھدو یا اندھیرا کر دو تو کچھ نظر نہ آوے پھر ہم کو اس کاغذ کی تہ نظر نہین آتی نہ دوسرا رُخ اور
نہ اسکے ریزہ اور اللہ تعالی سب کو یکسان دیکھتا اور زمین کی تہ اور ذرہ ذرہ چیونٹی سے بھی حقیر چیز ذرات دن سب اسکے نزدیک یکسان ہین
اسکو سمجھو تو جانوگے کہ ہمارے دیکھنے کو اُس سے کچھ مشابہت نہین ہی ایسے ہی اسکی ذات و صفات سب پر خود یقین کرے اور یہ نہین کہ
فلان عالم کہتا تھا ہم بھی وہی کہتے ہین اور دل مین کچھ یقین نہین آیا تو یہ ایمان نہین ہی اسی طرح جب یقین کر لیا کہ وہی جو چاہتا ہے
وہ ہوتا ہے تو کبھی اسکو شک ہوگا کہ اگر فلان شخص میری مدد کرتا تو یہ کام پورا ہوجاتا افسوس مجھے یہ تدبیر رہ گئی بلکہ جان لیگا کہ اگر
اللہ تعالی کو منظور ہوتا تو مجھسے یہ بھی ہوتا الغرض جب یہ یقین کریگا تو استقامت پر ہو جائیگا اور کسی دوسری مخلوق کو قدرت والا
نہین جانے گا اگرچہ اس دنیا مین بندگی پوری ہونے کو اسباب ایسے پیدا فرما دیئے ہین کہ آدمی تدبیر و مدد وغیرہ کو دیکھکر پھسل جاتا ہی اور
اسکو استقامت نہین رہتی حالانکہ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم سب کام تدبیر کے ساتھ کرتے تھے پھر بھی اُن کی نظر کو استقامت تھی اور حدیث مین
صریح منع فرمایا کہ کاش و اگر کا دروازہ کھول کر شیطان کو قابو مت دو یعنی مت سمجھو کہ کاش اس کام کے لیے یون کرتے تو ہو جاتا یا اگر ایسا ہوتا

توہم کو مقصد حاصل ہو جاتا کیونکہ یہ تو جب ہوتا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو استقامت اعتقاد میں اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کرے جس طرح اہل السنت کا عقیدہ ہے اور خالق رازق وغیرہ جسقدر صفات آئی ہیں سب کا یقین کرے پھر اس پر مستقیم رہے اور ظاہری تدبیر و اسباب کو دیکھکر نظر کو لغزش نہ ہونے دے اور اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی تدبیر نہ کرے کیونکہ یہ جان چکا کہ یہاں امتحان کیلئے اسی طرح خالق عزوجل نے پیدا فرمایا ہے تو اسنے حکمت الٰہیہ سے مخالفت کر کے اپنے آپکو سخت امتحان میں ڈالا مثلاً جاہلوں کی طرح زعم کیا کہ میں اس عالم میں امتحانی طریقہ الٰہی پر نہیں چلتا اور ضروری روزینہ کیلئے کمائی نہ کرونگا بلکہ جو میرا رزق مقدر ہے مجھے حسب وعدہ ملجائیگا تو اس جاہل نے اپنے آپ کو ایک اور امتحان میں پھنسایا کہ وہ مذکورہ بالا سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ اسکو یہ کیا معلوم ہے کہ میرے واسطے کیا مقدر ہوا ہے پھر اسنے یہ کہاں سے جانا کہ مجھے خواہ مخواہ رزق ہی پہونچے گا شاید یہ مقدر ہو کہ فلاں شخص جب کمائی نہ کرے تو اتنے دن بھوکا رہ کر مر جاوے یا یہ مقدر ہو کہ اسکو ہر ہفتہ میں ایک پیسہ ملا کرے اور ایسی صورت میں نفس و شیطان نے وسوسہ دلایا کہ یہ بات کیونکر ہے اگر رزق مقدر ہوتا تو مجھے ملتا اور آخر کار کافر ہو کر دونوں جہان سے خوار ہوا اور پہلے تو یہی تھا کہ کام کر کے جو ملے اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق جانتا اور اب اسنے جہالت اختیار کی ولیکن ہر کمائی کو شرع نے جتلا دیا ہے اگر حرام طریقہ اختیار کیا یا ظالموں کے یہاں کفر و شرک و ظلم و جور کی باتوں میں ہاں ہاں کرتا رہا تو یہ کمائی گناہ و معصیت ہے۔ بالجملہ یہاں مقصود یہ ہے کہ اعتقاد میں بھی متوسط طریقہ اختیار کرے جو اہل السنت کا مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو صفات اپنی پاک ذات کیواسطے فرمائے ہیں سب پر ایمان لاوے اور گمراہوں کی طرح اسمیں قیاس نہ دوڑائے کہ بغیر کیسے ہو سکتا ہے اسکی آنکھیں کہاں ہیں یا ہوگا تو اسکی آنکھیں ضرور ہونگی نعوذ باللہ تعالیٰ کیونکہ اسکی شان کو مخلوق پر قیاس کرنا کبھی جائز نہیں ہے وہ ہر خیال و قیاس و گمان و وہم سے پاک ہے اسیواسطے بیضاوی رحمہ اللہ نے اسی آیت سے استدلال کیا کہ جہاں نص موجود ہو وہاں کوئی قیاس و استحسان نہیں جائز ہے یعنی کما امرت فرمایا تو وہی کیا جائیگا جو حکم ہو وہاں اپنے قیاس کو دخل دینا حرام و کفر ہے ایسے ہی تمام اعمال میں ٹھیک وہی طریقہ اختیار کیا جاوے جو منصوص ہے یا شرع نے اسکا طریقہ بتلایا ہے کوئی نئی بات نہیں نکالی جائے گی اگرچہ اسکو اپنے قیاس پر اچھا سمجھے اور علی ہذا نفس کشی کا ایسا طریقہ نہیں نکالا جائیگا جس سے نماز روزے سے بیکار ہو جاوے جیسے چلہ میں بیٹھکر بعضے آدمی مثل مردہ کے باہر نکالے جاتے ہیں کیونکہ یہ طغیان ہے اور صریح فرمایا کہ لا تطغوا الخ۔ اسمیں حد سے بڑھنا نہیں جائز ہے اسیواسطے رہبانیت کو اسلام میں حرام فرمایا اور کہا کہ میری امت کیلئے رہبانیت جہاد ہے کیونکہ سچی نیت سے جہاد والا اپنی جان سے منقطع ہو جاتا ہے تو کسی چیز کی محبت اسکو کب ہوگی اور دیگر احادیث صحیحہ میں نفس کا حق اور جورو کا حق اور مہمان کا حق وغیرہ واجب فرمائے تو ایسی عبادت کرنا کہ جورو کی بالکل خواہش نہ رہے طغیان ہے اسیواسطے ایک جماعت صحابہ کو جنھوں نے ہمیشہ روزہ رکھنا و کبھی نہ سونا وغیرہ باتیں بخوف عذاب جہنم و بحصول رضائے الٰہی کرنی چاہی تھیں سخت منع کیا اور کہا کہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہوں اور اس سے خوف رکھتا ہوں پھر میں یہ سب باتیں کرتا ہوں تو کیا تمکو میری پیروی نہیں کرنی ہے اور یہ خوفناک دھمکی ہے کیونکہ بغیر آپکی پیروی کے دین کی سمجھ نہیں آسکتی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طریقہ اختیار کریگا ضرور جہنمی ہے۔ سراج میں کہا کہ افراط اسی واسطے منع ہے کہ شرع میں جو امر و نہی وارد ہے وہ بندوں کی تہذیب کے لیے ہے کہ آخرت میں جنت کے لائق عالم سنور رہیوں ورنہ اس کو کچھ حاجت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کے لائق عبادت ادا ہونا ممکن نہیں ہے تو دین کو اپنے اوپر سخت نہ کرنا چاہیے چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبه فسددوا وقاربوا و یسروا واستعینوا بالغدوة والروحة

وشیٔ من الدلجۃ تفلحوا - دین بہت آسان ہے اور جس کسی نے اسکو اپنے اوپر سخت کر لیا تو دین ہی اسپر غالب ہو جاتا ہے تو قصد رکھو کہ تمہارے کام شرع پر ٹھیک ہوں اور مقاربت رکھو یعنی درمیانی حالت رکھو نہ بڑھ چلو اور نہ کمی کرو اور مدد لو غدوہ و روحہ سے یعنی جادے اور مدد لو کچھ تھوڑی رات کی عبادت سے فلاح پاؤ گے **مترجم** کہتا ہے ایسے ہی دین میں افراط کرنے سے اکثر ممانعت ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے اوپر لازم کیا کہ ہر روز ہزار رکعت پڑھلے گا یا رات بھر ہمیشہ نہ سوئے گا تو فرمایا کہ آخر یہ شخص تھک کر چھوڑ بیٹھے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خراب حرکت ہے اور حدیث میں تعریف آئی کہ جو عمل آدمی ہمیشہ کیا کرے کبھی اسکو ملال آگین ہو کر نہ چھوڑ دے وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اگرچہ تھوڑا ہو۔ واضح رہے کہ دین کسی قدر آسان ہو لیکن شیطان جو دشمن ہے کبھی آدمی کو اسکی آسانی پر چلنے نہیں دیتا اور خود اسکا نفس اسکے وسوسہ قبول کرتا ہے تو اسی واسطے شرع پر چلنا خصوص استقامت کے ساتھ بہت دشوار ہو گیا اور شک نہیں ہے کہ یہ مرتبہ انھیں شیران الٰہی کا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کیواسطے ازل سے برگزیدہ ہو کر اسوقت آپکے ساتھ موجود ہوئے اور توریت وغیرہ میں انکی تعریفیں بہت خوب مذکور تھیں تو انھیں سے استقامت کھنا و طغیان نہ کرنا اور خلوص کے ساتھ جان و مال راہ الٰہی میں فدا کرنا اور آنحضرت صلعم پر پروانہ کی طرح نثار ہونا ظاہر ہوا حتی کہ حق عزوجل ان سے راضی ہوا بقولہ رضی اللہ عنہم اور اس آخر وقت کے لوگ ایک ایسی حالت میں ہیں کہ انکو ایسی استقامت کا مرتبہ ممکن نہیں الا ماشاء اللہ تعالے اور یہیں سے مجھکو ظاہر ہوا کہ قولہ من تاب معک میں لطیف اشارہ ہے یعنی اولیٰ حکم استقامت کا تیرے ساتھ والوں پر ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے حدیث میں ثابت ہے کہ تابعین کو بعض مکروہ تنزیہی فعل دیکھکر فرماتے کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں ہم اس فعل کو بڑا حرج جانتے تھے جسکی تم پروا نہیں کرتے ہو اور اکثر ایسے امور پر انکار کرنا مروی ہے جو اعلیٰ مرتبہ تقوی میں ایک طرح کی کراہت یا خلاف اولیٰ کے حکم میں ہیں۔ اب یہاں دو باتیں سننا چاہیئے ایک یہ کہ اس استقامت کا درجہ و منزلت بہت اعلیٰ ہے چنانچہ حق عزوجل نے فرمایا۔ ان الذین آمنوا ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لاتخافوا ولاتحزنوا الآیۃ۔ یہ بڑا مرتبہ ہے کہ ملائکہ انکے پاس نازل ہو کر ان کو اللہ تعالیٰ کے رضوان کی بشارت دیتے ہیں پھر تمام نعمتیں جنت وغیرہ سب انکے پیچھے ہیں اور حدیث میں ہے کہ ملائکہ تمہارے بچھونوں پر مصافحہ کریں اور دوسری بات یہ ہے کہ استقامت جب یہاں ختم ہوئی تو ہمارے اعمال ہر حال میں حکم سے خارج ہوئے تو انجام کیا ہوگا جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو منزلت و مرتبہ عطا کیا اسکو ہر شخص قیاس نہیں کر سکتا ایک کامل نعمت انکو آنحضرت صلعم کا دیدار تھا اسی واسطے اُن کے نصف مُد ستو کا صدقہ اور کسی کا آسمان و زمین بھر سونا خیرات کرنا برابر نہیں کیا مگر کمال رحمت سے ثواب میں اُسوقت زیادتی کردی چنانچہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو اسوقت ادنیٰ عمل کرے اسکو شہداء کے برابر ثواب ہے لہذا اسوقت آدمی پر لازم ہے کہ سب سے بڑھکر اپنے ایمان یعنی یقین کو مضبوط رکھے اور شیطانی وسوسہ اور شیطان کے متبع لوگوں کی باتوں سے اپنے دل میں شبہہ نہ آنے دے کیونکہ یہ شیطانی لوگ جو وسواس دلاتے ہیں اُنکا جواب صاف صحیح معقول کتاب الٰہی و سنت رسول میں موجود ہے پھر اس یقین کیساتھ موت کو یاد رکھے اور آخرت پر قطعی یقین رکھے اور فرائض و واجبات ادا کرے اور اُنکے سوائے جو نیکی ممکن ہو بہت ثواب کا اُمیدوار رہے اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ف فی العرائس قولہ فاستقم کما اُمرت عہد ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کی روح پاک کو علوم قدیمہ و امانت الٰہیہ برداشت کرنے کا حکم دیا تھا کہ ازل سے ابد تک اسکا امین ہو حالانکہ پہلے اسکو لباس ربوبیت اور قدرت ازلیہ سے آراستہ کر دیا تھا تو اب بنیادی وجود کے بعد جبکہ آنحضرت صلعم ادائے حقوق رسالت و کمال طاعت پر قائم تھے اس عہد کو یاد دلایا

کیونکہ مقام امتحان ہے اور دنیا اپنی تمام زینت سے آراستہ دنیا کیطرف رغبت کرنیوالی چیز یعنی طبیعت اس پاکیزہ روح کے ساتھ ساتھ ہے قولہ ومن تاب معک تیری
اُمت میں سے جو اول سے سرفراز ہوئے ہیں انکو بھی خبر دیدے کہ عہد پر مستقیم رہیں کیونکہ اس بار امانت وہ ہیں کہ آسمان و زمین انکو برداشت کرنے سے عاجز ہوئے اور
استقامت علیحدہ کرنیکا سبب یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے مقام کے لائق استقامت کرے پس حاصل یہ ہوا کہ تیری رسالت و منزلت کے لائق جو استقامت ہے وہ تو پوری
کرے اور تیری اُمت والے اپنے رتبہ پر استقامت کریں کیونکہ استقامت نبوت اپنے مراتب پر علیحدہ علیحدہ اور استقامت ولایت کے مراتب انتہا نہیں تو اسکی کوئی حد
نہیں ہے کیونکہ استقامت در اصل مقامات و حالات و معارف و مکاشف و توحید و یقین و صدق و اخلاص و آداب خطاب ہیں پس ہر مقام کی استقامت اسی صف میں ہے جیسے
جو واردات لطف اسپر وارد ہوں یا امتحانات و بلیات طاری ہوں مضبوط رہے تب وہ استقامت سے موصوف ہوتا ہے لیکن وہ کون ہے جو ان
چیزوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے اور کب آثار قدم پر عدم کا استقلال ہو سکتا ہے مگر جسکو اللہ تعالیٰ نے مستقیم فرمایا وہ مستقیم ہے اور خاص اس
لطف سے اول مخصوص حضرت سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسیواسطے فرمایا کہ مستقیم رہو اور شمار نہ کر سکوگے اور جب آپ پر تجلیات
کشوف ازلیات و ابدیات سے استقامت گراں ہوئی تو فرمایا شیبتنی ہود۔ **قال المترجم** اوپر مذکور ہوا کہ آنحضرت صلعم کو صحابہ رضی اللہ عنہم
کے علاوہ پچھلے لوگوں کا خیال تھا کہ وے اُمتی کس طرح مستقیم رہیں گے تو اس معنی میں اس حکم کو بلحاظ اُمتیوں کے شاق جانا اور غالباً
ایسے ہی احکام سے بذات شریف محزون رہتے چنانچہ مروی ہوا کہ اسکے بعد ہنستے نہیں دیکھا گیا اور صحیح ابن حبان وغیرہ میں صحیح ہوا کہ سید
الملائکہ جبرئیل نے حاضر ہو کر حضرت باری تعالیٰ عز سلطانہ کا سلام دیا اور سبب غمگینی پوچھا آپنے رو کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا
کہ اے رب میرے میری اُمت پس جبرئیل علیہ السلام یہ سنکر گئے اور دوبارہ واپس حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت رب العزۃ ذوالعظمۃ والکبریاء
بعد سلام کے فرماتا ہے کہ اے حبیب محزون مت ہو ہم تجکو تیری اُمت کی طرف سے محزون نہیں فرماوینگے الحدیث۔ بالجملہ حدیث شریف
شیبتنی ہود کے اسرار سے وقوف دشوار ہے ہاں ظاہری چند امور جو معلوم ہوئے اُنہیں سے ایک یہ ہے جو مترجم نے زعم کیا واللہ تعالیٰ اعلم
بالصواب اور دوم نکتہ جو شیخ نے لکھا کہ استقامت کے مدارج بحسب کمالات متفاوت ہیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق جمیعاً
تھے تو مقام آپکا سب سے بالا اور اقرب تھا اور جب آپکو استقامت کا حکم ہوا تو کمال عبودیت پر استقامت عظیم الشان ہے اگرچہ حضرت ام المومنین
صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیح میں ثابت ہوا کہ قرآن مجید آپکا خلق عظیم تھا اسی واسطے اکابر علما نے جزم کیا کہ خلقت مطہرہ و جبلت پاکیزہ پر کوئی
امر گراں نہ تھا اور آپ ہمیشہ استقامت پر تھے پس حکم کا مرجع آپکی اُمت ہے واللہ تعالیٰ اعلم پھر شیخ نے لکھا کہ ابن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جسقدر نور
باطن عطا ہوا اسی کے موافق آدمی کو استقامت ہوتی ہے اقول واضح ہو کہ مخلوق ادنیٰ و اعلیٰ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے حتیٰ کہ شیطان
مع ذریات بھی لیکن دنیا میں جو حالت اختلافی شاہد ہے اس سے خواہ مخواہ کوئی فرقہ اس امر کا قائل نہیں ہو سکتا کہ سب کے سب اپنے خالق کے پسندیدہ
ہیں کیونکہ بالضرور ہر فریق دوسرے کو ناپسندیدہ قرار دیگا اور قرآن و حدیث سے صحیح ہوا کہ ان مخلوقات میں سے بعضے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت
کیلئے پسند فرمائے وہی عباد بندے ہیں چنانچہ شیطان کو فرمایا۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان الآیۃ۔ پس اصل پسندیدگی یہی عبودیت ہے اسی واسطے
آنحضرت صلعم جو سب سے افضل و اشرف ہیں انکی رسالت پر ایمان کا کلمہ یہ ہے اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ پہلے عبد سے کمال بزرگی کا اقرار کیا تو خود ہی
ثابت ہو گیا کہ آپ ہی رسول ہیں کیونکہ جسقدر عبودیت میں کامل اسیقدر منزلت قرب درجہ کمال پر فائز ہے اب جاننا چاہیئے کہ شیخ ابن عطار رح
کی مراد یہ ہے کہ عباد اللہ الصالحین جسقدر بندے ہیں انکی پیدائشی حالت میں گمراہ مخلوق سے فرق ہے پھر ان سب میں بھی آپس میں اگرچہ اصلی
جبلت کا فرق نہیں لیکن مرتبہ کا فرق ہے پس جسکی جبلت مرتبہ کاملہ عبودیت میں جس درجہ پر ہے وہ اسی قدر استقامت رکھتا ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم

بعض مشائخ نے کہا کہ استقامت کا حکم ایسے ہی شخص کے اٹھانے کے لائق ہے جسکو مشاہدہ قویہ اور انوار ظاہرہ و آثار صادقہ سے تائید فرمائی گئی ہو پھر بھی اسکو مضبوط جمے رہنے کی توفیق دیگئی ہو بقولہ تعالیٰ ولولا ان ثبتناک الآیۃ۔ پھر اسکو مشاہدہ کے وقت بھی محفوظ فرمایا گیا ہو اور یہ مرتبہ کاملہ حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا لہذا حکم ہوا کہ فاستقم کما امرت یاد رکھو کہ یہ باتیں کہ امت نہ ہوں تو اس خطاب کی تعمیل بتحت تنزل ہو گی چنانچہ پھر کہ امت کو فرمایا کہ استقیموا الیہ یعنی تم استقامت اختیار کرو مگر تم کو اس استقامت کی طاقت نہیں ہے جس کا مجھے حکم ہوا ہے قول یہاں سے یہ نکتہ ظاہر ہوگیا کہ آنحضرت صلعم کو بقولہ فاستقم کما امرت فرمایا یعنی جیسا حکم ہوا تو ویسی استقامت کر اور امت کو بقولہ ومن تاب معک۔ فرمایا یعنی وہ تیری تبعیت میں بسبب توفیق و طاقت کے استقامت رکھیں اور ان کو کما امرتم نہیں فرمایا اور یہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو تیرے ساتھ ہیں مع ان لوگوں کے جو پچھلوں پر کمال علم فرمایا کیونکہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں موجود نہ تھے وہ ہیں اے لوگو جب تم نے آپ کی رسالت سے آگاہی پائی اللہ کتاب الٰہی و سنت رسول اللہ صلعم کے ساتھ ایمان کی بزرگی پائی تو تم ساتھ ہو چنانچہ مشکوٰۃ کے باب ثواب ہذہ الامۃ وغیرہ صحاح سے ثابت ہو کہ انسرور عالم و عالمیان سید الرسل والملائکہ خیر الخلق صلعم نے پچھلے ایمان والوں کو اپنا مصاحب فرمایا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اس ترحم پر امت کی جانیں قربان ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ سچے ایمان پر ان لوگوں کو تھوڑے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا کیا جائیگا پس اے بھائی تم اس بات کا بہت بڑا لحاظ رکھو کہ تمہارے ایمان اللہ تعالیٰ جل شانہ و اسکے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت ٹھیک ہو کسی طرح شرک و کفر کے لگاؤ میں نہ پڑو کیونکہ ایمان چلا جائیگا نعوذ باللہ من ذلک تو پھر تم کیونکر یہ غنیمت پاؤ گے اللہم عفوا من الفتن المضلۃ واحینا مومنین مسلمین وتوفنا مومنین انک علی کل شیء قدیر۔ امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ وعلی آبائہ السلام نے کہا کہ قولہ فاستقم کما امرت یعنی سچے عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں رجوع کر کے امیدوار ہو۔ شیخ ابو عبد الرحمن سلمی نے کہا کہ میں نے شیخ ابو علی شبونی سے سنا کہتے تھے کہ میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھکر عرض کیا کہ میرے ماں باپ فدا ہوں آپ سے حدیث روایت کی جاتی ہے شیبتنی ہود یعنی حضور نے ارشاد کیا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا آپ نے فرمایا کہ ہاں صحیح ہے میں نے عرض کیا کہ کیا انبیاء کے قصص و پچھلی امتوں کی ہلاکت کے سبب سے ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ قولہ تعالیٰ فاستقم کما امرت کے سبب سے۔ امام جعفر الصادق نے کہا کہ امت کے لوگوں کی استقامت علی قدر مراتب ہے بعض نے توحید اللہ پر استقامت کی اور بعض نے ایمان پر۔ اور بعض نے اسلام پر اور بعض نے معرفت الٰہی پر و بعض نے خدمت پر بعض نے معرفت پر اور بعض نے کرم و وفا پر اور بعض نے خوف و رجا پر اور بعض نے اللہ تعالیٰ پر کہ سوائے اسکے کسی چیز کی خبر نہیں رکھی اور بعض نے حق پر کہ کبھی غیر کی استقامت اختیار کی اور جس نے کسی فاسد خیال پر استقامت کی وہ درحقیقت غیر مستقیم ہے کیونکہ استقامت حق پر ہوتی ہے۔ قول ظاہر مترجم کہ استقامت کا اللہ تعالیٰ کے واسطے قصد کیا لیکن ایسے طور پر کہ وہ شرع میں وارد نہیں ہے بلکہ خود اسکی بنائے ہو مثلاً یہ عزم کیا کہ مسجد کے دروازہ پر پڑا رہیگا کہ لوگ اسکو پامال کر جایا کریں یا قصد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنے نفس کی ذلت سمجھ کر ہر موسم میں مٹی و پانی تک رکھا اور یہ نفس کو ذلت دینے اور اسکے رہبانیت وغیرہ کے خیالات جو صرف اپنے زعم باطل پر مبنی ہوں اسی قسم کے ہیں ان پر استقامت بھی باطل ہے واللہ اعلم۔ اور بعض نے کہا کہ استقامت نہیں ہوتی مگر اسی طریقہ پر کہ سنت نبوی کی اتباع کرے۔ جریری نے کہا کہ نعمت میں استقامت کرنا عوام کا طریقہ ہے اور بلا میں استقامت کرنا خواص کی استقامت ہے۔ جنید نے کہا کہ خوف و رجا کے ساتھ استقامت کرنا عابدوں کا حال ہے اقول یعنی باعث استقامت عذاب کا خوف اور جنت کی امید ہو وے تو یہ عابدوں کا حال ہے اور ہیبت و حیا کے ساتھ استقامت کرنا مقربوں کا حال ہے اور اسطرح استقامت کرنا کہ باوجود استقامت کے استقامت کو نہ دیکھے یعنی اسطرف نظر ہی نہ ہو بلکہ تقاضا ہو تو یہ عارفوں کا حال ہے

شیخ استادؒ نے قولہ فاستقم میں کہا کہ استقامت از باب استفعال ہے اور اسکے معنی طلب کے بھی ہیں تو شاید یہ معنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی درخواست کرو۔ قال المترجم قولہ لا تطغوا فیہ یعنی یہ تاویل مناسب نہیں ہے خلاصہ یہ کہ فاستقم میں جمہور کے نزدیک مراد ہے کہ اپنے نفس سے استقامت کا فعل صادر کرو جسطرح اسکا وجود ہوتا ہے اور لا تطغوا سے یہ مراد کہ طغیان سرزد نہ ہو اور شیخ استادؒ نے یہ احتمال پیدا کیا کہ فاستقم سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ سے استقامت مانگو تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے درخواست کریگا کہ مجھے استقامت نصیب ہو اگرچہ اسکا حصول نہو۔ اور شاید کہ شیخ استادؒ کی غرض یہ ہو کہ استقامت با خدا طلب کرو یعنی عزم کرو کہ خدا کے ساتھ استقامت حاصل ہو۔ لیکن ظاہر کلام اس سے موافق نہیں علاوہ اس کے دونوں معنی میں کچھ فرق نہ ہوگا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ کہا جاتا ہے کہ مستقیم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے نہ پھرے یہاں تک کہ واصل ہو جاوے اقول یہ عبارات کلیہ ہیں ہر جزئیہ طریقہ کو اس سے استخراج کرنا خود ایک مرد عارف کا کام ہے وہ بھی بدشواری لہٰذا اصوب و اسلم یہی تفسیر ہے کہ مستقیم وہ ہے جو جملہ ارکان و افعال و اعتقاد میں سنت کی اتباع کرے اور سنت طریقہ سب احادیث میں بین ہے فافہم واستقم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نفوس قدسیہ کو استقامت کے خلاف دنیا کی عزت و جاہ کیطرف مائل ہونے اور ظالموں کی طرف فاسد اغراض دنیاویہ میں ہے کسی غرض سے میل کرنے سے منع فرمایا۔ بقولہ۔

وَلَا تَرْكَنُوٓا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ○

اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوائے مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے

مترجم کہتا ہے کہ یہ آیت کریمہ اسوقت کے لوگوں کیلئے خاصہ نصیحت سمجھی جاتی ہے لہٰذا پہلے اسکے ظاہری معنی کی توضیح کر کے تب اسکی مراد و حکم کی تفصیل کرنا مناسب ہے۔ واضح ہو کہ لا ترکنوا صیغہ نہی از رکون ہے اور کشاف میں زمخشری نے لکھا کہ۔ الرکون ھو المیل الیسیر۔ رکون کے معنی تھوڑا سا جھکنا یعنی کسی چیز کی طرف ہلکا و خفیف جھکنا اور ایسا ہی بیضاوی و سراج میں اسی کی اتباع کی ہے اور شاید کہ میل کے معنی میں خود ہلکا ہونا داخل ہے کیونکہ میل و جھکنا پورے طور پر ساتھ ہوجانے کو نہیں کہتے ہیں تو خفیف و ہلکا جو اس سے مفہوم تھا صریح ظاہر کردیا اگر یہ میل کے ساتھ اسکا ملانا غیر معقول ہے اور یہ میں نے اسواسطے کہا کہ آفات ائمہ لغت نے خفیف و یسیر کی قید نہیں لگائی چنانچہ صحاح میں کہا کہ رکون میل و سکون ہے اور شمس العلوم میں رکون بمعنی سکون لایا اور قاموس میں کہا کہ رکن الیہ کنصر و علم و منع رکونا مال الیہ و سکن یعنی رکون کے معنی جھکنا اور کسی چیز کی طرف سکون و ٹھہراؤ کر لینا۔ اور قاموس سے ظاہر ہوا کہ مانند باب نصر کے رکن یرکن بالضم اور مانند علم کے رکن یرکن بالکسر اور مانند منع کے یرکن بالفتح آیا اور صاحب الفتح نے نقل کیا کہ مضارع بفتح کاف لغت اہل حجاز ہے اور بالضم لغت قیس و تمیم ہے اور ازہری نے کہا کہ بفتح کاف ماضی و مضارع اصل لغت نہیں بلکہ دو لغت کا تداخل ہے اور راغبؒ نے لغات قرآن میں کہا کہ صحیح یہ ہے کہ دونوں کاف مفتوح ہیں بالجملہ ائمہ لغت و محققین مفسرین نے اسکے معنی میں مطلقاً میل و سکون لکھا اور خفیف کی قید نہیں لگائی اور قرطبیؒ نے کہا کہ رکون درحقیقت یہ ہے کہ کسی کی طرف ٹیک لگاوے و تکیہ کرے و اسپر اعتماد کرے اور سکون کرے یعنی اسکی طرف استناد و اعتماد کر کے اضطراب و حرکت سے ٹھہر جاوے اور اسکے ساتھ رضامند ہو یعنی پسند کرے اور مؤلف الفتح نے کہا کہ رکون میں یہ باتیں معتبر ہونا کسی لغت میں مذکور نہیں ہے واقول ظاہراً قرطبیؒ نے اس مقام کی تفسیر سے جو ائمہ تابعین و صحابہؓ سے منقول ہے یہ معنی نکالے ہیں اگرچہ لغت میں مذکور نہوں پس غایت یہ ہے کہ یہ تفسیر لقرائن مقام مجازی ہے اور صحابہ و تابعین و ائمہ سے اسکی تفسیر اسطرح منقول ہے کہ ابن جریرؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ لا ترکنوا سے لا تمیلوا یعنی میل مت کرو اور مت جھکو۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ تفسیر عمدہ ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ ظالموں کی مداہنت کرو کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ گویا تم ان کے کیے پر راضی ہوئے اور لکھا کہ ابن ابی طلحہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ لا تمیلوا سے لا تداہنوا تم مداہنت مت کرو یعنی ظالم کا برا قول و فعل دیکھو مگر لحاظ کر کے چپ ہو رہو یعنی نہ

ابن عباس رضؓ سے روایت کی کہ یعنی شرک کی طرف میل مت کر۔ وقال ہو الرکون الی الشرک یعنی اس سے شرک کی طرف میل سے ممانعت مقصود ہے ابو العالیہ رحؒ نے فرمایا کہ لا ترکنوا الی الذین ظلموا یعنی ظالمون کے اعمال پر تم مت راضی ہو۔ کذا فی تفسیر الحافظ۔ اور فتح مین ہو کہ قتادہ وعکرمہ سے مروی ہے کہ لا ترکنوا یعنی نہ اُن سے دلی دوستی رکھو اور نہ اُنکی اطاعت کرو۔ اور عبد الرحمن بن زید سے مانند روایت عوفی کے مداہنت کے معنی مذکور ہین۔ یعنی ظالمون کے کفر پر انکار نکرے واضح ہو کہ اس تفصیل سے اسکے معنی کی بحث کرنا اس غرض سے ہو کہ آیا ممانعت مطلقاً میل سے ہو جیسا کہ لغات معتبرہ مین رکون کے معنی لکھے ہین یا خفیف میل سے ہو جیسا کہ کشاف واسکی اتباع سنے معنی لکھے ہین کیونکہ جس حد پر عرب کی زبان مین میل کہا جاوے اگر اس سے کم جھکا ؤ ہو تو بھی خفیف میل ہو جائیگا اور معصیت لازم آویگی۔ پھر قولہ الذین ظلموا۔ کے معنی وہ لوگ جنھون نے ظلم کیا اور اسمین کوئی شک نہین کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے بقولہ تعالی ان الشرک لظلم عظیم۔ اور دیگر معاصی بھی ظلم ہین اگرچہ شرک کے برابر نہ ہون پس جو کوئی مشرک ہے وہ خود اپنی جان پر بوجہ شرک کے بڑا ظالم ہے تو جسقدر اسکے افعال اس اعتقاد کی بنا پر ہون سب صریح ظلم ہون گے اگرچہ عموماً لوگون کو ان افعال سے تکلیف پہونچے یا بعض کو پہونچے بلکہ اگر راحت پہونچے تو بھی وہ افعال ظلم ہونے سے خارج نہ ہون گے لیکن ایذا خلق البتہ زائد ہوگی مثلاً کوئی شخص بت یا صلیب پوجتا ہے اور راستہ پر اسنے پرستش خانہ بنا کر یہ فعل اختیار کیا کہ جو اس راہ سے گزرے اسکو روپیہ دیگا تو خلق کو نفع پہونچا لیکن یہ فعل اس نیت پر ظلم رہا کہ عاقبت مین اسکا نفس ثواب سے محروم وعذاب مین گرفتار ہوگا اور اگر اسنے یہ فعل اختیار کیا کہ جو اس راستہ سے بغیر سلام کے اور بغیر اسکی تعظیم کئے نکلا اسکو دو کوڑے ماریگا تو دوہرا عذاب ہوگیا بلکہ پہلے شخص کو مخلوق کے نفع پہونچانے کی وجہ سے دنیا مین عوض دیدیا جائیگا حتی کہ اگر راہ توحید وایمان پر کوئی قوم مستقیم نہ ہو تو وہ بادشاہ ہو سکتا ہے کیونکہ خلق کو آرام پہونچاتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص توحید اسلام پر ہو مگر شراب پیتا ہو تو اسنے اپنی جان کیلئے آخرت کا عذاب مہیا کیا پس اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر مخلوق مین سے کسی پر ظلم کیا تو دونا عذاب لیا اور اگر بادشاہ ہے اور اُس نے اپنی عیش وشہوت پرستی کی تو ایک اپنے اوپر ظلم کیا اور دوسرا خلق پر کر تمام روپیہ انکا بھی حق تھا وہ چھین کر اپنی عیش مین اُڑایا اور غفلت سے تمام ملک مین زبردست نے کمزور پر ستم ڈھایا خون ہوئے اور تمام رعایا بے علم وجاہل رہی اور لوگ اسکی دیکھا دیکھی کھاتے دن سے اُڑاتے وفسق وفجور مین پڑے تو اُسپر ہزارون ظلم ثابت ہوئے حتی کہ وہ بادشاہت سے خوار ہو کر عاقبت مین اپنے عذاب کا مستحق ہوا اگرچہ خالی ایمان کی وجہ سے امید ہو کہ ہمیشہ دوزخ مین نہ پڑے اسی بیان سے سمجھنے والا سمجھ جائیگا کہ بادشاہ پر بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہو چنانچہ ادنی سی بات یہ ہو کہ کسی سے کوئی کوڑی ناحق نہ لیوے اور اسکو جمع کر کے امانت رکھے ہان اپنی مزدوری لے سکتا ہے اور پھر اسکو جس طرح اللہ تعالے واسکے رسول صلعم نے شروع بتلائی ہے اسی طرح خرچ کرے بیجا کوئی کوڑی نہ اُٹھاوے اور تمام مخلوق کی تعلیم وتربیت واصلاح وآرام ودینداری کا ضامن ہو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ظلم کچھ شرک وکفر پر منحصر نہین ہو بلکہ جو گناہ ہے ظلم ہے تو آیت مین علماء مفسرین سے دو قول مروی ہین ایک یہ کہ ظالم سے یہان مشرک مراد ہو اور دوسرا یہ کہ نہین بلکہ کوئی ظالم ہو خواہ ایمان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اب مین آیت کی تفسیر نقل کرتا ہون قال تعالی وَلَا تَرْكَنُوا۔ اور مت جھکو یا ذرا بھی مت جھکو اِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا۔ ان لوگون کی طرف جنھون نے ظلم کیا خواہ اپنی جانون پر فقط جیسے نوشیروان کہ آتش پرست تھا مگر خلق کو آرام وآسائش دیتا تھا یا غیرون پر بھی جیسے حجاج ظالم مسلمان تھا مگر شرک سے کم اس نے اپنے اوپر گناہ کا اور غیرون پر ایذاء کا ظلم کیا تھا یا مراد یہ کہ مت جھکو مشرکون کی طرف فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ کہ تم کو بھی آگ چھوئے۔ حاصل یہ کہ اوپر استقامت کا حکم دیا تھا کہ حکم الٰہی پر ٹھیک مستقیم رہو اب فرمایا کہ دنیا کی ثروت دیکھکر یا زبان کے مزے وپیٹ بھرنے کی غرض سے مشرکون یا عام ظالمون کی طرف مت جھکو کہ ایسا کرنے سے وہ آگ جو انکو گھیرے ہو تم کو بھی چھو جائے گی اس سے ظاہر ہے کہ ظالم سے ملنے مین تو بالکل

آگ مین گھس جانا ہوگا صرف جھکنے مین لپٹ پہونچے گی اور شاید ظالم کو بالکل آگ تبلایا اب جانو کہ اگر ظالمین سے مشرکین مراد ہین جیسا کہ عوفی کی روایت
ابن عباس سے سمجھا گیا کہ ہوا اور کون الی الشرک یعنی شرک ہی کی طرف جھکنے سے ممانعت ہو اور اسوجہ سے کہ سلطان کی فرمانبرداری کا حکم تعلیم کیا گیا ہے
بقولہ تعالی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ۔ اور حدیث صحیح مین ہو کہ سلطان کی اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام ہو ۔ اور وارد ہو کہ جبتک نماز
ٹھیک قائم رکھیں اور اُنسے صاف کھلا کفر ظاہر نہ دیکھو اور تم کو کسی معصیت کا حکم نہ کرین تب تک اُنکی اطاعت کرو تو ظاہر ہو کہ خود اگرچہ
بدعملی کرین جو ظلم اُنکی جان پر ہے تاہم سب پر اطاعت لازم ہے ۔ وجہ اسکی تو ظاہر ہے کیونکہ گناہ سے کمتر خالی پائے جاوین گے تو انتظام معاملات
عباد درہم برہم ہوگا اگر طاعت نہ کی جائے خصوص جبکہ قاضی عدالت و انتظام آسایش رعیت و حدود و حقوق چاہین اور جہاد کیواسطے حکم کرین تو
خواہ مخواہ بغیر اطاعت کے چارہ نہین ہو اور بیشک آنحضرت صلعم نے جیسے انکی اطاعت مین مبالغہ فرمایا کہ اگرچہ تیرا مال چھین لے اور مارے اور تیرا حق
نہ دے بہرحال تو اطاعت کر ویسے ہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر مبالغہ فرمایا کہ جابر بادشاہ کو حق بات کی نصیحت کرنا شہید کا ثواب اور جہادون
مین سے افضل جہاد ہو اور بتاکید حکم دیا کہ ظلم سے اسکا ہاتھ روکو ورنہ عام فتنہ مین پڑوگے تو حاصل ہوا کہ ظالمین یعنی فقط مشرکین کی طرف مت جھکو
کہ آتش دوزخ مین تم کو بھی عذاب پہونچے گا ۔ شیخ ابو السعود رح نے اپنی تفسیر مین لکھا کہ دیکھو جب خالی ظالم کی طرف میل کرنے سے یہ عذاب ہو تو
بھلا ایسے لوگونکی نسبت تیرا کیا گمان ہو جو پکے ظالمون بدکارونکے ساتھ دل سے محبت مین گرم ہین اور انکے مصاحب بننے پر مرے جاتے ہین اور اپنا دل وجان
انکی محبت برتاو و طریقہ پر فدا کئے دیتے ہین اور انھین کے مانند پوشاک پہننے پر پھولے نہین سماتے اور دنیائے فانی کی رونق ومال ومتاع جو انکو دیا گیا ہے
اسکی طرف آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہین قال المترجم شیخ ابو السعود رحمہ اللہ نے ان ظالمونکا ذکر کیا ہو جو اسلام لائے مگر دنیا کی وزارت وامارت یا سلطنت
کے سبب سے عیش و آرام و فسق وفجور مین پڑکر ظلم کیا تو ہمارے وقت مین نواب وامراء اہل دولت بلکہ محض مشرکون کی طرف میل کرنیوالون کا
کیا گمان ہے خصوص جبکہ ان کے چال وچلن پر دل سے فریفتہ اور اُن کے سلام کا جواب دینے کو دوجہان کا فخر سمجھتے اور اُنکی خدمتگزاری مین ذلت
وخواری کو عین عزت جانتے ہین بلکہ اُنکی چال ڈھال وضع لباس بول چال سب پر دل سے فریفتہ ہین اور اُنکی تعظیم سے اپنے دل بھرے ہوئے
ہین ۔ ایسی مودت وموالات کا انجام کفر وشرک پر خاتمہ ہے نعوذ باللہ من سوء الخاتمہ ۔ اگر پوچھا جاوے کہ دین الٰہی کے دریافت مین کچھ شرم
نہین ہے تو شرع مین ایسی صورت مین کیا حکم ہے کہ جب بادشاہ وحاکم ایسا شخص یا ایسی قوم ہو جو اسلام پر نہین ہو جیسے آجکل ہندوستان
مین انگریز حاکم ہین تو ان کے ساتھ کیونکر برتاو کیا جاوے اسکا جواب یہ ہو کہ جب تم نے اُنکی رعیت ہوکر یہان سکونت اختیار کی تو تم نے اُن سے
عہد کیا کہ دنیاوی معاملات مین انکو عمداً ضرر نہ پہونچاؤگے اور وہ تم کو تمھارے دین کے برتاو سے نہین روکین گے اور نہ تم پر ظلم کرین گے پس
عہد پورا کرنا فرض ہو لہذا ان سے بغاوت مت کرو اور ان کو ضرر مت پہونچاؤ اور اُن کے دشمن مت بنو لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ تم
اپنا دین چھوڑدو کیونکہ جب تم نے اللہ تعالی سے جو عہد کیا تھا اسکو توڑ دیا پورا نہ کیا تو بادشاہ وقت کو بھی تم سے کچھ امید نہ ہوگی بلکہ تم انکے نزدیک
دنیا کو حرام طور پر مت کماؤ اور آخرت کے طالب رہو اگر تم سچے ایمان والے ہو اور رہی دنیا کی بسر اوقات تو جس نوکری مین کوئی طریقہ حرام
نہین جیسے سود کی ڈگری کرنا شراب فروخت کرنا وغیرہ بلکہ مباح ہو تو اسکو اختیار کرنے مین کچھ مضائقہ نہین ہے ۔ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر
مین لکھا کہ اگر کسی کو ناچار ضرورت پڑے کہ ظالم کی مصاحبت کرے تو ضرورات کے احکام آیت سے مستثنی ہین جیسا کہ شرع کا اصل ہے اور
نیشاپوری رحمہ اللہ نے لکھا کہ محققین نے فرمایا ہو کہ جو رکون یعنی میل سے آیت مین ممانعت ہو وہ ایسا رکون ہے کہ جس حال و وضع پر ظالم لوگ
ہون اسکو دل سے پسند کرے اور اُن کے طور کو اچھا سمجھے اور دوسرون کو اسکی خوبی سمجھاوے اور ظالمون کے ساتھ انکے کسی ظلم مین شرکت

کرے اور رہا دنیا کی منفعت ضروری حاصل کرنے کیلئے یا کوئی مضرت دور کرنے کیلئے اُن سے ملنے جلنے مین مضائقہ نہین ہے اور لکھا کہ میرے نزدیک اگرچہ یہ از قسم مباح ہے لیکن تقوی یہی ہے کہ ان سے بالکل اجتناب کرے اور اس زمانہ مین فتویٰ قرطبی ؒ کے قول پر ہونا چاہیئے کہ لوگ اپنی معیشت کیلئے اُن سے مخالطت اور میل رکھین لیکن دل مین اعتقاد آخرت کے سوائے کسی چیز کی محبت و موانست کو جگہ ندین تو جیسے انکی محبت کو دل مین جگہ دینا بلکہ تمام دنیا و مافیہا کسی چیز کی محبت کو دل مین جگہ دینا روا نہین ہے ویسے ہی کسی کی عداوت و ایذا رسانی کو جگہ دینا بھی روا نہین ہے کیونکہ شرع مین شیطان سے بھی دل مین عداوت جمائے رکھنے کا حکم نہین حالانکہ یہ بتلا دیا گیا کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہی اور کیونکر ایسے امور جائز ہو سکتے ہین جو ترحم کے خلاف ہین اور لوگون کو راہ راست پر آنیکے برخلاف نفرت مین ڈالین بلکہ مقتضائے ترحم و شفقت یہ ہی کہ جس کسی کو گمراہ دیکھے تو ضرور ہے اعتقاد کی وجہ سے یہ جانے گا کہ افسوس یہ آگ مین گھسا جاتا ہے تو چاہیئے کہ اسکو نرمی و ملائمت و شفقت سے اس گمراہی آگ سے بچاوے نہ آنکہ برعکس اس سے عداوت کرکے اس کو آگ مین ڈھکیل دے اور کچھ بھی شک نہین ہی کہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہی کہ اسلام کے ساتھ وہ آراستہ ہی جسکے ہاتھ و زبان سے لوگ بیخوف ہون۔ لہذا مسلمان وہ ہی جو زبان سے سچ بولے جھوٹا وعدہ نہ کرے اور نیک نصیحت کرے اور کسی کو بُرا نہ کہے اور خرید و فروخت وغیرہ جملہ معاملات مین غرر بٹ دے اور ہاتھ سے ہمیشہ انصاف پر مدد کرے اور نیک کام کرے چوری و بدکاری و زبردستی وغیرہ بد افعال سے باز رہے اور ہاتھ سے کسی کو ایذا نہ دے حتی کہ شرع مین قطعاً منع ہی کہ کسی جانور کو بھی ہاتھ سے ایذا کی مار نہ دے اور قطعاً لکھا ہے کہ دودھ والے جانور جو لوگ پالتے ہین انکو حکم دیا جاوے کہ اسکو بقدر کفایت دانہ چارہ دیوے اگر نہ مانے تو اسکو کوئی سزا دینا اسپر ظلم ہوگا لیکن قطعی حکم دیا جائیگا کہ اسکو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے اور دودھ اُسکا مثل عوام گھوسیون کے بالکل نہ دوہے بلکہ لکھا کہ ایک مہینہ تک بالکل بچہ کو دیا جائے ورنہ ضرور پندرہ روز تک جبتک وہ کچھ چارہ نہ کھاوے بالکل بچہ کو پلاوے پھر آدھا پلا دے پھر اسکو تھوڑا حصہ چھوڑے تو جب جانورون کے احکام و قواعد مین ترحم ہے تو آدمیون کے ساتھ تیرا کیا گمان ہی اور حدیث صحیح سے ثابت ہی کہ تم مین سے اچھے وہ ہین جنکے اخلاق اچھے ہین یعنی ترحم و شفقت و عدل و دیانت و امانت و سخاوت و شجاعت و جوانمردی وغیرہ اخلاق جسقدر اچھے ہون اُسی قدر اچھا ہے پھر جب شرع مین ممانعت ہی کہ جانور بیچا جاوے تو اُسکا چھوٹا بچہ جبتک کہ جانور کو اُس سے محبت رہتی ہے جُدا نہ کیا جاوے اور قصاب اسکو دوسرے جانور کے روبرو ذبح نہ کرے اور نہ اُسکے سامنے چھری تیز کرے اور مانند اُسکے بکثرت امور شفقت و ترحم کے مخلوق الٰہی عزوجل کیساتھ مذکور ہین اگر کہا جاوے کہ جہاد۔ تو مین کہونگا کہ پھانسی و سولی و بید مارنا اور قتل کرنا اور دونون طرف کی فوجون کی باڑھون سے ہزارون جانین تلف کرنا۔ الغرض دنیا مین عقلا متفق الکلمہ سب کہتے و جانتے ہین کہ انسانی طبائع تین قسم کے ہین۔ اول محض نیک۔ دوم محض شریر۔ سوم جنمین بدی و نیکی دونون طرح کی استعداد ہی۔ پھر جو گروہ محض شریر ہو اسکے شر و فتنہ سے عام مخلوق کو بچانا بھی نیکی ہی ورنہ عام فساد پھیل جائیگا تو جہاد عدل اور ملکی لڑائی شرارت ہی اور کوئی شبہہ نہین کہ جہاد ظلم مٹانے کیلئے ہی دیکھو پہلے فرض ہی کہ دعوت اسلام کی جاوے پھر مکرر سہ کرر انکو سمجھایا جاوے اور اگر عالمانہ گفتگو کے ذریعہ سے سمجھنا چاہین تو انکو امن کے ساتھ خوب سمجھایا جاوے پھر اگر نہ مانین تو اُن سے کہا جاوے کہ اچھا صلح کرکے آباد رہو اور تم اپنی جان و مال کے مختار ہو لیکن جو باتین دنیا مین فساد و ظلم ہین اور اللہ تعالی کی عبادت سے لوگون کو مجبوری پریشان کرتی ہین ان باتون سے ہاتھ روکو پھر اگر یہ بھی نہ مانین تو یہان دو باتین رہ گئین ایک یہ کہ ان کو انکی مستی و اترانے مین چھوڑ دیا جاوے کہ تمام مخلوق کو

پریشان کرین اور اپنی نفسانی خواہشون سے خلق کو آزار پہونچاوین تو ان چند آدمیون پر بیجا رحم کھایا اور تمام خلق کو ان کی بدولت ایذا و آزار کے ساتھ آگ مین جلنے دیا۔ دوم یہ کہ ان لوگون کو مجبور کر دیا جاوے کہ فساد نہ کرین تو یہ بھی اپنے ظلم کے بدولت خود برباد نہ ہون اور تمام خلق بھی ان کے آزار سے چھوٹے اور ظاہر ہے کہ یہی دوسری بات بلاشبہہ واجب ہے اور بعضے لوگ بہتان باندھتے ہین کہ اسلام مین جہاد سے فتح پاکر سب کافرون کو قتل کرتے ہین یہ بالکل جھوٹ ہو اسلام مین یہ حکم نہین ہے ہان شریعت توریت مین حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برابر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک البتہ فتح پاکر کافرون کو قتل کر دیتے تھے تو تعجب ہو کہ نصرانی توریت کے قائل ہوکر اسلام کو جھوٹی بات سے بدنام کرتے ہین اور کبھی یہ بہتان باندھتے ہین کہ اسلام مین تلوار کے زور سے زبردستی ایمان قبول کرایا جاتا ہو یہ بھی بالکل دروغ ہو بھلا تلوار کے زور سے کسی کو یقین کیونکر دلایا جائیگا۔ صحیح وہی ہو جو ہم نے لکھدیا کہ بالاجماع صلح سے وہ لوگ اپنے دین پر چھوڑے جاوین اور بعد فتح کے تابع رکھے جاوین ہان اگر وے خود مسلمان ہو جاوین تو برابر اُن کے ساتھ ہر مسلمان وہی برتاؤ کرے جو دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ کرتا ہے واضح ہو کہ اس زمانہ مین جو مسلمان نام کے ہین انکا ایک خراب طریقہ یہ پھیلا ہے کہ اگر کسی قوم مین سے کوئی آدمی اسلام لایا تو اسکو برادری مین نہین لیتے بلکہ حقیر سمجھتے اور نومسلم وغیرہ کا طعنہ دیتے ہین جس سے لوگ گھبرا کر اسلام مین نہین آتے تو ایسے مسلمان خود گمراہ و شیطان سے زیادہ گمراہی پر مددگار اور بڑے ظالم ہین اور ان پر فرض تھا کہ جو مسلمان ہوا اسکو مثل بھائی کے اپنا عزیز سمجھین اور آگاہ ہونا چاہیئے کہ ظلم کا شیوہ اسلام مین اسوقت سے شروع ہوا جب سے یہ لوگ آخرت سے منہ موڑ کر دنیا کی طرف راغب ہوئے تو اسکی محبت مین سب اعتقاد بھول گئے اور یہان کی لذت پر قناعت کر کے راہ الٰہی مین جانبازی نہ کر سکے ان کو یہ زندگی پیاری ہوئی اور موت سے ڈر کر نامرد بن گئے شجاعت جاتی رہی حالانکہ جہاد تو شجاعت پر تھا اور کوئی بے موت نہین مرا اور آخر سب فنا ہونے کیلئے ہو اور یہ سب باتین اپنے اوپر اور عزیزون پر ظلم ہو اسیواسطے اس آیت کریمہ مین یہی قول راجح کہا گیا ہے کہ ظالم سے مراد فقط مشرک نہین بلکہ عام ہے خواہ مشرک ہو یا مسلم ہو جبکہ ظلم کرے تو ظالم ہے اگرچہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے تو مشرک سب سے بڑا ظالم ہوا لیکن مسلم بھی جب ظلم کرے ظالم ہے اور اکابر علما سلف تو اپنے عہد کے سلطان و اُمراء و وزراء کو قطعاً ظالم جانتے تھے اس جہت سے کہ صریح وہ لوگ بیت المال و خراج وغیرہ کو بیجا صرف کرتے اور حقوق ادا نہین کرتے تھے اسیواسطے فقہ مین یہ مسئلہ مذکور ہے کہ سلطان اگر کسی کو عطیہ دیوے تو اسکا لینا حلال ہو یا حرام ہے۔ اور سراج مین نقل کیا کہ موفق خلیفہ بغداد نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام نے نماز مین یہی آیت پڑھی یعنی ولا ترکنوا الی الذین ظلموا الآیہ پس موفق سلطان کو غش آگیا جب افاقہ ہوا اور وہ رونے سے خاموش ہوا تو اسکے ارکان سلطنت نے اس سے پوچھا کہ نصیب اعدا ر یہ کیا حال ہوا اُسنے جواب دیا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے آیت مین جو حکم دیا وہ عذاب ایسے نیک بندون پر ہے جو ظالمون کی طرف جھکین تو بھلا جو خود ظالم ہوا سکا کیا حال ہوگا **قال المترجم** دیکھو اس بیچارے نے اقرار کیا درگاہ الٰہی عزوجل مین اور یقین کیا کہ مین ظالم ہون پھر دیکھو کہ اسکا یقین کیسا اچھا تھا کہ باوجود اس سلطنت عظیم کے آخرت پر مضبوط تھا اور ایمان اسی یقین کا نام ہے زبانی اقرار خالی کچھ مفید نہین ہے بس اسکو آخرت کا عذاب سامنے نظر آیا اور ظالم کا گرفتار ہونا دیکھکر خوف الٰہی و ہول عذاب سے غش آگیا تو افسوس اس زمانہ کے لوگ اپنے آپکو نمازی پرہیزگار متقی جانتے ہین حالانکہ انکا یقین اتنا بھی نہین ہو اللھم اہدنا واجعلنا مومنین وتوفنا مومنین اور لکھا کہ جب شیخ زہری رحمہ اللہ نے سلاطین سے خلط ملط اختیار کیا تو اُن کے دینی بھائی نے انکو لکھا کہ اے برادر زہری ہم کو تم کو اللہ تعالیٰ فتنہ سے سلامت بچا دے کہ تم نے وہ حالت اختیار کی ہو کہ آپکے دوست آشنا کو لازم ہو کہ آپکے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر دعا مانگین اور آپ پر ترس کھا دین کیونکہ

آپ کو دین میں اُسنے شیخ امام کبیر بنایا مگر آپ پر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں گران گذرین کر اُس نے اپنی کتاب عزیز کی سمجھ دی اور آپ کو نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تعلیم کی اور آیا یہ نہین ہی کہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے یہ عہد لیا کہ ہر کسی کو خواہ سلطان ہو یا غیر ہو سناؤ بتلادو کما
قال تعالیٰ لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ - اور تم آگاہ رہو کہ ادنی حرکت جو تم نے آخرت کیواسطے اُٹھائی یہ ہی کہ تم نے ظالم کی مصاحبت مین انس
حاصل کیا اور گمراہون کیساتھ بیٹھنا آسان سمجھا اور تم نے بدکاری کی راہ اس شخص پر آسان کردی جس نے کوئی حق ادا نہین کیا اور کوئی
باطل بات نہ چھوڑی ہی کیونکہ تم نے اسکا تقرب اختیار کیا تو وہ اپنے کو ٹھیک راہ پر سمجھا اور اُنھون نے تو تم کو کیلی بنالیا جس پر اُن کے باطل کی
چکی گھومتی ہی اور تم کو پل بنالیا کہ اس سے عبور کرتے ہین اور گمراہیون کی طرف چڑھنے کی سیڑھی بنالی تمھارے باعث سے علماء کی طرف شک
پیدا ہوتا جاتا ہی اور نادانون کے دل تمھاری اقتدا کرکے ان ظالمون کی طرف رجوع لاتے ہین تو سمجھو کہ ان ظالمون نے جو کچھ تمھارا انکا واسکے
مقابلہ مین یہ نہایت ہی خفیف ہے جو تمھارا بنایا اور جو تم کو دیا وہ بمقابلہ اسکے جو چھین لیا نہایت حقیر ہے کیونکہ تمھارا دین لیکر برباد کردیا اور حقیر دنیا
مین سے بھی نہایت حقیر تم کو دیدیا پس تم کس وجہ سے نہین ڈرتے ونڈر ہوگئے ہو کہ تم انھین لوگون مین داخل ہو جن کے حق مین اللہ تعالےٰ
نے فرمایا کہ فخلف من بعدہم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشہوات فسوف یلقون غیا - کیونکہ تمھارا معاملہ ایسی ذات کے ساتھ ہے جو نادان
نہین اور ایسا محفوظ رکھتا ہی کہ کبھی بھولتا نہین یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ یا اسکے ملائکہ کرام کاتبین تمھارے محافظ ہین پس تم اپنے دین کی دوا کرو
وہ بیمار ہوگیا ہے اور اپنا زاد راہ مہیا کرو کہ بہت دراز سفر پیش آیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر آسمان وزمین مین سے کوئی چیز پوشیدہ نہین ہے والسلام
سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جہنم مین ایک جنگل ہے جسمین کوئی نہین بسایا جائیگا سوائے ان قاریون کے جو بادشاہ کی زیارت کو جاتے ہین قال
المترجم علماء سلف قاری اسکو کہتے تھے جو قرآن مجید کے معنی سے آگاہ ہو اور اسکو علم حاصل ہو اور زیارت سے مراد ملاقات ہی - اور جمہور
علمائے محققین کے نزدیک بادشاہ کی ملاقات ممنوع اسوقت ہی کہ کسی مصلحت یا نصیحت یا دفع مضرت کی غرض سے نہ ہو جبکہ شرعًا
مباح ہے واللہ تعالیٰ اعلم - امام اوزاعی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز زیادہ مبغوض نہین ایسے عالم سے جو عامل یعنی ظالم بادشاہ
یا امیر ووزیر کی ملاقات کرے - اقول ظالم کے معنی معلوم ہوچکے کہ شرع پر مستقیم نہ ہو - محمد بن مسلمہ کا قول مروی ہے کہ ظالمون کے دروازے
پر قاری کا ہونا پائخانہ پر مکھی سے زیادہ بدتر ہے اور حدیث مین مروی ہی کہ جس نے ظالم کیلیے دیر تک زندہ رہنے کی دعا کی اُس نے یہ پسند
کیا کہ دنیا مین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی زیادہ پھیلے - یہ سب سراج سے منقول ہوا - خلاصہ تفسیر کلام الٰہی یہ ہی کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم
کو تکریمًا خطاب کرکے حکم امت کو دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ظاہر و باطن مستقیم رہو کسی افراط وتفریط کی طرف مت جھکو پھر پہلا فتنہ
اور جڑ وسواس شیطانی کی کاٹ دی اور منع فرمایا کہ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا - اور مت جھکو ان لوگون کی طرف جنھون نے ظلم کیا ہے یعنی
مشرکون کی طرف خواہ اپنی جانون پر ظلم کرین یا غیرون پر انکی طرف ظاہر یا باطن مین مائل مت ہو یا کسی ظالم کی طرف خواہ مشرک
ہو یا ظاہر مین مسلمان معلوم ہو جبکہ ظالم ہو یعنی موافق شرع الٰہی کے حقوق ادا نہ کرتا ہو تو ظاہر و باطن مین اسکی طرف مت مائل ہو -
علمائے محققین نے دوسری احادیث سے یہان تخصیص بیان کی کہ نوکری جائز اور مزدوری مباح یا کسی اور نفع یعنی یا ضرر دور
کرنے کیلیے جو مباح ہے اُن کے پاس جانا اور حسن تدبیر سے یہ کام پورا کرنا روا ہے اور حاکم سے بغاوت کرنا جائز نہین ہی اور جب کسی
ظلم کے روکنے پر قادر نہ ہو تو دل سے منزجر ہوجانے ورنہ اس حکم مین داخل ہوگا اور اسکا عذاب یہ ہی - فتمسکم النار - کہ تم کو دوزخ
کی آگ لگے - اس سے خود معلوم ہوا کہ جو ظالم ہے وہ بالکل دوزخ مین پڑکر آگ ہی پھر دوستی ومحبت کا خیال جو اکثر ظالمون ومشرکون سے

ہوتا ہے تو دین و دل سے قطعی کاٹ دیا اور فرمایا۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۔ اور تمہارے لئے تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوست و حمایتی نہیں ہے۔ یہان سے ظاہر ہوا کہ ظالمون کی طرف جھکنے سے مراد وہی دلی پسندیدگی و الفت و دوستی ہے یعنی جب تم کو دوزخ کی آگ لگے در صورت اُنکی طرف میل کے تو حالت یہ ہوگی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی تمہارا بچانیوالا نہ ہوگا یا یہ کہ دوستی کا خیال مت کرو کہ تمہارا مولیٰ سوائے تمہارے خالق عز و جل کے اور کوئی نہیں ہے جو تم کو عذاب الٰہی سے بچالے۔ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے عذاب سے بچنے مین نصرت و مدد نہ دیے جاؤگے ف فی العرائس قولہ تعالیٰ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ اس آیت کریمہ کے اشارہ سے ثابت ہے کہ جو لوگ دکھلانے سنانے کو عابد زاہد و فقیر بنتے ہین اُنکی پیروی سے بالکل پرہیز کرنا واجب ہے بلکہ انکی طرف میل بھی نہ کرے اور جو جاہل آدمی فقیری کا دعویٰ کرے یا عالم بن بیٹھے اسکی طرف بالکل میل نہ کرے اور جو عالم کہ مخلوق کے حق مین بہت مضر ہین یعنی دنیا کمانے کی فکر مین رہتے ہین اور امرا و رؤسا کی صحبت اختیار کرتے ہین وہ خود گمراہ ہین بلکہ بڑے خراب ہین اُنسے پرہیز واجب ہے ورنہ بحکم اس آیت کے عذاب دوزخ مین گرفتاری ہوگی اور اشارہ ہے کہ اُنکی مصاحبت سے اللہ تعالیٰ سے دوری اور دنیا کی یاست اور جاہ و منزلت کی محبت سے مردود ہونا حاصل ہوتا ہے اور آدمی بدعت و ضلالت مین گرفتار ہو جاتا ہے اور اس سے یہ بھی اشارہ ہے کہ جو لوگ حقوق الٰہی سے جاہل ہین اور شرع کے اسرار سے غافل ہین اُن کے ساتھ دل کو تسکین دینا محبت و مؤانست سے جائز نہین ہے۔ کتانی رحمہ اللہ نے کہا کہ جو شخص کسی امام یا ولی سے ادب حاصل نہ کرے وہ ہمیشہ بیہودگی کے ساتھ ناکارہ رہیگا سہل رحمہ اللہ نے اسی آیت سے یہ حکم نکالا کہ اپنے دین و تقویٰ کے لئے آدمی پر فرض ہے کہ کسی شخص کے طور طریقہ پر اعتماد نہ کرے سوائے ایسے بزرگ عالم کے جو طریقہ سنت پر خلوص سے عامل ہو۔ حمدون القصار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بدکارون کی صحبت اختیار مت کرو ورنہ نیکون کی صحبت سے محروم کر دیے جاؤگے۔ علی بن موسیٰ الرضا عن ابیہ عن جدہ علیہم السلام نے اس آیت کے اشارہ مین کہا کہ آدمی کا نفس جبتک اللہ تعالیٰ کے ذکر و محبت سے دار آخرت کی طرف ہمہ تن ظاہر و باطن توجہ سے مطمئن نہو جائے تب تک اُسکا نفس دنیائے فانی شہوات کی طرف اُسکو مائل کر کے عذاب مین گرفتار کرنا چاہتا ہے تو وہ بڑا ظالم ہے پس خود ظاہر ہوا کہ اپنے نفس کی باتون و خواہشون کی طرف جبکہ خلاف سنت ہون ہرگز میل نکرے۔ قال المترجم لطیفہ نفیس و عجیب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ سہل رحمہ اللہ نے کہا کہ اہل بدعت جنھون نے طریقہ رسول اللہ صلعم ترک کر دیا اُن کی مصاحبت مت اختیار کرو اقول بیشک وہ لوگ بھی ظالم ہین ؏ بذہ نفائس فی العرائس۔ پھر واضح ہو کہ سوائے رسول اللہ صلعم و صحابہؓ کے عموماً استقامت امر دشوار تھا خصوصاً صغیرہ گناہ ہوتے ہین سو عموماً تو محض فضل و کرم سے رحمت نازل فرمائی بقولہ

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ

اور کھڑی کر نماز دونون سرے دن کے اور کچھ ٹکڑون مین رات کے البتہ نیکیان دور کرتی ہین

السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

برائیون کو یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والون کو اور ٹھہرا رہ البتہ اللہ ضائع نہین کرتا

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

ثواب نیکی والون کا

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ - اور اچھی طرح ادا کر نماز کو دونون طرف دن کے۔ الصلوٰۃ سے مراد مفروضہ نمازین ہین اور بعض نے کہا کہ نفل وغیرہ سب شامل ہین و لیکن اصح وہی قول اول ہے کیونکہ ادا کرنے نوافل سے گناہون کا کفارہ ہونا مروی نہین لیکن فرائض کے عمدہ طور پر ادا کرنے سے جب گناہون کا کفارہ ہو گیا تو نوافل زائد فضیلت و کفارہ کے لئے زیادہ اُمید کی چیز ہین ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مراد پانچون فریضہ نماز ہین اور ابن عباسؓ نے بڑھایا کہ اور باقیات صالحات ہین اور قرطبیؒ نے لکھا کہ ابن المسیب و ضحاک و جماعت کا یہی قول ہے اور مین کہتا ہون کہ احادیث صحیحہ و تفاسیر ائمہ تابعین بالکل اسی پر دلالت کرتے ہین - اب تفاسیر معلوم کرنا چاہیے تو شیخ حافظ رح نے اپنی تفسیر مین لکھا کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ طرفی النہار کی نماز دن سے مراد نماز صبح و مغرب ہے اور یہی حسنؒ و ابن زید کا قول ہے اور دوسری روایت مین حسن نے اور قتادہ و ضحاک وغیرہم نے کہا کہ صبح اول طرف کی اور ظہر و عصر دوسری طرف کی ہے اور یہی محمد بن کعب کا قول ہے۔ **قال المترجم** اور بعض نے کہا کہ ابن جریرؒ نے قول اول کو ترجیح دی کیونکہ سب کا اتفاق ہے کہ دن کی اول طرف صبح ہے اور دوسری طرف مغرب ہے و اقول فخر رازی نے کبیر مین قول دوم کو ترجیح دی اور کہا کہ دوسری طرف مین نماز مغرب نہین ہو سکتی کیونکہ وہ زلفا من اللیل کی تحت مین داخل ہے تو ضرور نماز عصر مراد ہوگی - مین کہتا ہون کہ اگر نہار سے شرعی نہار مراد ہو تو طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور اگر نہار عرفی مراد ہو تو طلوع شمس سے ہوتا ہے و لیکن اسمین اختلاف نہین کہ اول نماز صبح ہے اور دوم مین ظاہر قول ابن جریر رح ہے کیونکہ بالاتفاق شرعًا و عرفًا طرف دوم غروب ہے اگرچہ نماز عصر کی تغلیظ بقولہ والصلوٰۃ الوسطیٰ الآیۃ وغیرہ سے ثابت ہے ہان جو حدیث سبب نزول وارد ہوئی اور آگے آتی ہے تو ظہر و عصر مراد لینے پر انسب ہے وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ - زلف وہ ساعتین کہ ایک دوسرے سے قریب ہون اسی وجہ سے عرفہ کے بعد مکہ سے قریب منزل کو مزدلفہ کہتے ہین قاموس مین ہے کہ زلفہ رات کا ٹکڑا یعنی یہ کہ اور نماز قائم کر رات کے ایک ٹکڑے مین - **قال الحافظ** ابن عباس رضی اللہ عنہ و حسن نے فرمایا کہ نماز عشاء مراد ہے - مبارک بن فضالہ نے کہا کہ مغرب و عشاء مراد ہے اور یہی مجاہد وغیرہم نے فرمایا - اقول جن کا بر ملے دن کی دوسری طرف کو مغرب کہا ان کے نزدیک یہان نماز عشاء ہوگی اور جنھون نے عصر کہا ان کے نزدیک مغرب و عشا ہین اور زلف کے معنی بھی مناسب ہین اور ارجح قول واللہ اعلم یہ ہے کہ اول طرف نہار سے صبح اور دوم طرف دن سے ظہر و عصر دونون اور زلف اللیل سے مغرب و عشاء مراد ہین کیونکہ جمہور مفسرین نے پانچوین نماز سے تفسیر کی تو اسی قول پر سب آ گئین اور چونکہ مقصود یہان استقامت سے صغائر گناہ معاف ہونا اور احادیث صحیحہ سے جملہ فریضہ نماز دن کا مکفرات ہونا معلوم ہوتا تو سب یہان مراد ہین کیونکہ جملہ حسنات سے سیات زائل ہو جاتے ہین بقولہ تعالیٰ - اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ - ضرور نیکیان بہا دیتی ہین برائیون کو۔ **قال الحافظ** یعنی نیک کام کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہین اسطرح کہ گویا اُن کا وجود ہی نہ تھا چنانچہ حدیث صحیح مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مین نے سنا کہ آنحضرت صلعم فرماتے تھے ما من مسلم یذنب ذنبا فیتوضأ ویصلی رکعتین الا غفر لہ یعنی نہین کوئی مسلمان کہ کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے مگر آنکہ اس کا گناہ بخشدیا جائے گا - اقول اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت مین حسنات سے مراد عام ہے خواہ فریضہ نماز ہو یا نفل ہو تو ابتداء آیت مین الصلوٰۃ سے عام نماز مراد ہوگی لیکن حدیث اگر توبہ پر محمول کی جاوے یعنی دو رکعت پڑھکر توبہ کرے تو بخشدیا جائے گا تو ایسا نہ ہوگا اور وجہ حمل یہ ہے کہ حدیث مین یذنب ذنبا سے گناہ عام ہونے کی تاکید ہے خواہ

صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو اور آیت مین علمار کے نزدیک صغیرہ معاف ہوتے ہین جیسا کہ آگے آویگا۔ **قال الحافظ** اور صحیحین مین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ اُنھون نے آنحضرت صلعم کے مثل وضو کیا اور کہا کہ مین نے یون ہی رسول اللہ صلعم کو وضو کرتے دیکھا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو میرا ایسا وضو کرے پھر دو رکعتین نماز پڑھے ان مین اپنے جی سے باتین نہ کرے (یعنی وسواس و خیالا سے بچا رہے) تو اُسکے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہین اور امام احمد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث مین آخر مضمون یون روایت کیا کہ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرا ایسا وضو کرے اور کھڑا ہو کر ظہر پڑھے تو صبح سے ظہر تک درمیان کے گناہ معاف ہون گے پھر جب عصر پڑھے تو ظہر و عصر کے بیچ کے معاف ہون گے پھر مغرب پڑھے تو عصر و مغرب کے بیچ کے گناہ معاف ہون گے پھر عشار پڑھے تو مغرب و عشا کے بیچ کے گناہ معاف ہون گے پھر شاید وہ رات کو لیٹے تو رات بھر پڑا لوٹا کرے پھر جب اُٹھکر ایسا وضو کرکے نماز صبح پڑھے تو نماز عشار و صبح کے بیچ کے گناہ معاف ہون گے اور یہی حسنات ہین جو برائیون و گناہون کو زائل کر دیتی ہین اور صحیح مین روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ارأیتم لوان الحدیث یعنی بتلاؤ کہ اگر تم مین سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو جسمین وہ روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو بھلا اُس کے بدن پر کچھ میل رہ جائیگا صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کچھ نہین تو فرمایا کہ ایسی ہی پانچون نمازین ہین کہ انکے واسطے سے اللہ تعالیٰ بندے کے گناہون و چوک کی حرکتون کو محو کر دیتا ہے۔ امام احمد نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی کہ ہر نماز اپنے روبرو کے گناہ و بھول چوک کو میٹ دیتی ہے۔ سراج مین لایا کہ علمار نے فرمایا کہ نیک کامون مثل نماز و روزہ و صدقہ و زکوٰۃ و تسبیح و استغفار وغیرہ سے صغیرہ گناہ محو ہو جاتے ہین اور رہے کبیرہ گناہ تو وہ فقط توبہ سے معاف ہوتے ہین اور اسکی تین شرطین ہین ایک یہ کہ اب اس گناہ سے بالکل دور ہوا اور دوم یہ کہ جو ہو گیا اسپر شرمندہ و نادم ہوا اور سوم یہ کہ پکا مضبوط ارادہ ہو کہ آیندہ اب کبھی نہین کرونگا۔ جب یہ باتین پائی جاوین تو اسکی توبہ صحیح ہے انشاء اللہ تعالیٰ مقبول ہوگی انتہی ما فی السراج و قال الحافظ اور صحیح مسلم مین ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ پانچون نمازین اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک ان گناہون کے میٹنے والی ہین جو ان کے درمیان مین واقع ہون جب تک کہ کبیرہ گناہون سے بچا رہے اقول اور قولہ تعالیٰ ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم الآیۃ۔ سے بھی ایسا ہی ثابت ہوا چنانچہ اسکی تفسیر مین گذر چکا اور بعضے علمار نے کہا کہ بعضے کبیرہ معاف ہونے کی بھی اُمید ہے اور شاید وجہ اختلاف یہ ہو کہ اول قول پر کبیرہ مانند فعل شرک و قتل ناحق و عقوق والدین وغیرہ ہین تو بدون توبہ معاف نہ ہون گے اور قول دوم پر کبیرہ بہت ایسے حرام افعال کو شامل ہے جن کے کرنے والے کو عذاب کا خوف دلایا گیا ہے۔ فی السراج۔ اور اس آیت کا سبب نزول وہ ہے جو ترمذی نے ابو الیسر بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میرے پاس ایک عورت آئی جسکے شوہر کو آنحضرت صلعم نے کسی لشکر مین مقرر کرکے جہاد کو بھیجا تھا اُسنے مجھ سے کہا کہ مجھے ایک درم کے چھوہارے دیدو مجھکو اسوقت وہ عورت بھلی معلوم ہوئی تو مین نے کہا کہ اس کوٹھری مین اس سے اچھے چھوہارے ہین وہ میرے ساتھ اندر آئی تو مین نے اسکی طرف جھککر لپٹا کر اسکا بوسہ لیلیا لیکن مجھے خوف الٰہی آگیا تو الگ ہو کر مین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اُنسے یہ حال کہکر اپنے گناہ کی معافی کی راہ ڈھونڈی اُنھون نے مجھے ارشاد فرمایا کہ اپنا پردہ رکھ اور توبہ کر لے اور کسی کو خبر مت کر پھر مین پریشان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اُنھون نے بھی یہی فرمایا تو نچاچار مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور مین نے عرض کر دیا کہ مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا آپنے فرمایا اے تونے ایک مرد کی جو اللہ تعالیٰ کی راہ مین جہاد کو گیا اسکے پیچھے ایسی خیانت کی تو مجھے سخت خوف ہوا اور گھبرا کر مجھے تمنا ہوئی کہ

کاش میں اسی وقت مسلمان ہوتا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں دوزخی ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک جھکایا اور بہت دیر ہو گئی یہاں تک کہ آپ پر وحی نازل ہوئی جب وہ حالت رفع ہوئی تو مجھے بلایا اور یہ آیت پڑھی واقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من الیل ان الحسنات یذہبن السیئات۔ ذلک ذکری للذاکرین۔ یعنی اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور رات کے ٹکڑے میں ضرور نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو یہ نصیحت ہے متقیوں کیلئے تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ خاص اسی کے لئے ہے یا سب لوگوں کیلئے فرمایا کہ نہیں بلکہ سب لوگوں کیلئے ہے۔ **قال الترمذی** ہذا حدیث حسن غریب۔ وفی تفسیر الحافظ اور بخاری رح نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک مرد اجنبی نے ایک عورت کا بوسہ لیکر گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور حاضر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گناہ سے آگاہ کیا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ۔ اسنے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ میرے ہی لئے خاص ہے یا عام فرمایا کہ میری تمام امت کیواسطے ہے۔ اور مسلم رح نے اپنی صحیح میں روایت کیا کہ اسنے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے چار دیواری کے باغ میں ایک اجنبیہ عورت کو پا کر اس سے سب کچھ حرکت کی بوسہ لیا اور چپٹایا مگر میں نے اس سے جماع نہیں کیا تو میں اللہ تعالی کے حکم پر اپنی جان سے حاضر ہوں[1] جو آپ چاہیں وہ میرے حق میں حکم کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا وہ شخص چلا گیا اور عمر رض نے کہا کہ اللہ تعالی نے اس شخص کی پردہ پوشی فرمائی تھی اگر یہ اپنا فعل خود چھپائے رہتا اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر اٹھائی اور فرمایا کہ اس شخص کو پھیر لاؤ لوگ اسکو واپس لائے تو آپنے اسکو یہ آیت پڑھ سنائی اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ تو معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا اکیلے اسی کے لئے ہے فرمایا کہ نہیں بلکہ سب امت کے لئے ہے۔ پھر شیخ نے مسند احمد و ابن جریر کی تفسیر سے مانند روایت ترمذی مذکورہ سابق کے نقل کیا و لیکن اسمیں حضرت ابوبکر رض کے پاس جانا مذکور نہیں ہے اور لکھا کہ ابن جریر نے اپنے اسناد سے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم کے حضور میں ایک مرد نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری جان پر وہ سزا پوری کیجئے جو اللہ تعالی نے فرمائی ہو یعنی میں نے ایک عورت سے سوائے جماع کے مساس و بوسہ سب کیا ہے تو مجھے سزا دیکر گناہ سے پاک کیجئے تو اسنے ایک یا دو بار عرض کیا مگر آپنے منہ پھیر لیا پھر مضطرب ٹھہرا رہا پھر نماز کا وقت آیا اور نماز پڑھی گئی جب نماز سے فراغت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ آدمی کہاں ہے اسنے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں فرمایا کہ تو نے پورا وضو کیا تھا اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی اسنے کہا ہاں فرمایا کہ تو اب تو اپنے گناہ سے ایسا پاک ہے جیسے تیری ماں نے تجھے جنی تھی مگر اب ایسا نہ کرنا اور اللہ تعالی نے نازل فرمایا قولہ اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ اور شیخ رحمہ اللہ نے یہاں مسند احمد سے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے نقل کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم الحدیث یعنی جسطرح اللہ تعالی نے تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم فرمائے یعنی نصیب میں مقدر کئے ہیں ویسے ہی تم میں تمہارے اخلاق تقسیم فرمائے ہیں (یعنی ہر شخص اپنی قسمت کے موافق اخلاق نیک یا بد کا عامل ہو جاتا ہے) اور اللہ تعالی دنیا کو تو ایسے شخص کو بھی دیتا ہے جسکو محبوب رکھتا ہے اور ایسے کو بھی جسکو محبوب نہیں رکھتا (جیسے کافروں و مشرکوں کو دنیا کی ثروت بہت ہوتی ہے) اور دین نہیں دیتا مگر اسکو جسے محبوب رکھتا ہے پس جسکو اللہ تعالی نے دین دیا اسکو محبوب کیا اور قسم اس پاک کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی مسلمان نہیں جبتک اسکا قلب و زبان اسلام نہ لاوے اور کوئی مومن نہ ہوگا جبتک کہ اسکا پڑوسی اسکے بوائق سے امن میں نہ ہو ہم نے پوچھا کہ کیا بوائق آپنے فرمایا کہ اسکے فریب مکر و دھوکے سے اور اسکے ظلم سے بیخوف ہو اور کوئی بندہ مال حرام نہ کماوے گا[غشیت وغیرہ] کہ اسمیں سے خرچ کرے تو کچھ برکت ہو اور صدقہ دیگا کہ وہ قبول ہو اور مر کر چھوڑ نہ جائیگا مگر جہنم کی طرف اسکا زاد راہ ہوگا (یعنی مال حرام کی کمائی میں کبھی برکت

[1] لہ یعنی میری جان سے بدلا لے اور بخش دے گناہ ۱۲

نہ ہوگی اور اُسمین سے صدقہ ہرگز قبول نہوگا اور اگر ترکہ چھوڑیگا تو یہ اُسکا جہنم کی منزل کا توشہ ہوگا) اور اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہین مٹاتا ہے بلکہ بدی کو نیکی کرنے سے محو کر دیتا ہے اقول یعنی بدلیل قولہ ان الحسنات یذہبن السیآت۔ شیخ ابو عثمان النہدی سے روایت ہے کہ ہم حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھے اُنھون نے اسکی سوکھی شاخ پکڑ کر ہلائی کہ پتے کھڑ کھڑا کر گر پڑے پھر کہا اے ابو عثمان تو پوچھتا نہین کہ آپ کیون ایسا کرتے ہین مین نے پوچھا تو فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے بھی میرے ساتھ ایسا ہی کیا تھا پھر فرمایا کہ مسلمان نے جب اچھی طرح وضو کیا پھر پانچون نمازین پڑھین تو اسکے گناہ اسطرح گر پڑتے ہین جیسے اس شاخ کے پتے گر پڑے اور یہ آیت پڑھی اقم الصلوٰة طرفی النہار الآیہ۔ رواہ احمد۔ اور معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کوئی خطا صادر ہو جاوے تو اُسکے پیچھے نیکی کر جس سے وہ محو ہو جائیگی اور لوگون کے ساتھ اچھی خصلت سے برتاؤ کر۔ رواہ احمد۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ اگر کوئی خطا سرزد ہو جاشے تو اُسکے پیچھے نیکی کر جو اسکو محو کر دے گی مین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا نیکیون مین سے ہو کلمہ پڑھنا لا الٰہ الا اللہ تو فرمایا کہ یہ تو سب نیکیون سے افضل ہو۔ رواہ احمد۔ اور حضرت انس رضہ سے مرفوع روایت ہو کہ جس بندہ نے رات یا دن مین کسی وقت لا الٰہ الا اللہ کہا تو ضرور اسکے نامۂ اعمال مین سے برائیان محو کر دی جائین گی اور اُسکی جگہ بھلائیان برابر قائم ہونگی۔ رواہ ابو یعلی۔ اور حضرت انس رضہ سے روایت ہو کہ ایک مرد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مین نے کوئی خواہش و ماوف چیز نہین چھوڑی بغیر کئے ہوئے تو فرمایا کہ بھلا تو گواہی دیتا ہو کہ لا الٰہ الا اللہ و محمد رسول اللہ اُسنے عرض کیا کہ مین دل سے یقین جانتا ہون فرمایا کہ تو یہ کلمہ ان سب پر حاوی ہوگا۔ رواہ البزار۔ مترجم کہتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا یہ طریقہ ہو کہ دل سو قت اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے تسکین پاوے اور سب چیز کی خواہش و اچھائی نکلجائے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و کمال صفات کا اثر دل پر پیدا ہو اور جو اچھے لوگ ہین وہ تو اس پاک کلمہ کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے تمام مخلوقات کو دل سے محو کر دیتے ہین پھر اسکی عظمت و جلال کے سوائے خود اپنے آپ کو بھی نہین دیکھتے ہین خلاصہ یہ کہ پڑھنے سے دو باتین ہین ایک یہ کہ زبان سے اچھی قرأت ان الفاظ کے ادا کرنے مین پیدا ہو جسکو کان خوشی سے سنین تو یہ جہالت کا خیال ہو اور دوسری بات یہ ہو کہ اسکے مضمون سے دل کے کان کھلین اور جب یقین بھر جاوے کہ بس معبود وہی اللہ عزوجل ہے ماسوائے اسکے سب مخلوق مجبور ہو کوئی بھی معبود نہین پس جو صفات اللہ تعالیٰ مین ہین ان مین سے کوئی بھی کسی مین نہوگی اور جو حمد و ثنا و تعظیم اسکی شان عالی و اجل کیواسطے ہو وہ ذرہ برابر بھی کسی کیلیے نہین ہے پھر یقین قطعی ہوگا کہ اسکے جلال و عظمت کو آسمان و زمین و پہاڑ نہین اُٹھا سکتے تو کون اُٹھا سکتا ہے پھر خود اپنے آپ کو فانی اور ہیچ و ناچیز جان جائیگا بس جب اسطرح یہ کلمہ طیبہ پڑھے تو بڑی نیکی ہے ضرور بحکم حدیث اس کے گناہ مٹ جاوین گے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ پھر چونکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ملائکہ کی طرح انسان کو بے روک ٹوک کے میسر نہین ہو کیونکہ انسان ایسی جگہ مین پیدا ہوا ہو جو طرح طرح رنج و موذی چیزون سے بھری ہے اور اسطرح پیدا ہوا کہ اسکا پیٹ کھانے پینے کی خواہش کو اور آنکھین سونے کو و بدن آرام طلبی کو متقاضی و ہر عضو اپنی خواہش کا طالب ہو اور نفس جبتک پاکیزہ نہو طرح طرح کی خراب خواہشون پر آمادہ کرتا ہے اور سب سے بڑھکر شیطان دشمن ہے جو دماغی قوی تخیلات و اوہام و بزدلی وغیرہ کے وسواس ڈالتا ہو اور دل سے ذرہ برابر غفلت ہونے پر یقین مٹاتا رہتا ہے اور آدمی دوسرون کو دیکھکر ہل جاتا اور عجائب دیکھکر جھک پڑتا ہو خصوص جبکہ شیطانی راہ کے اسکی مطیع قوم کو ایسی ایسی صنعتین و کاریگری سوجھتی ہین جس سے دنیا مین خوب تجمل و آرائش میسر ہو اور تمام دنیا انھین کی سلطنت اور

اُن کیلئے بہشت ہوجاوے توجبتک آدمی خوب یقین کے ساتھ آراستہ وآخرت ہی کو جنت ونعمت واپنا گھر نہ سمجھتا ہو تب تک ممکن نہین کہ اس قوم کی طرف رجوع نہ ہوجاوے اور اگر یقین کامل سے اسکو دین ملا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوا تو اسپر اپنے اعضاء کی خواہشین وشہوت غالب ہون گی اور حدیث صحیح مین مضمون وارد ہے کہ اگر آدمی سے منع کیا جاوے کہ ساہی کے بعٹ مین نہ گھسنا تو منع کرنے سے خواہ مخواہ اسکا دل لگا رہیگا کہ کسی طرح گھسکر دیکھون تو کیا بات ہو اسوجہ سے دین ہر چند بہت آسان ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ نماز مین مشقت کیا ہے لیکن پھر بھی اسپر بہت گران ہوجاتی ہے جب تک رتبہ احسان کو نہ پہونچے کیونکہ اس مرتبہ پر نماز نہایت ہی خوب ہو چنانچہ آنحضرت فرماتے کہ قرۃ عینی فی الصلوۃ ۔ میری دونون آنکھین نماز مین ٹھنڈی ہوتی ہین لہذا ابتدا مین آدمی ضرور اپنے نفس پر مشقت سمجھکر گوارا کرے اور شرع پر مستقیم ہو یقین کے ساتھ آخر مرنا برحق ہو اور اسیواسطے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو خطاب فرماکر امت کو نصیحت فرمائی بقولہ ۔ وَاصْبِرْ اور تو صبر کر یعنی استقامت پر قائم رہنے کی مشقت مین صبر کر اور طغیان سرزد نہ ہونے پر اور ظالمون کی طرف مائل نہ ہونے سے نفس کی شکستگی پر صبر کر بعض نے کہا کہ جس کام کے کرنیکا حکم ہے اسی کی مشقت پر صبر مراد ہو کیونکہ جس سے ممانعت ہو اس سے باز رہنے مین کچھ مشقت نہین ہے اقول یہ بالکل وہم ہے کیونکہ بسا اوقات ممنوعات سے باز رہنا نفس کو نماز ادا کرنے سے زیادہ شاق ہوتا ہے خصوص جبکہ ایسے سامان موجود ہون جنکے ذریعہ سے فسق وفجور کا اسباب بہ آسانی ممکن ہو یا زیادہ تر سامان مہیا ہون تو جو کوئی خوف آلہی کھتا ہے نفس کو مضمحل ومجبور کرکے باز رہے اور یہ مامور کے ادا کرنے سے زیادہ شاق ہے اور ظاہر اقائل مذکور نے اعمال قلب باطن کو دین نہین سمجھا صرف ہاتھ پاؤن وغیرہ جوارح ظاہرہ پر مدار رکھا اور یہی منشا غلطی کا واقع ہوا حالانکہ دین کا بڑا جزو اعمال قلبی سے متعلق ہو از انجملہ نیت تو ہر فعل کے ساتھ لازمی ہو جیسے خلوص وفیہ لطف فتأمل ۔ اور یہ خطاب بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مقصود اُمت ہین پھر بطور دلیل کے اس صبر کے حسن وثواب کو فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مرتبہ احسان پر عبادت کرنے والون کا اجر ضائع نہین فرماتا یا نیکوکارون کا ثواب نہین کھوتا اور مراد اس سے واقعی نیکی ہے حتی کہ جو شخص دل سے بد اعتقاد ہو تو اسکی نماز واقعی کچھ نہین اور جو دکھلانے کو پڑھے وہ بھی باطل اور جو حرام کھانے وکپڑے کے ساتھ یا بغیر وضو یا بدون نیت وغیرہ پڑھے وہ بھی واقعی نہین ہو اقول کبھی مسلمانون کے ساتھ نماز کے شریک ہونیوالے جنکو دنیا کا لالچ ہے انکو اسکا عوض دنیا مین مل جاتا ہو ولیکن آخرت کے اجر والون کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہین ہو ف

فی العرائس قولہ تعالیٰ واقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل الآیۃ ۔ اسکے اشارات سے یہ بات ثابت ہو کہ اہل مشاہدہ اپنی اوقات کو ان پانچ وقتون مین فریضہ طور پر محفوظ رکھین تاکہ مراقبہ سے اعلیٰ درجات وقربات پر واصل ہون پس دن کے دونون طرف مجلس ذکر ومراقبہ مین بیٹھنے سے سرباطن سے مشاہدہ ہوگا اسلئے کہ درمیان مین کثرت سے دن مین فتور وغفلت واقع ہوتی ہے تو دونون طرف دن مین عبادت سے یہ سب میل جاتا رہیگا اور صفائی حاصل ہوگی اور یہ سب بمقتضائے رحمت ہو اور رات مین سے اُس کا پہلا حصہ لیا تاکہ ذکر کی حلاوت وصفائی وولولہ عشق ومحبت کا اثر دن تک باقی رہے اور آدمی غافل نہ ہو اگرچہ نیند مین سوجاوے پس جب ان کے اوقات رات سے اور رات کے دن سے مل گئے اسطرح کہ وسواس کی مجال بیچ مین نہ رہی تو دل سے خطرات واُسکی تاریکی وخواہش فانیہ وغیرہ سب دور ہوئے بقولہ ان الحسنات یذہبن السیآت پس مشاہدہ کے نور سے شیطانی معارضہ نہین رہتا اور کشف جمال کے آگے اوہام وخیال کو مجال نہ رہی اور حسنات توحید ومعرفت سے گمان ووہم جسکی مخلوق پابند ہو زائل ہوئے اور یہ امر جو مذکور ہوا اہل ذکر واخلاص ومراقبہ ومعرفت کو خوب روشن ہو کیونکہ وہی یاد والے ہین غافل نہین ہین وقد قال تعالیٰ ذٰلک ذکریٰ

للذاکرین۔ شیخ ابوعثمان رحنے فرمایاکہ اوقات وساعات اللہ تعالیٰ کی یادکیلئے علامات ہین تاکہ غفلت سے بیدار ہو دنیا سے عبرت حاصل ہے توجس شخص کے اوقات وساعات غفلت مین گزرجاوین وہ یقین کرے کہ اسکا دل مرگیا کیونکہ ہر وقت اسپر فرض لازم ہی یا سنت یاکوئی نفل اوران سب مین اسنے غفلت کی توگریا لایعنی دل مردہ ہے واسطی رح نے کہا طاعات کے انوار سے معاصی کی کدورت زائل ہوجاتی ہی اقول یہ اشارہ ہی ورنہ منصوص ہی کہ معاصی خود میٹ دیئے جاتے ہین اور وجہ اشارت حدیث صحیح ہی کہ معصیت سے دل پر سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہی اور توبہ نکرنے سے یہان تک بڑھ جاتا ہی کہ تمام دل گھیر لیتا ہے پس روشنی اصلی جاتی رہتی ہے اور نیکی نہین سماتی اور اگر توبہ کرلے تو رفتہ رفتہ سیاہی دور ہوتی جاتی ہے پس معلوم ہوگیا کہ نیکیون کی روشنی سے گناہون کی تاریکی زائل ہوجاتی ہی بعض نے کہا کہ جب بندہ اپنے اوپر ہر نعمت کو حتی کہ بندگی کی توفیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل جانتا ہے تو اسکو اپنا فعل کچھ بھی ملحوظ نہین رہتا ہے۔ ابوعثمان نے فرمایا کہ مخلوق کے ساتھ نیک گمان کرنیسے کدورت اور غیبت جاتی رہتی ہی اور ان پر شفقت نصیحت و ترس آجاتا ہی اور یہ اسکو نصیحت مفید ہوگی جو توفیق سے اس لائق کیا جاوے یحییٰ بن معاذ رح نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ مومن کیلئے گناہ پر راضی نہ ہوا یہانتک کہ اسکو چھپادیا اور چھپانے پر بھی خوش نہوا یہانتک کہ بخشدیا اور بخشنے پر بھی خوش نہوا یہان تک کہ گناہ کی ماہیت بدل دی اور بدل دینے پر بھی راضی نہوا یہان تک کہ اسپر ثواب دیا چنانچہ مومن تو وہی تھا کہ اسکو نیکی و استغفار کی توفیق دی ہی پھر بیان فرمایا کہ ان الحسنات یذہبن السیآت۔ اور حدیث صحیح مین ہی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ مومن کا گناہ ایک دو مرتبہ چھپادیتا ہے اور مغفرت مانگنے پر بخشدیتا ہے اور دوسری آیت مین فرمایا فاولئک یبدل اللہ سیأتہم حسنات۔ اور بعض نے فرمایا کہ توبہ کی نیکی سے خطاکاری کا گناہ مٹ جاتا ہے اور کہا گیا کہ عرفان حاصل ہونے سے عصیان کا گناہ مٹ جاتا ہے اور کہا گیا کہ رحمت الٰہی سے جرم بندہ زائل ہوتا ہے۔ پھر چونکہ حفظ اوقات و پاس انفاس اور ہجوم انوار عظمت سے اہل مشاہدہ و مجاہدہ کے نفس پر بار عظیم واقع ہوتا ہے باوجودیکہ اعضاء و جوارح کے کام دین حنیفہ مین نہایت آسان ہین مگر حق امانات و نتہائے مشاہدات کا بار نفس سرکش شہوت پرست پر ایسا شاق ہی جسکا نمونہ آسمانون زمین و پہاڑون کی امانت اٹھانے کے انکار سے ظاہر ہے لہذا نفس کو صابر رکھنا فرض ہے چنانچہ صریح حکم فرمایا بقولہ واصبر فان اللہ لایضیع اجر المحسنین اور اسکے اشارات مین سے یہ ہی کہ مجاہدہ و مکاشفہ مین مذموم خطرات ایسے زبردست وارد ہوتے ہین کہ محض مذموم ہین انکے دور رکھنے مین نفس کو صابر رکھنا چاہیئے اقول صحیح مین ہی کہ صحابہ رض نے عرض کیا تھا کہ ہم کو ایسے خطرات آتے ہین کہ انکا زبان پر لاکر عرض کرنا ہم کو نہایت گران معلوم ہوتا ہے فرمایا کہ تم انکو برا و مذموم جانتے ہو تو یہی عین ایمان ہی پس معلوم ہوا کہ خیر الخلائق صحابہ ان خطرات سے محفوظ نہ تھے اور عوام تو خود ہی نفس و شیطان کی پیروی مین بسر کرتے ہین ان پر ایسے خطرات و وساوس لانے کی شیطان کو ضرورت نہین ہی اور شیخ نے دوسرا اشارہ لکھا کہ تجلی کبریائی کی گرانی مین متحمل ہونا چاہیئے کہ بدل وجود فانی سے حصول دیدار باقی عزوجل اور بقاء بحق ہی بعض نے کہا کہ جو طاعات پر مستقیم ہوا اور نفس کو مضبوط رکھا وہ گناہون سے بچا رہتا ہی اقول بدلیل قولہ۔ ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔ اور نیت صادقہ سے اجر عظیم کا امیدوار ہوگا بعض نے کہا کہ ذکر پر صبر کرنا چاہیئے کیونکہ جو کوئی سچے طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہی اسکو اللہ تعالیٰ یاد فرماتا ہے چنانچہ حدیث صحیح مین ہی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی کہ جب بندہ مجھے اپنے دل مین یاد کرتا ہی تو مین بھی اسکو اسی طرح اپنے ملائکہ سے مخفی یاد فرماتا ہون اور یہ نعمت عظیم ہی۔ **قال المترجم** واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ عزشانہ کی بارگاہ اعلیٰ واجل ہے کہ تمام مخلوق بادشاہ سے فقیر تک اُس کے پیدا کئے ہوئے ذلیل و خوار بندے ہین تو اس کے

یاد کرنیوالے کو ادب ملحوظ رکھنا فرض ہے اور خود پاکیزہ ظاہر و باطن ہو کر حاضر ہوئے اور دل سے یاد کرے جس کے ساتھ زبان بھی جنبش کرے اور وسواس کو دخل نہ دیوے تو اس کرامت عظمیٰ کا مستحق ہو اور اسطرح تھوڑی دیر بہت اچھی ہے بہ نسبت تسبیح لوٹنے کے۔ اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ بنی اسرائیل کے فاسقوں و بدکاروں سے کہدے کہ مجھے یاد نہ کیا کریں اس حالت میں کہ غافل و دل سے بدکاری کے خیال میں ہیں ورنہ میں اُن پر لعنت کرتا ہوں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر دنیاوی بادشاہ کے روبرو بیٹھکر ایک شخص اس سے بک بک کرے اور نظر اپنی اسکے منقش دیواروں کی طرف اور منہ دوسرے کی طرف رکھے تو بادشاہ اس سے نہایت ناخوش بلکہ بے ادبی پر سخت سزا دیگا تو بھلا حضرت ذوالجلال والاکرام کی شان عظمت و کبریائی کی توکیونکر تعظیم بجا لاتا ہے جسنے تمام آسمان و زمین پیدا کیئے اور یہ بادشاہ اسکے ناچیز مجبور حقیر بندے ہیں۔ فافہم واللہ تعالیٰ ہو الموفق والہادی۔ حاصل اس مقام کی آیات کا یہ ہے کہ بندہ جب استقامت پر ہو اور حق تعالیٰ کے احکام میں طغیان نکرے اور جیسا خود ظلم نہ کرے ویسے ہی ظالموں کی طرف مائل نہو اور طاعات پر مضبوطی کیساتھ بامید ثواب عظیم قائم رہے کیونکہ یہ اُمیدواری بھی خود طاعت ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال رہتی ہے اور آنحضرت صلعم کو تمام اُمت کیلئے ہادی و مرشد قرار دیا اسکے بعد پھر اگلی اُمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ ان میں کوئی ایسا نہ رہا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ظلم و بدکاری سے منع کرے جن کا کہنا نہ مانا گیا۔ لہذا اس طرح عذاب سے ہلاک ہوئے بقولہ تعالیٰ۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ

سو کیوں نہ ہوئے اُن سنگتوں میں تم سے پہلے کوئی لوگ جن میں اثر رہا ہو کہ منع کرتے بگاڑنے سے ملک میں

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○

مگر تھوڑے جو ہم نے بچا لئے اُنمیں سے اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے اسی راہ جسمیں عیش پایا اور تھے گنہگار

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ○

اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں

واضح ہو کہ نظام عالم دو طرح قائم ہے اول یہ کہ جو لوگ تمام روئے زمین پر آباد ہیں قانون عدل کے موافق اپنے اہل عقل و رؤسا حکمت کی رائے پر چلیں حتی کہ جانوروں کے ساتھ بھی ترحم رکھیں۔ دوم نظام شریعت الٰہی ہے پس اعلیٰ طبقہ جو دونوں پر عامل ہو اور اگر فقط اول پر عمل کرے تو دنیاوی نظام قائم ہوگا اور فقط دوم ہو تو فساد برپا ہوگا پھر افسوس کہ اول و دوم دونوں میں فساد ہو خلیل نحوی سے نقل ہے کہ قرآن مجید میں سوائے سورہ صافات کے جہاں کلمہ لولا آیا ہے اسکے معنی ہلا ہیں یعنی کیوں نہیں۔ اور زمخشری نے کہا کہ یہ حکایت ٹھیک نہیں اُتری کیونکہ صافات کے سوائے دیگر آیات میں مثل قولہ لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ اور قولہ لولا رجال مومنون و نساء مومنات اور قولہ لولا ان ثبتناک لقد کدت الآیہ میں لولا بمعنی ہلا نہیں ہے کذا فی السراج۔ اولو بقیۃ اے صاحبان خیر و فضل و تقوی۔ کیونکہ بقیہ بمعنی فضیلت و خیر ہے اور یہ اسلیئے ہوا کہ آدمی جو کچھ اپنے واسطے رکھ لیتا ہے وہ اچھا و عمدہ رکھکر باقی نکالتا ہے پھر خوبی و عمدگی میں مثل ہو گیا چنانچہ کہنے لگے کہ فلان بقیۃ القوم ہے یعنی اس قوم کے سب ردی و قابل نکال باہر کرنے کے ہیں صرف فلان اچھا و فضل ہے اور شاید بقیہ بمعنی بقوی ہو جیسے تقیہ بمعنی تقوی تو اولو بقیۃ بمعنی صاحبان بقا ہوا اور مراد یہ ہے کہ ایسے لوگ جو اپنی جان کو عذاب و غضب الٰہی سے باقی و بچائے رہیں قولہ تعالیٰ۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ۔ یعنی یہ اُمتیں جن کے اخبار ہم نے بیان کئے اور عذاب

آخر ہلاک کر دی گئین نہین تھے ان لستون مین جو تم سے پہلے ہلاک ہوئین صاحبان فضل و خیریت ایسے کہ یَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ۔ منع کرتے لوگون کو زمین مین فساد کرنے سے۔ یعنی یہ اُمتین جو تم سے پہلے عذاب سے ہلاک ہوئین اُن کی یہ حالت تھی کہ ان مین نیکی کرنیوالے اور علم و عمل والے لوگ ایسے نہ تھے جو ان لوگون کو کفر و شرک و بداعمالی و گناہون کے سبب زمین مین فساد کرنے سے روکتے۔ إِلَّا قَلِيلًا۔ لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو منع کرتے تھے وہ ایسے مغلوب تھے کہ قوم کے لوگ انکو نہ مانتے اور یہ بڑھکر نافرمانی تھی کہ سیدھی راہ بتلانے والے کو دشمن جانین اور ذلیل و خوار کرین پھر اُن کا پتا بتلا دیا۔ بقولہ مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ۔ وہ لوگ جن کو ہم نے اس قوم مین سے نجات دیدی وقت عذاب نازل کرنے کے کیونکہ وہ لوگ شرک و عصیان کے فساد سے منع کرتے تھے تو وہ عذاب سے محفوظ رہے۔ نظیر اُن کی اصحاب السبت کا قصہ ہی چنانچہ تین فریق مین سے منع کرنیوالے اور الگ ہو جانیوالے بچ رہے اور نافرمان عذاب مین گرفتار ہوئے اور حاصل یہ ہو کہ اگلی اُمتون پر جو عذاب آیا اسکا سبب دو امر تھے ایک یہ کہ انمین ایسے لوگ نہ تھے جو شرک و عصیان سے منع کرتے لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو حق پر قائم تھے انکو ہم نے نجات دیدی اور دوسرا سبب عذاب یہ تھا کہ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ۔ اور پیروی کرتے رہے وہ لوگ جنھون نے اپنی جانون پر اور غیرون پر ظلم کیا تھا اُن شہوات کی جو ان کو فراخی سے دی گئی تھین۔ یعنی سب قوم ظالم اپنی خواہش نفس کی پیروی مین دنیا دی نعمتون مین اترانے لگے۔ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ۔ اور تھے مجرم یعنی دنیا دی چیزون کی خواہش مین موافق شرع کے نہین چلتے تھے یا جو جی چاہتا تھا وہ شرک و معصیت کرتے اللہ تعالی کی نافرمانی کے ساتھ رہتے تھے کیونکہ دنیا کی طیبات لذیذہ کھانا پینا وغیرہ شرع مین بالکل منع نہین ہی بلکہ اُنکے استعمال مین حلت و حرمت کے احکام متعلق ہین پس اُنمین موافق حکم الٰہی تصرف کرے اور اسکی طاعات ادا کرے ولیکن اُنھون نے اپنی خواہشون کے موافق مجرم و نافرمان ہو کر اسراف کیا اور اترانے لگے تو اُن پر عذاب الٰہی آیا کہ بالکل نعمتون سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو گئے نعوذ باللہ من عذابہ۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ آدمی جہالت سے اللہ تعالی کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو اچھا جانتا ہے اور نعمتون دنیاوی کے سبب یہ خیال دوڑاتا ہے کہ ہم لوگ بڑے نیک ہین جبھی ہم کو سلطنت و بادشاہت و مال و متاع و دانائی و عقل دی گئی ہی ولیکن فی الحقیقت انکو معرفت الٰہی سے خبر نہین اور آخرت سے منکر اور شہوات نفس مین اتراتے ہین اور ہلاک ہو کر ظلم کا وہم کرتے ہین حالانکہ اللہ تعالی عز و جل کی شان مین ظلم متصور نہین ہو قال تعالی وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ۔ یعنی جن شہر والے شرک فساد سے پاک صالح ہون انکو اللہ تعالی ہلاک نہین کرتا ہے کہ ظلم کی صورت سمجھی جاوے بلکہ یہ لوگ درحقیقت بڑے مفسد تھے اور سراج مین یہ معنی بیان کئے کہ اور نہ تھا تیرا رب کہ تباہ کر دے ان شہرون کو ان کے شرک کے سبب سے۔ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ۔ درحالیکہ اُسکے رہنے والے آپس مین صلاح پر ہون یعنی کوئی قوم خالی مشرک ہونے کی وجہ سے ہلاک نہین کی جاتی ہی جبکہ وے آپس مین صلاح کرتے رہین اور معاملات مین مصلح ہون پس خالی شرک کے اعتقاد رکھنے سے ایسا عذاب نہین آتا کہ بالکل تباہ کر دیئے جاوین بلکہ ایسا عذاب اسوقت نازل ہوتا ہے کہ جب لکا برتاؤ آپس مین ظلم و ایذا کا ہو چنانچہ جن قومون کا قصہ عذاب سے ہلاکت کا نقل ہوا اُن سے اللہ تعالی نے معاملات مین ظلم و ایذا کا معاملہ بیان فرمایا ہے لہذا بعض نے کہا کہ حقوق الٰہی کا مبنی چشم پوشی و سہولت پر ہی اور بندون کے حقوق کا مبنی ضیق و بخل پر ہے اور اثر مین مروی ہے کہ بادشاہت کفر و شرک کے ساتھ باقی رہتی ہے اور ظلم کے ساتھ نہین رہتی ہے انتہی۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالی غنی ہی اسکو بندون کی طاعت و معصیت سے پروا نہین ہی اگرچہ شرک اسکو پسند نہین ہے

تو آخرت اسکو نہ ملیگی اور دنیا بھی اسکے نزدیک محض بے قدر و ناپسندیدہ ہے تو مشرک کو یہ دنیا دیدی گئی۔ بخلاف ظلم و ایذا رکے کہ اسمین بندون کے حقوق متعلق ہین اور وے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہین تو جو کوئی اُن پر ظلم کرے ہلاک ہو جیسے قوم شعیب لوگون کا مال مارنے اور ظلم کرتے تھے اور قوم لوط والے لوگون کی اولاد کو بے حیا و زنانہ بناتے تھے بالجملہ مشرک قوم جو خلاف رائے کے شہوات مین گرفتار ہو تو وہ ضرور ظلم کریگی جس سے لوگون کی جان و مال پر سخت خطرہ ہوتا ہے ورنہ جو قوم مشرک کہ ظلم و ایذا رسے بچے اور لوگون مین معاملات مین صلاح رکھے وہ دنیا کی بادشاہت پاویگی چنانچہ اس آیت کریمہ کی تصدیق اسوقت روبرو موجود ہے حتی کہ جو قومین اسلام کا دعویٰ کرتی ہین ظلم و اتباع شہوات مین گرفتار ہین انکو دنیاوی حکومت مخلوق سے زوال ہے اور بعض مشرک قومین صلاح و انصاف پر آمادہ ہین انکو روز بروز ترقی ہے حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تھی تو مین نے آپکو فرماتے سنا کہ اہلہا مصلحون کے معنی مین فرمایا کہ وے لوگ آپس مین ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرینگے رواہ الطبرانی وابو الشیخ وابن مردویہ والدیلمی۔ حاصل کلام یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ ایسا برتاؤ نہین کرتا جو ظلم کی صورت پر ہو جس حال مین وے صلاح پر ہون یا کسی قوم کو فقط ظلم یعنی شرک کی وجہ سے بالکل ہلاک و تباہ نہین کر دیتا درحالیکہ دنیاوی برتاؤ مین انصاف و اتفاق سے رہتے ہون ایذا و آزار خلق اُنکا شیوہ نہ ہو بلکہ دنیاوی زندگی بھر اُن کو اسی حال پر چھوڑتا ہی اگرچہ وے مشرک کافر ہون تو اگلی قومین جن پر عذاب نازل فرمایا وہ صرف شرک و کفر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ انھون نے اترانا شروع کیا اور شہوات نفس کی پیروی مین جو چاہا وہ کیا اور ان مین امن و انصاف جاتا رہا لوگ ظلم کرنے لگے اور ان مین کوئی ایسا نہ رہا جو دین حق پر ہو یا ایسے لوگ نہ تھے جو عوام کو راہ راست پر مصلحت کے موافق اپنی رائے و مشورہ سے چلادین اور سب کو ایک صلاح پر رکھین مگر تھوڑے لوگ ایسے تھے جن کا کہنا نہین چلتا تھا تو عذاب آیا اور یہ لوگ بچائے گئے کہ انکو حیات دیدی گئی۔ قال الحافظ رح۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کے واسطے فرمایا ولتکن منکم اُمۃ یدعون الی الخیر الآیہ یعنی تم مین سے ایک گروہ ایسا ہو جو نیک راہ کی طرف بلاوین اور معروف کا حکم کرین اور ممنوع سے روکین تا آخرہ۔ اور احادیث بکثرت وارد ہین کہ آنحضرت صلعم نے ان مین بقسم یہ تاکید فرمائی ہے کہ تم لوگ آپس مین نیکیون کے بجالانے کا حکم اور ممنوعات سے منع کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلون مین پھوٹ ڈالیگا کہ تمہاری نیکون کی دعا بھی قبول نہ ہوگی اور سب تفصیل اسکی بذیل قولہ واتقوا فتنۃ لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ الآیہ۔ اور قولہ کانوا لایتناہون عن منکر فعلوہ الآیہ کی تفسیر مین گذر چکی ہو۔ ف۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ وما کان ربک لیہلک القریٰ بظلم واہلہا مصلحون۔ اس آیت کے اشارت مین شیخ نے لکھا کہ ظاہری تفسیر مصلحون مین کہا گیا کہ ینصف بعضہم بعضاً یعنی آپس مین ایک دوسرے سے برتاؤ و معاملات مین انصاف کرتے ہون کوئی کسی پر ظلم نہ کرنے پاوے انتہیٰ وہی طبرانی وغیرہ کی حدیث جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور خاص اشارہ سے یہان یون لیا گیا کہ قریٰ عارفون کے دل ہین اور اہل القریٰ ارواح قدسیہ ہین اور معنی یہ ہوئے کہ جب یہ ارواح اپنے نفوس امارہ سے مخالفت کرسکتی ہین حتی کہ ذکر الٰہی و طاعات مین نفس امارہ کچھ خلل نہ ڈال سکے تو یہ قلوب ہلاک و برباد نہین ہوتے یعنی برابر اُن مین تجلیات قدسی وارد ہوتے ہین اور انوار مشاہدہ و قرب سے نورانی رہتے ہین اور ان کو قہریات کے نزول و خطرات و وساوس کے مداخل سے ویران نہین فرماتا ہے اشارہ دوم یہ کہ جو لوگ پورا یقین رکھتے ہین اور اپنے پروردگار سے محبت صادقہ رکھتے ہین اور عارف بندے ہین اللہ تعالیٰ ان قلوب کو خراب نہین فرماتا جبکہ انکے نفوس امارہ مطمئن ہون یعنی بحکم قولہ تعالیٰ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب وہ یاد الٰہی مین مطمئن ہون پھر اگر بعض خواطر

ہو وساوس کا گزر بھی ہوا تو حق تعالےٰ اُن کے اسرار کو مشاہدہ جمال سے محجوب نہیں فرماتا فقولہ بظلم یعنی تھوڑے ظلم وبعض خطرات سے محروم نہیں کرتا ہی اور تیسرا اشارہ ہو کہ قلوب پر اللہ تعالیٰ کی شان سے ظلم نہیں ہے کیونکہ وہ ظلم سے بالکل پاک ہو اور اگر بفرض محال اسکی طرف سے ظلم متصور بھی ہوتا تو بندگان مقبول وصالحین پر وہ ظلم نہیں فرماتا کیونکہ ازل میں اسنے انکو اپنی معرفت کیلئے منتخب فرمایا چنانچہ کشف صفات سے انکو ذات کی معرفت عطا فرمائی پس صلاحیت ان میں برابر باقی رہی بعض نے کہا کہ جو عذاب میں گرفتار ہوا اور اپنے گناہوں ہی کے عوض پکڑا گیا اور جسنے طاعت آلٰہی کو اپنے اوپر لازم کر لیا وہ دونوں جہان کی آفات سے محفوظ کر دیا گیا۔ شیخ ابوسعید القرشی رحؒ نے کہا کہ عاجزی سے گڑگڑا کر ہر دم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانا ہی صلاحیت ہو۔ انتہی۔ واضح ہو کہ اگر مشرک قوم اسوجہ سے کہ باہم تصفیہ کر کے معاملات کو صلاح کی صورت پر رکھتے ہیں دنیا میں دولت ومال بلکہ سلطنت پا دیں تو یہ دنیا ایک ملعون چیز ہے جو ان کے اعمال کا عوض اُن کی خواہش پر انکو دیدی گئی اور دنیا میں عذاب دکیا گیا لیکن آخرت میں اُن کے لئے سوائے جہنم کے کوئی ٹھکانا نہیں ہے اسوجہ سے کہ انھوں نے وہاں کے واسطے توحید ومعرفت وطاعات سے کوئی ذخیرہ نہیں جمع کیا۔ پھر اگر تجھکو یہ وہم ہو کہ اُن کو ہدایت کیوں نہیں دی گئی تو آگاہ ہو کہ اسکا جواب دو باتوں پر موقوف ہے اول یہ کہ تجھکو یہ معلوم ہو کہ صفات آلٰہی تقدس وتعالیٰ کی ماہیت وکنہ کیونکر ہے اور دوم یہ کہ تمام مخلوق کے پیدا کرنے میں اسکی حکمت کیونکر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اسکی ماہیت سے آگاہی مخلوق کو محال ہے اور جبکہ اسکی صفت ہو تو حکمت سے آگاہی بھی محال ہے چنانچہ کوئی شخص یہ جواب نہیں دیسکتا کہ آسمان سات سے زائد یا ستارے اس سے کم یا زائد کیوں نہیں پیدا کئے اور زمین سے اسقدر دور کیوں ہیں ہاں اسقدر ضرور معلوم ہے کہ خالق عز وجل نے جبوقت کسی مخلوق کو پیدا کیا وہ جاہل نہ تھا کہ یہ کیسے کام کریگا پھر دنیا میں اس مخلوق سے علم آلٰہی کے خلاف نہیں واقع ہوسکتا ورنہ نعوذ باللہ لازم آوے کہ وہ علم دروغ تھا جب یہ یقینی بات ہو تو تجھکو اسی قدر پر اطمینان ہو اور یہی تقدیر اور یہی حکمت الٰہیہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ عز وجل نے اسی سے آگاہ فرمایا ہو تو

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ لا

اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ

مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے اور اسی واسطے اُن کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھرونگا

جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک اُمت کر دیتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہو کہ چاہتا تو سب کو ایک ہی ملت ایمان پر یا ملت کفر پر مجتمع ومتفق کر دیتا۔ وفی السراج ایک ہی ملت کر دیتا اور وہ اسلام ہو اور یہی بغوی میں ہو اور اس آیت میں صریح دلالت ہو کہ ایمان پر ہونا اللہ تعالیٰ کے چاہنے وکرنے سے ہوتا ہے اور اُسنے ہر ایک کا مومن ہونا نہیں چاہا اور جب آدمی سمجھ کے ساتھ غور کرے تو دنیا میں یہ عجب حال دیکھے گا کہ کسی تدبیر سے ان سب کا دل سے ایک راہ پر ہونا ممکن نہیں اور ہر فریق اپنے کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر جانتا ہے اور آخر اسی ملت پر مرجاتا ہے اور دوسرے کی بات نہیں مانتا اگرچہ وہ حق کہتا ہو پھر اگر اسکی سمجھ کا قصور ہے تو شاید معتزلہ کے قول پر یہ وہم ہو کہ یہ رحمت کاملہ آلٰہی سے دور ہے

کہ اس بیچارے کو دوسرے کی سی سمجھ کیون نہ دی اور اگر دی تھی اور اُس نے اپنے آپ علم نہ پڑھا اور سمجھ بگاڑی تو جس نے اُس کی ذات کو پیدا کیا وہ ضرور قادر تھا کہ اُسکی صفت علم کو پورا کر دے اور تدبیر کرنے مین اگر اسکا قصور ہے تو خالق عزوجل قادر تھا کہ وہ تدبیر مثل دوسرے کے پوری کر لے بیشبہہ جب خالق علیم و خبیر نے اسکو پیدا کیا تو اس سے پہلے جانتا تھا کہ یہ کیا فعل و کیسی حرکتین کریگا تو ضرور اسی کے موافق اس سے صادر ہوگا اور یہی مشیت آلٰہیہ ہو اسی واسطے فرمایا کہ ولو شاء ربک الآیۃ یعنی اپنی حکمت و مشیت سے جسکا علم مخلوق کو ممکن نہین ہو تیرا رب چاہتا تو سب کے سب لوگ ایک ملت پر متفق ہوتے ان مین کچھ اختلاف نہ ہوتا ولیکن اُسنے نہین چاہا - وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ - اور برابر ان مین اختلاف و پھوٹ چلی جائیگی یعنی کوئی یہودی کوئی نصرانی کوئی مجوسی کوئی ہندو کوئی مسلمان کوئی نانک شاہی کوئی آزاد و نیدادر حال مین نئی قوم نیچر ہوئی اور یہ سب اپنے درمیان مختلف اوضاع و اطوار سے جدا ہوتے گئے جیسے مسلمانون مین معتزلہ رافضی و خارجی وغیرہ خلاف سنت پھوٹ نکلے الغرض اسقدر برابر مختلف ہوتے گئے کہ اُسکا انضباط ممکن نہین ہو - قال الحافظ عکرمہ رح نے کہا کہ مختلفین یعنی طریقہ دین مین یا دین حق مین یا اسلام مین - اور حسن نے کہا کہ رزق مین چنانچہ غنی نے فقیر کو مسخر کر لیا ولیکن صحیح قول اول ہو کہ مراد دین مین اختلاف ہو یعنی برابر دین حق و ہدایت مین مختلف ہوتے جاوینگے - إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ - باستثناء ان لوگون کے جن پر تیرے ربنے رحم کیا یعنی رسولون کے پیرو جو اسی طریقہ پر بغیر چون و چرا قائم رہے جو رسول نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر فرمائی اور برابر ہر زمانہ مین ہر رسول کے پیرو دین اسلام و توحید پر متفق و مرحوم رہے یہان تک کہ حضرت خاتم المرسلین شفیع المذنبین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالےٰ نے مبعوث فرمایا پس مرحوم فرقہ نے اسی طرح آپ کی پیروی کی اور جو کچھ آپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمایا او صحابہ سے تابعین نے پایا وہی پہلو سے مضبوط کر لیا اور کچھ مختلف نہ ہوئے اور یہی وہ فرقہ ہو جسکو عذاب اختلاف و جھگڑے سے نجات ہو و فی الفتح حضرت ابوہریرہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ’’ فرقت الیہود علی احدی وسبعین الحدیث یعنی یہودی اکہتر فرقہ مین مختلف ہوئے اکہتر مین اور نصاری بہتر فرقہ مین اور عنقریب میری اُمت تہتر فرقہ مین مختلف ہو گی - رواہ ابو داؤد و نحوہ الترمذی - اور معاویہ رض سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہم مین کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور اسمین ہے کہ آگاہ رہو کہ تم سے پہلے اہل کتاب تو بہتر فرقہ تک مختلف ہوئے اور یہ امت تہتر فرقہ ہو جائے گی جنمین سے بہتر دوزخ مین ہین اور ایک فرقہ جنت مین ہو اور وہ فرقہ جماعت ہے رواہ ابو داؤد - اور شیخ حافظ رح نے مستدرک سے یہ روایت نقل کی اسمین یون ہو کہ یہ امت تہتر فرقہ مین مختلف ہوگی وے سب سوائے ایک کے جہنم مین ہین تو صحابہ رض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کس صفت پر ہوگا فرمایا کہ اسی حال پر جسپر مین اور میرے اصحاب ہین حافظ عماد رح نے فرمایا کہ یہ حدیث مسانید و سنن مین ایسی سندون سے مروی ہے کہ بعض سے بعض کو تقویت حاصل ہوتی ہے یعنی یہ حدیث آخر قوی ہے اور خطابی رح نے شرح سنن ابو داؤد مین کہا کہ اس حدیث مین یہ دلالت موجود ہے کہ یہ سب فرقے باوجود اختلاف کے دین اسلام سے خارج نہ ہون گے کیونکہ انکو اپنی امت فرمایا ہو اقول اوپر کی روایت مذکورہ مین تو صرف اسی قدر ہو کہ یہ اُمت تہتر فرقے ہو جائے گی اور اس سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ ایمان پر ہون گے جیسے اگلی امت کے مختلف فرقے ضرور نہین کہ راہ موسیٰ پر یا راہ عیسیٰ پر ہون دیکھو فرقہ نصاری جو حضرت عیسیٰ کے بیٹے ہونے کا قائل ہو یا انکی الوہیت کا قائل ہو بنص قرآنی یعنی قولہ تعالیٰ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ - اور قولہ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ہو المسیح ابن مریم - صریح کافر و مشرک ہین اسی طرح

اسلامیہ فرقون مین سے جنھون نے توحید کو چھوڑ دیا ہے کافر ہین مثلاً رافضہ مین سے فرقہ نصیریہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے الوہیت کے قائل ہین صریح کافر ہین فقال اور علماء نے کہا کہ مراد ان فرقون سے مانند معتزلہ و قدریہ و رافضہ و خارجیہ بہرہ کے ہین اور فرقہ واحدہ ناجیہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ ہین کیونکہ یہی اس اعتقاد و طریقہ پر ہین جو آنحضرت ؐ نے صحابہ کو تعلیم فرمایا تھا اور یہ صریح ظاہر ہی اسلیئے کہ مجموعۂ احادیث پر انھین کا عمل ہوا اور یہ جو فرقہ شیعہ نے زعم کیا کہ ہماری احادیث کا بھی ائمۂ اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہونا قطعی ہے تو جلال ہو اسلیئے کہ خود اقرار ہو کہ اہل بیت کی روایات مخفی طریقہ سے ہین تو انکو اعلان و تواتر کا دعوی زیبا نہین ہے خصوص جبکہ اہل السنت نے انھین ائمہ رضی اللہ عنہم سے صحیح روایات انکے بالکل خلاف روایت کین تو معارضہ سے انکا سقوط ہوا اب اہل شیعہ کے پاس کچھ باقی نہ رہا اور اہل السنۃ سب صحابہؓ کو بحکم صریح قرآن یعنی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے عادل جانتے ہین تو باقی صحابہ کی روایات انکے پاس بلا معارض ہین بہرحال ہم قطعی جانتے ہین کہ وہ فرقہ یہی ہو جسنے بالکل آنحضرت صلعم و صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر عمل کیا اور بحث یہان بیکار ہو۔ قال الحافظ اور عطاءؒ نے کہا قولہ لایزالون مختلفین یعنی یہود و نصاری و مجوس۔ قولہ الا من رحم ربک یعنی فرقہ حنیفیہ اقول یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اگرچہ آخر زمانہ مین بعد تابعین کے اُن کے طریقہ سے بھی لوگ اپنی رائے کی پیروی مین مختلف ہو گئے جیسا کہ حدیث مین گزرا۔ قتادہؒ نے کہا کہ الا من رحم ربک وہ جماعت ہین اگرچہ انکی بستیان دور ہون اور ظاہری جسم سے جدا جدا ہون اور مختلفین وہ ہین جنھون نے سنت و جماعت سے اختلاف کیا اگرچہ سب ایک ہی جگہ مجتمع ہون۔ اقول مختلف فرقون سے تعجب ہو کہ جب دریافت کیئے جادین کہ وے زمانہ رسول اللہ صلعم مین تھے تو سچا اقرار کرین گے کہ نہین یہ فرقہ پیچھے پیدا ہوا ہے پھر وساوس شیطان سے بیخوف ہو کر اپنی ہوس سے ہٹ کیئے جاتے ہین کہ ہمین حق پر ہین جبکہ کسی دلیل سے ظاہر نہ ہوا کہ وے طریقہ رسول اللہ صلعم پر ہین مگر بیشک حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت خود مختار اور حکمت بالغہ مین انکے حق مین یون ہی جاری تھا وقد قال تعالیٰ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ اور اسی کیلیئے اُن کو پیدا کیا تھا۔ قال الحافظ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ انھون نے اسکے معنی مین کہا کہ اسیواسطے اُن کو پیدا کیا یعنی اُن کو دو فریق پیدا کیا ایک جنت کیلیئے اور دوسرا دوزخ کیلیئے بمانند قولہ تعالیٰ فمنہم شقی و سعید۔ اقول اگر کہا جاوے کہ لذلک اشارہ واحد ہے اسکا مشارٌ الیہ دو چیز کیونکر ہونگی تو جواب یہ ہو کہ اسطرح اشارہ مجموعہ دو چیزون کی طرف جائز ہے جیسے قولہ تعالیٰ عوان بین ذلک یعنی ان دو رنگون کے بیچ مین اسکا رنگ ہوگا اور قولہ وابتغ بین ذلک سبیلا۔ یعنی ان دونون کے بیچ بیچ مین راہ اختیار کر۔ مجاہدؒ نے کہا کہ قولہ لذلک خلقہم یعنی رحمت کیواسطے انکو پیدا کیا اور عکرمہ سے بھی اسی کے مانند مروی ہے۔ حسنؒ و عطاءؒ نے کہا کہ انکو اختلاف ہی کیواسطے پیدا کیا۔ ابن وہبؒ نے اپنے اسناد سے روایت کیا کہ عطاءؒ کے پاس دو شخص جھگڑتے آئے آخر عطاءؒ نے کہا کہ تم نے بہت جھگڑا پھیلایا تو ایک بولا کہ ہم اسی کیواسطے پیدا کیئے گئے آپنے کہا کہ تو جھوٹ بولا اُسنے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو ولذلک خلقہم۔ آپنے کہا کہ اسواسطے نہین پیدا کیا کہ جھگڑین بلکہ ان کو جماعت و رحمت ہی کیلیئے پیدا کیا۔ عکرمہؒ نے ابن عباس سے روایت کی کہ لذلک خلقہم کہا کہ رحمت کیلیئے ان کو پیدا کیا اور ان کو عذاب کیلیئے نہین پیدا کیا اور یہی قول مجاہد و ضحاک و قتادہ کا ہو بمانند قولہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ حافظؒ نے کہا کہ ایک معنی یہ ہین کہ انکو رحمت و اختلاف کیلیئے پیدا کیا جیسا کہ حسن و عطاء و اعمش سے روایت کی گئی ہو۔ اشہبؒ نے کہا کہ مین نے مالک بن انس سے اس آیت کے معنی پوچھے تو فرمایا کہ ایک فریق جنت مین اور ایک فریق دوزخ مین اور دوسری روایت مین مالکؒ نے کہا کہ انکو رحمت و اختلاف کے لیے پیدا کیا۔ قال المترجم میرے نزدیک قولہ خلقہم کی ضمیر کے

مرجع مین اختلاف کے سبب سے یہ اختلاف ہی چنانچہ اگر الا من رحم ربک کے واسطے ضمیر ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ان مرحوم بندون کو اسی رحمت
ہی کیواسطے پیدا کیا اور اگر مرجع کل کی طرف ہو تو معنی یہ کہ اسی رحمت و اختلاف کیواسطے ان مجموع کو پیدا کیا اور اسی بنا پر ان اکابر سے
روایات تفسیری مختلف ہین ورنہ کچھ اختلاف نہین ہی کیونکہ احتمال دونون طرف ہی۔ فی البیضاوی وغیرہ اس آیت مین دلیل
ہے کہ ہدایت و ایمان نہین ملتا جبتک اللہ تعالی پیدا نہ فرمائے کیونکہ سمجھ و عقل دیدینا اور رسول بھیجدینا اور کتاب نازل کر دینا اور عذر
دور کر دینا تو سب کے حق مین یکسان ہی چنانچہ کافرون کو بھی یہ دیدیا گیا تھا تو اب یہی رہا کہ اللہ تعالی اپنے فضل سے ہدایت پیدا
کرنے اور یہی وہ رحمت ہی جسکو ان بندون متقین کیساتھ خاص کیا۔ بالجملہ دو گروہ فرمائے ایک کے حق مین اختلاف کی معصیت قائم
ہوئی تو ان کا انجام جہنم کی طرف ہوا اور دوسرے گروہ پر اتفاق و جماعت کا انعام ہوا ان کا انجام جنت ہی وقد قال تعالی۔ وَتَمَّتْ
كَلِمَةُ رَبِّكَ۔ اور پورا ہو گیا کلمہ تیرے رب کا یعنی جیسا ازل مین مقدر فرمایا تھا جسمین تبدل و تغیر نہین ہو سکتا یا یہ کلمہ۔ لَأَمْلَأَنَّ
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ۔ کہ بیشک بھر دونگا مین جہنم کو جنون سے جنت بمعنی جن اور تا مبالغہ کی ہی وَالنَّاسِ اور آدمیون سے
أَجْمَعِينَ۔ سب سے یعنی دونون فریق کے کافرون و سرکشون مین سے اس کثرت سے ہونگے کہ ان سے جہنم بھر جائے گی قال الحافظ
اللہ تعالی آگاہ فرماتا ہی کہ اسکی قضا و قدر مین یہ امر جاری ہو چکا کہ اسکے خلق مین سے بعضے مستحق جنت ہون اور بعضے مستحق دوزخ
ہون اور وہ پاک معبود ان دونون کو بھر دیگا اور حکمت اسکی پوری ہے اور رحمت اسکی سب مخلوق پر غالب ہے وہی جانتا ہے کہ
کن لوگون سے کس منزل کو بھریگا اور اگر چاہتا تو سب کو جنت مین یا سب کو دوزخ مین رکھتا ولیکن اسنے جسطرح چاہا اسطرح
واقع ہوا صحیحین مین حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہی قال اختصمت الجنۃ والنار فقالت الجنۃ مالی لا یدخلنی الا ضعفاء الناس وسقطہم
یعنی جنت نے کہا کہ میری کیا حالت ہی کہ مجھ مین نہین داخل ہونگے مگر لوگون مین سے ضعیف و ناکارہ یعنی دنیا مین جو عروج و
ثروت والے مغرور و متکبر ہین وہ مجھ مین نہ آوینگے بلکہ جو دنیا مین ضعیف و خوار اور اللہ تعالی کی درگاہ مین امیدوار ہین وہی
آوینگے۔ وقالت النار اوثرت بالمتکبرین والمتجبرین۔ یعنی دوزخ نے فخر کیا کہ اہل تکبر و تجبر سے مجھے تخصیص دی گئی ہی فقال اللہ
عز وجل للجنۃ انت رحمتی ارحم بک من اشاء پس اللہ عز وجل نے جنت کو فرمایا کہ تو میری رحمت ہی جسپر رحمت چاہونگا اسکو تجھی سے
سرفراز کرونگا وہ تجھ مین داخل ہوگا وقال للنار انت عذابی انتقم بک من اشاء اور دوزخ کو فرمایا کہ تو میرا عذاب ہی جس کو اسکے
گناہون کی سزا و بدلا دونگا وہ تجھ مین آویگا۔ ولکل واحدۃ منہما ملؤہا۔ اور دونون مین سے ہر ایک کے لئے بھرپور ہے فاما الجنۃ فلا یزال
فیہا فضل حتی ینشئ اللہ خلقا۔ پس جنت مین برابر جگہ خالی رہتی جائیگی یہان تک کہ اللہ تعالی دوسری مخلوق اسکے لئے پیدا فرمادیگا
شاید یہ لوگ اہل جنت کے خدم و حشم ہون یا مستقل ہون واللہ اعلم۔ واما النار فلا یزال تقول ہل من مزید حتی یضع علیہا رب العزۃ قدمہ
فتقول قط قط وعزتک۔ اور دوزخ تو کہا کرتی جائیگی کہ کچھ اور ہی کچھ زیادہ ہی یہانتک کہ جسمین رب العزۃ صفت خاص رکھیگا تو تسکین کریگی
کہ اے رب العزۃ بس بس۔ ف قال المؤلف قدس سرہ لو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ یعنی ایک ہی توحید و معرفت و قرب و مشاہدہ پر سبکو رکھتا ولیکن اسکی حکمت
ازلیہ و علوم قدیمہ نے طرح طرح کے معارف مین تفرق کیا اقول اس اشارہ مین ظاہر عبارت سے تعرف یہ ہی کہ الناس سے مراد آدمی ہون اور درحقیقت آدمی یہی ہین
جو کان ناک آنکھ و دل رکھتے ہین تو یہی یہان الناس ہین اور برخلاف انکے جو صورت کے آدمی ہین تو انکی نسبت فرمایا لہم قلوب لا یفقہون بہا ولہم
اعین لا یبصرون بہا الآیۃ یہان تک کہ فرمایا اولئک کالانعام بل ہم اضل الآیۃ۔ تو جب یہ لوگ آدمی کی صفات سے خارج ہین

تو اُن کو الگ کر دیا اور صرف اہل الحق سے اشارہ یہ لیا کہ جملہ اولیا معرفت کی راہ مین ایک ہی منزل پر نہین ہین بلکہ باعتبار صورت ظاہری کے اختلاف کے راہ معرفت مین بھی اسی طرح متمیز ہین چنانچہ جنید رح کا قول مذکور ہوا کہ ہر ایک کی معرفت خاص ہی اور حضرت شہاب الدین سہروردی سے عوارف مین ہی کہ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق کلہا مسدودۃ لا یصل الیہا الا من اقتفیٰ اثر الرسول یعنی صراط مستقیم مین ہر جان مثل اپنے تشخص کے اختلاف کے اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کی دوسرے سے جداگانہ راہ رکھتی ہے اور سب راہین مسدود ہین کوئی پہونچ نہین سکتا مگر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مین صادق ہو پس اختلاف کے یہی معنی ہین ورنہ اُن مین بالکل اتفاق ہے ۔ فافہم ۔ شیخ نے کہا کہ اور اُسنے ہر ایک کو اپنی ذات کی معرفت وصفات کی معرفت مین علیحدہ علیحدہ راہ دی ہے پس ہر ایک اپنے مذاق و مشرب کے موافق اپنی راہ مین چلتا ہے اور یہ ہر ایک کیلئے ازلی توفیق و تقدیر ہے چنانچہ بعضے معرفت مین اور بعضے توحید مین اور بعضے محبت مین اور بعضے عشق مین اور بعضے شوق مین اور بعضے ارادت مین اور بعضے حالات مین اور بعضے معاملات مین واں ہین اور ابتدائی مریدون کا حال درمیانی درجہ والون سے نہین ملتا ہی اور درمیانی والون کا حال عارفون سے نہین ملتا ہے اور عارفون کا حال انبیار و مرسلین سے نہین ملتا ہے ۔ اقول انبیار و مرسلین کا حال سید المرسلین و خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہین ملتا ہے بقولہ تعالیٰ تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض ۔ اور شیخ ابن العربی نے کہا کہ اس امت مرحومہ پر جو معارف منکشف فرمائے وہ سابق مین مطلقاً مسدود تھے اور وجہ انسداد یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور نہین کیا تھا اور اسی واسطے جو انبیار کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب گذرے انکو سابقین سے اولوالعزمی ہے سوائے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے کہ ملت حنیفیہ کے سردار ہین اور یہ حال بجز ذات پاک باری تعالیٰ جل سلطانہ کے مخلوق نہین جانتی اور مترجم ان مقامات مین کلام نہین کر سکتا اسکو تو اپنی مغفرت کے لالے ہین اللہم اغفرلی بطفیلہم علیہم السلام ۔ شیخ نے لکھا کہ ان سب کے علوم و معارف مقدر ہین اور اختلاف مرتفع نہین ہی قولہ تعالیٰ ولا یزالون مختلفین یعنی احوال و مقامات و افعال مین مختلف رہین گے ۔ الا من رحم ربک سوائے اسکے جسپر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا یعنی اسکو مقام غیبت و فنار مین داخل کر لیا تو وہ انوار قدم و سطوات ازل مین سرفراز ہے یا جسکو مقام سکر و تلوین سے نکالکر مقام ہوشیاری و تمکین مین داخل کر لیا تو وہ سب پر مطلع ہو جاتا ہے تو اس سے کسی کو مخالفت نہین ہو سکتی ہی اقول جملہ انبیا اس شان سے موصوف ہین خصوصاً آنحضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسیواسطے اکثر انبیار کے احوال آپنے بیان فرمائے اور بسا اوقات حضرت یونس کو ترجیح دی اور کبھی لوط کو الغرض یہ اطلاع کامل کا سبب تھا اور شاید کہ یہ مرتبہ کسی ولی نبی کو حاصل ہو واللہ تعالیٰ اعلم ۔ شیخ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ولذلک خلقہم یعنی اُن کے جوہر اصلی اسی طرح پیدا فرمائے ہین کہ مقامات و درجات مین اسطرح مختلف ترقی رہین اور یہ طریقہ آئیہ سب اہل الحق مین برابر جاری ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ قد علم کل اناس مشربہم الآیۃ کی اشارت سے ظاہر ہے اور شاید ایسا ہو کہ ابتدا مین سب کو مختلف اوضاع سے ترقی کرنے کیلئے مخلوق فرمایا اگرچہ آخر و انتہار مین سب متفق ہین چنانچہ ان مقامات و درجات مین انکو رسوخ ہی اقول فیہ نظر کیونکہ کوئی اس حد تک نہین پہونچا جس حد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصل ہین اور علی ہذا کسی نبی کا صدیق اس حد تک نہین پہونچا کہ جس حد تک آنحضرت صلعم کی صدیق حضرت ابوبکر کو حصول ہوا کیا تو نہین دیکھتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امتی ہونے کی تمنا فرمائی اور یہ نہ تھا مگر قرب منزلت واللہ تعالیٰ اعلم ۔ شیخ نے کہا کہ ممکن ہے کہ سب کے سب حمت کیلئے پیدا ہوے ہون یعنی بعد عبور احوال و اعمال کے انتہار مین موافقت ہوگی ۔ شیخ نے اسکے معنی یہ بیان کئے کہ جب

مشاہدہ تک وصول ہوا تو وہان اونچے درجہ و نیچے درجہ کا امتیاز نہین رہتا ہے کیونکہ وہ منزل شرف و قرب ہے اور حق تعالیٰ ان سب پر رؤف رحیم ہے بقول ؎ اذا طلع الصباح لنجم راح ٭ تساوی فیہ سکران وصاحی یعنی صبح جب طلوع ہوئی تو مدہوش و ہوشیار سب پر یکسان طلوع ہوتی ہی۔ شیخ جنید رحمہ اللہ نے ظاہر کے موافق یون تفسیر کے اشارہ مین کہا کہ سب کو اختلاف کیلئے پیدا کیا کیونکہ اگر موافقت کے لیے پیدا کیا ہوتا تو اسکے سوائے غیر کی طرف رجوع نہ کرتے باستثناء ان لوگون کے جن پر رحمت فرمائی تو انکو اوپر موافقت سے تائید فرمائی پس انھون نے اتباع رسول مین خوب استقامت و مضبوطی کی اور غیرون کی طرف کچھ التفات نہین کیا پھر حق تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو ان قصص کے فوائد سے آگاہ فرمایا بقولہ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِى

اور سب بیان کرتے ہین ہم تیرے پاس رسولون کے احوال سے جس سے ثابت کرین تیرا دل اور آئی تجھکو

هَٰذِهِ ٱلْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

اس صورت مین تحقیق بات اور نصیحت اور سمجھوتی ایمان والون کو

وَكُلًّا۔ اے دکل بنا راو۔ ہر قصہ کہ نَقُصُّ عَلَيْكَ جو تجکو ہم سناتے ہین۔ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ۔ رسولون کے اخبار سے یعنی رسولون کے معاملات جو ادائے رسالت و قوم کی سرکشی و ایذا رکے اور رسول و مومنون کی نصیحت نہ ملنتے اور ان کو ہاتھ و زبان سے ایذا دینے اور آخر رسول و مومنون کے غالب ہونے و قوم کافر کے ہلاک ہونے کے گذرے ہین ہم تجکو ان مین سے سناتے ہین دو فائدہ کیلئے۔ اول۔ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ۔ وہ قصہ کہ جس سے ہم تیرے فواد کو مستقل و ثابت رکھین یعنی تجکو اپنی قوم کے کفر کرنے اور دوزخ کیلئے ایندھن ہونے سے رنج و غم و حزن نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکو اسی واسطے پیدا کیا ہی یہ نہین ہو سکتا کہ سب تجھ پر ایمان لاوین اور تجکو ادائے رسالت پر طمانیت و صبر حاصل ہو اور قوم جاہل کی اذیت برداشت کرے کیونکہ اگلی قومین یہی گمراہی کرتی رہین آخر ہم نے اُن کو ہلاک کیا اور تیرے پروردگار کا کلمہ ٹھیک ہوا پس تو قوم پر ترحم کر کے مضطرب مت ہو کیونکہ حکمت الٰہیہ و اسکی حجت بالغہ و مشیت تامہ اور چیز ہے جس سے کسی کو ماہیئت کی آگاہی نہین ہے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے جسکو اُسنے سعید کیا وہ رسول پر ضرور ایمان لائیگا اور اسکی آنکھون مین حق آئینہ کی طرح نظر آویگا اور جو شقی ہے وہ اُلٹا دیکھے گا پس تو ان حالات و قصص سے علوم الٰہیہ حاصل کر کے ثابت و متمکن ہوگا اور دوسرا فائدہ یہ کہ۔ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ ٱلْحَقُّ۔ اور تیرے پاس اسمین حق آیا۔ قولہ فی ہذہ یعنی اس سورہ مین یہ ابن عباسؓ و جماعت نے کہا ہی۔ کذا فی تفسیر الحافظ اور سراج مین کہا کہ یہی اکثر کا قول ہی۔ قال الحافظ قتادہ نے کہا فی ہذہ اے فی ہذہ الدنیا۔ اس دنیا مین اور سراج مین اسکو حسنؒ کا قول بیان کیا اور رازیؒ نے کبیر مین کہا کہ یہ بعید ہے مقام کے لائق نہین ہے کیونکہ دنیا کا ذکر اوپر نہین آیا جس کی طرف ضمیر راجع ہو اگر کہا جاوے کہ حق تمام قرآن مین آیا ہے اس سورہ کی کیا تخصیص ہے تو جواب یہ ہی کہ ہان بیشک لیکن سورہ کی بزرگی کے لئے فرمایا ہے۔ اقول میرے نزدیک سوال و جواب دونون وارد نہین اسلئے کہ مقصود نقص علیک سے وحی فرمانا اور وہ تمام قرآن ہی کیونکہ وحی خالص ہی چنانچہ حدیث صحیح مین ہے کہ اور انبیاء کو معجزات و آیات دی گئین اور مجھے وحی خالص دی گئی تو مجھے اُمید ہی کہ قیامت مین میرے تابعین سب سے زیادہ ہون اقول یہی ظاہر ہوتا جاتا ہے اسلئے کہ اور اُمتین تحریف و تبدیل و خود رائی سے بہت قلیل رہین اور چند روز بعد وے برائے نام یہودی یا عیسائی رہ گئے

ان مین سے کوئی بھی اپنے پیغمبر کی راہ پر نہین رہا بخلاف مسلمین کے کہ ان مین ایسا نہین ہوا اور دوسرا فائدہ کا تتمہ فرمایا ؛ وَمَوۡعِظَةٞ وَذِكۡرَىٰ لِلۡمُؤۡمِنِينَ ۔ اور نصیحت و ذکر ہے مومنین کیلئے یعنی اسمین تیرے لیئے حق آیا اور مومنون کے لئے نصیحت ہے اور برابر اور دن کے حال سے عبرت ہے اس شان مین مومنون کو اسواسطے مخصوص فرمایا کہ شقی و کفار اس سے منتفع نہین ہوتے بلکہ منہ موڑتے ہین۔ واضح ہو کہ یہ آیت صریح ہے کہ تمام قصص مین جو حالات مندرج ہین اور جن سے اگلی اُمتون کو عذاب ہوا وہ اس اُمت کے لیئے نصائح ہین کہ ویسا نہ کرین چنانچہ بخس و تطفیف جو مدین کا پیشہ تھا اس سے آنحضرت صلعم نے اُمت کو خوب منع فرمایا پس عوام یا خواص جو ان قصص کو فقط کہانی کی طرح سنتے ہین محض جہالت ہے بالضرور اپنے آپ کو ظاہر و باطن ان قومون کی حرکات سے بچاوین اور ان قومون کے تذکرے جب سنین تو عبرت کرین اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگین کیونکہ آخر وے سب بھی اللہ تعالیٰ کے مخلوق تھے اور وہ پاک غنی و حمید ہے ہماری اسکو کچھ پرواہ نہین ہے اور رؤف رحیم ہے کہ عاجزی کرین تو ہم کو اللہ تعالیٰ مغفرت و نجات عطا فرماوے اللھم اغفرلنا وارحمنا وانت خیر الراحمین ف فی العرائس قولہ تعالیٰ وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک ۔ شیخ نے کہا کہ واضح ہو کہ عارف جب ازل کے مقام پر پہونچا اور وہان اُسنے کشف سے صفات و ذات کے عجائب دیکھے تو اپنی شان سے متعجب ہو کر گمان کرتا ہے کہ یہ منزلت کسی اور کو نصیب نہین ہوئی خصوصاً ابتداے حال اور یکایک کشف مین متحیر ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مین اس کشف مین فرد ہون پس حق عزوجل نے آنحضرت صلعم کو اول انبیاء کا حال سنایا کہ جس سے معلوم ہو کہ یہ واقعہ عزیب آپ ہی کے ساتھ نہین ہے بلکہ عارفین کے ساتھ معروف ہے اور صدیقین و مرسلین کے ساتھ علی قدر مراتب واقع ہوا حتی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ازل مین اپنے اولیاء کیلئے جاری فرمایا اس سے آپ کو فرحت و سرور حاصل ہوا اور آپ تسلیم فرماوین کہ اس قبولیت کو حوادث سے تغیر نہین ہوتا ہے وقد قال تعالیٰ سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا ۔ اور جو چیز علماء و اولیاء کے نزدیک معروف ہو اسمین معارضات و شبہات کو دخل نہین ہوتا ہے اقول شیخ رحمہ اللہ نے یہ نہایت نفیس قاعدہ ذکر کیا کہ اہل علم و متدین متقی لوگون کے نزدیک جو بات معروف ہو اگر کسی وقت مین کوئی جاہل اسکو اپنی راے کے خلاف سمجھے تو اسکا شبہہ و معارضہ باطل اور وہ خود جاہل ہے اور اس قاعدہ مین جملہ اہل عقل کا اتفاق ہے اسی واسطے جو امر کہ ہزار برس پہلے واقع ہو چکا اور اُس کی تحریر ہزارون آدمیون کے ہاتھ سے ہاتھون ہاتھ ہم کو پہونچے تو قطعی یقین ہے کہ بیشک یہ خبر صحیح ہے اور یون ہی واقع ہوا اور کسی جاہل کا شبہہ کچھ معارض نہین اور اس مین اسکی ضرورت نہین ہے کہ مین بیان کرون کہ مجھ سے فلان شخص نے بیان کیا اور فلان شخص سے فلان دیگر نے بیان کیا اسی طرح ہزار برس تک سلسلہ پہونچاؤن مثلاً قرآن مجید مین کسی قوم کو کلام کرنے کی مجال نہین جبکہ اسکے حافظ آجتک ہزارون موجود ہین اور قاری بے انتہا ہین اور ہر مسلمان اسپر اپنی جان فدا کرتا ہے تو بلاشبہہ یہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور صحابہ و تابعین و پچھلون نے اسی پر عمل کیا اسیواسطے رافضی فرقہ کا دھوکا دینا کہ اسمین کچھ اور بھی تھا محض کفر و جہالت ہے اور ہرگز اس قول کا کچھ اثر بمقابلہ حفاظ و قراء کے نہین ہے پس جب اسمین موجود ہے کہ قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جہنم الآیہ ۔ یعنی تو کافرون سے کہدے کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤگے اور حشر کیے جاؤگے جہنم کی طرف ۔ یہ واقعی معجزہ ہے اور مراد اس سے کفار یہود ہین چنانچہ یون ہی واقع ہوا اور اسمین ہے کہ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ الآیہ ۔ اس سے قطعی ثابت ہوا کہ یہود سب کے سب منتظر بعثت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور کافرون بت پرستون پر آپکے ظہور کی دعائین مانگتے اور آپکے طفیل و واسطہ سے فتمندی چاہتے تھے

پھر بعد ظہور آفتاب رسالت کے نہ چاہا اور کافر ہو گئے اس سے ضرور ثابت ہو کہ تمام قوم یہودمین توریت کی بشارت سے آنحضرت صلعم کی بزرگی وفضائل کا اشتہار قطعی تھا حتی کہ اپنے پیغمبر کے بجائے آنحضرت صلعم کے نام پاک سے استفتاح کرتے تھے۔ یہ حال ہم کو قطعی معلوم ہو گیا اور یہ واقعہ ان یہودیون کے منہ پر انکا نعل مارا گیا اور بیچ صریح تھا تو سب یہودیون نے گردن جھکائی۔ پھر اب اگر کوئی قوم ایک کتاب لا دے اور کہے کہ یہ توریت ہو اسمین کہین ذکر نہین ہو تو بالکل اسکا دعوی مسلم نہو گا کیونکہ جو بات قطعی معلوم ہوئے اور اسطرح معروف و مشہور ہے اسکے مقابلہ مین کسی جاہل کا فریب دھوکا کچھ بھی نہین کر سکتا اسی طرح جو معجزات و واقعات حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرآن پاک مین موجود ہین سب اعلان و اشتہار کے ساتھ قطعی ہین اب اسکے برخلاف اگر کوئی شخص کہتا ہے یا کوئی کتاب دکھلاتا ہے تو اسکا کچھ اعتبار نہین ہے کیونکہ ہم قطعی یقینی چیز کو چھوڑ کر کیسے ایک جھوٹے آدمی کی بات جسکا اسوقت وجود بھی نہ تھا مان لین گے اور ماننے والا کیسا بیوقوف جاہل ہوگا اسی طرح جو معجزات اس حد شہرت تک پہونچے اس زمانہ مین اگر انکو کوئی نہ مانے تو وہ بالکل جاہل ہو جب اسطرح ایک کتاب سچائی مین عرش پر ہو اور نیکون کے سینہ مین محفوظ ہے تو جو شخص اسکو سچ نہ ملنے اور کسی مؤرخ کی تاریخ پوچ پھر ڈھونڈھے حالانکہ مورخون کا دروغ و تراش وخراش اور بے پر کی اڑانا خوب معلوم تو اس شخص سے بڑھکر کون اجہل و احمق بیوقوف ہوگا گرچہ وہ دنیا ملعون کو نفس مین دبوچ کر خود بھی ملعون ہو گیا اور دنیا میں بڑا عزت والا ہو کیونکہ بحث دین کی سمجھ مین ہو اور دین کو اللہ تعالیٰ نہین دیتا مگر ایسے بندہ کو جو اسکو محبوب ہو اور دنیا تو محبوب کو کم اور مردود کو بہت دیدیتا ہے یہ اصل شریف لطیف یاد رکھو تاکہ تم کو شیطانی آدمی فریب دین اور اب تم سمجھے کہ شیخ نے کہا کہ جو بات علماء و اولیاء کے نزدیک معروف ہو وہ کسی شیطان کے وسوسہ دلانے سے نہین ہٹتی ہے اور لکھا کہ شیخ ابو بکر الکتانی نے کہا کہ مین نے شیخ جنید رح سے پوچھا کہ سچی حکایات جنکی سچائی یقینی ہے پر کس حکمت سے دنیا مین جاری ہین فرمایا کہ زمین مین یہ اللہ تعالیٰ کے لشکرون مین سے ایک لشکر ہین جن سے مریدون اور آخرت کے طلب کرنیوالون کو عبرت و تقویت حاصل ہوتی ہے مین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پاک سے اسپر دلیل ملتی ہے فرمایا کہ ہان قوله تعالیٰ وكلا نقص عليك من انباء الرسل الآیۃ۔ قوله وجاءك فى هذه الحق مترجم نے بزرگون کے کلام سے سمجھکر جا بجا کنایہ کیا ہو کہ جیسے نماز و دیگر اعمال و افعال ظاہر ہین کوئی جسم نہین رکھتے ہین لیکن فی نفسہ حقائق ہین اور روح و جان و قوی سے سوائے جاہل کے کوئی منکر نہین ہو سکتا کہ وہ حقیقت مین موجود ہین اگرچہ متجسم نہین ہین اسی طرح الفاظ و معانی مین سمجھو پس لفظ بحسب المعنی اپنے مقام سے متصل ہے حتی کہ جو کلام محض فحش و شہوت ہو وہ اپنی مستقر جہنم سے واصل ہو لیکن جہنمی لوگ ہی اندھے بہرے ہونگے تو ان کو اتصال نہین سوجھتا بخلاف اہل جنت کے کہ خوب کلام کا اتصال انکو مکشوف ہوتا ہے چنانچہ شیخ رحمہ اللہ نے یہان قوله وجاءك فى هذه الحق۔ مین تصریح کر دی کہ ان خطابات مین ہر خطاب کے اثر مین جمال حق کا انکشاف تجکو ہوتا ہے اور موافق خطاب کے صفت کا انکشاف ہوتا ہے چنانچہ جہان خطاب بشان کبریائی ہے یعنی اس خطاب سے شان کبریائی سے خبر دی گئی وہان تجھے صفت کبریا منکشف ہوتی ہے اور یہی حال ان آیات کا ہے جنمین عزت و جلال و عظمت و قدم و بقا رسے خبر دی گئی ہے اور جہان ذات پاک سے اخبار ہے وہان تجھے ذات صرف کا انکشاف ہوتا ہے اقول یہان اگر وہم ہو کہ یہی مراتب انکشاف کے امت کو بھی ہوتے ہین چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے تمام جہان سے سوائے اپنی ذات کے محبوب ہین اور آپنے خطاب فرمایا کہ کوئی مومن نہین جبتک مجھے اپنی جان سے

بھی زیادہ محبوب رکھے تو اس خطاب کے انکشاف ہوتے ہی فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے میری
جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں فرمایا کہ ہاں اب ایمان کامل ہوا پس جب اُمت کو یہ انکشاف ہی تو شان نبوت میں فرق کیونکر ہی
جواب یہ ہی واللہ اعلم کہ یہاں زمین و آسمان کا فرق ہی اور التباس مذکور صرف لفظ کے یکسان ہونے سے پیدا ہوا اور بات یہ ہی
کہ مدارج نبوت کو کوئی شخص نہیں پہونچ سکتا کیا تو نہیں جانتا کہ نبوت فضل الٰہی ہی اسمین عبادت و طاعت وغیرہ کسی سبب
کو دخل نہین ہے دیکھو بعض صحابہ جنھون نے ہمیشہ عبادت و روزے وغیرہ کا اور کھانے پانی و سونے و عورتون سے الگ رہنے
کا قصد کیا تھا تو یہی کہا گیا تھا کہ آنحضرت صلعم کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اول و آخر سب مغفرت فرمائی ہے ہم لوگ آپکا مسکا نہیں کر سکتے
ہین اور مراد یہ تھی کہ آپ ازلی مغفور تھے اور ازل ہی سے تمام خلق الٰہی سے اشرف و محبوب تھے اور دوسرون کو یہ مرتبہ حاصل نہین ہی
پس تمام قرب انکشاف وغیرہ مین وہ درجۂ خاص ہے جو فضل نبوت و رسالت کا ہوتا ہی کہ کسی نبی کو بھی مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے حاصل نہ تھا اور دوسرون کو اپنی اپنی قدر کے لائق ہے اور ہر اُمت مین سے کوئی کیسا ہی مقرب ہو کسی درجۂ نبوت سے
مشابہ بھی نہین ہوتا اور اگر وہم ہو کہ مثلاً صحیح حدیث مین ہی کہ سچا خواب نبوت کے اجزا مین سے چھیالیسواں جزو ہی تو سمجھو کہ اس سے
مقصود انفتاح اغلاق قلب و سلامتی ہی نہ مشابہت ہاں البتہ اُمت مین سے صدیق کا مرتبہ سب اعلیٰ و افضل ہوتا ہے اور ہر نبی
کا صدیق اپنے نبی کے درجہ سے ملحق ہوتا ہے لیکن صدیق کا درجہ انتہائی متصل بابتداے درجہ نبوت ہی اور اس سے نبی کے
ابتدائی درجہ کا بھی خیالی تصور آدمی کو ہو سکتا ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم ۔ شیخ نے لکھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی
درجہ پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپکے بھائی دوسرے انبیاء کے احوال ذکر کرنے سے آپکو تقویت فرمائی تاکہ عجائب واردات کے
متحمل ہون پس جب اسمین قوی ہوے تو کشف جمال و جلال مین ثابت و متمکن فرمایا جس سے بکمر قدم کے نکرات سے عبور
کرین اور مکریات و امتحانات سے متغیر نہ ہون اقول اگر کہا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو انبیاء سابقین کے احوال
سے مثبت فرمانے کا قول اور آنحضرت صلعم کے سب سے افضل ہونے کا قول ان دونون کی تطبیق کیونکر ہے تو جواب یہ ہی کہ جب
کسی معزز کو یا جسپر شفقت زیادہ منظور ہو احسن الوجہ سے تعلیم کرنا منظور ہو تو کہتے ہین کہ فلان شخص نے ایسا کام کیا تھا اُسکو آخر
عتاب کیا گیا اور فلان مرد نیکو کار نے ایسے طریقہ سے یون انعام حاصل کیا اور فلان شخص نے اسطرح نہ کیا ورنہ اسکو درجہ ملتا چنانچہ
اس اُمت مرحومہ کو جو نہایت رحمت سے کمال ایمان و کمال قرب عطا فرمایا وہ قرآن پاک کے وقتاً فوقتاً نزول سے خوب ظاہر
ہے چنانچہ مثلاً یہود و نصاریٰ نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب و دوست قرار دیا اسکو رد فرمایا تو اس اُمت مین کوئی شخص ایسی گستاخی
نہ کریگا بلکہ ادب سے اپنے کو ہمیشہ قصوروار بندہ سمجھیگا اور یہود نے آخرت کو اپنے لیے خاص کیا تو اُنکو فرمایا کہ قل ان کانت لکم الدار
الآخرۃ عند اللہ الآیۃ پس صلاحیت و حسن یقین پر بھی بندہ اسکی جرأت نہ کریگا ولیکن حتمی وعدہ یا غالب اُمید پر موت کو محبوب رکھنے کا
اشارہ ہی حالانکہ اگر حکم دیا جاوے تو شاید اکثر اسکی کراہیت کی وجہ سے منکر ہو جاوین حاصل کلام یہ ہی کہ اگلی اُمتون کے حسن و قبیح
سب اس کمال سے بیان فرمائے کہ نفس و شیطان کو اہل یقین کے دل مین خلاف راہ مستقیم بہکانے کا موقع نہ رہا اور یہ بات
سوائے عالم الغیب خلاق علیم عز و جل کے کوئی نہین جانتا اور کسی کلام مین یہ بات ممکن نہین ہی اگر میرا مقصود کوئی سمجھ جاوے
تو اسکو قرآن پاک کے نہایت عظیم معجزہ ہونے مین شک نہین ہو سکتا اور دوسرے یہ کہ اہل یقین کو عبرت و نصیحت جدید ہر مقام کی

وہان کے مکائد ومکر سے بچنے اور استقامت پر رہنے کے لئے اس طرح ہے کہ عمدہ باتون پر عمل کرین اور ناکارہ ومضر باتون سے
پرہیز رکھین اور رسالت مین تو یہ بھی ضرورت ہی کہ قوم کے ساتھ ایسے برتاؤ سے یہ نتیجہ اور اسطرح معاملت سے وہ نتیجہ ہوتا ہے
اور دونون کا انجام ثواب وغیرہ کا بھی معلوم ہوجاتا ہے پس آنحضرت صلعم کے واسطے اگلے انبیاء کے قصص سے یہ مراد ہے کہ حضرت
یونس علیہ السلام اسطرح مغاضب ہوکر مچھلی کے پیٹ مین اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدخانہ خود دعا کرکے لیا پھر ایک رہا شدہ
قیدی سے اپنا حال بادشاہ تک پہونچانے کا تذکرہ کیا اور مترجم کو یہ مجال نہین ہے کہ حضرت حق جل شانہ اور اسکے مخلص محبوب
انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کرے اور کچھ سمجھے مجھے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اس سے مراد یہ ہی کہ اسطرح تعلیم وتقویت فرمائی اسیواسطے
آنحضرت صلعم نے یونس علیہ السلام کی تعریف فرمائی اور حکم دیا کہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو اور فرمایا کہ رحم اللہ لوطا ان کان
لیاوی الی رکن شدید الحدیث یعنی اگر مین یوسف کے برابر بہت مدت قیدخانہ مین پڑا رہتا تو بلانے والے کا کہنا مان لیتا۔ اگرچہ
علماء نے کہا کہ یہ امتحانات اللہ تعالیٰ نے بزرگی بلحاظ عصمت آلہی عزوجل ظاہر ہونے پر کئے ہین اور خود انبیاء علیہم السلام معصوم ہین پس
یہ تثبیت نبوت ہی اور اسی طرح امت کو انکی قدر کے موافق اگلی امتون کے ذکر سے مستقیم ومضبوط فرمایا۔ شیخ رحمہ اللہ نے لکھا کہ اگلے
انبیاء کے قصص سے اور ان کے دیگر موارد سے آنحضرت صلعم کو تثبیت فرمائی اور امت مرحومہ کو آپکے احوال سے تثبیت فرمایا تو دیکھنا
چاہیئے کہ سبحان اللہ تعالیٰ اس امت کا بھی کیا بڑا مرتبہ ہے جسکی تثبیت اسکے پیغمبر کے احوال سے منظور ہوئی اول اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم بھی وہ کہ تمام انبیاء کے سردار ہین اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی کبریائی کے صدقہ مین آپکی امت کو آپکے پسندیدہ طریقہ
مسنون پر فدا کردے کہ آپ کی اتباع مین حق سبحانہ تعالیٰ کو جانین ودیعت سپرد کردین اور شیخ نے لکھا کہ اس قول کی تصدیق
کیلئے میرے پاس دلیل یہ کلام پاک ہی کہ فرمایا وموعظۃ وذکری للمؤمنین۔ قرآن مجید کا ظاہر تو عمل کرنے والون اور ان کے
اعمال کی خوبی ونیکی کے لئے موعظت ہی اور قرآن کے حقائق ان لوگون کے لئے نصیحت ہین جنکو معائنہ سے عین الیقین حاصل
ہوا ہے سبحان اللہ تعالیٰ کیسا پاکیزہ کلام ہے کہ ہر شخص اس سے اپنی حالت وسمجھ وادراک کے موافق معرفت حاصل کرتا ہی پس
عام لوگ تو قرآن مجید کے ظاہر سے لپٹے ہوئے ہین اور خواص اسکے باطن پر جان دیتے ہین اور جو لوگ کہ خاص الخاص ہین وہ
اسمین تجلی حق سبحانہ دیکھکر عجب نور بین ہین کہ آفتاب سے ہزارون وہان ذرہ سے کمتر بلکہ بے مناسبت ہین اور واضح ہو کہ قرآن مجید
کی حقیقت تو صفت ازلیہ ہی تو جب حقیقت قرآن کسی پر منکشف ہوئی تو صفت الحق عزوجل کی تجلی منکشف ہوئی چنانچہ
حضرت سیدنا امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندون کیواسطے قرآن مین تجلی فرماتا ہی شیخ ابویزید رحمہ اللہ
نے کہا کہ بندہ مومن اپنی لیاقت کے اندازہ پر قرآن کے فوائد سے آگاہ ہوتا ہے تو جس نے دوسرے بندہ اپنے مثل سے سنا
تو گویا اس نے علم احکام کو موعظت نبوت سے سنا پس جس نے حکم پر یقین سے سنا اسکا ظاہر منور وباطن نرم وخشوع وخضوع
کے ساتھ محبت مین گرم وسینہ کھل جائیگا اور جس نے اسکو زبان جبرئیل علیہ السلام سے سنا گویا وہ وحی کو حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر ادا کرتے ہین تو وہ غیب کے مطالعہ اور اسکے وعدہ وعید کے معائنہ سے سرفراز ہوا جبکہ اپنے حواس ظاہرہ
سے بالکل بیخبر ہوگا اور جس نے اسکو حق سبحانہ تعالیٰ عزوجل سے سنا وہ فنا ہوکر تحقیقی صفات کیساتھ باقی ببقاء حق عزوجل
ہوگیا یعنی حق الیقین کے درجات مین علم الیقین وعین الیقین حاصل ہین ہکذا ترجمۃ مافی العرائس اور سراج مین قولہ وجاءک

فی ہذہ الحق الآیۃ کے تحت میں لکھا کہ حق کے معنی سے اشارہ ہو قرآن مجید کے سچے صاف روشن دلائل کی طرف جو اسمین توحید وعدل ونبوت ودار الآخرت کی تحقیق پر مذکور ہین اور موعظت سے اشارہ ہے اس دنیا سے ضروری سفر کرنے پر اور یہان کے حالات کی قباحت وبرائی ورسوائی وخواری پر جس سے آدمی پرہیز کرے جیسے اندھا کسی آنکھون والے کے بتلانے پر یقین کر کے ہاتھ بڑھا کر نجاست کو نہین چھوتا ہے یا سانپ کو رسی سمجھکر نہین پکڑتا ایسے ہی رسول علیہ السلام کی موعظت سے مومنین کا حال ہے کہ آخر مین وے خود رسول رسول اور آنکھون والے ہو جاتے ہین اور ذکریٰ سے ان اعمال کی طرف اشارہ ہو جو دار الآخرۃ مین نافع ہین اور لکھا کہ جب اس حد تک اللہ تعالیٰ نے عذاب سے ڈرسنایا اور ثواب کا وعدہ دیا اور ترغیب ونصیحت کو کامل فرمایا تو آخر مین حجت کو ختم فرمایا بکلام مابعد اور اسکے ضمن مین دلیل تحقیق وعدہ ووعید فرمائی کہ خالق خود غیب جاننے والا ہو تو سب حق ہے چنانچہ فرمایا۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ

اور کہدے اُن کو جو یقین نہین کرتے کام کئے جاؤ اپنی جگہ ہم بھی کام کرتے ہین

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہین اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانون اور زمین کی

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ

اور اسی کی طرف رجوع ہو کام سارا سو اُسکی بندگی کر اور اُسپر بھروسا رکھ اور تیرا رب

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

بیخبر نہین جو کام کرتے ہو

وَقُلْ۔ اور کہدے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ ان لوگون کو جو ایمان نہین لاتے یعنی قرآن مجید و اسکے احکام پر تیری رسالت کی تصدیق کرے۔ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۔ کام کئے جاؤ اپنی حالت پر شعبہ کی قرأۃ مین مکانات بلفظ جمع ہو اور تمام وعدہ کا یعنی مناز لکم اپنے ٹھکانون پر اور مقصود یہی ہے کہ جس حال پر ہٹ کرتے ہو اسی پر چلے چلو اور یہ حکم دنیا ویسا ہی ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا۔ واستفزز من استطعت منہم بصوتک واجلب علیہم بخیلک الآیۃ۔ اور مراد اس سے سخت تہدید ہے یعنی نصیحت سے راہ پر آنے سے مایوسی ہے تو عذاب آلہی کے منتظر ہو۔ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ہم بھی اپنے اعتقاد توحید وطاعت پر کام کرتے ہین جیسا ہمکو پروردگار نے حکم فرمایا ہے وَانْتَظِرُوْا اور انتظار کرو اس سزا کا جو تم کو نافرمانی کرنے کی صورت پر وعید کی گئی ابن جریج نے کہا کہ ان وعدون کا جو دنیا کی زینت دکھلا کر تم کو شیطان وسوسہ دلاتا ہے اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۔ ہم بھی منتظر ہین کہ پروردگار نے جو ہم کو نیک وعدہ دیا وہ اسکے فضل سے حاصل ہو اور تم خوار ہو جاؤ جیسے فرمایا قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جہنم الآیۃ یا ہم بھی تمہارے بدانجام وعذاب کے منتظر ہین پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ پاک کا خاتمہ تمام اسرار کا جامع مجموعہ ذکر فرمایا بقولہ۔ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو جو مخلوق سے غائب ہے آسمانون وزمین مین اور مراد اس سے علم ہے یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کیلئے مخصوص ہو از انجملہ مخلوق مین سے ہر ایک کا انجام کہ وہ سعید ہے یا شقی ہے اگرچہ بالفعل کافر و بدکار ہو اسیواسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش وعرب کے حق مین موافق حکم کے انتظار کیا اور یون نہین کہا کہ تم بدبخت

جہنمی ہو اور دیکھو جب بعض احیاء عرب نے بعضے پرہیزگار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بڑی تکلیف کے ساتھ غدر و بدعہدی سے قتل
و شہید کیا تو آپ نے رنجیدہ ہو کر انکے حق میں لعنت فرمائی اور بددعا کی کہ ہمیشہ کیلئے رحمت الٰہی سے دور ہوں اور یہ اسطرح ہوگا
کہ وے کفر و شرک و نفاق پر مریں تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لیس لک من الامر شیٔ الآیۃ اور وجہ وہی ہو کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو
ہے۔ ابولہب و ابوجہل وغیرہ کو ارشاد و ہدایت کرنیکا حکم پیغمبر صلعم کو دیا ولیکن غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہو اور فائدہ اسمیں یہ تھا کہ انپر
حجت پوری ہو اور مومنوں کے درجات اس کام میں بلند ہوں جوان کافروں کی ایذاء اٹھاتے تھے اور کبھی اپنے حبیب مصطفےٰ
سید الانبیاء علیہم السلام کو بعض احوال غیب سے واقف کر دیا اسیواسطے ایک مرتبہ جب ابوجہل نے آنحضرت صلعم سے بیہودگی کے ساتھ
تمسخر کیا اور کہا کہ یہی کہتا ہو کہ جو مجھے نہ مانے وہ جہنمی ہوگا حالانکہ یہ فقیر و ذلیل ہو اور اپنے آپکو اس ملعون نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک
معظم و مکرم سمجھا اس گمان سے کہ وہ سردار و رئیس بنایا گیا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اسمیں کچھ شک نہیں اور
تو بھی ایک جہنمی ہو پس یہ کلمہ آپنے بعد مطلع ہونیکے فرمایا اور اس مقام پر تمام نصیحت و پند و ترغیب و ترہیب و تعلیم و ارشاد فرماکر رسول
مکرم صلعم کو انتظار کا حکم دیا اور یہ سخت تخویف ہو پھر علم غیب اپنے واسطے مخصوص فرمادیا جس سے معلوم ہوگیا کہ اس ہدایت
کا مفید ہونا جنکے لیۓ ہوگا اسکا علیم خالق عزوجل ہو اور انتظار عذاب سے جو کچھ واقع ہوگا اس سے حق عزوجل خبیر ہے چنانچہ بڑا
گروہ مسلمان ہوگیا اور کچھ لوگ عذاب میں تھوڑے انتظار کے بعد گرفتار ہوئے بحکم قولہ قل للذین کفروا ستغلبون الآیۃ۔ اگرچہ
شان نزول اسکا یہود کے حق میں بیان ہوا ہے اور اسیواسطے حضرت سید عالم صلعم نے واقعہ بدر کے روز کفار مقتولین ابوجہل وغیرہ کو
فرمایا تھا کہ ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا کیوں تم نے وہ عذاب پایا جو تم کو تمہارے رب عزوجل نے فراق قہر سے وعید فرمایا تھا پس وعید
انتظار میں یہی نہ تھا کہ ان پر خواہ مخواہ عذاب استیصال آویگا جیسے قوم مدین کے ساتھ واقع ہوا تھا اور یہ بھی سمجھو کہ وعدہ انتظار
سے یہ ضرور نہیں ہو کہ دنیا میں ظاہری عذاب ان پر نازل ہوجاوے جو کفر پر جمے رہیں بلکہ انتظار کیلئے مہلت قلیل بھی زندگی ہو
اور عمر خفیف ہونیکا حکم حدیث صحیح میں ساٹھ برس تک خود مذکور ہے پس حاصل یہ ہوا کہ پہلے ترغیب و ترہیب فرمائی پھر سخت
خوف دلانا ۱۲
خوفناک قطعی فیصلہ کر دیا کہ اے رسول حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہدے کہ اچھا اگر میری ہدایت پر اپنے خالق عزوجل کی توحید
و اطاعت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی وحی قرآن سے تم کو انکار ہے تو اپنی حالت پر کام کیۓ جاؤ اور ظاہر ہے کہ ان کا کام
مستوجب غضب الٰہی تھا کہ صریح شرک و ظلم کرتے تھے اور میں اور میرے اتباع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سب اپنے اعتقاد
پر یعنی بوحی و حکم الٰہی عمل کرتے ہیں اور دونوں کے انجام و نتیجہ کا تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں دیکھو کون سچا ہوتا ہے
اب یہانتک انتظار کریں تو اسکا وقت قطعی یہی چند روزہ زندگی کے بعد وقت موت ہو اور اللہ تعالیٰ کے غیب میں شاید
بعضوں کیلئے درمیان میں وقت ہو اب واضح ہو کہ آیات پاک کا حکم تا قیامت سب کے لئے جاری ہو تو اب اسوقت میں رسول اللہ
صلعم کا نصیحت کرنا عموما ہر شخص پر ثابت ہو جبکہ قرآن پاک ناطق ہے اور احادیث صحیحہ ظاہر و باہر ہیں پس اسی طرح نرمی و دلجوئی
سے تمام اقوام کو عموماً نصیحت ہو خواہ وہ قوم یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا اہل ہنود ہوں یا اہل اسلام ہوں سب پر اللہ تعالیٰ کی
یہ رحمت نازل ہو ذرا تامل سے انصاف کی نگاہ سے انجام پر غور کریں اور پہلے ہی سے نفرت و کراہت کرکے آنکھیں بند نہ کریں اور
دل سے جھگڑا ہوجانا چھوڑ دیں کیونکہ کیسی کھلی اور سچی بات کو جب دشمنی کی نگاہ سے دیکھو تو آدمی پر خراب خیالات چھا جاتے ہیں کیونکہ

اُسنے پہلے ہی سے جھگڑالو پن کی خراب خصلت کو اپنے دل مین جگہ دیدی تھی اور دیکھو خالق عزوجل کی بندگی تو صاف صاف فرض ہی اور اُسی کی وحدانیت سب کے نزدیک مسلم ہے پھر ایسی بات جسپر سب متفق ہین کیون چھوڑتے ہو اور جب اُسنے پیدا کر دیا تو اسکو ضرور قدرت ہی کہ پھر جسطرح چاہے زندہ کرے اور آخرت مین بعد موت کے آرام دے یا سزا دے اور یاد رکھو کہ اگر نہ مانوگے اور اسی طرح ہٹ کرکے اپنے خالق کی نافرمانی کئے جاؤگے تو اچھا ہی چندروز انتظار کر لو دیکھو کیا خراب انجام ہوگا اور خالق عزوجل کا علم تو محیط ہی سب غیب اسپر اسطرح صاف حاضر و روشن ہے کہ مخلوق کا وہم وہان نہین پہونچ سکتا ہے اور خود صحیح فرمایا وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ۔ اور امر بالکل اسی کی طرف راجع ہوتا ہے اور فرق درمیان خلق و امر کے قولہ تعالیٰ الا لہ الخلق والامر کی تفسیر مین ہی ۔ اور بعض نے لکھا کہ معنی یہ ہین کہ تمام مخلوق کا امر سب بالکل دنیا و آخرت مین اسی کی طرف رجوع ہوتا ہے یہ جمہور کی قرات یرجع بصیغہ معروف پر ہی اور امام نافع و حفص کی قرات بصیغہ مجہول یرجع بضم یا و فتحہ جیم بمعنی راجع کیا جاتا ہے اور فاعل ممتاز حضرت خالق الخلق والامر ہی اور اشارت یہ ہی کہ مخلوق کو جس حکمت بالغہ سے اسنے اپنے امر سے مخلوق فرمایا اسکا مرجع اسکی طرف ہی باوجود ان تمام ظاہری اسباب و سامان کے وقوع اسی طور پر ہوگا جسکو اسکا علم محیط ہی حتی کہ پیغمبر برحق کی تمام کوشش کمال شفقت سے اور واضح دلائل و حجت سے کافرون کے حق مین بیکار ہوگی اگرچہ کوشش کا ثواب عظیم پیغمبر کو ضرور ملیگا ۔ اور ازل مین جو سعید ہے وہ سعادت پر کام کریگا اور انجام اسکا نیک ہوگا اور جو شقی ہی وہ کیسا ہی نیک بنے مگر انجام اُسکا شقاوت ہی و نعوذ باللہ من الکفر والشقاوۃ ۔ لہذا آنحضرت صلعم کو اسمین تسلی فرمائی کہ کافرون و مشرکون و منافقون کے انکار و ہٹ سے کمال ترحم و شفقت کی وجہ سے غمناک نہ ہون اور اُنکی ایذا پر بھی صابر رہین اور اگر وعدۂ عذاب دنیا مین بظاہر واقع نہ ہو تو اسکو علم الٰہی پر حوالہ کرین اور خود فرمانبرداری پر قائم رہین لہذا فرمایا ۔ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۔ یعنی جب غیب کا جاننے والا وہی تیرا رب ہے اور امر کا مرجع اسی کی طرف ہی جسکے اعتقاد سے انتظام جزا و سزا کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے تو تجھکو لازم ہے کہ اسکی عبادت پر قائم رہ یعنی جسطرح تجھکو حکم ہے اسپر مستقیم رہ اور مخلوق کو اچھی تدبیر و طریقہ سے ہدایت فرماتا رہ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر یعنے تمام اُمور میں اسی پر بھروسا کر کہ وہ مجھے کافی ہی اُمید ہی کہ تیری ہدایت سے اہل سعادت خالص توحید پر عبادت کرنے کے واسطے امن پاوین اور اہل شقاوت خوار ہون کہ اہل طاعت کو ایذا نہ دینے پاوین ۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ قراۃ نافع و ابن عامر و حفص مین تعملون صیغہ خطاب بالتا ہے یعنی اور تیرا رب کبھی غافل نہین ہی ان اعمال سے جو تم کرتے ہو اگر مخاطبین فقط آنحضرت صلعم و آپکے صحابہ مومنین ہین تو انکو انکی استقامت و اعمال خیر پر خوشنودی ظاہر فرمائی پس حسن الثواب کی بڑی اُمید ہوئی اور اگر مخاطبین عموماً سب لوگ ہین تو مراد یہ کہ اُن مین سے نیکون کو نیک ثواب ملیگا اور بدون کو عذاب مین گرفتار کریگا باقی ائمہ نے یعملون بیاء تحتیہ صیغہ غائب پڑھا تو ظاہر یہ تہدید اہل کفر کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ و رسول صلعم سے منکر ہو کر کافر لوگ جو کچھ دنیا کی خواہش و اسکی کوشش مین کمال زینت کیتے ہین اور عاقبت و اسکے سامان سے اعراض کئے ہوئے بالکل دنیا ہی پر جھکے ہوئے ہین اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال سے غافل نہین ہی ۔ تنبیہ ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیفیت دنیا بسر کرنے مین یہ تھی کہ سوائے ایک سوئی اور بدھنی کے اپنے پاس کچھ نہین رکھتے تھے ایک روز ایک شخص کو چلو سے پانی پیتے دیکھا تو اسکو بھی ایک فقیر کو دیدیا کہ کچھ حاجت نہین ہے اور ایک روز میدان مین ایک پتھر سر کے نیچے تکیہ کرکے سو رہے شیطان نے کہا کہ اے عیسیٰ تم دنیا کی آسائش کی طرف

جھکے تو سر کے نیچے سے نکال کر اسکی طرف پھینکا اور فرمایا کہ لے یہ مردہ دنیا تیرے لیئے ہی بالجملہ عیسائی ہرگز انکار نہین کر سکتے کہ حضرت
مسیح علیہ السلام کے پاس دنیا کی متاع مین سے کچھ نہ تھا اور اُنکا زہد وتقوی نہایت معروف ومشہور ہی کہ اگر کوئی انکار کرے تو جھوٹا ہی
اب اُنکا یہ حال اسی وجہ سے تھا کہ دنیا جملہ ملعون ہی اُنھون نے آخرت چاہی تو جو لوگ آخرت سے منکر اور محض دنیا کی خواہش و آرام
و آسائش مین سرگرم اور اسی کا نام تہذیب رکھتے ہین کیونکہ آنحضرت کی راہ پر ہو سکتے ہین اور شیطان نے اُنکو بہکا دیا کہ وہ
تمہارے لئے کفارہ ہوگئے اور سارا عذاب تمہاری بداعمالیون کا اپنی گردن پر لے لیا لاحول ولاقوۃ اسقدر نا سمجھی کہ ایسا کر کے
دنیا کا مبغوض الٰہی وملعون ہونا بھی لوٹ دیا پس کچھ بھی شک نہین ہی کہ حقیقت مین حضرت عیسیٰؑ کے متبعین تو اہل اسلام ہین جو
دنیا سے اسی طرح اعراض کرنے پر کوشش رکھتے ہین اور واضح رہے کہ جن لوگون نے یہ بہتان باندھا کہ اسلام مین تعلیم ہی کہ کوشش
و تدبیر مت کرو اور فقیر و محتاج ہو جاؤ اور ذلیل بنو۔ یہ بالکل غلطی ومحض نادانی ہی اسی آیت مین دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توکل
کا حکم ہے تو کیا آپ لوگون کو ہدایت کرنیسے باز رہے یا جہاد نہین کیا یا انتظام نہین کیا بلکہ توکل تو ہر حال مین اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنے
کا نام ہی اور کیا خلفاء راشدین مہدیین اتنی بڑی زبردست سلطنتون کے حاکم نہ تھے پھر کیا وے تجارت نہ کرتے یا انتظام نہین
کرتے تھے لیکن آخرت پر انکو پورا یقین تھا تو رعایا و مخلوق کو آرام دیتے اور بے کار دولت و مال و جواہرات کو کچھ نہین سمجھتے صرف
بقدر کفاف اسمین سے لیتے اور برابر لشکرون کو آراستہ کرتے تھے لہذا یہ بہتان باندھنے والا محض جاہل ہی سچ یہ ہے کہ آدمی مین
بدن و روح دونون کی صفات الگ الگ ہین بدن کا اقتضاء تو کھانا طرح طرح کا مزے دار ولذیذ اور پیٹ بھر کے موٹا ہونا
سونا و کھیلنا و جماع کرنا و تصویرین بنانا اور گلاب کا پھول جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اسکو چھوڑ کر اپنی اوقات نقش بنانے مین
ضائع کرنا اور اس سے حماقت کیساتھ خوش ہونا یہ سب بیوقوف جانورون کے کام ہین لہذا اسلام تعلیم کرتا ہی کہ بدن سے
جانورون کے کام مت لو بلکہ کھاؤ پیو عبادت کرو اور فنون سپہگری سیکھو اور سمجھ لو کہ یہ بدن بعد چند روز کے ایک گڑھے
مین ایسا سڑیگا کہ اسکی بدبو سے تابش ہوگی اور کیڑون سے دیکھنا دشوار ہوگا رونا آویگا تو اس بدن سے ایسے نیک کام لو کہ
تمہارا ثواب باقی رہے مخلوق کو آرام دو مفلس محتاجون لنجے اپاہج لوگون کی خدمت کرو جانورون کی طرح کھانے پینے جماع
کرنے مین عمر برباد مت کرو۔ اب ہی روح تو اسکی صفات علم ومعرفت وغیرہ ہین لیکن عام مخلوق تو اُسکو ایسے علم سکھلاتے
ہین جس سے اسیکو دولت ملے کہ خوب بدن کی ترتیب پرورش ہو اور اسلام سکھلاتا ہی کہ روح کے کمال ایسے صفات علم ومعرفت
سے پیدا کرو کہ باقی و دائم ہو اور روح اشرف ہی اسکو بدن کے تابع مت کرو بلکہ بدن کو روح کے تابع کرو حتی کہ بدن سے
وہ کام لو جس سے روح کو تقویت وصفائی وکمال حاصل ہوتا ہی اور بدن کے نقصانات سے مت ڈرو کہ وہ آخر فنا ہونیوالا ہی
اور اللہ تعالیٰ نے صریح وعدہ فرمادیا کہ وقت موت مقدر ہے اسمین کمی وزیادتی نہین ہوتی ہی۔ بالجملہ جو کوئی اسلام سے خارج
ہوا اس سے بنص الٰہی عزوجل کچھ قبول نہ ہوگا اگرچہ وہ دنیا مین بڑا عقلمند ہو اور آسمان و زمین بھر سونا و جواہرات خیرات
کیا کرے اب مین اہل ایمان کو فائدہ آیت سے آگاہ کرتا ہون کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر مضبوط ہون اور دنیا کی زندگی پر فریفتہ
نہ ہون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم ہون اور استقامت اختیار کرین اور اسی راہ پر تمام پیغمبر گذرے
خواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہون یا کوئی اور ہون سبھون نے اسلام تعلیم کیا اور جب یہ بات واضح ہوگئی کہ روح باقی اصل ہی

اور بدون تابع ثواب اس زمانہ مین مسلمانون نے بسبب ضعف یقین وضعف ایمان کے تمام اوصاف روحی ضائع کردیئے حتی کہ اوصاف جو بدن کی شرکت سے بنے ہین جیسے صدق وحیا وعفت وتوحم وجوانمردی وشجاعت سب سے محروم ہوکر غیر قومون کے مقتدی ہوگئے فاتقوا اللہ۔ ڈرو اللہ تعالی سے اور اپنے آپس مین صلاح کرو۔ تنبیہ اسوقت مین کچھ اسباب ایسے جمع ہوگئے ہین کہ اکثر مسلمانون کی نظر پھسلتی اور انکو وہم پیدا ہوتا ہے اور بہت سے لوگ جو کور باطن و دل سے کافر مگر ظاہر مین دنیا کے عروج کے ساتھ مسلمانون کے بھیس مین ہوکر اہل اسلام کو بہکاتے ہین تو بدبخت لوگ بالکل ان کے ساتھ بے ایمان ہوتے جاتے ہین اور اسکا علاج اسوجہ سے دشوار ہوگیا کہ طبیعت سرکش دنیا کی طرف خواہ مخواہ راغب ہوتی ہے اور علم دین مسلمانون مین سے اٹھتا چلا جاتا ہے اور ایسے ضعف ایمان واس جہالت پر طرہ یہ ہے کہ عوام لوگ دین کی بات سننے سے گویا بہرے ہین اور علماء اپنی معیشت کی فکر مین انکو صاف توحید سکھلانے سے گویا گونگے ہین پھر ایسی قوم مین باتحت ہین کہ ان کو دنیا بھرپور دیدی گئی ہے پس جو سعید کہ نصیحت سنے اور ظلمات دور کرنا چاہے اسکو زیادہ غوض کی ضرورت نہین ہے صرف اسی قدر دیکھے کہ جس قوم پر عقلمند ہونے کا گمان ہے اسنے اپنی عقل سے ایسی دانائی دکھلائی جو باقی و آخرت کیلئے مفید ہے یا فانی اور فقط بدن کی پرورش مین مفید ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ملک یورپ کی قومین معرفت و توحید الٰہی و باقیات صالحات مین سے جو روح کے کمالات ہین کچھ بھی نہین رکھتے ہین اور تجارت وریل وتار برقی وکلین وغیرہ یہ سب فانی بدن کے عیش وتنعم کیلئے ہین تو صاف معلوم ہوگیا کہ انکو عقل نہین بلکہ حواس بدنی مین تیزی ہے پس آدمی آپ خود اپنے نفس کے لئے راہ اختیار کرے اگر اسکو دنیائے فانی اور بدن کی پرورش جو عنقریب سڑ کر مٹ جائیگا منظور ہو تو انکی پیروی کرے اور اگر روح باقی اور دار الآخرۃ باقی ونعمتہائے باقی کی خواہش منظور ہو تو جوانمردی کے ساتھ اللہ تعالی خلاق علیم کے رسولون و انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرے اور خود حق تعالی نے پارہ پانزدہم سورۂ بنی اسرائیل مین صاف یہ مضمون فرمادیا ہے کہ جو کوئی دنیا چاہے ہم اسکو دینگے مگر چند روز کے بعد مرکر عذاب کے سوائے کچھ نہین پاویگا اور جو آخرت چاہے اور ایمان کے ساتھ نیک کام کرے جیسے کرنے چاہیئے ہین تو اسکی کوشش کا شکریہ ہوگا اللھم اجعلنا مومنین وثبتنا علی الایمان ووفقنا لما تحب وترضی ربنا واللہ تعالی مجیب الداعین وہو ارحم الراحمین فائدہ عبداللہ بن امام احمد وابن الضریس وابن جریر وابو الشیخ نے اپنی اسانید کے ساتھ حضرت کعب احبار رحمہ اللہ سے روایت کی کہ توریت کا شروع وہ ہے جو سورۂ انعام کا شروع ہے اور توریت کا خاتمہ یہ سورۂ ہود کا خاتمہ یعنی للہ غیب السموات والارض آلآیۃ ہے۔ واضح رہے کہ کشاف نے اور اسکی تبعیت مین بیضاوی نے یہان ایک حدیث لکھی کہ جو کوئی سورۂ ہود پڑھے اسکو دس گونہ ثواب ان لوگون کی تعداد پر ملیگا جو نوح پر ایمان لائے وجنہون نے نہ مانا اور اسی طرح ہود وصالح وشعیب ولوط وابراہیم وموسی پر جو ایمان لائے اور جو کافر ہوئے اور قیامت مین وہ اہل سعادت سے ہوگا سراج مین کہا ہے کہ یہ علم حدیث سے ناواقفی ہے یہ حدیث نہین ہے بلکہ کسی نے بناکر اسکو حدیث کہا ہے امام ابن الجوزی نے کہا کہ موضوع یعنی بنائی وگڑھی ہوئی ہے۔ فاحفظ واللہ تعالی اعلم ف فی العرائس قولہ وللہ غیب السموات والارض۔ اشارت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی ارواح وابدان کے غیب سے واقف ہے بس وہی خالق علیم ہے کہ اسنے کس طرح روح وبدن کو اسطرح مرکب کیا کہ روح مین علم ذات کے اسرار وقلب مین علم صفات کے اسرار ازل سے ودیعت فرمائے کہ جب دنیا دی

ظہور مین اس علم کا طلوع ہوا تو روح قوی و غالب و بصیر و دانا ہوئی اور بدن اسکا تابع ہوکر معرفت مین کامل ہوا اور وہی مومن ہوا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و سنت پر مستقیم ہوا اور وہی جانتا ہے کہ کس روح و بدن کو اسطرح مرکب کیا کہ روح تاریکی و جہالت مین ہی اور بدن قوی و مضبوط و حواس کا تیز دنیا کی زینت مین کامل ہی تو روح مضمحل ہوگئی اور بدن غالب ہوا اور حواس کی تیزی سے دنیا کی لذتین و مال و متاع و شوکت و حشمت حاصل کرنے مین قوی ہوا اور روح و عقل بالکل بے نور و آخرت سے کور و نابینا رہا۔ اور لکھا کہ غیب السموات وہ بھی ہین جو ملائکہ کے قلوب مین مقادیر کے علوم ہین کہ قضا و قدر کے نام سے بندون کے افعال پر جاری ہوتے ہین اور غیب الارض وہ علوم و معارف ہین جو اہل معرفت و صدق و ایمان کے دلون مین مضمر و پیدا ہوتے ہین قولہ والیہ یُرجع الامر کلہ۔ امر یہان ارواح ہین جو اپنی سعادت کے اندازہ پر صفات و ذات کی طرف راجع ہین۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی طرف راغب فرمایا بقولہ فاعبدہ۔ کیونکہ جب اسی کا بندہ ہوا تو ہر چیز سے آزاد ہوا اس سے توحید پیدا ہوگئی جس سے تجرید پیدا ہوئی اور تجرید سے تفرید اور اس سے ذات و صفات مین محو ہوا اور اس مقام سے وہ مخلوق کبھی فنا نہوگا اور برابر نعمتون و آرام مین باقی رہیگا قولہ وتوکل علیہ یعنی وہی تجھے کافی ہے اسکے قہر سے اسی کے لطف کی طرف اور اسی سے اسی کی طرف راجع ہو اسیواسطے آنحضرت صلعم نے فرمایا اعوذ بک منک۔ تجھ سے تیری ہی طرف پناہ لاتا ہون۔ نہر جوری رحمنے کہا کہ قولہ للہ غیب السموات یعنی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہی غیب تو جو بندے اپنے مولیٰ کی قبولیت و قرب مین ہین وہ بھی جہان تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسرار و مغیبات سے واقف ہوتے ہین اور یہ وہ لوگ ہین جنہین اپنے شہوات و خواہش کچھ بھی باقی نہین رہی اور نہ ان مین نفس و حواس کا مطالبہ ہی پس بلا وجود کے انکا وجود ہی اور بلا شہود کے انکا شہود ہے بلکہ قبضۂ قدرت الٰہیہ مین انکا انقلاب ہے باشارۂ حدیث انا سمعہ الذی یسمع بی۔ اور اشارہ آیت تقلبک فی الساجدین پس وے نہ وے ہین اور نہ دے وے نہین ہین بلکہ از راہ وجود کے وے ممکن ہین اور از راہ اتحاد کے انکا وجود دے نہین ہین۔ اقول یہ مقام بالکل عوام کی فہم سے باہر ہے صرف اتنا فائدہ یاد رکھین کہ جو مقولہ صوفیہ فنا فی اللہ کا مشہور ہی اس سے یہ مراد ہے کہ وصول و قرب سے انکو خود سننا دیکھنا وغیرہ خواہشات نہین ہین اور وے عجب نعمت و مشاہدہ مین ہین کہ گویا تمام مخلوقات آسمان و زمین سب انکے قبضۂ قدرت مین ہی حالانکہ خود کچھ حرکت نہین کرسکتے ہین بلکہ جو ارادت اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے مگر وے خود وہی بندے ہین چنانچہ مولانا بحر العلوم نے شرح مثنوی مین شیخ اکبر کے فصوص و فتوحات وغیرہ سے یہ مقام مشرح لکھدیا ہی کہ ممکن کبھی قدیم و واجب الوجود نہین ہوسکتا پس یہان انقلاب لماہیتہ نہین جیسا کہ عوام کا زعم ہی۔ قال الشیخ اور یہی لوگ اہل غیب ہین کہ جو اپنی ذات سے غائب ہوگئے ہین نہ ان کو اپنے نفس کیلئے کوئی حظ ہی اور نہ مخلوق کو انکی طرف کوئی راہ ہے کیونکہ وے تفرقہ سے نکلکر عین الجمع مین پہونچ گئے ہین جہان کسی عبارت و کلام کو گنجائش بیان نہین ہے اور نہ اس حال کو زبان ادا کرسکتی ہی اور بعض نے کہا کہ قولہ الیہ یرجع الامر کلہ۔ سب کا وہی مرجع ہی کیونکہ وہی سب کا مبدا تھا۔ فاعبدہ۔ اپنی خواہش نفس کو اپنی ذات سے ساقط کرو اور ادب و طریقہ سنت کے ساتھ حکم الٰہی بجالانے پر قائم و ثابت ہو و توکل علیہ جسکی کفایت ہماری طرف سے ہی ہمین تو کچھ اہتمام مت کرو جسکا تجھے حکم ہے اسکا اہتمام کرو ما ربک بغافل عما یعملون کیونکہ اسکو غفلت ہوگی جسنے مقدر کردیا کہ تو بمقدر کام اسطرح کریگا کہ اس سے کم و بیش آدمی کی مجال نہین ہی اور تو اس سے اپنی آخری سانس پر ملاقی ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سُورَۃ یُوسُف مَکِّیَّۃ

اس سورۂ شریفہ کی خوبیاں وفضائل خود نص قرآنی سے ثابت ہیں۔ مقام نزول وشان نزول کا بیان یہ ہے کہ بعض کے قول پر ہجرت کے وقت مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کے درمیان نازل ہوئی اور اکثروں کے قول پر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور ابن عباسؓ وقتادہؒ سے ایک روایت ہے کہ چار آیات کے سوائے باقی سب مکی ہے اور ارجح وصحیح یہ ہے کہ پوری سورت مکیہ ہے اور اسی پر سراج وغیرہ میں بھی جزم ہے اور شیخ امام حافظ نے کہا کہ وہ مکیہ ہے۔ قرطبیؒ نے علماء سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بظاہر دیگر انبیاء وانکی قوم کے وقائع کو مکرر بہ اسلوب ونظم سے بیان فرمایا کہ درجات بلاغت میں اعجاز ہر جگہ ہے اور سورۂ یوسف کو مکرر نہیں فرمایا۔ مگر کفار منکرین میں سے کسی نے مکرر وغیر مکرر کسی کے مقابلہ کی قدرت نہیں پائی۔ اس سورہ میں ایک سو گیارہ آیات ہیں اور ایک ہزار نو سو چھیانوے کلمات ہیں اور سات ہزار ایک سو چھتر حروف ہیں قال الحافظ رہ وروی الثعلبی وغیرہ من طریق سلام بن سلیم ویقال سلیم المدائنی وہو متروک عن ہارون بن کثیر وقد نص علی جہالتہ ابوحاتم عن زید بن اسلم عن ابیہ عن ابی امامۃ عن ابی بن کعب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علموا ارقاءکم الحدیث یعنی اپنے مملوکوں غلام وباندیوں کو سورۂ یوسف سکھلاؤ کیونکہ جو کوئی مسلمان اسکو پڑھے یا اپنے اہل کو سکھلاوے یا اپنی مملوک کو سکھلاوے تو اللہ تعالیٰ اسپر موت کی سکرات کو آسان کردیگا اور اسکو ایسی قوت عطا فرما دیگا کہ کسی مسلمان پر حسد نہ کریگا اسکے اسناد میں سلام بن سلیم ایسا شخص ہے کہ اسپر اعتماد نہ تھا محدثین نے اسکی روایت متروک کردی تھی اور ہارون بن کثیر کو شیخ ابوحاتم نے صاف کہا کہ یہ مرد مجہول ہے قال الحافظ اسوجہ سے تو یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اسکی اسناد بالکلیہ ضعیف ہے اقول یعنی ابوامامہ وابی بن کعب تو صحابی ہیں انکے سوائے باقی راوی سب ضعیف ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ شاید صحیح نسخہ میں یوں ہوگا عن ہارون بن کثیر عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ کیونکہ زید بن اسلم کے ضعف میں تامل ہے کیونکہ انکی توثیق معروف ہے واللہ اعلم۔ پھر شیخ نے لکھا کہ حافظ ابن عساکر نے اس اسناد کا متابع ذکر کیا۔ کئی وجہ سے اول من طریق القاسم بن الحکم عن ہارون بن کثیر یعنی سلام بن سلیم کی تقویت ہوئی اور رہی تقویت ہارون بن کثیر تو دوسرا طریق لکھا یعنی شبابہ عن محمد بن عبدالواحد النضری عن علی بن زید عن جدعان۔ اقول شبابہ یعنی ابن سوار اور قولہ علی بن زید عن جدعان ایسا ہی اس نسخہ مطبوعہ مصر میں ہے اور میرے نزدیک خطائے کاتب ہے صواب علی بن زید بن جدعان ہے اور یہ شخص بھی منکر الحدیث ہے پھر تیسرے طریق کو لکھا عن عطاء بن ابی میمونہ عن زر بن حبیش عن ابی بن کعب۔ اقول مقصود اس سے تقویت زید بن اسلم یا عبدالرحمن بن زید ہے اور زر بن حبیش اصحاب ابن مسعود رضہ سے معروف ثقہ ہیں اور ابوامامہ رضہ کی متابعت مقصود نہیں ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ رہ نے ان طرق کے بیان کے بعد لکھا کہ یہ روایت جملہ طرق سے منکر ہے اور لکھا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا کہ یہود کے ایک گروہ نے جب آنحضرت صلعم سے سنا کہ یہ سورہ شریفہ آپ اپنی قوم پر تلاوت فرماتے ہیں تو سب مسلمان ہوگئے کیونکہ جسطرح انکے پاس یہ قصہ تھا اسی کے موافق آنحضرت صلعم نے وحی سے سنایا تھا۔ شیخ نے کہا کہ یہ روایت کلبی عن صالح عن ابن عباس سے ہے۔ اقول یعنی کلبی ضعیف الحدیث ہیں ولیکن میزان میں ذہبی رہ کے بیان سے ضعف میں بہت شدت ظاہر ہوتی ہے واللہ اعلم۔ شرح میں معالم سے لایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود نے آنحضرت صلعم سے سوال کیا

کہ آپ ہم سے یعقوب و انکی اولاد و یوسف کا ماجرا بیان فرماوین تو یہ سورہ نازل ہوا اول روایت کی توجیہ آتی ہے کیونکہ سورہ کے مکیہ ہونے پر گویا اجماع ہے اور سعید بن جبیر رح سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا تو آپ قوم پر تلاوت فرماتے تو قوم نے کہا کہ ہم امیدوار ہیں کہ آپ ہم سے حدیث فرماتے تو نازل ہوا قولہ اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا مثانی تقشعر منہ الآیۃ۔ پھر قوم نے کہا کہ ہم امید رکھتے ہین کہ آپ ہمکو غفلت سے بیدار کرتے تو نازل ہوا قولہ الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ۔ قوم نے عرض کیا تھا کہ آپ ہم سے مفید حالات سابقین بیان فرمایئے (یعنی جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت وایمان کیواسطے نصیحت وعبرت ہو) تو یہ سورہ شریف نازل ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا رحم والا مہربان ہے

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۞

یہ آیتین ہین واضح کتاب کی۔ ہم نے اس کو اُتارا ہے قرآن عربی زبان کا شاید تم بوجھو۔ ہم بیان کرتے ہین تیرے پاس بہتر بیان اسواسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بیخبرون مین

الرٰ۔ الف لام را۔ ابو علی فارسی نے کہا کہ ان حروف سے انکی مسمی مراد ہین یعنی اسے الف اول سے لام اور رے سے را مقصود ہے اور ہر ایک پر وقف ہے اور شیخ حافظ رح نے لکھا کہ ان حروف مقطعہ کے معنی مین اول سورہ بقرہ الم مین گفتگو ہو چکی ہے اور حق راجح ومختار براہ اصل معنی ومراد کے شیخ سیوطی مفسر رح کا یہ ہے کہ انکی مراد سے اللہ تعالیٰ ہی دانا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ بھید ہے اللہ تعالیٰ و اسکے رسول علیہ السلام کے درمیان کہ سوائے رسول علیہ السلام کے کسی کو یہ مرتبہ نہین کہ ان اسرار کو سمجھے اور یہ قول بھی اچھا ہے اور مفصل کلام الم مین گزر چکا اور دونون قول مین اسطرح توفیق ممکن ہے کہ جیسے قیام جنت و اسکا آرام بالفعل آدمی کو محسوس نہین اگرچہ ایسا ہونے کا یقین ہے تو اس راہ سے اسکی تاویل کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہے یا جیسے قیامت قائم ہونے کا وقت معین اگرچہ ہر مومن وقوع قیامت کا یقین کرتا ہے اور اس راہ سے کہ اسکے اسرار سے انکشاف وعلم ہو جیسے قیامت کے آثار تو اسکا علم آنحضرت صلعم کو ہوا اور بعض علماء متقدمین ومتاخرین نے زعم کیا کہ اہل ایمان کو اسکا علم ہو سکتا ہے مگر دوسری وجہ مذکورہ کے طور پر چنانچہ شیخ ابن تیمیہ رح نے اسکو مفصل ذکر فرمایا ہے پس ائمہ حنفیہ نے جو کہا کہ انکا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہین ہے تو پہلے معنی کے موافق ہے اور امام شافعی رح نے جو کہا کہ مومنین راسخین کو ہوتا ہے تو دوسرے معنی کے موافق ہے

واللہ اعلم۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ یہ آیتیں ایسی کتاب کی ہیں جو مبین ہے یعنی جو واضح روشن ہے جو مبہم امور کو صاف روشن
کرتی ہو اور ان کو بیان سے ظاہر کر دیتی ہے کذا قال الحافظ۔ مبین از آبانہ باب افعال ہے تو بعض نے اسکو متعدی کہا یعنی دوسرے
امور کو بیان سے صاف جدا کرنیوالی اور شیخ مفسر وغیرہ نے لازمی معنی پر محمول کیا یعنی خود واضح و روشن اور شیخ حافظ نے گویا دونوں
کو جمع کر دیا کہ خود بھی واضح ہے اور حق و باطل میں فرق کرنیوالی بھی ہے۔ زجاج نے کہا کہ حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے
جدا ظاہر کرنیوالی ہے اور ایسا ہی ابو رجاء سے مروی ہو۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ سراج میں کہا
کہ تقدیر کلام یہ ہو۔ انا انزلنا ہذا الکتاب الذی فیہ قصۃ یوسف حال کونہ قرآنا عربیا لکی تعقلوا وارادۃ ان تفہموا ما فیہ۔ یعنی ہم نے
اس کتاب کو جسمیں حضرت یوسفؑ کا قصہ ہے نازل فرمایا درحالیکہ وہ قرآن عربی ہے تاکہ تم خوب سمجھو اور لکھا کہ قرآن کے ایک سورہ کو
قرآن اسوجہ سے کہا کہ قرآن اسم جنس ہو جیسے کل پر بولا جاتا ہے ویسے ہی بعض پر بولا جاتا ہے۔ اقول صحیح یہ ہو کہ قولہ انا انزلناہ
ای انا انزلنا ہذا الکتاب حال کونہ قرآنا۔ میں اگر کتاب سے تمام قرآن مراد ہے تو اسکا قرآن عربی ہونا ظاہر ہے اور اگر فقط یہ سورہ
مراد ہو تو وہ توجیہ ہو جو سراج میں لایا ولیکن سراج کا یہ قول کہ ہذا الکتاب الذی فیہ قصۃ یوسف حال کونہ الخ پھر اسکے بعد توجیہ مذکور
مناسب نہیں ہو۔ حاصل معنی یہ ہیں کہ یہ سورہ قرآن مبین کی آیات ہیں ہمنے قرآن کو عربی نازل فرمایا تاکہ تم خوب سمجھ حاصل کرو بیان
وہم ہوتا تھا کہ شاید آنحضرت صلعم کی رسالت مخصوص بعرب ہے تو شیخ امام حافظ رحمہ نے اسکو دور کر دیا اسطرح کہ عربی زبان میں نزول
کچھ عرب کے آدمیوں پر مخصوص لحاظ نہیں ہو بلکہ اسوجہ سے کہ تمام زبانوں سے عربی زبان بہت فصیح ہو اور اسمیں الفاظ ایسے وسیع ہیں کہ
جو مضمون باریک کہ دل میں آوے اسکے لئے ایسے نفیس الفاظ ملتے ہیں کہ خوب ادا ہو سکتا ہے اور تھوڑے فرق کیلئے دوسرا لفظ موجود ہے
اسواسطے اشرف کتاب کو اشرف زبان میں اشرف الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اشرف الملائکہ جبرئیل علیہ السلام کی سفارت سے
اشرف قطعہ زمین یعنی مکہ معظمہ میں اشرف زمانہ یعنی رمضان میں نازل فرمایا پس ہر وجہ سے اسکی بزرگی بڑھ گئی اقول عرب میں نزول
کی وجہ یہ بھی ہو کہ ابتدائی تعلیم وہدایت اسکی عام لوگوں میں سے اشرف کو فرمائی یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کو بحکم قولہ کنتم خیر امۃ اخرجت
للناس الآیہ پس یہ بھی لاحق کرنا چاہیئے کہ اشرف لوگوں کی ہدایت کیلئے نازل فرمایا۔ اور یہ وہم نہ ہو کہ قرآن تو تمام روئے زمین کی
ہدایت کیلئے ہو صحابہؓ کی ہدایت کیونکر مخصوص ہوئی کیونکہ ابتدائی نزول اشرف لوگوں کیلئے واقع ہوا اگرچہ حکم و خطاب قیامت
تک کیلئے عام روئے زمین کے لوگوں کیلئے ہو اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ قولہ لعلکم تعقلون میں خطاب ان حضرات سے بوجہ انکے اشرف
ہونے کے ہو کیونکہ یہ بات بالیقین مسلم ہو کہ اہل عرب جو اسوقت موجود تھے انکی اولاد آخر تک اسمیں داخل ہیں حالانکہ بوقت لعلکم
خطاب کے پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تو ضمیر خطاب سے انھیں موجودین کا انحصار مقصود نہیں بلکہ انکی اولاد اور تمام روئے زمین کے لوگ
داخل ہیں ولیکن اللہ تعالیٰ نے ازلی خلقت سے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اشرف و اکمل اس شان ایمان و عبودیت میں
مخلوق فرمایا تھا اسیواسطے قرآن مجید میں اکثر خطاب انھیں حضرات کی طرف فرمایا ہو۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ ہم تجھ پر نازل کرتے ہیں یا بیان کرتے ہیں قصص میں سے احسن و بہتر بوجہ ہمارے وحی فرمانے
کے تیری جانب یہ قرآن یعنی ہم نے جو تجھ پر قرآن بوحی نازل فرمایا تو ہم تجھے قصص میں سے بہتر سناتے ہیں پس تمام قرآن نہایت
بہتر ہے اسی واسطے مروی ہو کہ قصص میں سے بہتر یہ قرآن ہو مقصود۔ کہ عوام جنکو معرفت ابتدا ہوا انجام نہیں اور نہ اپنی تہذیب نفس

وانسانی کمالات سے دور ہوئے بیہودہ دروغ و باطل یا بیفائدہ و بیحاصل باتون کو سنکر خوش ہوتے اور یہ نہین جانتے ہین کہ نفس
وشیطان کے پھندے مین گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مین بندگان صالحین انبیاء و مرسلین و انکی امتون و وقائع کو
ایسے نفیس اسلوب معجز بیان سے وحی فرمایا کہ آدمی قصہ سنے اور اس سے یہ فائدہ حاصل کرے کہ بُرے افعال جن سے اگلے ہلاک ہوئے ہین
ترک کرے اور اچھے افعال جن سے اگلون کا انجام بخیر ہوا ہو اختیار کرین اور یہ دنیا بالکل بے ثبات ہی [illegible] سے تعلق منقطع بہتر ہے
ورنہ دنیاوی فریب سے بھائی کا بھائی جانی دشمن ہو جاتا ہی حالانکہ خیال و تخیل و حاصل و محصول سب چند روزہ فانی ہی بعض نے کہا کہ
احسن القصص سے یہی قصہ یوسف علیہ السلام مراد ہی یعنی ہم اپنی وحی سے تجھے احسن القصص قصہ یوسف سناتے ہین۔ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ
اور بیشک تو ہمارے وحی فرمانے سے پہلے لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ البتہ اس قرآن یا اس قصہ سے غافل تھا مقصود یہ کہ قرآن مین ہم پے در پے
احسن قصص وحی فرماتے ہین تاکہ کسی کو شک ممکن نہو کہ اپنی طرف سے بیان کرتے ہین بلکہ یقین ہو جائے کہ یہ صحیح واقعات ایک اُمّی سے
صرف بوحی ہین لہذا واثق یقین کرین کہ آنحضرت صلعم بیشک رسول ہین چنانچہ مروی ہی کہ یہود مدینہ جنھون نے بواسطہ سرداران قریش کے
اس قصے کو دریافت کرایا تھا جب اپنے یہان کے روایات کو اس سورہ کے مطابق صحیح پایا تو ایک گروہ مسلمان ہو گیا قال المترجم آنحضرت
صلعم کے صدق رسالت کیلئے منجملہ دلائل کثیرہ کی یہ دلیل ہی کہ آپنے گزرے ہوئے پیغمبرون و انکی امتون کا حال خصوصاً اتفاقات
نبوت حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کو صحیح صحیح بیان فرمایا اور باعلان کہ جن قصص سے عرب غافل تھے انکو بیان فرمایا تو ممکن نہین کہ
کسی سے سنکر ایسے اعلان کے ساتھ دعویٰ کیا جائے خصوص جبکہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ دشمن ہو رہے تھے پس صریح ظاہر ہی کہ آپ
وحی الٰہی سے بیان فرماتے تھے اور یہ خصوصیت نہ تھی کہ جو آپ خود بیان فرماوین اسی پر مقصور ہو بلکہ جو پوچھا جاتا اسکو بیان فرماتے تھے اور
چونکہ جملہ انبیاء کی تعلیم خالص توحید تھی جس سے نفس و شیطان سے نجات و اپنا کمال حاصل ہوتا ہے تو انمین سے خاصکر حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے حالات کثرت سے بیان فرمائے کیونکہ حضرت موسیٰ کے امتی ہونے کے مدعی یہود بہت عرب مین موجود تھے اور
سب دشمن تھے تو کبھی ممکن نہ تھا کہ کچھ حال ظاہر کرتے بلکہ آپکی وحی سے اپنی کتابون کی روایات صحیح پاکر تصدیق کرتے تھے اگرچہ حسد و
عداوت سے بہتیرے ایمان نہین لاتے تھے چنانچہ یہ بات بھی صاف اُن سے کہدی گئی اور اللہ تعالیٰ نے جابجا تفصیل فرمائی کہ بعضے دنیا
کے لالچ سے وحی و رسالت کی تصدیق چھپاتے ہین اس بیان سے یہ بھید بھی ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء مین سے حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے حالات کو کیون زیادہ بیان فرمایا ہے۔ سراج وغیرہ مین ہی کہ اگر احسن القصص سے مراد یہی سورہ یوسف ہی تو
اسکا احسن ہونا اس وجہ سے ہی کہ اس قصہ مین دین و دنیا کے فائدے و عبرت و اشارات و حکمت بہت ہین اور اسمین بادشاہون
سے غلامون تک کے برتاؤ اور عورتون کے مکر و دشمنون کی ایذا پر صبر اور قدرت کے وقت عفو کرنا وغیرہ اخلاق و اوصاف کا بیان ہی
اور بعض نے کہا کہ اسمین حبیب و محبوب کے حالات و اشارات ہین اور منجملہ عزائم اخلاق کے اسمین عفت یوسف کا بیان ہی خالد بن معدان نے
کہا کہ جنت مین اہل جنت اس سورہ یوسف سے اور سورہ مریم سے تفکہ کرین گے مترجم کہتا ہے کہ یہ اشارہ بلیغ ہے اسکو مرد کامل
سمجھتا ہی۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ جو شخص محزون ہو اگر دل لگا کر سورہ یوسف سُنے تو اسکو اسطرف راحت ہوگی۔ شیخ امام حافظ
رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مین اس مقام مین فوائد سے توضیح کے ساتھ جو لکھا اسکا خلاصہ یہ ہی کہ ابن جریر و حاکم نے سعد بن ابی وقاص
اور ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم پر قرآن نازل ہوا تو ایک زمانہ تک آپ لوگون کو سناتے رہے صحابہ رض

عرض کیا کہ ہم امیدوار تھے کہ آپ ہم سے اگلون کے حالات بیان فرماتے (یعنی وحی خفی کے ساتھ) تاکہ دلیری ہو پس اللہ تعالیٰ نے اس امید کو وحی
جلی سے پیدا فرمایا، تو نازل ہوا قولہ الٓر تلک آیات الکتاب المبین الآیات۔ پھر انھون نے آرزو کی کہ آپ ہم سے حدیث فرماتے تو نازل ہوا
قولہ اللہ نزل احسن الحدیث کتابا الآیۃ۔ اور ابن جریر رح نے اسکو عون بن عبداللہ سے مرسل روایت کیا اور آخر مین ہو کہ انھون نے حدیث
چاہی تو اللہ تعالیٰ نے احسن الحدیث کی راہ انکو بتلائی اور انھون نے قصہ چاہا تو انکو احسن القصص کی راہ بتلائی۔ مترجم کہتا ہو کہ اس سے
ظاہر ہے کہ قرآن مجید کتاب عظیم کریم کافی شافی ہو اسکی فہم کے ساتھ کسی دوسری چیز کی ضرورت نہین رہتی اور رہی احادیث تو وے
اسکی فہم کیلئے مستند ہین قال الحافظ الامام رح جب اس آیت سے ظاہر ہوا کہ قرآن مجید دوسری کتابون سے مستغنی کرتا ہے تو اسکی مؤید
احادیث کا ذکر کرنا یہان مفید و مناسب ہے۔ چنانچہ امام احمد رح نے اپنی اسناد سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت
عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہود سے ایک کتاب پائی اسکو آنحضرت صلعم کے پاس لائے اور آپکو پڑھ سنائی تو آپ غضب مین ہو گئے اور
فرمایا کہ اے ابن الخطاب کیا تو اسمین متہوک[1] ہے حالانکہ قسم اس پاک کی جسکے قبضہ قدرت مین میری جان ہو کہ مین اسکو تمھارے پاس
پاکیزہ وصاف لایا ہون تم یہود دیون سے کچھ مت پوچھو ایسا نہو کہ یہ بیباک لوگ کبھی تم کو سچی بات بتلادین مگر تم انکو جھوٹا بتلاؤ[2] اور کبھی تمکو باطل
بات بتلادین مگر تم اسکو سچ مان لو اور قسم اس پاک کی جس کے قبضہ قدرت مین میری جان ہو کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتا تو اسکو کوئی چارہ نہوتا سوائے
اسکے کہ میری پیروی اختیار کرے۔ امام احمد نے لکھا کہ حدثنا عبدالرزاق قال حدثنا سفیان عن جابر عن الشعبی عن عبداللہ بن ثابت کہ انھون نے
کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کیا کہ قریظہ مین سے ایک بھائی کے پاس میرا گزر ہوا اسنے میرے واسطے
توریت مین سے ایک مجموعہ لکھدیا مجھے اجازت ہو کہ مین اسکو آپکی خدمت مین سناؤن پس آنحضرت صلعم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا عبداللہ بن
ثابت کہتے ہین کہ مین نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم آنحضرت صلعم کے چہرہ پر آثار نہین دیکھتے ہو پس حضرت عمر رض نے کہنا شروع کیا کہ رضینا
باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا۔ ہم دل سے راضی ہین کہ رب ہمارا اللہ تعالیٰ ہے اور دین ہمارا اسلام ہے اور محمد صلعم ہمارے لئے رسول
ہین عبداللہ کہتے ہین کہ وہ غضب آنحضرت سے جاتا رہا اور فرمایا کہ قسم اس پاک کی جسکے قبضہ مین محمد کی جان ہو اگر موسیٰ تم مین زندہ ہوکر
آوے پھر تم مجھے چھوڑ کر اسکی پیروی کرو تو بے شک گمراہ ہو جاؤ تم خلوق مین سے میرا حصہ ہو اور نبیون مین سے مین تمھارا حصہ ہون
ابویعلی الموصلی نے اپنی اسناد کے ساتھ خالد بن عرفطہ سے روایت کی کہ مین حضرت عمر کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے مین قبیلہ عبد القیس کا ایک
شخص آپکے پاس پکڑا آیا آپنے اسکو فرمایا کہ تو ہی فلان بن فلان العبدی ہے اسنے کہا کہ ہان آپنے کہا کہ تو ہی مقام سوسن مین رہنے لگا
اسنے کہا کہ ہان پس خرما کی پھڑیون سے جو آپکے پاس تھین اسکو مارا اسنے عرض کیا کہ اے مومنون کے سردار میرا کیا قصور ہو آپنے حکم دیا
کہ بیٹھ وہ بیٹھ گیا پس آپنے اسکو پڑھکر سنایا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الٓر تلک آیات الکتاب المبین۔ تا قولہ لمن الغافلین تین بار اس کو
پڑھکر سنایا اور تین بار اسکو مارا اسنے کہا کہ امیر المومنین مجھ مین کیا خطا و قصور ہو فرمایا کہ تو ہی ہے جسنے دانیال پیغمبر کی کتاب کو لکھا ہو اسنے
کہا کہ آپ مجھے دین اسلام کا حکم دین مین اسکی پیروی کرون آپنے کہا کہ جاکر اسکو گرم پانی اور صوف سے مٹادے پھر مت پڑھ اور کسی کو
مت پڑھا پھر اگر مجھے خبر پہونچی کہ تو نے اسکو کسی آدمی کو پڑھایا تو مین تمکو عبرتناک سزا دونگا پھر فرمایا کہ بیٹھ جا وہ بیٹھا تو
فرمایا کہ مین نے جاکر یہود سے ایک کتاب نقل کی اور چمڑے کے قطعات لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوا آپنے
فرمایا کہ اے عمر یہ تیرے ہاتھ مین کیا ہو مین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ مین ایک کتاب نقل کرلایا ہون تاکہ ہم اپنے علم کیساتھ اس کو

ملاکر پڑھا ہیں پس آنحضرت صلعم غضبناک ہوگئے یہان تک کہ آپکے رخسار ہائے مبارک سرخ ہوگئے پھر نماز کیواسطے آواز دی گئی کہ الصلوٰۃ جامعۃ پس انصار رضی اللہ عنہم نے آپس مین کہا کہ دیکھو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غضبناک کر دیا گیا ہے ہتھیار لاؤ ہتھیار لاؤ۔ پس سب مسلح ہو کر آئے اور آپکے منبر کو سب طرف سے حلقہ کر کے کھڑے ہوگئے اور آنحضرت صلعم نے منبر کے اوپر سے فرمایا کہ اے لوگو مجھے جوامع الکلم وخواتیم عنایت ہوئے ہین اور میرے واسطے نہایت بلیغ اقتصار فرمایا گیا ہو اور قسم ہے کہ مین ان کو تمہارے پاس پاکیزہ صاف لایا ہون پس تم تھوک نہ کرنا اور تھوک کرنے والے تمکو فریب مین نہ ڈالین عمر رضہ نے کہا کہ مین خوف زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ رضیت باللہ ربا" بالاسلام دینا ونبیک نبیا پس آنحضرت صلعم منبر سے اُتر آئے۔ قال الشیخ الحافظ اسکو ابن ابی حاتم نے بھی مختصراً روایت کیا و لیکن اسکی اسناد مین عبدالرحمن بن اسحاق ابو شیبہ الواسطی واسکا شیخ خلیفہ بن قیس دونون راوی ضعیف ہین چنانچہ امام بخاری نے کہا کہ اسکی حدیث صحیح نہین ہو۔ شیخ ابن کثیر نے کہا کہ اس روایت کا شاید دوسرے راویون سے ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی نے جبیر بن نفیر سے روایت کیا ہو پھر اسکو مطول ذکر کیا اور اسمین مذکور ہے کہ حضرت عمر رضہ کی خلافت مین شہر حمص مین دو آدمیون نے یہود سے کچھ کلمات لکھے تھے اور حضرت عمر رضہ سے پوچھنے آئے تھے کہ ہم یہان اہل کتاب کے دیس مین ہین وے ہم سے اپنی باتین بیان کرتے ہین جس سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین تو ہم لیوین یا نہین پس انکو سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تمنے کچھ لکھا ہے تو مین تم کو اس امت کے لیے عبرتناک نمونہ عذاب کا بنا دونگا پھر اپنا قصہ نقل کیا اور اسمین ثابت ہو کہ خیبر کے کسی یہودی سے لکھ لائے تھے اور جب سنانے مین آنحضرت صلعم کے چہرہ کو غضبناک سرخ دیکھا تو مارے ڈر کے زبان بند ہوگئی اور آگے ایک حرف نہ چلا پھر آنحضرت صلعم نے اس تحریر کو مٹا دیا اور فرماتے تھے کہ ارے ان لوگون کی پیروی مت کرو یہ لوگ تھوک ہوئے اور ہے یہ لوگ تھوک ہوگئے ہین پس ان دونون نے جا کر جو کچھ لکھا تھا اسکو قدآدم گڈھا کھود کر گاڑ دیا ابوداؤد نے مراسیل مین اسکے مانند روایت کیا۔ قال المترجم ان زمانہ مین لوگون مین یہ شامت ہو کہ اگر کہا جاوے کہ جو کوئی نماز مین بیباکی کرے نہ پڑھے تو عذاب جہنم مین پڑے گا اگر توبہ نہ کی ہو اور وہ عذاب سخت شدید ہے تو انکو کم اثر ہوتا ہے اور اگر کہا جاوے کہ بے نمازی کو آگ کی زنجیرون مین کسکر اسکے ناخنون مین آگ کی کیل میخین ٹھونکی جاوینگی اور پیرون مین کیلین کہ دماغ مین پھوٹین گی اور کھال پر یون عذاب ہوگا اور سر پر اسطرح و پیٹ پر اسطرح الغرض ایسی باتین کوئی واعظ کہے تو عوام اُسی کیطرف جھکتے دوڑتے ہین حالانکہ اُسنے اپنی طرف سے باتین گڑھ کر وعظ نصیحت بنائین جیسے یہود کرتے تھے اور یہ خود کبیرہ گناہ ہے اور یہ واقع ہوا جو امام اثناعشری وغیرہم نے قولہ تعالیٰ یاایہا الذین آمنوا ان کثیرا من الاحبار والرہبان الآیہ سے استفادہ کیا کہ اس اُمت کا عالم بگڑ کر یہودوالون سے مشابہ ہو جائیگا اور فقیر درویش بگڑا ہوا نصرانی درویش سے مشابہ ہوگا استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ہو اللہم ثبت اقدامنا علی الاسلام والایمان ف فی العرائس قولہ تعالیٰ الٓر۔ الف اشارہ بجانب انانیت توحید ہی اور لام اشارہ بجانب نکرت اہل تجرید ہے۔ اور را اشارت بجانب اہل التفرید ہے اقول تحقیق الٓمٓ مین گذری اور وہین بیان ہوا کہ حقائق مراد سے سوائے حق تعالیٰ کے کوئی آگاہ نہین اور خاصہ اسرار ہین سے آنحضرت صلعم مثل اپنے مرتبہ کے اخص علم سے مشرف ہین اور دیگر راسخین فی العلم کو موافق اپنے اپنے مراتب کے وقوف ہے اور شیخ محدث مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی فی الجملہ علم متشابہات کے حصول علم پر بعض کتب مین تصریح کر دی ہے اور جو کچھ شیخ نے

ذکر کیا وہ ہماری نسبت کر کے خود بمنزلہ متشابہ کے ہو اور اس سے وہی آگاہ ہوگا جو اس مرتبہ تک واصل ہو فاللہ تعالیٰ اعلم۔ قولہ تعالیٰ
تلک آیات الکتاب المبین۔ مطلب اشارات ہیں تینوں حروف میں علامات معارف ہین جن سے صفات قدیمہ کی معرفت حاصل ہوتی
ہے حالانکہ ان صفات کے انوار خود صدیقین کے دلون مین مبین و ظاہر ہین اور ملک و ملکوت مین اُنکے آثار مشاہدہ ہین اور
ان حروف سے خطاب کرنے مین حکمت یہ ہو کہ اسرار خاصہ ایسے لوگون سے مخفی رہین جو ان اسرار کے لائق نہین ہین جیسے کفار
یا ان مین بالفعل ایسی استعداد نہین ہو جیسے عوام مسلمین۔ **قال المترجم** ظاہرا استعداد کا مرتبہ وہ ہے کہ علم ہو اور رسوخ ہو
اور امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہو کہ عالم با عمل کو راسخ فی العلم کہتے ہین اور بعض آثار مین وارد ہو کہ جو کوئی علم سیکھے اور اُسپر
عمل کرے تو اسکو اللہ تعالیٰ ایسا علم دیتا ہے جسکو وہ جانتا نہ تھا اور مراد یہ ہو کہ ان علوم ظاہری سے جو سیکھے جاتے
ہین اور ہر کوئی جانتا ہے کہ علم فقہ و حدیث و تفسیر ہے اسکے سوائے بھی ایسی چیز کا علم دیتا ہو جو اسطرح معلوم نہ تھی اور یہی علم
کشف و عیان ہو اور یہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اس مرتبہ تک نہین پہونچا اگر اسپر علم کشفی ظاہر کیا جاوے تو وہ ضرور انکار کر جاویگا کیونکہ
وہ اس قبیل سے نہین ہے اور بعض لوگون نے یہ زعم کیا کہ کشف سے نور بصیرت ہوتا ہے جس سے بعض دلائل و مسائل واضح معلوم
ہو جاتے ہین اور یہ زعم بالکل غلط و وہم ہے اُسنے موافق اصطلاح منطقین کے ایک کیفیت کو تصور کیا جسکو وہ لوگ علم کہتے ہین اور
وجہ اسکی یہ واقع ہوئی کہ اسنے کشف کے لفظ سے ظاہری طور پر بحث کی کیونکہ علم اُنکے نزدیک انکشاف ہو یا انکشاف اسکو لازم ہے
حالانکہ یہ علم کشف دیگر چیز ہے اسکو چاہو کشف وغیرہ کسی لفظ سے تعبیر کرو بدون اس مرتبہ کے حاصل ہونے کے کبھی اس سے
آگاہی نہین ہو سکتی ہے اور یقین کرو کہ بندہ ضروری شرائع و اصل عقائد سے آگاہ ہو کر عمل مین اخلاص و طاعت مین مجاہدہ سے
درجہ قبولیت پاتا ہے اور اسکو علم کشفی حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ اصول فقہ و دلائل و علم روایت وغیرہ سے ویسا ہی رہتا ہے جیسا
پہلے تھا اور اکثر آدمی ان علوم ظاہری مین بدا طاق شہرہ آفاق بمباحث جدلی ہوتا ہے مگر علم کشف سے بیخبر محض اور کچھ شک
نہین کہ مقصود و مراد یہی کشف ہو اور اس علم جدلی ظاہری کو اس سے اسقدر نسبت سمجھنا چاہیئے جیسے تخت پر آرام و جلوس کیلئے
کوئی شخص بخاری سیکھے بلکہ کثرت ایراد و دفع جو ظاہر مین محمود ہو در واقع بقول علامہ جلال دوانی رحمہ اللہ کے سخت مذموم و جہالت ہو
و تمام البحث فی المقدمہ یہان مقصود صرف اسی قدر ہے کہ عموماً ظاہری تعلیم قرآن پاک کی موافق فہم عوام ہو کیونکہ اُنھون نے
ہنوز راہ ہی نہین اختیار کی تو مقصود تک واصل ہونا کیسا پھر جو کوئی راہ اختیار کرنے مین سخت حجت و دلائل کر کے ایک قدم
بڑھانے کیلئے آمادہ ہو بھلا وہ کیا قدم بڑھاویگا اور کب اس منزل دور دراز کو طے کریگا وہ تو علامہ فہامہ ہو کر ابھی
راہ ہی نہین چلا اور ہر قدم پر اسکو ہزارون وسوسہ آتے ہین جنکے دفع کرنے مین عمر برباد کرتا جاتا ہو تو جب علامہ کا
یہ حال ہے تو ابتدائی تعلیم جن کو کی جاوے وے کیونکر اسرار سے واقف ہونگے تو خطاب ہین اسرار کیلئے حروف ہین جن سے
حضرت سید المرسلین افضل النبیین خیر الخلائق اجمعین کو آگاہ فرمایا اور پھر آپکے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اُمت اُمی تھے
نہ حساب نہ کتاب کچھ نہین جانتے تھے واقف ہوے حالانکہ وے خیر الامم تھے تو اسرار سے وقوف مخصوص ہو فافہم شیخ نے کہا کہ
یہ ایک خاص طریقہ بندون مین بھی معروف ہو کہ دوستون کے رموز سے دوست ہی واقف ہوتے ہین انکو حجاب و
پردہ مین اظہار کیا جاتا ہے استاد نے کہا کہ یہان ایک لطافت ہو کہ ان حروف سے آدمی کبھی اپنے نفس پر مغرور نہ ہوگا

اگر اس نے ان حروف عجائب ملک و ملکوت و اسرار کثیرہ سمجھ لیے تو وہ اسی حد تک یا پس عوام سے اتنا امتیاز ہوا اور اگر کچھ نہین
سمجھا اور منکشف نہوا تو وہ محض جاہل عامی ہے پس وہ ہنوز غائب پڑا ہے حضوری سے اسکو کچھ حصہ نہین ہی اور یہ بھی کہا کہ
یہان کتاب مبین سے آنحضرت صلعم کو اشارت ہی کہ حکم سابق ازلی قدیم یون جاری ہوا ہے کہ ایسے مرتبہ پر پہونچائے جادین
کہ کوئی اور اس مرتبہ کو نہین پہونچا۔ **قال المترجم** ابتدا مین آنحضرت صلعم نے جوش توحید و معرفت مین مقام امتحان کے
مشاہدہ سے دیگر انبیاء کو ایک نوع کی تفضیل دی اور آخر مین اپنے مرتبہ پر فائز ہو کر آگاہ فرمایا کہ ایک درجہ مقام محمود ہے
وہان ایک ہی بندہ واصل ہوگا اور مجھے اُمید ہی کہ وہ مین ہی ہون واضح ہو کہ یہ اُمید کا لفظ رعایت ادب ہے ورنہ
حق تعالیٰ نے قولہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً ۔ مین منصوص فرمادیا ہی اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وابعثہ مقاما محمودا وعلیٰ آلہ
وصحابہ وسلم کثیراً ۔ ثم قال الشیخ فی قولہ تعالیٰ نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک جب حق سبحانہ تعالیٰ نے حبیب صلی اللہ
علیہ وسلم کو مقام التباس سے تجلی جمال فرمائی اور افعال قدس سے عشق مظاہر سے ظہور مظاہر چاہا حالانکہ آنحضرت صلعم کو
مشاہدہ ازل کا یہ عہد غیر نظر آیا تو اس قصہ سے تسلی فرمائی کہ عشق مرکب اہل الصدق ہے کیونکہ عشق انسانی آئینہ جمال حقیقی ہوتا ہے
قال المترجم شیخ کی ظاہر عبارت طولانی سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم عاشق و بعض ازواج مطہرات معشوق کے
التباس مین ظہور ہوا ولیکن مترجم نادان کو اس سے اعراض ہی بلکہ تمام مخلوق و مظاہر کیلیے آنحضرت صلعم محبوب تھے اور عشق آپکا
ظاہر نہین اور نہ اُمت مین سے کسی بزرگ کا مین نے قول دیکھا لہذا میرے نزدیک شیخ کی مراد شاید یہ ہو کہ اس قصے التباس
ظہور امتحان زلیخا بعشق حضرت یوسف علیہ السلام سے وصول زلیخا کا بمنازل ازل ہونا آپ پر نازل فرمایا جس سے آپ کو
تحمل اشتیاق عشق حق عز وجل مین تسلی ہوا اور حدیث مین بھی منصوص ہی کہ آپنے فرمایا ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا
یعنی سوائے پاک حق سبحانہ تعالیٰ کے اگر خلت کیلیے جگہ مجھ مین ہوتی تو کسی فرد بشر کیلیے سوائے ابوبکر کے نہ ہوتی اور خلت کو کمال عشق
سے ائمہ صوفیہ نے تفسیر فرمایا ہی پس کمال عشق آپ کو منحصر بحضرت عظمت حق سبحانہٗ جل شانہ سے تھا اور خود محبوب بھی تھے
اور باقی تمام مخلوق کیلیے سوائے ملائکہ و وحوش کے جنمین استعداد عشق نہین ہی سب اہل استعداد کیلیے آپ محبوب بمعنی عشقی سے تھے
اور یہی دیدار خاص تھا جو آپکی دنیاوی حیات مین مخصوص تھا اور وہ بدبخت کافرون کو حاصل نہوا لقولہ تعالیٰ تریٰھم ینظرون الیک وھم
لایبصرون بلکہ مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم مومنین صادقین کو اس اشرف و اعلیٰ کرامت سے مخصوص فرمایا گیا و ذلک فضل اللہ یؤتیہ
من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم پس حضرت یوسف پر زلیخا نے ہاتھ نہین کاٹا بلکہ زنان مصر نے ایسا کیا تھا اور یہان آنحضرت صلعم پر
صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہاتھ کیسا جان پر بہتر زخم برداشت کرتے اور تلوار و خنجر کھاتے اور آنکھون کے ڈھیلے نکل آتے اور پھر ویسے ہی پروانہ
کی طرح فدا ہوتے تھے چنانچہ احادیث و تفاسیر صحاح روایات سے مصرح ہین پس یہ مقام خوب غور سے دیکھنا چاہیے اور شیخ عارف
سے مجھے مخالفت نہین مگر شاید مین شیخ کے کلام کو نہ سمجھا ہونگا اسی قدر مین کہہ سکتا ہون و اللہ تعالیٰ اعلم بمراد عبادہ ۔ پھر شیخ نے
لکھا کہ اس قصہ کا احسن ہونا اس وجہ سے ہی کہ ارواح عاشقہ کے مراتب ہین ایک عشق انسانی کا بیان ہی کہ اس مرتبہ پر تھا اور
یہان سے عشق الوہیت پر بلند پرواز ہوا اور قصہ عاشق و معشوق کو احسن اس وجہ سے فرمایا کہ اسمین نظائر اور عبرت کثیر و ذوق
شوق و فراق و وصال اور سختی و مصیبت کا بیان ہے اول اور عزت حسن ازل اور پستی ہمراہ بلندی اور فنا ہونا ہر حسن و کمال کا

اور بقا حسن ازلی لایزال کا اور ارشاد خلائق بحسن ازل از نبوت حضرت یوسف علیہ السلام کہ باوجود اس حسن کمال کے عاشق
حسن لایزال و بندہ خاشع و خاضع تھے ہر حال میں مطیع و صابر تھے اور ماسوائے اسکے بہت کثرت سے اشارات ہیں۔ قال الشیخ
شان یوسف علیہ السلام ہمہ تن عشق تھی چنانچہ باپ عاشق ہوئے اور جس نے دیکھا عاشق ہوا کیونکہ جمال قدیم کا حسن انکے
چہرہ سے عیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں آئینہ تھے۔ اقول اس مقام سے عشق کا اندازہ ظاہری صورت سے ہو سکتا ہے
مولوی روم علیہ الرحمۃ نے کہا ؎ عشق بن گزین سر و گر زان سر است ؛ عاقبت مارا بدان سر رہبر است ؛ عوام نے سمجھا کہ عشق حقیقی
ہو یا مجازی ہو انجام اسی طرف ہے یہ محض غلط فہمی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ مرید ہو یا مراد ہو یعنی قبولیت حاصل ہونے و وصول
کیلئے خواہ بندہ ازل میں مرید ہوا جیسے اکثر اہل ارادت وجد و جہد ہوتے ہیں خواہ مراد ہوا کہ وہ مقصود و اشرف ہوتا ہے جیسے موسیٰ
علیہ السلام۔ اور مجازی عشق کی نسبت خود لکھا ؎ عاشق صنع خدا با فر بود ؛ عاشق مصنوع او کافر بود ؛ عشق آن بگزین
کہ جملہ انبیا ؛ یافتند از عشق او کار و کیا ؛ ؎ عشق بر مردہ نباشد پائدار ؛ عشق را بر حی و بر قیوم دار ؛ ؎ عشق آن نبود
کہ در مردم بود ؛ این فساد خوردن گندم بود ؛ دیکھو شیخ نے اس مقام پر تصریح کر دی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا عشق حضرت
یوسف علیہ السلام پر بجہت مشاہدہ حسن ازل تھا جو جوش شہوات کی کیفیات نفسانیہ سے کروڑوں کوس دور ہے ولیکن عشق زلیخا
و زنان مصر کا بمقتضائے شہوات تھا اور یہ مقام مشکل ہے امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء میں اور بعض متاخرین نے بھی فی الجملہ تشریح
لکھی ہے مترجم کو صرف اسقدر تنبیہ مقصود ہے کہ عوام اپنی سمجھ پر حسب متعارف زمانہ غرہ ہو کر گمراہ نہ ہوں قال الشیخ اور یہ قصہ چونکہ حسن
قدیم کا آئینہ ہے احسن القصص ہونا ظاہر کہ ہر حسن کا معدن وہی قدیم ہے اور یہاں لطیف اشارت ہے کہ تمام قصہ میں امر و نہی افعال
تکلیفی کا ذکر نہیں فرمایا گویا مرتبہ عشق کا وصل ان تکالیف عامہ سے بالا ہے۔ قول قال تعالیٰ عن نبیہ یوسف علیہ السلام انی ترکت
ملۃ قوم لا یؤمنون باللہ الآیۃ وقال یا صاحبی السجن الآیۃ۔ پس اصل توحید کی طرف اشارت ہے جس سے مقام عشق خالی نہیں ہوتا بلکہ
وہی توحید ہے فافہم بعض نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے جو مصیبت پہونچی وہ زیادہ تھی بہ نسبت اسکے جو آنحضرت
صلعم کو اپنی قرابتیوں سے پہونچی تو آنحضرت صلعم کو اسمیں تسلی ہے اور ارشاد ہے کہ یوسف نے ان سے انتقام نہ لیا تو آنحضرت
صلعم بھی عفو فرماویں کیونکہ یہ موارد قضا و قدر ہیں اقول مروی ہے کہ حضرت ذی النورین امیر المومنین عثمان نماز فجر میں کثرت
سے اس سورۂ شریف کو پڑھا کرتے تھے اور مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اسکی شفاعت
سے میری امت سے ستر ہزار یا مخلوق کثیر داخل جنت ہونگے دونوں کے مجموعہ سے اشارت سمجھ لینا چاہیئے علی بن موسی الرضا
عن ابیہ عن جعفر علیہم السلام نے کہا کہ عوام تو قصوں کے سننے میں مشغول ہوتے ہیں اور خواص بندے انسے عبرت حاصل کرتے
ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب بعض نے کہا کہ اس قصہ میں یوں رہنمائی فرمائی ہے کہ مومنین کا
احوال سچا ہوتا ہے اور متقین کے معنی کیا ہیں چنانچہ باوجود ہر طرح قدرت بلکہ زلیخا کی طرف سے اقتضا و جبر کے بخوف الٰہی تقویٰ فرمایا
متوکلوں کی راہ اختیار کرنی چاہیئے ایسے زاہد کی پیروی کی جاتی ہے سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہو سختیاں نازل ہونے
کے وقت اسی کی طرف التجا ہو مکار کا فریب کھل جاتا ہے اور کذاب ہمیشہ آخر خوار ہے اعلیٰ درجہ پر پہونچنے والے طرح طرح کی
محنتوں و مصیبتوں میں پھنستے ہیں لیکن انجام کو اعزاز و اکرام کے ساتھ چھوٹتے ہیں اقول ایک اشارہ ظاہر تھا وہ ذکر نہیں فرمایا یعنی زلیخا

ایک حسن فانی کیلیئے یہ شدائد اٹھائے حالانکہ وہ خود مختار نہ تھا تو حسن ازلی حی القیوم کے مدعی کس قدر محنت اٹھا کر مدعی ہین اللھم غفرانک غفرانک لا آلہ الا انت سبحانک ۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا کہ حسن قصہ یہ کہ جو اسمین مذکور ہین سب کا انجام سعادت ہی قال تعالیٰ

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

جسوقت کہا یوسف نے اپنے باپ کو اے باپ مین نے دیکھے گیارہ تارے اور سورج اور چاند

رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ○

دیکھے میرے تئین سجدہ کرتے

إِذْ قَالَ يُوسُفُ ۔ جمہور کی قراۃ بضم سین اور بعض نے بکسر سین و ہمزہ پڑھا اور یہ اسم عبرانی غیر منصرف بوجہ علیۃ و عجمہ ہونے کے ہی اور بعض نے عربی خیال کیا حضرت یوسفؑ کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی اور باپ اُنکے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ سب پیغمبر جلیل القدر ہین ذکرہ الشیخ المفسر فی التحبیر ۔ اہل تفسیر نے کہا کہ حضرت یوسف کے گیارہ بھائی اور تھے جنکی تفصیل آویگی ولیکن یعقوب علیہ السلام کو یوسفؑ سے سخت محبت تھی اور اُنکے بھائی اسی وجہ سے اُن سے حسد کرتے تھے اور کہا کہ حضرت یوسف نے بارہ برس کی عمر مین اور بعض نے کہا کہ سات برس بعض نے سترہ برس کی عمر مین شب جمعہ لیلۃ القدر کو خواب دیکھا کہ گویا گیارہ ستارے آسمان سے مع چاند و سورج اُترے اور مجکو سجدہ کیا پس اُنھون نے یہ خواب اپنے باپ سے بیان کیا قال الامام الحافظ ۔ انکے باپ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہین چنانچہ امام احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم یعنی یوسف پیغمبر علیہ السلام وہ برگزیدہ ہین کہ خود بزرگ و باپ بزرگ و دادا بزرگ و پردادا بزرگ یعنی پدر بر پدر بزرگی و شرافت حضرت یوسف کو حاصل تھی و رواہ البخاری فانفرد ۔ اور بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا کہ تم سب لوگون مین سے کون ہے فرمایا اکرمھم عند اللہ اتقاھم جو سب سے زیادہ متقی ہو وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے (یعنی اسمین حسب و نسب کو دخل نہین ہی) تو پوچھنے والون نے عرض کیا کہ ہم اسکو نہین پوچھتے ہین فرمایا ۔ فاکرم الناس یوسف نبی اللہ بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ یعنی نسب کی راہ سے اکرم وہ یوسف نبی اللہ ہے جو نبی اللہ یعقوب کا بیٹا اور نبی اللہ اسحق کا پوتا و خلیل اللہ کا پرپوتا تھا تب اُنھون نے عرض کیا کہ ہم اسکو آپ سے نہین پوچھتے تو فرمایا کہ کیا عرب کے معادن کو پوچھتے ہو اُنھون نے عرض کیا کہ ہان تو فرمایا کہ تم مین جو لوگ جاہلیت کے زمانہ مین بہتر تھے وہی اسلام مین بہتر ہین جبکہ وہ فقیہ ہوجاوین ۔ الحاصل اس سورہ مین اسی بزرگ پیغمبر علی نبینا و علیہ السلام کا قصہ حق عزوجل نے بیان فرمایا بقولہ ۔ اذ قال یوسف یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو سنادے یہ قصہ کہ جب یوسف نے بیان کیا لِأَبِيهِ ۔ اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے اسطرح کہ یَا أَبَتِ ۔ یا ابی و یا ابتی اے میرے پیارے باپ ۔ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔ مین نے خواب مین دیکھے گیارہ ستارے اور سورج و چاند ۔ گویا باپ نے خوب متوجہ ہو کر پوچھا کہ تو نے ان اجرام علویہ کو جنھین عقل نہین دی گئی ہی کیونکر دیکھا تو کہا ۔ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۔ مین نے اُنکو عقل والون کی طرح اپنے آپکو سجدہ کرتے دیکھا مفسرین نے کہا کہ چونکہ یہ اجرام سجدہ کرتے دیکھے تھے اسیواسطے رایتھم مین ضمیر ہم مثل عقلاء کے آئی ورنہ رایتھا آتا ۔ اور سجدہ سے مراد تعظیم ہو یا حقیقی سجدہ ہی اور یہی اقوی خیال کیا گیا اور کہا کہ جیسے

ہمارے یہاں تحیۃ سلام بدون سر جھکانے کے ہے انکے یہاں تحیہ سجدہ تھا اور بعض نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ سر ٹیکنے کے سجدہ کبھی سوائے خدا کے دوسرے کو نہ تھا پس مراد تعظیم کے طور پر جھک جانا جیسے اس زمانہ میں لوگ جہالت سے یہ فعل ممنوع کیا کرتے ہین کہ تسلیم و آداب لکر رکوع کرتے ہین پھر اس خواب کی تعبیر بقول اکثر مفسرین چالیس برس بعد ظاہر ہوئی اور بقول حسن بصری اسی برس بعد ظاہر ہوئی جبکہ والدین و بھائی سب مصر مین گئے کما فی قولہ وخروا لہ سجدا وقال یا ابت ہذا تاویل رویای من قبل - چنانچہ آخر سورہ مین آویگا - قال الامام الحافظ - اور ابن عباس رض نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب ایک وحی ہوتا ہے اقول خواب شرع مین تین طرح کا معلوم ہوتا ہے ایک خواب احلام ہین اور وہ شیطانی ہوتا ہے اور حدیث صحیح مین آیا ہے کہ جب آدمی ایسا مکروہ معاملہ دیکھے تو بائین طرف تین بار تھوک دے اور کروٹ بدل دے اور اسکو کسی سے ذکر نہ کرے انشاء اللہ تعالی کچھ مضر نہوگا اور ایک شخص نے بیان کیا تھا کہ مین نے دیکھا کہ میرا سر کٹکر زمین پر غلطان چلا جاتا ہے اور مین اسکے پیچھے دوڑا چلا جاتا ہون تو فرمایا کہ یہ شیطانی خیال ہے تم مین بعضون کو شیطان کیون مسخرہ بناتا ہے یعنی دل کو نورانی خیالات سے معابت رکھو اور اسمین دنیا کی شہوات کو جگہ نہ دو تو شیطان کو دل مین جگہ نہ ملیگی اور دوسرا خواب وہ ہے جسکی تعبیر کی حاجت ہوتی ہے اور وہ کچھ ایمان و صلاح پر موقوف نہین ہے ہان مرد ظالم تبہ کار مخلوق کو ایذا دینے والا نہ ہو ہان انوار ملکوتی سے البتہ کافر ازلی محروم ہوگا اور دنیاوی واقعات مین وہ بھی دیکھ سکتا ہے چنانچہ بادشاہ مصر نے جو خواب دیکھا تھا یا دونون قیدیون نے وہ عنقریب آویگا اور کہتے ہین کہ وہ آخر مین حضرت یوسف پر ایمان لایا تھا اور مومنون مین یا دو بندگان صالح جن کے پیٹ مین غذا کے ابخرات کم بھرے ہوتے ہین نورانی خواب سے مشرف ہوتے ہین اور حدیث مین تعریف ہے کہ سچا خواب منجملہ چھتیس یا چھیالیس اجزائے نبوت مین سے ایک جزو ہے اور یہ مخصوص بسعادت ازلی ہے اور خواب حضرت یوسف خود ماؤل تھا اور ان کو تعبیر خواب کا علم عطا ہوا تھا اور تیسرا خواب صریح صاف اور یہ اکثر مخصوص بنبوت ہے جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے پسر کو قربانی کرتے دیکھا اور یہ وحی ہے جیسا کہ ابن عباس رض نے فرمایا یعنی اسپر عمل کرنا واجب ہے اسیواسطے حضرت خلیل علیہ السلام نے قربانی کرنا اختیار کیا چنانچہ قرآن مجید مین منصوص ہے بخلاف دیگر امتیون کے خواب کے کہ جمہور علماء امت و تمام ائمہ حنفیہ متفق ہین کہ کسی آدمی کو خواب پر عمل کرنا مثل احکام شرع کے نہین چاہیے اور اسکا اعتبار نہ ہوگا اگرچہ وہ ولی ہو لیکن حکم شرع کی تعمیل مین اگر تائید ہو تو مضائقہ نہین ہے مثلاً اگر کسی نے خواب دیکھا کہ جیسے ایک بزرگ صورت کہتے ہین کہ تو بڑی مجلس جمع کر کے الٹی سیفی پڑھ تو تعمیل حرام ہے بلکہ کفر ہے یا مجلس کر کے حضرت عیسیٰ کے حالات بیان کر کے خیرات کر تو عمل کرنا ممنوع ہے یا دیکھا کہ کوئی مجھے جھڑکتا ہے کہ تو فرائض و سنن ادا کرنے مین سستی و کوتاہی کرتا ہے تو چاہیے کہ بیدار ہو کر استغفار کرے اور خوب کوشش سے ادائے فرائض و سنن پر قائم ہو بقدر مختصر بیان اس مقام پر کافی ہوگا انشاء اللہ تعالی - قال الامام الحافظ رح پھر علماء نے اس خواب یوسف کی تعبیر مین کلام کیا ہے بعض نے کہا کہ گیارہ ستاروں سے مراد گیارہ بھائی ہین اور شمس لفظ مؤنث سے مراد مان اور قمر مذکر سے مراد باپ ہین اور بعضے ابیہم کی ضمیر اہل عقل کے مانند فرمائی تو حاصل یہ ہوگا کہ مین نے گیارہ بھائیون و مادر و پدر کو اپنے آپ کو سجدہ کرتے دیکھا اب اس صورت مین یہ خواب صریح ہوگا ماؤل و معبر نہ ہوگا جسکا وقوع بعد چالیس برس کے ہوا اور کہا کہ یہی ابن عباس

وقتادہ وضحاک وسفیان ثوری وعبدالرحمن بن زید سے مروی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ خواب میں ستارے و سورج و چاند ہی کو دیکھا تھا تو جواب اول ہوگا پھر ابن جریر کے اسناد سے روایت لکھی کہ عبدالرحمن بن سابط نے کہا کہ آنحضرت صلعم کے پاس ایک یہودی جسکو بستانۃ الیہودی کہتے تھے آیا اور کہا کہ مجھکو اُن کو اکب کو یوسف نے سجدہ کرتے دیکھا تھا آپ مجھے بتلا دیجئے کہ اُن کے کیا نام تھے پس آنحضرت صلعم خاموش رہے کچھ جواب نہ دیا حتی کہ وہ شخص چلا گیا اتنے میں حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور ان ستاروں کے نام بتلائے تو آپ نے اسکو بلوا بھیجا اور فرمایا کہ اگر میں تجھے اسکے نام بتلا دوں تو کیا تو مسلمان ہو جائیگا اُسنے اقرار کیا کہ ہاں تو فرمایا کہ جریان۔ طارق۔ ذیال۔ ذو الکتفین۔ قابس۔ وثاب۔ عمودان۔ فلیق۔ مصبح۔ ضروح۔ فرغ۔ پس یہودی نے کہا کہ ہاں واللہ بیشک یہی نام ہیں۔ اسکو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابو یعلی الموصلی وابو بکر البزار وابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے اور ان سب کے اسانید میں شیخ سدی رہتے حکم بن ظہیرہ راوی ہے اور سدی رح کے شاگرد ون ثقات میں سے کوئی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا ہے صرف تنہا یہ شخص حکم بن ظہیرہ روایت لاتا ہے حالانکہ یہ شخص ثقہ نہیں ہے ائمہ علماء حدیث نے بیان کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور بہتون نے اسکو متروک کر دیا ہے اور جوزجانی نے کہا کہ یہ شخص ساقط الاعتبار ہے اور اسی نے حسن یوسف کی حدیث روایت کی ہے مترجم کہتا ہے کہ شیخ کے نزدیک اس روایت کا ثبوت نہیں ہے اور بیضاوی وکشاف وغیرہ نے بھی جابر رض کی ایسی ہی حدیث جسمین یہی نام وقصہ مذکور ہے ذکر کی اور اسی سے دوسرون نے بیان کی اور خفاجی علامہ نے حاشیہ میں لکھدیا کہ یہ نجوم جو اس حدیث میں وارد ہوئے ہیں رصد سے دریافت نہیں ہوئے۔ میں کہتا ہوں کہ پہلے یہ ثابت ہو کہ حدیث کو آپ نے فرمایا بھی ہے تب رصد وغیرہ کا ذکر مناسب ہوگا حالانکہ شیخ مفسر سیوطی رحنے در المنثور میں اس روایت کو لکھا اور بعین لوگون کا ضعفاء متروکین ہونا ثابت ہے اور سراج میں بھی لکھا کہ شیخ ابن الجوزی نے کہا کہ یہ روایت بنائی ہوئی موضوع ہے پس جسقدر صحیح ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستارے جنکی صورت ونام کچھ مذکور نہیں ہے مع چاند وسورج کے اپنے آپ کو سجدہ کرتے دیکھے اور اُس کو اپنے باپ سے بیان کیا ف فی العرائس قولہ اذ قال یوسف لابیہ الآیۃ۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف کے نام میں ی و س ف چار حروف جمع فرمائے ی یسار ملک۔ وا و وضاحت وجہ سین سر غیب پر اطلاع بطریق خواب وکشف۔ فاء وفور وفا عہد ازلی در اداے رسالت۔ پس انھین اوصاف سے یوسف نام ہوا بعض نے کہا کہ اسیف غلام کو کہتے ہیں اور ظاہر میں ان پر عبودیت طاری ہوئی تھی اور اسف حزن واندوہ کو کہتے ہیں جیسا کہ ان پر واقع ہوا تھا تو یوسف نام ہوا مترجم کہتا ہے کہ یہ اشتقاق بطور عربی زبان کے ہے اور تجھے معلوم ہو چکا کہ یہ لفظ عبرانی ہے تو معانی سے تعلق بہتر ہوگا اب بیان خواب یہ ہے کہ اہل صدق وصفا وقبولیت واصطفاء کا پہلا مرتبہ مکاشفہ یہی سچے خواب ہوتے ہیں پھر جب حالت تحمل قوی ہوتی جاتی ہے تو خواب سے کشف ہوتا ہے اور مکاشفہ کے درجات بہت ہیں جن کو میں نے کتاب المکاشفہ میں بیان کر دیا ہے اور ان معانی کے سمجھنے کے لیے سنو کہ حق تعالیٰ نے عالم ملکوت کی مثال ستارے وشمس وقمر سے فرمائی اور انھین سے انبیاء واولیاء کی تمثیل دی ہے پس شمس تو مثل ذات ہے اور قمر مثل صفات ہے اور کواکب مثال اسماء ونعوت ہیں اور میں یہان مکاشفہ کی اشکال نہین بیان کرنا چاہتا بلکہ جو کچھ یوسف کو کشف ہوا اسکا تھوڑا اجمال کہتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام آدم ثانی تھے کیونکہ جو لباس ربوبیت آدم پر تھا وہی یوسف پر تھا پس ملائکہ نے وہی لباس دیکھکر جیسے آدم کو تمام ملائکہ نے سجدہ کیا یہان یوسف کو اشراف انبیاء نے جو ملائکہ سے بہتر ہیں سجدہ کیا۔

اقول شاید برادران یوسف علیہ السلام کو انبیاء قرار دیا ہے اور قول یہی راجح معلوم ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہان ایک لطیف اشارہ ہے کہ خلیل علیہ السلام نے اس معنی کو بصورۂ شمس و قمر و کواکب سے مشاہدہ کرکے ہذا ربی کہا تھا اور یہ ملائکہ و انبیاء کیلئے آدم و یوسف کو سجدہ کیلئے مذہب ہے کیونکہ وہان تجلی حق سبحانہ تو اجرام فلکی سے تھی کہ جنکا وجود از صفت فعل یعنی افعال ہے اور یہان تجلی حق ان دونون سے تھی اور انکو مزیت ان اجرام فلکی پر ظاہر ہے تو نہین دیکھتا کہ قولہ تعالیٰ خلقت بیدی۔ اور نفخت فیہ من روحی۔ سے اختصاص خاص ظاہر ہے پس اجرام فلک کو لباس انوار ہیبت پہنایا تو سارے قوم کو انکی طرف ہیجان ہوا جیسے نور کو یہ انوار دیئے تو سر موسیٰ اسکی طرف مائل ہوا اور آدم و یوسف پر یہ انوار ظاہر کئے تو سر ملائکہ و انبیاء کو انکی طرف ہیجان ہوا پس اگر خلیل علیہ السلام حضرت آدم اپنے باپ کو یا یوسف اپنے فرزند کو دیکھتے تو اسرار ملکوت جو اجرام سماوی سے مشاہدہ کرتے تھے انمین بہت زیادہ پا "کاش اگر یہ سب لوگ مع آدم و یوسف کے انوار جمال سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم اجمعین کو دیکھتے تو دریائے حیرت مین غرق ہو جاتے اور ملائکہ آسمان سے اترتے کیونکہ آپکا نور معدن جمال قدم و ازل سے نہایت ہی انور و اشرق تھا اسمین ایک عجیب نکتہ توحید ہے کہ خلیل علیہ السلام نے جو کہا تھا کہ ہذا ربی یعنی اسلئے کہ معبود مسجود قرار دیا ہو تو صادق بیان کیا کہ جلال کبریا و ساحت عزۃ و بقا ہر اضداد و انداد سے پاک ہے وہان کوئی مثل و شریک نہین ہے اس معنی کو خلیل نے نور نبوت سے ادراک کیا تھا چنانچہ قوم کو خطاب کیا کہ انی بریٔ مما تشرکون۔ اسمین مرید کیلئے ادب ہے کہ جو مکاشفہ سے ظاہر ہوا اسکو استاد کے حضور مین عرض کرے تاکہ وہ کشف و خیال مین فرق کر دے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے خواب کی خوبصورتی اچھی معلوم ہوئی تو اپنے باپ سے اسکو بیان کر دیا اور یہی پہلا امتحان تھا جس سے بلا و مصیبت مین گرفتار ہوئے پھر جب یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کی تاویل و اسرار کو دیکھا کہ بھائیون کا مع والدین کے اس کے لئے خضوع ہے تو منع کر دیا کہ اپنے بھائیون سے نکہے چنانچہ فرمایا۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡيَاكَ عَلٰٓى اِخۡوَتِكَ فَيَكِيۡدُوۡا لَكَ كَيۡدًا ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۝

کہا اے بیٹے مت بیان کر خواب اپنا اپنے بھائیون پاس پھر وہ بنادینگے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے انسان کا صریح دشمن

قال یٰبُنَیَّ۔ کہا یعقوب نے اے میرے بیٹے۔ بُنَیَّ صغیر تصغیر جیسے طفلک وغیرہ اور یہ بنظر شفقت پدری ہے یا بنظر صغر سنی یعنی اے میرے بچے۔ لا تقصص رؤیاک علیٰ اخوتک۔ مت بیان کیجیو اپنا خواب اپنے بھائیون سے۔ فیکیدوا لک کیداً۔ کہ وے تیرے حق مین کوئی مکر باندھین یعنی تیرے ہلاک یا ایذا سخت کی تدبیر و حیلہ کرین۔ انّ الشیطان للانسان عدوٌّ مبینٌ۔ بیشک شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے چنانچہ انسان کی اصل ماں و باپ کو اسنے فضل و قرب کو منزلت مین دیکھکر دشمنی سے انکو جنت سے باہر اس محنت کے جنگل مین نکلوایا۔ حاصل یہ ہے کہ جب حضرت یوسف نے اس خواب سے خوش ہوکر اپنے باپ کو آگاہ کیا تو انھون نے نور نبوت و فراست سے اسکی تعبیر ظاہر اسقدر سمجھی کہ یہ منزلت عالی کی نشانی ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا ہوگی اور شاید یہ بھی جانا کہ ماں باپ و بھائی اسکے لئے خضوع کرینگے چنانچہ بعض مفسرین کا گمان ہے اور شاید یہ تاویل بھی

مصرح ظاہر نہ ہوئی ہو واللہ اعلم مگر اسقدر ضرور ظاہر ہوا کہ سب بھائیون سے شرف مین ممتاز ہون گے تو یوسف کو منع کرنا کہ اپنے بھائیون سے یہ خواب بیان نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ انکو شیطان رشک و حسد کا وسوسہ ڈالدے کہ وے تجھ سے عداوت کرین اور تیری ہلاکت کا حیلہ نکالین کیونکہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہی نہین چاہتا کہ کوئی آدمی شرف قرب الٰہی پاوے اور جب شیطان کو یہ قدرت نہین ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع بندے کے دل مین اپنا وسوسہ دوڑاوے اسطرح کہ وہ معصیت مین مبتلا ہو کر منزلت سے گرجاوے تو یہ کرتا ہے کہ دوسرے آدمیون کو جنمین گنجایش پاتا ہے اپنا وسوسہ ایسا دوڑاتا ہے کہ وے اس آدمی سے مکر و فریب کرین کیونکہ آدمی کو آدمی کی طرف بوجہ جنسیت کے التفات ہوتا ہے اسیواسطے حقیقی شیطان سے وہ آدمی زیادہ مضر ہوتا ہی جو شیطانی باتون کو مان لے اسیواسطے اکثر دیکھا گیا کہ اہل الخیر و اولیاء الٰہی کے بہت مین دشمن پیدا ہوتا ہی اور حضرت سفیان ثوری سے روایت ہے کہ جب کسی عالم کی تعریف سنتے تو اسکے دوست اور دشمن دریافت کرتے اگر معلوم ہوتا کہ اسکے دشمن بہت ہین تو اسکو متقی صالح جانتے تھے پس اس آیت سے ظاہر ہوا کہ جو کوئی اپنے خالق عزوجل کی طاعت و اخلاص مین مستعد ہو کر تقرب چاہے تو لوگ اکثر باغوا و وساوس شیطانی اسکے دشمن ہو جاتے ہین حتی کہ غیر تو درکنار اسکے بھائی برادر اسکے ساتھ حسد و عداوت کرکے اس کو ایذا دینے کے درپے ہو جاتے ہین تاکہ یہ شخص طاعت سے باز رہے یا خلل پڑے پھر اگر وہ مستقیم رہا تو اس استقامت کا درجہ بلند و منزلت عالی ہی اور ضرور انجام کار وہی غالب ہوتا ہے اور دشمن خوار و ذلیل ہوتے ہین لیکن ابتدا مین علی قدر مراتب امتحان اخلاص کی سنت الٰہیہ یونہی جاری ہی اور وہی رب تبارک تعالیٰ حکمت والا ہی اسیواسطے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کو بھائیون کے سامنے خواب بیان کرنے سے منع فرما دیا - قال الامام الحافظ رح یعقوب نے یہ خواب جسکی تعبیر یہ تھی کہ یوسف کے سامنے انکے بھائی بطریق اکرام و احترام کے ساجد ہون گے یوسف سے سنا تو ڈرے کہ بھائی سنکر حسد سے اسکی ہلاکت کے حیلے نکالین گے اور حقیقت مین یہ دشمنی از جانب شیطان ہوگی جو تقرب انسان نہین چاہتا لہذا بھائیون کے دل مین حسد کی آگ بھڑکائی ورنہ بھائی تو بھائی تھے اور جو بات اللہ تعالیٰ چاہے وہ پوری ہوتی ہی کسی حاسد کا حسد کچھ نہین کر سکتا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شیطان کو دشمن جانا اور بھائیون کو معذور فرمایا جیساکہ قصہ مین آویگا - سراج مین ہی کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ مین ایسا خواب دیکھتا جو مجھے بیمار ڈال دیتا یعنی اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھکر معاملہ مکروہ سے خوف زدہ و بیمار محزون و مغموم ہو جاتا تھا یہان تک کہ مین نے آنحضرت صلعم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حلم شیطان کی طرف سے ہی تو تم مین سے جو کوئی ایسی بات دیکھے جسکو وہ پسند کرتا ہے تو کسی سے بیان نکرے مگر جسکو محبوب رکھتا ہو اس سے کہے اور جب ایسی بات دیکھے جو بری جانتا ہی تو اسکو بیان نہ کرے اور بائین جانب تین مرتبہ تھوک دے اور اللہ تعالیٰ عزوجل سے پناہ چاہے شیطان رجیم و اسکے شر و بدی سے تو وہ خواب اسکو مضر نہ ہوگا واضح ہو کہ خواب نیک و بد سب کا خالق اللہ تعالیٰ عزوجل ہی اور جو حکمت الٰہیہ تدبیر عالم مین جاری ہی وہی یہان مؤثر ہی اسکے پیدا کرنے مین شیطان کو کچھ دخل نہین ہی پس حدیث مین جو نیک خواب کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تو اسکی نعمت کا شکر ادا کرنے کی جہت سے ہی چنانچہ دوسری صحیح حدیث مین صریح مذکور ہی کہ اسکے شکریہ مین اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور مکروہ خواب کو شیطان کی طرف نسبت بوجہ مناسبت کے ہی کہ شیطان بسبب عداوت کے موقع پاکر وسوسہ کے طور پر ایسے

مکروہ واقعہ کو حاضر کرکے آدمی کو ایذا اور دینے و غمگین کرنے سے خوش و راضی ہوتا ہے اسیواسطے اپنے قلب سے شیطانی اثر دور کرنے کیلئے
حدیث میں استعاذہ کا حکم ہے کہ شیطان کی بدی سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ذکر پاک دل میں آویگا پس شیطان کو جگہ
نہ ملیگی کیونکہ شیطان کو اسی قلب میں جگہ ملتی ہے جو یاد الٰہی سے خالی ہو یا قلب کا سویدا جو مثل آنکھ کی پتلی کے ہے وہ خالی ہو
اسیواسطے اکثر آدمی نماز روزہ کرتا ہے مگر دل کے بیچ میں دنیا کی محبت و شہوات کی لذت رکھتا ہے تو یاد الٰہی کا نور ادھر
ادھر کناروں پر آتا ہے اور شیطان کو بیچوں بیچ میں قابو ملتا ہے پس باوجود اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کے وسوسہ
دور نہیں ہوتا پھر یہ جو فرمایا کہ استعاذہ پڑھے اور تین مرتبہ بائیں طرف تھوکے اور دوسری روایت میں ہے کہ کروٹ بدل لے
تو سراج وغیرہ میں لکھا کہ غیب با سکے احوال سے اللہ تعالیٰ دانا ہے اور انبیا و صالحین کو جہانتک ظاہر فرمایا انکو آگاہی ہے
پس یہ اسباب اسنے سلامتی کے مقرر فرمائے ہیں جیسے کپڑا اوڑھنا سردی سے بچاؤ کیلئے اگرچہ سردی آنکھوں نہیں دکھلائی
دیتی لیکن حواس سے محسوس ہے اور یہ مقامات حواس سے اعلیٰ ہیں ۔ قال الامام الحافظ اور حدیث میں آنحضرت صلعم سے ثابت
ہے کہ جو کوئی تم میں سے ایسا خواب دیکھے جسکو پسند کرتا ہے تو اسکو بیان کرے اور اگر ایسا دیکھے جسکو مکروہ جانتا ہے تو کروٹ
بدل لے اور بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں اسکی بدی سے پناہ مانگے اور کسی سے اسکو بیان نکرے
تو وہ اسکو کبھی ضرر نہ کریگا ۔ امام احمد و بعض اہل السنن نے معاویہ بن حیدۃ القشیری سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا
الرؤیا علی رجل طائر الحدیث یعنی خواب مثل پرندکے اسپر پرواز کرتا ہے جبتک تعبیر نہ دیا جائے پھر جب تعبیر دیا گیا تو پڑتا
ہے ۔ قال الامام یہیں سے یہ حکم لیا گیا کہ نعمت کو پوشیدہ رکھنا چاہیئے یہانتک کہ وہ موجود و ظاہر ہو جاوے چنانچہ حدیث
میں ہے استعینوا علی قضاء الحوائج بکتمانہا الحدیث اپنی حاجتیں پوری ہونے پر انکی پوشیدگی کے ساتھ استعانت چاہو کیونکہ
ہر نعمت والا محسود ہوتا ہے کوئی نہ کوئی اس سے حسد کرتا ہے ۔ سراج میں ہے کہ حکماء ربانی نے کہا کہ رؤی خواب کی تعبیر جلدی
ظاہر ہو جاتی ہے اور نیک خواب کی تعبیر دیر میں کھلتی ہے اور فرمایا کہ اسکی حکمت یہ ہے کہ رحمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ بدی
سے اسیوقت خبر ہو کہ اسکا ظہور قریب ہو تاکہ غم و اندوہ کم ہو اور خیر سے آگاہی بہت پہلے سے ہو جاتی ہے تاکہ اسکی توقع
حصول میں مدت سے خوشی مناتا رہے چنانچہ خواب یوسف علیہ السلام کی تعبیر چالیس برس بعد ظاہر ہوئی فافہم ف
فی العرائس قولہ یابنی لاتقصص رؤیاک علی اخوتک الآیۃ اہل معرفت کی بھی ایسی ہی شان ہوتی ہے چنانچہ مرید کو روا نہیں
ہے کہ سر مکاشفہ کو افشا کرے لیکن استاد کے حضور میں بیان کرسکتا ہے اور اگر افشا کریگا تو حجاب میں پڑکر غیرت ازل میں
گرفتار ہوگا اور یعقوب ؑ اسوقت دیدار علم میں تھے ازلی حکم جاری ہونے سے نظر اسطرف تھی تو تدبیر سے اپنے فرزند کی نگہداشت
چاہی مگر صورت تدبیر عین تقدیر ہوگئی بعض نے کہا کہ اسوقت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزند پر خوف کرکے اسکی تدبیر چاہی
ولیکن ہونا جو ہوا اور اگر تدبیر چھوڑکر رضا و تسلیم کی طرف راجع ہوتے تو محفوظ رہتا اقول حدیث میں منع ہے کہ اگر ایسا ہوتا اور
اگر ویسا کرتے ان باتوں کا دروازہ شیطان کیلئے مت کھولو پس اگر کوئی کہے کہ ان بعض حضرات کا یہ کہنا کہ اگر تدبیر چھوڑکر تسلیم
کی طرف راجع ہوتے تو محفوظ رہتا عین تدبیر ہے جسکو بمقابلہ تقدیر کوئی قیام نہیں ہے ہاں اگر یہ ہوتا کہ بالکل خاموشی سے رضا
بتقدیر بنظر ثواب ہو تو درجہ عالی کی امید ہے بالجملہ اس مقام میں ایک طرح کی نمائش مقصود حضرات ہے کہ موافق ظاہر کے جو کام

ہاتھ و آنکھ و زبان وغیرہ سے مناسبت رکھتا ہو عمل مین لادے ولیکن ان جوارح کو کام مین لاتے وقت بھی قلبی نظر محض جریان قضا و قدر پر ہو تاکہ حسن تدبیر آلٰہیہ جو کائنات مین جاری ہو اُس سے مخالفت بھی نہو اور اصل حکم ازل جو پردہ امتحان سے اعلیٰ ہو اُس سے موافقت بھی ہو۔ پھر شیخ نے بعض حضرات کا قول نقل کیا کہ جب آنحضرت علیہ السلام نے کہا کہ اخاف ان یاکلہ الذئب اور کہا کہ لا تقصص رویاک۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسمین وہی نتیجہ دکھلایا جس سے خوف کرتے تھے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ تفویض و تسلیم بہتر ہوتی ہو تدبیر کے ساتھ چپٹے رہنے سے۔ اقول یعنی تدابیر مین ادنیٰ سے ادنیٰ طریقہ جس سے حکم تدبیر آلٰہیہ سے موافقت رکھنا ثابت ہو جاوے اختیار کرنا چاہیے اور اسمین مبالغہ و جد و جہد شدید سے احتراز رکھنا چاہیے اسیواسطے حدیث مین فرمایا۔ اجملوا فی الطلب یعنی تدبیر کی جستجو مین ادنیٰ درجہ پر اکتفا کرو پھر مترجم کہتا ہو کہ جبتک ایمان مستقیم نہو اور انسان کو فی الجملہ نور معرفت نہو تب تک ان مقامات کی وضاحت عامی اندھے بہرے پر نہین ہوسکتی کیونکہ بسا اوقات وہ دیکھتا ہے کہ ایک مرد نصرانی مثلاً تمام جد و جہد سے بہت کچھ دنیا حاصل کرلیتا ہے اور خود مسلم اپنے اختصار سے اس سے ادنیٰ رہتا ہے پس شیطان موقع پاکر اسکے دل مین اوہام و شکوک ڈالتا ہو جس سے وہ دین آلٰہی سے گمراہ ہو کر شیطان کی اتباع مین خود بھی خراب حال سے نصرانی کیساتھ ہو جاتا ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پتھر رکھکر سوئے اور شیطان نے اس پتھر مین اپنا حصہ ظاہر کیا اور کہا کہ تم دنیا کی طرف مائل ہوئے تو پتھر نکالکر اسکی طرف پھینکا اور کہا کہ لے یہ مع دنیا تیرے لیئے ہو پس جسکو دار الآخرۃ پر ایمان نہو وہ عام رحمت آلٰہیہ سے ہر جگہ محروم نہ ہوگا بلکہ شیطان کے ساتھ اسکو دنیاوی حصہ ہو پس اگر ظالم تبہ کار جاہل ہو تو اسنے شیطان کے کارندہ ہونے کی بھی لیاقت نہین پائی اور ظلم سے عذاب آلٰہی پہونچیگا اور اگر مصلح ہو خواہ دنیا کا حریص ہو تو بحکم قولہ نوتہ منہا یعنی جو دنیا کی خواہش مین اسکے لیے کوشش کرتا ہے ہم اس کو دنیا سے حصہ دیتے ہین وہ اپنا حصہ اسی حقیر فانی ادنیٰ اموال غلیظہ سے لیجائیگا پھر آخرت مین اسکے لئے کچھ نہین ہو اور جب غور کرے تو اسکو معلوم ہو جائیگا کہ اُسنے تمام اقسام اموال و دولت فانیہ مین سے صرف اسی قدر پایا جس سے اپنا پیٹ بھر لیا اور باقی دوسرون کیلیئے ہو اور نام اگر رہا یا نہین اسکو کچھ فائدہ نہین ہو۔ جب یہ معلوم ہوا تو اب ظاہر ہو گیا کہ تدبیر محض ایک تعمیل اُس طریقہ آلٰہیہ کی ہو جو اُسنے اس مقام امتحان مین چاہا اور نہ وہی واقع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا اور جب ایسا ہو تو آخرت کا سعی کرنیوالا تمام کوشش اسی طرف مصروف فرماوے ورنہ دنیا کی طرف رجوع کرنے سے اسلام و ایمان و معرفت مین قصور ظاہر ہے اور تدبیر کا اثر دونون مین سے ہر ایک فریق کیلیے موافق اسکی تقدیر کے ظاہر ہوتا ہو والسلام۔ **فائدہ** قصہ لغت مین کسی چیز کے تتبع کو کہتے ہین چنانچہ قولہ تعالیٰ وقالت لاختہ قصیہ۔ مین یہی معنی مراد ہین یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بالہام آلٰہی سبحانہ تعالیٰ موسیٰ کو صندوق مین بند کرکے دریائے نیل مین بہادیا اور اسکی بہن سے کہا کہ اسکے پیچھے پیچھے جا اور تتبع کر دیکھ کیا ہوتا ہے اور یہ لفظ مصدر ہو اور حکایت کو قصہ اسلیے کہتے ہین کہ بیان کرنے والا تھوڑا تھوڑا کرکے لاتا ہو کذا ذکرہ فی السراج وغیرہ اور مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک قصہ مصدر بمعنی تتبع ہو یعنی کسی چیز کے نشان روانی پر پیچھے پیچھے چلنا جیسے قالت لاختہ قصیہ۔ مین مراد ہو کہ اس صندوق کی رفتار پر اسکے پیچھے پیچھے چلی جا۔ پھر حکایت کو قصہ اسلئے کہتے ہین کہ اصل واقعہ تو گذر گیا اب قصہ بیان کرنیوالا اسکے اثر و نشان پر چلتا ہے اور اسکے تصویر کا خاکہ کھینچتا چلتا ہے اگرچہ اس معنی کو تھوڑا تھوڑا کرکے بیان کرنا بضرورت اداے عبارت کے واقع ہوتا ہو کیونکہ تھوڑا تھوڑا بیان کچھ قصہ کی ضروریات سے نہین ہو بلکہ بیان کا یہی طریقہ ہو حتی کہ اگر ممکن ہو

تو وہ ایک مرتبہ سب صورت دکھلادے قولہ فیکیدوا لک۔ سوال ہوا کہ فیکیدوک نہین فرمایا حالانکہ قولہ فیکیدونی جمیعا الآیۃ۔ مین بغیر لام متعدی ہوا جواب دیا گیا کہ یہ لام صلہ ہی جیسے قولہ لربھم یرہبون حالانکہ یرہبون ربہم بھی صحیح ہی بعض نے کہا کہ تاکید صلہ ہے جیسے ان کنتم للرویا تعبرون لئے تعبرون الرویا اور جیسے نصحتک ونصحت لک۔ اور بعض نے کہا کہ کید یہان متضمن معنی احتیال ہی اور وہ متعدی بلام ہوتا ہے اور جب کسی کلمہ کو دوسرے فعل سے تضمین کرتے ہین تو اسی طرح اسکی مقتضیات مین سے لاتے ہین تاکہ تضمن ظاہر ہو پس قولہ فیکیدوا لک یعنی حیلہ ڈھونڈھکر تیرے لیئے ہلاکت کا جال پھیلاوین اور کیدا مفعول مطلق بنا بر اظہار قوت کید ہی یا یہ کہ تیرے لیئے مکر ایسا کرین جو پوشیدہ و مضبوط ہو قولہ تعالیٰ۔

وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ

اور اسی طرح نوازے گا تجکو تیرا رب اور سکھاویگا کل بٹھانی باتون کی اور پورا کریگا اپنا انعام

عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ

تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہی تیرے دو باپ دادون پر پہلے سے ابراہیم اور اسحاق پر

إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ع

البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمتون والا

اس آیت شریف مین یعقوب علیہ السلام کے علم و فراست کا ظہور ہی جسکو پہلے سے جانتے تھے باوجودیکہ ظاہری اسباب کی تعمیل مین برعایت ادب یون کہا لا تقصص رؤیاک علی اخوتک۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکا قول بیان فرمایا۔ وَكَذَٰلِكَ یعنی جیسے تجکو اس خواب کی بشارت سے جو عزت و کمال نفس کی دلیل ہی برگزیدہ و مخصوص کیا ایسی ہی يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ۔ تجکو برگزیدہ فرماویگا تیرا رب یعنی درجات عالیہ عطا فرماویگا۔ فی السراج وغیرہ۔ اجتباء الٰہی یہ ہی کہ کسی بندے کو خاص ایسے فیض سے سرفراز فرماوے کہ اس سے طرح طرح کی کرامات حاصل ہون درحالیکہ بندے کی کوشش طاعت وغیرہ کو اسمین کچھ دخل نہین ہی اور یہ بات مخصوص بانبیاء علیہم السلام ہی اور ان کے اتباع مین بعض بندے صدیق و شہدا و صالحین جنکو انبیاء سے قرب ہے **قال المترجم** کوشش و طاعت کے دخل نہ ہونیکے یہ معنی نہین ہین کہ یہ لوگ عبادت و زہد و طاعت نہین کرتے بلکہ مراد یہ ہی کہ یہ قرب و منزلت محض فضل الٰہی ہی اور طاعات تو جبھی ادا کرسکا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کان ناک صحت و تندرستی رزق وغیرہ دیا پھر یہ طاعت تو ان نعمتون کا شکر یہ بھی پورا نہین ہی اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی قرب و منزلت والے نہایت خلوص ظاہری و باطنی سے خالص اپنے مولیٰ کی عبادت مین سرگرم رہتے ہین پس کوئی بندہ کبھی یہ نہین جانتا کہ اسکا انجام کیونکر ہی اور اللہ تعالیٰ نے قبول یا عدم قبول اُسکے حق مین کیا مقدر فرمایا ہی لہذا ہر ایک پر یہ واجب ہی کہ تقدیر جو شان الٰہی ہی اس سے کچھ بحث نہ کرے بلکہ خود طاعت و عبادت مین کوشش کرے اور کوئی ارادہ کرنیوالا کبھی اپنی خواہش کے موافق قائم نہ رہیگا مگر جبھی کہ اللہ تعالیٰ چاہے چنانچہ یہ بات صاف ظاہر اور حجت قطعی ہی اسیواسطے حدیث مین آیا کہ ہر شخص پر وہی آسان کیا جاتا ہے جسکے لیئے وہ مخلوق ہوا یعنی وہی اسکو میسر آتا ہے پھر اس مقام پر ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو صغرسنی مین بغیر طاعت و عبادت کے اس خواب سے کرامت فرمائی پس یعقوب علیہ السلام نے آگاہ فرمایا کہ یون ہی تجھے تیرا رب درجات عالیہ کے لیئے مخصوص فرماویگا۔ وَيُعَلِّمُكَ

اور سکھلاویگا تجکو تیرا رب۔ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ خوابون کی تعبیر۔ یہ مجاہدرح کا قول ہو اور خواب کو احادیث یعنی
باتین اسلیئے کہتے ہین کہ یا تو رویائے صادقہ ہوتی ہین تو فرشتہ کی باتین ہین یا شیطان کی احلام ہین جو اسکی باتین ہین قرطبی نے
لکھا کہ باجماع یہ تاویل احادیث بمعنی تعبیر خواب ہو اور یوسف علیہ السلام اسوقت اسمین سب سے زیادہ عالم تھے ولیکن بعض متاخرین
نے احادیث کو عام لیا کہ خواب کی باتین ہون یا اگلی کتابون داستون کے بیان ہون۔ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ۔ اور تجھ پر
اپنی نعمت پوری کریگا وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ۔ اور اولاد یعقوب پر یعنی تجھ پر پہلے اور تیرے ساتھ اولاد یعقوب پر نسلاً بعد نسل
اپنی نعمت پوری کریگا جہان تک اسکو منظور ہو۔ مفسرین نے کہا کہ اتمام نعمت سے مراد نبوت مع بادشاہت ہو چنانچہ حضرت موسیٰ
سے نبوت و بادشاہت ان مین رہی۔ اور آل یعقوب سے مراد حضرت یوسف کے بھائی و قرابتی و انکی اولاد ہین اور یہ مؤید ہو کہ
برادران یوسف نبوت کو پہونچے۔ اکثر مفسرین نے کہا کہ شاید ان نعمتون کا اشارہ ہو جو ملک مصر مین داخل ہونیکے بعد انکو
میسر ہوئین باوجودیکہ وے سب انبیاء پہلے سے تھے پھر ان مین بادشاہت بھی ہوئی۔ سراج وغیرہ مین لکھا کہ نعمت سے مراد
نبوت ہو جیسا کہ ابن عباس کا قول ہو کیونکہ مخلوق کو جو مراتب حاصل ہوئے ان سب مین نبوت اعلیٰ و اشرف و دائم نعمت ہے
اور بعض نے کہا کہ یجتبیک ربک سے عطائے نبوت مراد ہو اور یتم نعمتہ علیک سے دنیا و آخرت کی خوبیان و بھلائیان مقصود ہین اور
لکھا کہ قولہ علیٰ آل یعقوب سے اولاد یعقوب مین یوسفؑ کے سب بھائی داخل ہین اور جب اس سے معلوم ہوا کہ اولاد یعقوبؑ پر اتمام
نعمت ہوگا اور نعمت نبوت ہو جیسا کہ گذرا تو ظاہر ہوگیا کہ اولاد یعقوب سب انبیاء تھے اور اس سے بڑھکر حجت یہ ہو کہ یوسف نے
بھائیون کو گیارہ ستارے دیکھا پس گیارہ آدمی نورانی جنمین داغ دھبا نہین اور ان کو فضل وعلم ہے جنکی روشنی سے دنیا والے
راہ پادین جیسے ستارون سے روشنی ہوتی ہے اور لوگ ان ستارون سے اپنا راستہ جنگلون و بیابان مین بھٹک کر سیدھا
کر لیتے ہین جیسے آنحضرت صلعم نے اصحابی کالنجوم فرمایا پس یہ اولاد یعقوب ہادی خلائق انبیاء و رسل ہوئے واقول حدیث
مین قولہ منہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد الآیۃ۔ مین سب کو خیر وہدایت و منزلت پر فرمایا ہے اور اگر یہ وہم ہو کہ انھون نے حضرت یوسف
کی ایذاء وقتل کا اقدام کیا تو جواب یہ کہ قبل نبوت کے ایسا واقع ہوا باوجودیکہ وہ مغفور تھے وقد قال یوسف لاتثریب علیکم
الیوم الآیۃ۔ اور یہ بنا بر اس قول کے کہ انبیاء سے قبل حصول نبوت کے ظہور بعض افعال کا بصورت معصیت ممکن ہو جیسے موسیٰ
علیہ السلام نے قبطی کو قتل کر ڈالا تھا پھر واضح ہو کہ تیم نعمتہ سے نبوت مراد ہونا اظہر ہے بدلیل مابعد یعنی تجھ پر نعمت نبوت پوری
کرے اور اولاد یعقوبؑ پر کَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ۔ جیسے پورا کیا اس نعمت کو تمھارے دونون
باپ پر پہلے اس سے وہ ابراہیم و اسحاق ہین یعنی جیسے ان دونون کو نبوت و رسالت عطا فرمائی یہان دادا و پردادا کو ابوین
فرمایا اور خود بھی پیغمبر تھے ظاہرا تواضع و حسن خلق سے اپنا ذکر نہین کیا۔ قال الامام الحافظ رحمہ اللہ حضرت مجاہد وغیرہم نے فرمایا
کہ قولہ ویعلمک من تاویل الاحادیث یعنی خواب کی تعبیر اور قولہ ویتم نعمتہ علیک یعنی تجھے رسول بناکر اور تجھ پر وحی فرماکر اپنی
نعمت تجھ پر پوری کریگا اسیواسطے فرمایا۔ کما اتمہا علی ابویک من قبل ابراہیم واسحاق جیسے ان دونون پر وحی کرنے و رسول
بنانے سے نعمت پوری کی۔ قال الشیخ حضرت ابراہیم کیلئے جس فرزند کے ذبح کا حکم تھا وہ مجاہدرح کے قول مین یہی اسحاق
ہین ولیکن یہ قول صحیح نہین ہو۔ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ تیرا رب خوب دانا و حکمت والا ہو یعنی جو جس لائق ہو اُس کو

وہی دیتا ہے اگر وہم ہو کہ اس سے تو صاف معلوم ہوا کہ جو چیز جسکو حاصل ہو وہ اسکے لائق تھا تو جب کافرون کو نعمت و دولت سے
مالا مال کیا تو وے اس سرفرازی کے لائق تھے تو جواب یہ ہو کہ دنیا تمام و کمال جب شیطان کو دیدی تو کافرون سے تجھے کیون
تعجب ہوا اور یہ جو تیرا وہم ہو کہ اس سے بہت سرفرازی ہوئی تو محض غلط ہو دنیا کے اموال کی دو صورتین ہین ایک یہ کہ دنیا کو
دنیا کی ناز نعمت و آرام و فخر و نام و دولتمندی کیلئے لیوے اور یہ ملعون و حقیر و فانی بیقدر ہو اور صحیح روایت ہو کہ اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ
کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی نہین ملتا - دوم صورت یہ کہ دنیا کو بقدر کفایت یا زائد واسطے ثواب آخرت
کے لیوے یعنی مثلاً عبادت کی قوت کیلئے خود کھاوے اور دوسرون کو کھلاوے اور محتاجون کو اتنا آسودہ کریوے کہ وے اپنی
عبادت مین متفکر نہ ہون اور خیرات و صدقات سے دنیا کو آخرت کے لئے کھیتی بناوے تو یہ مال بحد ذات خود اسکی نظرون مین کچھ
نہ تھا اسکی کچھ محبت نہ تھی صرف نیکی مین خرچ کرنے کا ثواب تھا تو اس راہ سے یہ مال وغیرہ نعمت ہو کیونکہ اسکے ذریعہ سے نعمت
آخرت لینے حاصل کی اسیواسطے حدیث صحیح مین آیا نعم المال الصالح للرجل الصالح الحدیث یعنی پاکیزہ مال نیک مرد کیلئے بھلا ہوتا
ہے - دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مالدار تھے جب آنحضرت صلعم کو فرماتے سنا کہ جیش العسرۃ کیلئے جو سامان کر دے جنتی ہو تو آپنے فوراً
سامان کیا اور تین مرتبہ اشرفیان آنحضرت صلعم کی گود شریف مین نائین جیسا کہ یہ قصہ حدیث صحیح و سیر مین مفصل ہو پس ہر ایک
کو اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے اُسکے لائق عطا فرماتا ہے لہٰذا اولاد یعقوب علیہم السلام مین سے نبوت کبری حضرت یوسف علیہ السلام
کو عطا فرمائی **تنبیہ** قولہ من قبل سراج وغیرہ مین کہا کہ من قبل ہذا الزمان - اس زمانے سے پہلے **مترجم** کہتا ہے کہ خود یعقوب علیہ السلام
پر اتمام نعمت تھا اسکو بطریق تواضع نہین فرمایا اور اگر تقدیر کلام من قبلے ہو وے یعنی مجھ سے پہلے تو بھی یہی تاویل ہو گی لیکن حذف
مین تخفیف ظاہر ہو **ف - فی العرائس** قولہ وکذلک یجتبیک ربک الآیۃ - اجتبار و اصطفا یہ تھا کہ نور جمال سے لباس دیا اور
پاکیزگی مین پرورش فرمایا - ویعلمک من تاویل الاحادیث سے علوم الٰہیہ و کشف و وحی سے سرفراز کیا اور ویتم نعمتہ علیک الآیۃ
سے رسالت نصیب کی اور اتمام نعمت سے ہو کہ مرتبہ تمکین و تحقیق کو پہونچایا اور تلوین سے مقام استقامت تک فائز فرمایا اور مقام
امتحان زلیخا سے پاکیزہ و طاہر رکھا جیسے انبیاء و صدیقین کی شان ہوتی ہو اور درجہ حضرت ذبیح و خلیل تک بلندی قرب
و منزلت حاصل ہوئی - اقول شیخ کی عبارت صریح ہو کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور سابق ایک مقام مین فی الجملہ
اس امر مین کلام مذکور ہو چکا ہے اور آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ قولہ فدیناہ بذبح عظیم کے تحت مین اپنے مقام پر تحقیق آوے گی
ابن عطاء رح نے کہا کہ اجتبا حسن خلق و دشمن و دوست سے عمدہ برتاؤ اور اپنی ذات کا انتقام بھائیون سے چھوڑنا بعض
نے کہا کہ اجتبا یہ تھا کہ عورتون کا مکر ان سے دور کیا وہ نہ مبتلا ہو جاتے - یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے کہا کہ اتمام نعمت سے یہ بھی
تھا کہ بھائیون کو اُنکے سامنے خضوع و لاچاری سے انکساری کی نوبت پہونچی اور خود ان پر انعام فرمایا - سہل رح نے کہا کہ اتمام
نعمت یہ کہ جو خواب دکھلایا اسکو تحقیق واقع کر دے استاد رحمہ اللہ نے کہا کہ اتمام نعمت سے یہ ہو کہ نعمت پر شکر کی توفیق ہو
اور نعمت کو مشاہدہ نہ کرے بلکہ منعم حقیقی کو دیکھے تو شان یوسف علیہ السلام حسن و جمال و پاکیزگی و طہارت و بھائیون سے
ایذا اُٹھا کر ان سے حسن سلوک و مغفرت مانگنے مین بہت بڑھی ہوئی تھی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کو آیات
و عبرت قرار دے کر فرمایا -

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَإِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ

البتہ ہین یوسف کے مذکور مین اور اسکے بھائیون کی نشانیان پوچھنے والون کو جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اُسکا بھائی

اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ○ نِ اقْتُلُوْا

زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم قوت کے لوگ ہین البتہ ہمارا باپ خطا مین ہے صریح مار ڈالو

يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا

یوسف کو یا پھینکدو کسی ملک مین کہ اکیلی رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی اور ہو رہیو اُس کے پیچھے

صٰلِحِيْنَ ○ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ

نیک لوگ بولا ایک بولنے والا اُنمین مت مار ڈالو یوسف کو اور پھینکدو گمنام کنوین مین کہ اُٹھالیجاوین اسکو

بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○

کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے

لَقَدْ كَانَ فِيْ - خبر - يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ - بیشک ہین یوسف علیہ السلام واسکے بھائیون کے قصہ مین نشانیان واسطے پوچھنے والون کے یعنی جو لوگ اس قصہ کو پوچھتے ہین انکے لئے یوسف وان کے بھائیون کے قصہ مین آیات ہین یعنی ایسی نشانیان ہین جو اللہ تعالیٰ کی توحید عظیم قدرت وبدیع حکمت وعجیب صنعت پر دلالت کرتی ہین۔ امام رازی نے کہا کہ اور جو نہین پوچھتے ہین اُنکے لئے بھی یہ آیات موجود ہین تو سائلین کا ذکر بمانند قولہ تعالیٰ اربعۃ ایام سواء للسائلین الآیۃ ہے - پس حاصل یہ ہوا کہ سائلون کا ذکر فقط انکے پوچھنے وتوجہ کرنے کی وجہ سے ہے ورنہ آیات جیسے سائلون کیلیئے ویسے ہی دوسرون کیلئے یکسان ہین۔ قال الامام الحافظ۔ آیات للسائلین یعنی عبرت ونصائح ہین ان لوگون کیلئے جو اس قصہ کو دریافت کرتے ہین کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ ضرور اسکی خبر دریافت کی جاوے مترجم کہتا ہے کہ امام نے شان نزول کی روایت کہ یہود وغیرہ نے دریافت کیا تھا اس روایت پر معنی کو موقوف نہین رکھا بلکہ یہ معنی بیان کئے کہ اس قصہ مین عجیب انجام ہین ہر شخص کو چاہیئے کہ اسکے دریافت کیواسطے سوال کرے پس سائل کو بہت نصائح وعبرت حاصل ہونگے یہ تقریر نفیس ہے اور واضح ہو کہ لقد کان مین معنی ماضی مراد نہین ہین چنانچہ کثرت سے عرب اس لفظ کو استمرار وثبوت کے معنی مین لاتے ہین پس اب بھی وہ آیات موجود ہین اور مترجم کہتا ہے کہ اگر یہود کے سوال کرنے کی روایت سے معنی کا احتیاط لیا جاوے تو شاید یہ تعریض ہو یہود پر کہ ان کے لئے اس قصہ مین بہت علامات ونصائح وعبرتین تھین گویا اُنھون نے انکو حاصل نہ کیا ولیکن احسن وہی ہے جو علماء تفسیر سے مذکور ہوا پھر آیات سے بعض نے تو اللہ تعالیٰ کی توحید وقدرت وصنعت پر علامات مراد لیا اور بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق رسالت پر حجت مراد لیا کیونکہ آیت حجت قطعی وظنی دونون کو شامل ہے کما صرح بہ البیضاوی فی غیر ہذا الموضع - اور آنحضرت صلعم کی نبوت پر حجت ہونے کی یہ توجیہ بیان فرمائی کہ یہود نے مدینہ سے رؤساء قریش کے پاس آدمی بھیجے کہ محمد صلعم سے دریافت کرو کہ ہم سے ایک نبی کا حال بتلاوین جو شام مین رہتا تھا اور اسکا بیٹا مصر کو نکالا گیا وہ اسکے غم مین یہانتک رویا کہ اندھا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف پوری یکبارگی نازل فرمائی اور یہ بالکل اُسکے

مطابق واقع ہوئی جو توریت مین تھا تو ضرور انکے واسطے حجت قطعی ہوئی کہ آنحضرت صلعم رسول ہین کیونکہ آپنے اگلی کتابین نہین پڑھین اور نہ عالمون کے پاس بیٹھے اور نہ اخبار روالون سے سنا اور نہ ملک حجاز مین کبھی اسکا ذکر ہوا تو ہر صورت وحی آلہی تعالی سے آپکو معلوم ہوا اور بعض نے کہا کہ آیات یعنی عجب ہین اور مراد عجب سے وہ ہی جسکو ہندی مین اچنبھا اور فارسی مین شگرف وشگفت بولتے ہین اور بعض نے آیات للسائلین کے معنی مین کہا کہ عبرت حاصل کرنیوالون کیلئے عبرت ہین کیونکہ اس قصہ مین کئی طرح کی نصیحت وعبرت وحکمت موجود ہے ازانجملہ حضرت یوسف کا خواب اور اسکا تحقیقی واقع ہونا اور کیسی کیسی گردش سوانح و وقائع کے بعد کس طریقہ سے اسکا ظہور ہوا۔ ازانجملہ بھائی ہوکر حسد کرنا اور اس حسد کا انکو قتل کر ڈالنے پر آمادہ کر دینا اس زعم پر کہ اسکے بعد ہم اپنی سعی سے قوم صالح یعنی برگزیدہ ہوجاوینگے اور آخر حسد کا انجام کیا ہوا اور یوسف علیہ السلام کی راستی وتواضع وصبر کرنا اور ظاہر وباطن اللہ تعالی کے ساتھ صدق وعفت کا برتاؤ اور آخر وہ کس مرتبہ پر فائز ہوئے ازانجملہ یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے اسقدر تعلق کہ روتے روتے اندھے ہوگئے اور باوجود نبوت کے مرضی آلہی یہی رہی کہ بیخبر اس حال کو پہونچے اور آنحضرت علیہ السلام کا صابر رہنا اور کچھ دعا نہ کرنا اور کنعان کے کنوین مین یوسف کا پڑا رہنا معلوم نہ ہوا اور مصر سے پیراہن یوسف کی خوشبو معلوم ہوئی باوجود اسکے یہ کہا کہ مین اللہ تعالی کی طرف سے وہ جانتا ہون جو تم نہین جانتے ہو اور آخر اپنی مراد کو پہونچنا اور ازانجملہ وقائع زلیخا کہ مثل دنیا کی زینت کے مزین ہوکر انکو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی اور اسکے لئے کیسے زریب وجال پھیلائے مگر آنحضرت علیہ السلام پاک رہے اور آخر رضائے آلہی وعروج کے ساتھ اس سے بہتر حالت مین وہ بھی مل گئین ازانجملہ حکم قول والذین آمنوا اشد حبا للہ۔ ایمان والے جو سب سے زیادہ اللہ تعالی کو چاہتے ہین انکو اپنی محبت کا اندازہ کرنا کہ زلیخا کے مقابلہ مین انکا کیا حال ہی۔ ازانجملہ حکمت اسکی کہ یوسف علیہ السلام نے عورتون کے پاس رہنے سے قید رہنا بخوف آلہی پسند کیا اور وہین سے ایک قیدی نے رہا ہوکر بادشاہ سے تعریف کی جس سے مملوکیت کے داغ سے بالکل پاک ہوگئے کیونکہ بادشاہ نے اپنے واسطے استخلاص کیا تو آقا ہوگئے اور وہ ان کے دین پر ہوگیا اور عورتون سے بالکل نجات ہوگئی اور سوائے اسکے بکثرت نصائح ہین کہ اگر ہر ایک اشارہ لکھا جاوے تو غالبا ایک ضخیم مجلد کتاب ہوجائیگی کیونکہ باریک اشارات سمجھانے کیلئے سب متعلقات بیان کرنا ضرور ہوگا وانما الفہم من توفیق اللہ عز وجل وہو الہادی الملہم ولہ الحمد فی الاولی والآخرۃ والیہ یصعد الکلم الطیب۔ اگر کوئی آیات سائلین کے جمیع معانی کو بوجوہ جمع کرے تو بھی ممکن ہے بس کہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام وانکے بھائیون کے قصہ مین سائلین کیلئے آیات ہین یعنی اہل عبرت واہل عقل کیلئے اللہ تعالی کی وحدانیت پر نشانیان اور آنحضرت صلعم کے صدق رسالت پر قطعی حجتین ودلیلیں اور انسانی اصل وانجام وحیات دنیا کیلئے نصیحتین وعبرتین موجود ہین اور جنکے پاس توریت تھی انکے پاس پہلے سے آیات وحدانیت وعجیب صنعت آلہی ونصائح وعبرت وحکمت موجود تھین مگر اکثرون نے انسے نفع نہین پایا پھر اس قصہ مین زلیخا کا تذکرہ تبعیت واقع ہوا اور اصل انکے بھائیون کا حسد ہی تھا لہذا صرف یوسف واخوتہ کا قصہ فرمایا علاوہ برین تہذیب سکھلائی کہ عورتون کے تذکرہ سے تعلق کم کرین اور واضح ہو کہ حسد کرنیوالے صرف دس بھائی تھے اور گیارہوان بھائی انمین شامل نہ تھا پھر معالم وبیضاوی وسراج وغیرہ مین انکے بھائیون کے نام اسطرح لکھے کہ حضرت یعقوب کی پہلی بی بی انکے ماموں لیان کی دختر لیا نام سے یہودا۔ روبیل۔ شمعون۔ لاوی۔ زبلون۔ یشجر چھ بیٹے تھے اور سراج مین مذکور ہے کہ سب سے بڑا

بنون در آخر ۱۲ ۔ بدون نون ۱۲ ۔ بدال ۱۲

ردبیل تھا اور ایسا ہی مؤلف الفتح نے قرطبی سے نقل کیا اور زبلون کو زبولون لکھا ۔ پھر معالم مین کہاکہ دو لونڈیون سے چار اولاد
تھے ان دونون کا نام زلفی وبلقہم لکھا اور امام رازی و قرطبی نے بلقہم کی جگہ بلہمہ لکھاہے اور ان چارون کے نام ۔ دان ۔ نفتالی ۔
جاد ۔ اشر ۔ بیان کئے یقاعی نے کہاکہ نفتالی بنون وفا وتا فوقیہ والف ولام ویا ۔ اور فتح مین قرطبی سے نفتالی کی جگہ نفتونا
یعنی بتا فوقیہ وفا وتا فوقیہ وواؤ ونون الف لکھا اور ظاہر غلطی ہی ۔ اور اشر کی جگہ اوشیر لکھا ہی پھر لیا بنت لیان کا انتقال
ہوگیا تو آنحضرت نے اسکی بہن سے جسکا نام راحیل تھا نکاح کیا اس سے یوسف علیہ السلام و بنیامین پیدا ہوئے ۔ سہیلی نے کہا
کہ راحیل سے فقط بنیامین ہوئے اور اسی نفاس مین وہ مرگئین پھر حضرت یعقوبؑ نے وقفا سے نکاح کیا اس سے حضرت
یوسفؑ پیدا ہوئے پس بنیامین حضرت یوسفؑ سے بڑے تھے ولیکن یہ قول غریب معلوم ہوتا ہی ظاہرا صحیح وہی اول ہی اور
سراج وغیرہ مین لکھا ہی کہ بعض کا قول یہ ہی کہ حضرت یعقوبؑ نے لیا کی حیات ہی مین راحیل سے نکاح کر لیا تھا اور اسوقت
مین دو بہنون کو نکاح کرکے جمع کرنا حرام نہین کیا گیا تھا ۔ محمد بن اسحاق بن یسار سے روایت ہی کہ جب آنحضرت صلعم کو نبوت
ہوئی اور قرابتیون نے اپنے آپ کو نبوت کے لائق وفائق زیادہ سمجھکر آنحضرت صلعم سے حسد کیا اور آپ کی ایذا کے درپئے
ہوئے اور بہت کچھ تکلیف پہونچائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر قصہ حضرت یوسف واخوہ نازل فرمایا تاکہ آپکو تسلی ہو اور مثل
یوسفؑ کے ایذاء قرابت پر صابر اور انکے حق مین استغفار فرمادین اور انتقام کا قصد نہ فرمادین اقول یہ بھی اس سورہ شریف
کی حکمت مین سے ہے تاکہ قوم والے خود حاسد کا انجام دیکھکر لغو خیالات سے باز رہین کیونکہ رسالت اللہ تعالیٰ کا فضل ہی اور وہ علیم
حکیم ہی خوب جانتا ہی کہ جہان رسالت کا تاج رکھا جاوے بقولہ تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ۔ یہ کسی مخلوق کے گمان پر نہین ہے
قتادہ رح وضحاک وغیرہم نے اس آیت مین کہا کہ جو کوئی اس قصہ سے سوال کرے تو وہ یون ہی ہی جیسا اللہ تعالیٰ نے تم پر یوحی سنایا
اور آگاہ فرمایا ہی ۔ اقول ظاہرا یہ تفسیر قولہ آیات للسائلین کے متعلق ہی یعنی جو کوئی سائل ہو اور سب عقلاء کو ہونا چاہیے تو اسطرح
ہے جیسا بیان ہوا اس سے وے سائل عبرت ونصائح حاصل کرین اسکا بیان یہ ہی ۔ اِذْ قَالُوْا یعنی سائلین کیلئے آیات اُن کے
اس قصہ مین ہی کہ جب یوسفؑ کے بھائی سوائے بنیامین کے کہنے لگے آپس مین کہ لَيُوْسُفُ قسم ہے کہ یوسف وَاَخُوْهُ مع اُس کے
بھائی چھوٹے یعنی باپ و مان جو دونون کی طرف والے بھائی بنیامین کے ۔ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا ۔ زیادہ محبوب ہیں ہمارے باپ کو
بہ نسبت ہمارے ۔ سراج مین لکھا کہ جب بھائیون کو حضرت یوسفؑ کے خواب کی خبر پہونچی تو کہنے لگے کہ بھائیون سے سجدے
کرانیکا خیال دماغ مین سمایا ہی اور اتنے ہی پر بس نہین کیا بلکہ مان باپ سے بھی سجدے چاہتا ہے اور حضرت یعقوبؑ کو بسبب علم نبوت
و فراست کاملہ کے حضرت یوسفؑ کی طرف التفات بہت تھا خصوص اس خواب سے باوجودیکہ نور نبوت انکی پیشانی سے ظاہر تھا
اور حسن کا آفتاب ایسا چمکتا تھا کہ شمس و قمران کے سامنے سر جھکاتے تھے پس شیطان نے بھائیون کے دلون مین حسد کی آگ
بھڑکائی اور باہم مشورہ کیا کہ واللہ یوسف و اسکا بھائی دونون ہماری بہ نسبت ہمارے باپ کو زیادہ محبوب ہین وَنَحْنُ عُصْبَةٌ
حالانکہ ہم ایک گروہ زبردست ہین یعنی وے دونون حقیر لونڈے نہ کام کے نہ کاج کے اُن سے کیا مال و دولت و منفعت
ملنے والی ہی اور ہم البتہ قوی گروہ کا گروہ ہین ہرطرح کا آرام ہماری ذات سے متصور ہی پھر بھی ہمارے باپ کو انھین دونون سے
زیادہ محبت ہی ۔ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ بیشک ہمارا باپ کھلی ہوئی خطا مین پڑ گیا ہی ۔ سراج وغیرہ مین کہا کہ مراد انکی

یہ تھی کہ ہماری محبت پر انکی محبت کو ترجیح دینے مین اس سے صاف چوک ہوئی ہی کیونکہ اگر دلیل سے دیکھا جاوے تو ہم سب فرزند ہونے مین یکسان ہین تو محبت برابر ہوتی لیکن ہم کو ان دونون پر اسوجہ سے ترجیح ہے کہ ہم ایک جماعت قوی بردست ہین کہ باپ کو ہرطرح نفع پہونچا سکتے ہین اور کوئی برائی آوے اسکو دور کر سکتے ہین اور ہر کام کیلیے کافی ہین اور ان دونون سے یہ بات ممکن نہین ہی تو ہماری محبت زیادہ چاہیئے ہی پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی پھر برابر بھی نہین بلکہ انکے لیے زیادہ ہی تو یہ صاف خطا ہی۔ **تنبیہ** قولہ لیوسف واخوہ احب۔ لام ابتدائیہ ہی تو معنی یہ ہوئے کہ یوسف و اسکا بھائی زیادہ محبوب ہے۔ بعض نے کہا کہ لام قسم ہی یعنی واللہ یوسف آلخ اور شاید قسم بموقع تعجب ہے یا باپ کی خطا ثابت کرنے کیلیے قطعی تو طیہ ہی۔ پھر لیوسف واخوہ دونون کی خبر مین احب صیغہ واحد اسوجہ سے ہی کہ جب اسم تفضیل معرف بلام یا مضاف نہو تو اسمین واحد و تثنیہ و تذکیر و تانیث یکسان ہوتا ہی اور شاید کہ واخوہ بمعنی مع آخیہ ہووے تو اس توجیہ کی ضرورت نہ ہوگی اور مع اخیہ کے معنی انکو مقصود نہ ہونا اسوجہ سے ظاہر ہے کہ درحقیقت خواب فقط حضرت یوسفؑ نے دیکھا اور آثار نبوت و نجابت صرف اُنکے چہرہ سے ہویدا تھے اور شطر الحسن یعنی نصف حسن یا قریب نصف کے انھین کو ملا تھا اور یہ وجہ بے خنیاری محبت کی ظاہر تھی مگر اُنھون نے بھائی کو بھی ساتھ ملا کر اس محبت کو دوسرے معنی پر محمول کر دیا اگرچہ یوسف علیہ السلام اصلی محبوب تھے تو انکا ایک بیٹے کا بھائی بھی فی الجملہ اُنکی محبت سے محبوب ہوگا۔ سراج وکبیر وغیرہ مین کہا کہ یہان چند اوہام پیدا ہوتے ہین تو انکا جواب پوچھا جاتا ہے اول یہ کہ اولاد مین سے اگر بعض کو بعض پر فضیلت دیجاوے تو دوسرون کو اس سے حقد و حسد پیدا ہوجاتا ہی تو یعقوبؑ نے ایسا کیون کیا جواب یہ ہی کہ یہ فقط محبت کرنے مین تھا اور محبت آدمی کی اختیاری چیز نہین ہی اقول یہین کہا جائیگا کہ اگر کوئی آدمی اپنی جورون کی باری و نان و نفقہ وغیرہ امور اختیاری مین کسی کو دوسرے پر فضیلت دے تو گنہگار ہوگا اور اگر محبت ایک سے بہ نسبت دوسرے کے زیادہ ہو تو وہ معذور ہی کیونکہ اسکے اختیار سے باہر ہی دوم یہ کہ اولاد نے باپ پر کیونکر اعتراض کیا حالانکہ جانتے تھے کہ وہ نبی ہین اور یہ لوگ ان پر ایمان رکھتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ بیشک پیغمبر برحق جانتے تھے لیکن اُنھون نے بمقتضائے بشریت یہ خیال کیا کہ باپ کا یہ فعل اپنی رائے سے ہی اور جب خود دلیل سے دیکھا تو اُن کی رائے مین آیا کہ باپ کی رائے اسمین خطا کرتی ہی پس اُنھون نے اعتراض کیا اور یہ نہین سمجھے کہ باپ کا ان دونون سے زیادہ محبت کرنا کسی وجہ سے واقع ہوا ہی اول یہ کہ ان دونون کی والدہ کا انتقال ہوچکا تھا اقول یہ غلط ہی بلکہ جب ان کی والدہ البتہ مرچکی تھین اور ان دونون کی والدہ مدت تک زندہ رہین ظاہراً توجیہ کی فکر مین یہ یاد نہین رہا کہ خواب کی تعبیر واقع ہوئی اسطرح کہ ان باپ نے سجدہ کیا اور یہ تو آخر سورہ مین منصوص ہی عجب کہ سراج مین بھی کبیر سے اسی طرح نقل کر دیا خیر یہ زلت قلم بمقتضائے انسانی ہی اللھم اغفرلی ولھم ولجمیع المومنین اور دوم یہ کہ یوسفؑ مین آثار نبوت و نجابت ایسے ظاہر تھے کہ باقی اولاد مین نہ تھے اقول اسمین بھی یہ مناقشہ ہی کہ بنیامین سے کیون زیادہ اُلفت تھی فافہم۔ اور سوم یہ کہ یوسف اگرچہ صغیر تھے مگر باپ کی ایسی خدمت کرتے تھے جو اور ون سے نہین ہوتی تھی اقول یہ کہان سے معلوم ہوا اسکی کوئی روایت نہین آئی علاوہ برین بنیامین کا اشکال باقی رہیگا۔ الحاصل یہ مسئلہ اجتہادی تھا اور اسمین نفسانی خواہش یعنی یوسفؑ سے حسد کا بھی میل تھا تو اس سے دین مین اعتراض لازم نہین آتا اقول محصول یہ ہی کہ اُنھون نے اس رائے کو دنیاوی معاملہ کی رائے سمجھکر اعتراض کیا درحالیکہ باپ نے اسمین کوئی حکم صریح ظاہر نہ کیا تھا اور مین کہتا ہون کہ اس جواب کو تقویت ایک حدیث سے ہوسکتی ہی جبکہ صحابہؓ نے موافق دستور کے درختان خرما مین نر مادی لگائی اور آنحضرت صلعم نے

نخو فرمایا تو اُنھون نے نہین لگائی تو پھل نہ آئے تب آپ نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم - دنیاوی معاملات تم ہی خوب جانتے ہو پس جب مین
دین کے معاملہ مین تم کو حکم دون تو تم پر تسلیم کرنا واجب ہے اور دنیاوی مشورہ مین تم جانو تمہارا کام جانے علی ہذا اُنھون نے اس واقعہ محبت
کو دنیاوی معاملہ پر محمول کر کے اعتراض کیا چنانچہ اپنے آپ کو عصبہ قرار دیکر مستحق فضیلت جاننا اسپر دلالت کرتا ہے تیسرا سوال
یہ ہے کہ باپ کو ضلال کی طرف نسبت دی اور ضلال گمراہی ہے - جواب یہ ہے کہ دین مین ضلال نہین کہا تھا بلکہ دنیاوی مصلحتون کی جو راہ
ہوتی ہے اسکی طرف التفات نہ کرنا مقصود تھا - چوتھا سوال یہ ہے کہ وے کیسے معصوم نبی ہونگے جبکہ اُنسے چند کبیرہ گناہ سرزد ہوئے
ازانجملہ ایک حسد ہے جو کبیرہ کی جڑ کہنا چاہیئے دوم قتل یوسف بیگناہ کا قصد - سوم باپ کو دام ملال مین ڈالنا - چہارم صریح جھوٹ
بولنا - اُسکا جواب دیا گیا کہ اُنسے یہ حرکتین نبوت حاصل ہونے سے پہلے سرزد ہوئین اور یہان دو قول ہین ایک یہ کہ نبوت کے بعد یہ شرط ہے
کہ نبی سے گناہ کبیرہ سرزد نہو اور اسی قول کے مطابق یہ جواب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نبی سے کبھی گناہ کبیرہ واقع نہ ہونا شرط ہے تو اسکے
مطابق یہ جواب نہین ہو سکتا - واضح ہو کہ یہان دو قول ہین ایک یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی سب ~~نبوت سے پہلے یا بعد~~[12] نبی تھے اور
دوسرا قول یہ ہے کہ وے نہین تھے پس چوتھا سوال اسی صورت پر وارد ہے کہ ان کو انبیا مان لیا جاوے اور اسمین زیادہ گفتگو انشاء اللہ تعالیٰ
آگے آویگی - یہان تو اسی قدر بیان تھا کہ اُنھون نے پہلے مشورہ کیا اور اپنی رائے سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہم سے زیادہ یوسف و اسکے بھائی
سے باپ کا محبت کرنا ہمارے باپ کی طرف سے چوک ہے لیکن اصلی مقصود یہ نہین تھا کہ باپ کی غلطی ثابت کرین بلکہ مقصود یہ تھا کہ حسد سے
یوسف پر اپنی فضیلت ظاہر کرین لہذا باپ کو ایذا دار دینا نہین ٹھہرایا بلکہ یوسف کے حق مین یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یہ باپ کی نظر سے دور
ہو جاوے تو پھر ہم باپ کے منظور نظر ہو کر صلاحیت و کمال کو پہونچین گویا انکو یہ یقین تھا کہ باپ کے منظور نظر ہونے سے کمال شرف حاصل ہوتا ہے
اسی سبب سے جب یوسف کو منظور فرمایا تو اسکو خواب وغیرہ کا شرف ملا اور اسی طرح ملتا جائیگا اگرچہ باپ نے ان دونون سے محبت
کرنے مین خطا کی ہے اور محبت کے سزاوار ہم جماعت تھے پس جب یوسف زندہ نہ رہا تو خواہ مخواہ ہم ہی منظور نظر ہو کر قوم صلحا یعنی انبیا
ہو جائینگے لہذا یہ رائے ٹھہرائی کہ - اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ - مار ڈالو یعنی ہم تم
سب مل کر مار ڈالو - یوسف کو یا پھینک بہاؤ اسکو کسی زمین مین یعنی دور دراز کسی ملک مین تو پھر تمہارے ہی لئے خالی ہو جائیگا
تمہارے باپ کا چہرہ یعنی بنیا مین تو بذات خود منظور نظر نہین ہے یوسف اصلی محبوب ہے اسکو مار ڈالو یا کہین دور بہا دو تو پھر
باپ کی نظرون مین خالی تم ہی تم رہجاؤگے اور ان کا چہرہ خالص تمہارے ہی لئے ہوگا تو تم ہی انکے منظور نظر ہو جاؤگے
وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ - اور یوسف کے بعد یا اس واقعہ کے بعد تم ہو جاؤگے ایک قوم صالح یعنی باپ کے منظور
نظر ہو کر تم سب درجہ نبوت و ولایت سے سرفراز ہو جاؤگے ؎ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ❊ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
امام حافظ رح نے لکھا کہ گناہ کرنے سے پہلے ہی اُنھون نے توبہ اپنے دل مین رکھ چھوڑی تھی چنانچہ دل مین ٹھان لیا
کہ یوسف کو اسطرح گم کر کے توبہ کر کے قوم صالح ہو جاؤگے - قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ان مین سے ایک کہنے والے
نے کہا کہ یوسف کو قتل مت کرو - قتادہ و محمد بن اسحاق رح نے کہا کہ یہ کہنے والا بڑا بھائی روبیل تھا - سدی رحمہ اللہ نے
کہا کہ وہ یہودا تھا - قال الامام مُراد اُسکی یہ تھی کہ حسد و عداوت کو یہان تک ترقی مت دو کہ قتل کر کے جان لو - اور
وے کبھی ایسا کر نہین سکتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ نے جو چاہا تھا اُسکا پورا ہونا ضروری تھا کہ وہ مصر مین پیغمبر با تمکین ہون -

اقول شاید یہی حسن طویت ہو واکے مقبول ہوئی کہ اسباط واولاد مین خلافت و مملکت کا استحقاق اولاد یہودا مین رہا جیسا کہ بعض
مفسرین نے لکھا ہو واللہ اعلم۔ بہرحال اس قائل نے جب مار ڈالنے سے منع کیا تو اشارہ کیا کہ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ
اور ڈالدو واسکو غیابت جب مین۔ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اُٹھا لیجائیگا اسکو کوئی مسافر غیابت ہر ایسی جگہ کو بولتے
ہین جو کسی چیز کو ڈھانک کی نظر سے غائب کردے اور جب گڑھا یا بے جگت کا کنوان واسکے مانند بس مراد کنوین کی تہ جسمین نظر
نہین پڑتا احتمال ہر کہ کوئی خاص کنوان مقصود نہ تھا اور قتادہ رح سے روایت ہو کہ یہ مشہور کنوان بیت المقدس کا تھا اسپر کثرت
سے مسافر وارد ہوتے تھے۔ امام حافظ رح نے فقط قول قتادہ رح ذکر کیا اور دوسرون نے لکھا کہ وہب نے کہا کہ وہ اردن کی زمین مین تھا
اور مقاتل نے کہا کہ حضرت یعقوبؑ کے مسکن سے تین فرسخ دور تھا۔ اقول اتنی دور ہونا چاہیے کہ صبح کو بھائی ساتھ لیگئے اور آخر وقت
یا رات تک واپس آئے اور وہان بکری وغیرہ ذبح بھی کی اور کنعان سے بیت المقدس سے بہت فاصلہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم بعض اہل علم
نے کہا کہ ان لوگون نے حضرت یوسفؑ کے قتل کا عزم کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو اسکو بچا لیا تو یہ ان لوگون پر بھی رحمت تھی ورنہ
اگر قتل کرتے تو سب ہلاک ہوکر عذاب مین پڑتے۔ حاصل یہ کہ اس کہنے والے نے انکو سمجھایا کہ تم حسد کو یہان تک نہ بڑھاؤ کہ یوسف
بھائی ہر اسکی جان مار ڈالو بلکہ تمہارا مقصود تو صرف یہ ہر کہ اسکو باپ کی نظر سے معدوم کردو تو یہ یون حاصل ہر کہ اسکو جُب کی تہ
مین ڈالدو وہان سے بعضے مسافر اسکو دور اُٹھا لیجاوینگے اور تمہارا مقصود حاصل ہوجائے گا۔ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ اگر تم کرنیوالے
ہی ہو یعنی اگر تم خواہ مخواہ ایسے فعل پر آمادہ ہو۔ ظاہرا یہ کہنے والا ایسی سخت حرکت کو ناپسند کرتا تھا مگر خراب مصاحبون کی صحبت مین
اتفاق کرنا پڑا واللہ اعلم۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ بیشبہہ وے لوگ بڑے سخت کام پر متفق ہوئے تھے ایک تو ناتا قطع کرنا یعنی علاتی
بھائی اور ایسے نیک کو اس بیرحمی سے ارادہ قتل کرنا دوسرے باپ کی نافرمانی و عاق ہونا تیسرے اس صغیر بے گناہ پر رحم نہ کرنا
چوتھے اس پیر مرد بزرگ کی بیقراری پر ترس نہ کھانا جسکا رتبہ اللہ تعالیٰ کے یہان بڑا تھا پنجم اس حق کا لحاظ نہ کرنا کہ والد و فرزند صغیر
کے درمیان جدائی نہ چاہیے خصوص جبکہ بڑھاپے سے اس بزرگ کی ہڈیان اس تعلق کی آنچ سے پگھلی جاتی ہون اور یہ فرزند صغر سنی
سے اپنے باپ کی لطف پرورش و اُسکی گود مین آرام کا محتاج ہو بیشک یہ سخت بات تھی اللہ تعالیٰ ہم کو اور اُنکو بخشدے
وہ ارحم الراحمین ہر۔ رواہ ابن ابی حاتم عنہ۔ امام حافظ رحمہ اللہ نے لکھا کہ جاننا چاہیے کہ کوئی دلیل اس بات پر قائم نہین ہوئی
کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی نبی تھے بلکہ ظاہر سیاق قرآن مجید اسکے برخلاف دلالت فرماتا ہر یعنی سیاق سے بلکہ یہ
ثابت ہوتا ہر کہ یے لوگ نبی نہین تھے اور لوگون مین بعض یہ گمان کرتا ہر کہ اسکے بعد انکو وحی بھیجی گئی اور وے نبی ہوگئے مگر مجھے اسمین
تامل ہر کیونکہ ایسی بات کے کہنے کیلئے دلیل کی ضرورت ہر اسلئے کہ صرف رائے سے کسیکو نبی نہین بنا سکتے ہین پھر اسکی دلیل مغون
نے کوئی ذکر نہین کی سوائے اس قول اللہ تعالیٰ کے کہ قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب
والاسباط۔ پس معلوم ہوا کہ اسباط پر حیثانزل ہوا جسپر ایمان لائے ہین تو وے ضرور پیغمبر ہوئے۔ امام حافظ رح نے کہا کہ یہ تو کوئی
دلیل یقینی نہین ہر اسلئے کہ اسباط تو اولاد اسرائیل کے سب بطون کہلاتے تھے جیسے عرب مین قبائل اور عجم والے شاخین بولتے ہین
پس فرزندان یعقوب مین سے ہر فرزند کی اولاد نسلاً بعد نسل سبط تھے اور مجموعہ اسباط ہین اور ان اسباط مین انبیاء کثیر گذرے ہین
مانند موسیٰؑ و ہارونؑ و داؤدؑ و سلیمانؑ و عیسیٰؑ وغیرہم تو اُنکے کتب و صحف پر ایمان لانا مقصود تھا اس سے یہ لازم نہین آتا کہ اسباط کے

باپ یعنی اول فرزندان یعقوبؑ جنمین کلام ہووے بھی انبیا رتھے ہان یوسف علیہ السلام بیشک بنص قرآنی پیغمبر تھے۔ اقول ظاہرا مراد شیخ حافظ رح کا اس قول سے کہ بلکہ سیاق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ نبی نہین تھے۔ یہی امور ہین جنکی طرف محمد بن اسحاق رح نے اشارہ کیا ہی اور سابق مین تفسیر کبیر سے سوال چہارم مین منقول ہوئے اور حاصل یہ ہی کہ جسقدر افعال مذکور ہوئے اکثر انمین سے کبیرہ اور مہلک کبیرہ ہین از انجملہ عقوق والدین ہی چنانچہ حدیث صحیح مین اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنیکے بعد دوسرے درجہ پر عقوق والدین شمار فرمایا ہی اور از انجملہ قطع رحم ہی اور قتل مسلم بے گناہ اگرچہ واقع نہین ہوا مگر انھون نے اسپر اتفاق کر لیا تھا اور ایسے ہی حسد اور باپ پر اس راہ سے کہ پیغمبر تھے اعتراض کرنا اور عمداً جھوٹ بولنا اور فریب کرنا اور امانت و عہد مین خیانت وغدر کرنا سب از قسم کبیرہ ہین پھر مترجم کہتا ہی کہ اہل الحق نے زعم کیا کہ قبولیت ازلیہ کو کوئی فعل ضرر نہین کرتا یعنی انجام وہی قبولیت ہونا ہی اور یہ قول صحیح ہی لہذا محتمل ہی کہ انکے واسطے شان ہو اگرچہ بلا دلیل انکی نبوت پر جزم نہین ہو سکتا لیکن جس طرح بعضے شعرا نے اس قصہ مین انپر زبان درازی کی ہی وہ روا نہین ہی خصوص جبکہ انکے صالحین ہونے پر جزم ہی اگرچہ نبی نہون اور ان افعال سے حضرت یوسف و حضرت یعقوب نے عفو و استغفار فرمایا ہی اگر کہا جاوے کہ قتل نفس تو حضرت موسیٰ سے بھی سرزد ہوا کہ اُنھون نے قبطی کو مار ڈالا حالانکہ اسکا نفس مصئون تھا اور یہ جواب نہین ہو سکتا کہ اُنھون نے ایک کافر قبطی کو قتل کیا کیونکہ جب اسکے ملک مین بوجہ ذمی تھے تو اسکا نفس بھی مثل مسلم کے قتل سے محفوظ تھا آیا تو نہین دیکھتا کہ سلطان اسلام کو روا نہین ہی کہ اپنی رعیت مین سے کسی ذمی کافر کو قتل کرے اور جیسے یہ روا نہین ہی کہ کسی کافر کی بادشاہت مین آباد ہو کر کوئی مسلمان جہاد کے بہلنے سے انمین سے کسی کو مار ڈالے اور خود موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کیا کہ یہ شیطانی فعل تھا ہان جواب صحیح یہ ہی کہ قبطی مذکور سخت ظلم کر رہا تھا اسکو انھون نے مارا اور یہ قصد نہ تھا کہ جان سے مار ڈالون مگر وہ مر ہی گیا پس یہ چوک ہی نہ قتل عمداً اور اللہ تعالی خالق حاکم مالک مختار ہی اسنے بخشدیا بقولہ فغفر لی ربی الآیۃ۔ علاوہ ازین ایسے ظالم کو جو مخلوق کو ناحق ایذا پہونچاتے ہین قتل کرنا روا ہی جبکہ سوائے اسکے نجات کی راہ نہو چنانچہ ذخیرہ و محیط وغیرہ مین سید امام کبیر بلخی وغیرہ سے پوچھا گیا کہ سلطانی سرہنگ جو لوگون سے از راہ ظلم مال لیتے ہین یا حاکم اسطرح ظلم کرتا ہی اسکا کیا حکم ہی فرمایا کہ اسکا قتل کر دینا روا ہی اور فرمایا کہ قاتل کو ثواب ملیگا چنانچہ عالمگیریہ فتاوی وغیرہ مین صریح منقول ہی اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالی نے اگرچہ اسپر فتوی نہین دیا لیکن سکوت کیا ہی اور یہان تو قبطی مذکور زبردستی اس سبطی بیچارہ کی جان پر مار پیٹ سے ظلم شدید کرتا تھا پھر بھی اُنھون نے قتل کا قصد نہین کیا پھر بھی یہ قصہ مؤید قول اہل الحق ہی کہ اسرار حکمت الٰہیہ کسی کو نہین معلوم وہی جانتا ہی اور مقبول ازلی کبھی مردود نہین ہوتا اور سورۂ فاطر کی آیت قولہ تعالی منہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ کی تفسیر مین صحیح حدیث وارد ہی کہ کلہم علی منزلۃ واحدۃ فی الجنۃ او کما قال یعنی اپنے نفس پر ظلم کرنیوالے اور درمیانی درجہ پر پہنچنے والے اور بامادہ الٰہی نیکیون پر سبقت کرنیوالے سب کو اہل جنت مین سے فرمایا پس اگر ظاہری گفتگو کو یہان دخل ہو تو نفس کا ظالم انکو وہی معلوم ہی جو مرتکب معاصی ہوا اور یہ ہرگز مراد نہین ہی اور بعض علما کا مقولہ کہ نیکوکارون کیواسطے جو کام نیک ہین وہ اہل قرب منزلت کے حق مین گویا گناہ ہین اسکی مثال یہ ہی کہ اگر بادشاہ کا وزیر صرف خدمتگار کے برابر پنکھا جھلنے کا کام کر دیا کرے تو جو کام خدمتگار کے حق مین اسکی خوبی تھی وہ وزیر سے نازیبا ہوگا حتی کہ وہ نالائق قرار دیا جائیگا الحاصل برادران یوسف علیہ السلام

کی نسبت صلاحیت کا گمان لازم ہو اور جو کچھ اُن سے واقع ہو خواہ باپ کی ایذا، تو اسکو خود باپ نے عفو کر کے اللہ تعالیٰ سے انکے لئے
استغفار کیا اور خواہ حضرت یوسف کے حق مین تو اُنھون نے خود فرمایا لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم پس کسی کو مجال نہین کہ کچھ
گستاخی کرے اگرچہ بوجہ قطعی دلیل نہ ہونے کے یہ یقین نہین ہو سکتا کہ وے ایسے پیغمبر تھے کہ اُنکو وحی ہوتی تھی اور مترجم کہتا ہے
کہ ایک بڑی جماعت مفسرین وغیرہ جو انکی نبوت کے قائل ہین شاید اُنکی مراد یہی نبوت ہو تو ضرور یہ ہوگا کہ انکو وحی ہوتی ہو بلکہ یہ
وحی مخصوص بحضرت یوسف علیہ السلام تھی اور وے رسول کے رسل تھے اور یہ صحیح ہوا ہو کہ ایک رسول کے بھی رسول تابعین ہوتے
ہین اور خود قرآن مجید مین لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع اور یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰؑ کے تابع تھے اور بنی اسرائیل
مین بہت ایسے پیغمبر گذرے جنکو توریت پر عمل کرنے اور اسی پر مخلوق کی ہدایت کرنے کا کام تھا اور عوام اس امر سے ممنوع ہین کہ
شان نبوت یا اسرار الٰہی مین کلام کرین کیونکہ ناسمجھی سے انکو شیطان کے وساوس دور کرنے کی طاقت نہ ہوگی تو اُنکا دشمن
اُن پر غالب ہو جائیگا ایسی طرح کہ خود خبردار نہ ہونگے چنانچہ اس زمانے مین نیچر وغیرہ کتنے گمراہ لوگ ایسے ہی خیالات پر اسلام
سے خارج ہو گئے اور منہ سے اسلام کا دعوی کرنے سے اور لوگ ان کے دھوکے مین اعتقاد کا ضرر اُٹھاتے اور دنیا کے
لالچ سے گمراہ ہوتے ہین جیسے فاحشہ کسبیون کے دعوی سے کہ ہم مسلمان ہین تمام عوام یہ سمجھے کہ بداعتقادی و محض بیباکی اور
ایسے کبیرہ گناہون کے ارتکاب سے کچھ اسلام مین تو فرق آتا نہین لہذا عموماً بدکاریون و فحش فجور کو بیباک ہو کر علانیہ کرنے لگے
اور کسی نے نہ روکا تو سب عذاب خواری مین گرفتار ہوئے اسواسطے لازم و فرض ہے کہ عوام جب انکو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دار الآخرۃ کے وعدہ و وعید کا یقین اور اپنی موت کا یقین ہو تو وے
ہر حکم کی جو قرآن مجید و حدیث مین وارد ہو قطعی اتباع کرین اور ہی تفسیر کی ایسی باتین کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی نبی تھے
یا نہین تھے تو اسکا انکو صریح حکم قرآن یا حدیث مین نہین ہے پس اُنکے واسطے نیک گمان کرین اور جو افعال مذکور ہوئے اُن سے
بحث نکرین کیونکہ جن پر ظلم سمجھا گیا انھون نے خود معاف کیا اور استغفار کیا تو دوسرا اپنی عاقبت کیون خراب کرے اور اسکا
کیا حق اور کیا اختیار ہے۔ فافہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وہو ارحم الراحمین ف کچھ اشارات لاہل الحق کے طور پر مترجم اوپر اشارہ
کر چکا ہے کہ جس سے برادران یوسفؑ کی ایک خاص نیت ظاہر ہوتی ہے اور یہان عرائس سے سننا چاہیئے قولہ لقد کان فی یوسف واخوتہ
الآیۃ۔ یہان کثرت سے علامات و آیات ہین جیسے یوسفؑ کے چہرہ سے ظہور نور وانکے قلب سے ظہور علم غیب و معرفت بذات و صفات
اور وقائع سے لطائف افعال و صنائع عجیبہ اور بیان اس عظیم قہر کا جو اللہ تعالیٰ نے نفس امارہ مین رکھا ہے کہ اپنی شہوات و خواہشون
و حرص کیلئے آدمی کو فتنہ مین مبتلا کرتا ہے اور اسمین ایک عجیب فریب و مکر ہے کہ کبھی کچھ مضبوط آدمی کو نیک بات کی تصویر دکھلا کر ایک ایسے
کام پر آمادہ کرتی ہے کہ اسکے ضمن مین بکثرت معاصی مین گرفتار ہو جاتا ہے حالانکہ وہ بات حاصل بھی نہین ہوتی اور اسی راہ سے
اس نفس امارہ و طبیعت شیطانیہ مین قوی ارتباط ہے پھر صدق و صبر کا انجام نیک اور مکر و بدی کا برا انجام اور ظہور قبولیت
ازلیہ الٰہیہ کہ وہ کسی طرح تبدیل نہین ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف و ادب سے مصیبت و ذلت گوارا کرنے مین ایسی راہ سے
راحت و عزت کا گمان نہین ہوتا اور مانند اسکے۔ وقال المترجم اگر اوپر مذکور ہوئین شیخ نے کہا کہ اس قصہ مین مرید کیلئے اپنے درجہ
و فہم کے مناسب آیات ہین و متوسطین عارفین کیلئے اپنے اپنے مراتب کے موافق آیات لطیفہ ہین اور قصص مین سے اسمین بڑے بڑے

معارف توحید موجود ہین ۔ حمدون قصار رحمہ نے کہا کہ مخلوق کے لیئے حضرت یوسف مین آیات ہین اور حضرت یوسف کو خود بھی اپنی ذات مین بڑی معرفت حاصل ہوئی کر کہا ۔ ما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء ۔ اور بعض نے کہا کہ یہان سے ایک دانائی قیافہ پیجانی ہر کہ اللہ تعالیٰ جسکی صورت و سیرت اچھی کرتا ہے وہ ظاہر و باطن کسی ناپاکی سے مخلوط نہین ہوتا ہو اول یہ دانائی تو علم الٰہی عزوجل ہی کو مفوض ہو وہی خوب اناہر کرس کو اُسنے کیسا پیدا فرمایا ہو ۔ ابن عطا رحمہ نے کہا کہ شان اس قصہ کی یہ ہو کہ جو محزون اسکو سنے وہ اس سے استراحت پاتا ہو قلت جب خوب اب سنکر بھائیونکو حسد ہوا اور دور کرنے پر مشورہ کر کے عزم کیا تو اسپر عمل کرنیکا مکر باندھا کما قال تعالیٰ

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ

بولے اے باپ کیا ہو کہ تو اعتبار نہین کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اسکے خیر خواہ ہین بھیج اسکو ہمارے ساتھ کل کہ کچھ چرے اور کھیلے

وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

اور ہم تو اُسکے نگہبان ہین

جب اس بات پر عزم کر لیا کہ یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کر دین تو اسکے لیئے حیلہ چاہا اور اس حیلہ کو پورا کرنے کیلیئے باپ کی خدمت مین حاضر ہوئے ۔ قالوا ۔ اور کہنے لگے بطور تعجب کے ۔ یَا أَبَانَا ۔ اے ہمارے باپ ۔ مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ ۔ آپکو کیا ہو کہ آپ ہمکو برادر یوسف پر امین نہین ٹھہراتے ہین ۔ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۔ اور ہم تو اسکی بہتری و بھلائی چاہنے والے ہین اسطرح تعجب سے کہنا صرف حیلہ تھا ورنہ دل مین یوسف سے حسد و اسکے قتل تک کا عزم رکھتے تھے اور چونکہ باپنے بھی اُنکی طرف سے یوسف کے ساتھ مکر و حسد کو چرچ لیا تھا اسیواسطے زبانا نیک خواہ بننا اس شد و مد سے ظاہر کیا کہ بطور تعجب کے بیان کیا کہ ہم تو اسقدر دل و جان سے اسکے خیر خواہ ہین تو تعجب ہے کہ آپ ہمکو یوسف پر امین نہین ٹھہراتے ہین تنبیہ اگر فراست سے آدمی کو کسی کی طرف سے کوئی بدی محسوس ہو تو اس سے احتیاط کرنا روا ہو اور ایسی بدگمانی درحقیقت گمان بد نہین یا ممنوع نہین ہو اور منع یہ ہے کہ کسی کی طرف سے گمان بد پیدا کر کے اسکے آزار کی فکر کرے مثلاً زید کو اپنا دشمن گمان کر کے اسکے مار ڈالنے کی فکر کرے تو منع ہی اور اگر وجہ عداوت محسوس ہو تو اپنے آپکو اس سے محفوظ رکھنے مین احتیاط ہو اور تمام کلام فی قولہ ان بعض الظن اثم مین انشاء اللہ مع تحقیق آویگا جب اپنا ناصح و امین ہونا بیان کر چکے تو درخواست کی ۔ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا ۔ یوسف کو ہمارے ساتھ بھیجدیجیئے کل کے روز ۔ یعنی جنگل کو ہم کل کے روز مویشی چرانے یا تیر اندازی وغیرہ کیلیئے جاوینگے ہمارے ساتھ یوسف کو بھی بھیجدیجیئے يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ کہ چھوٹے بند کھاوے و کھیلے ۔ رتع پھل پھلاری میوے مزے سے کھانا ۔ رتع الانسان اپنے جی کے خوشی کے موافق جیسے چاہا فواکہ وغیرہ سے تمتع اُٹھایا پس مراد یہ ہو کہ دل کھول کر جنگل کے پھل و میوے کھائیگا اور لعب کریگا یعنی کھیل کود کریگا ۔ ابن عباس نے کہا کہ خوشدل ہوگا اور کود پھاند کریگا ۔ یہ تو ایک قرأۃ کے موافق ہو جسمین یرتع و یلعب بیاء تحتیہ صیغہ غائب ہو اور فاعل حضرت یوسف ہین دوسری قرأۃ ابن کثیر و ابو عمرو اور ابن عامر کی نرتع و نلعب بنون صیغہ جمع متکلم ہو تو معنی یہ ہین کہ کل ہمارے ساتھ یوسف کو بھیجدیجیئے ہم خوشدلی کے ساتھ پھل میوے کھاوینگے اور کھیل کود کرینگے یعنی ہمارے ساتھ وہ بھی خوشی سے کھیلے کودے گا اس قرأۃ پر یہ سوال وارد ہوتا ہو کہ لہو و لعب تو ممنوع ہو یہ کیسے انبیاء تھے جو کہتے تھے کہ ہم لہو و لعب کرینگے اسکا جواب امام قرأۃ ابو عمرو بن العلاء سے یون مروی ہو کہ سائل کو جواب دیا کہ اسوقت یہ لوگ

انبیا نہین تھے یعنی نبوت انکو اس زمانہ کے بعد حاصل ہوئی ہو - قال المترجم اگر روایت صحیح ہو تو شیخ ابوعمرو بھی انکے نبی ہونے کے
قائل تھے اور نیز یہ جواب اسی تقدیر پر ہو کہ قبل نبوت کے نبی ایسے فعل سے جو بظاہر گناہ ہو وے محفوظ نہین ہوتا ہو جائز ہے کہ
اس سے ایسا فعل سرزد ہو جاوے مگر جن لوگون نے کہا کہ نہین بلکہ نبی ہمیشہ سے محفوظ ہوتا ہو تو اسکے موافق یہان جواب یہ ہو کہ
سائل نے جو یہ گمان کیا کہ لعب سب ممنوع ہو یہ غلطی ہو بلکہ بعض اقسام کے لعب جائز ہین چنانچہ حدیث مین عورتون سے ملاعبت
اور گھوڑے کی سواری و اسکے کرتب سیکھنا اور مشق کرنا اور تیراندازی کا کھیل جائز ہو اور یہ اگرچہ حقیقت مین لعب نہین ہو مگر چونکہ
لعب کی صورت مین ہو اور یاد الٰہی و ذکر و تسبیح و قراۃ وغیرہ کی صورت اس سے ظاہر نہین ہوتی ہو اسواسطے لعب کہلایا پس ممکن
ہے کہ انھون نے ایسا ہی کوئی مباح فعل مثل سیر درختان و صحرا کو لعب کہا ہو بلکہ سواری دوڑانے و آگے نکل جانے و تیراندازی
و نشانہ بازی کا کھیل تھا کیونکہ خود بیان کیا تھا - انا ذهبنا نستبق - یعنی ہم دوڑ یا سواری کی دھاپ مین کہ کون آگے نکل جائیگا
کپڑون و اسباب کے پاس سے چلے گئے تھے اور یوسف کو یہان بٹھلا گئے تھے لیکن مقام یہ چاہتا ہو کہ سوائے نشانہ بازی وغیرہ کے
اور کھیل بھی ہو جسمین یوسف کی شرکت ظاہر ہوئے - اور وہ بھی از قسم مباح ہو سکتا ہو الغرض ایسا جائز کوئی کھیل مقصود
تھا جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے انکار و منع نہین فرمایا اور انکا یہ مقولہ مان لیا کہ ہم کھیل کود کرینگے ہمارے ساتھ یوسفؑ
بھی خوش ہوگا و انا له لحفظون اور ہم ہر حال مین یوسف کے خوب محافظ رہین گے یعنی کسی طرح کا اندیشہ آپ نہ فرماوین
ہم اسکو خوش و خرم کھلا کود کر آپکے پاس واپس لا دینگے - ف فی العرائس فی قوله قالوا یابانا مالک لا تامنا الآیة - الله تعالیٰ
نے اپنے امتحان کا حال بیان فرمایا کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ بندون کو امتحان مین ڈالتا ہو تو اسکی باریکی و حکمت بالغہ و قدرت کاملہ کو
عقلین حیران و حواس عاجز ہو جاتے ہین کوئی نجات نہین پاتا مگر جسکو خود چاہے یہان تک کہ انبیاء بھی نہین بچتے کیونکہ وہ عقول
سے بالاتر ہو اور یوسف علیہ السلام کے بھائی تو اس سال مین نبوت کے درجہ تک نہین پہونچے تھے - شیخ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی
شان نیاری سے مین حیرت مین ہون کہ جب اُسنے تجلی قہر فرمائی تو دیکھو جن لوگون کے نام دفتر ازل مین نبوت و رسالت
کے خانہ مین درج تھے انکی فطرتین کسطرح متغیر فرمائین وہ جو چاہے کرے اسپر کوئی حاکم نہین ہو اسی نے سب کو پیدا کیا
وہی سب کا مالک ہو اور اسکی حکمت و شان کو کوئی شخص ادراک نہین کر سکتا ہو جو چاہتا ہو حکم دیتا ہو وہی واقع ہوتا ہو - یہان سے
حق تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو کہ اپنے ہم سب گنہگارون کیلئے عذر بتلا دیا اور اس سے ظاہر کیا گیا کہ صدق و راستی کے مقام پر
جو کھڑا ہوتا ہو اسکے دل پر خطرات کسقدر ہجوم کرتے ہین اور وہ سب نفس امارہ کی طرف سے آتے ہین ادنیٰ یہ ہو کہ حسد و مکر
سماتا ہو چنانچہ برادران یوسف نے کیسے کہا کہ مالک لا تامنا علی یوسف و انا له لنصحون - حالانکہ اپنے دل مین غلطی کا موقع خوب
پہچانتے تھے کیونکہ انھین کے دلون مین حسد بھر گیا تھا اور دل مین یوسف کا آزار دینا چھپائے ہوئے ظاہر مین اسطرح بیان
کرتے تھے پھر بھی کچھ متنبہ نہین ہوئے پاک ہو وہ خلاق علیم جو بندے کو اسکے نفس سے حجاب مین ڈال دیتا ہو اور صفائی و
مودت کو دم بھر مین مکدر کر دیتا ہے دیکھو اس پردہ کی موٹائی کہ اپنے باپ پیغمبر برحق کی فراست سے بیباک ہو گئے اور نجانا
کہ پیغمبر برحق کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا ہے کہ ہمارے دلی مکر و مضمر ارادہ کو نور فراست سے پہچان جاوینگے - بعض نے کہا کہ یہ شبہ
یعقوب علیہ السلام انکو یوسف پر مامون نہین رکھتے تھے کیونکہ نور فراست سے ان کے دلی حسد و بغض کو پہچانتے تھے قوله تعالیٰ ارسله

معنا غدا یرتع ویلعب - یہاں لہو ولعب کی اجازت دینا صرف اس وجہ سے تھی کہ حضرت یعقوبؑ نے یوسف کی لطافت خاطر کو ملاحظہ فرمایا کہ نبوت کا بوجھ ان پر گمان ہو گیا اور انقباض نے سینہ میں اثر کیا تو انکو لہو ولعب کی اجازت دی تاکہ ایک دم حزن محبت کے پیاپے درد اور اثقال محبت ومعرفت کے ہموم سے باہر ہو کر آیات وعلامات آلہی کو مخلوقات میں ملاحظہ کریں لہذا اس حرکت سے چشم پوشی فرمائی۔ نہ وہ غافل نہ تھے کہ سو ولعب سے اُن کو زجر و توبیخ فرماتے اور دیکھا کہ ان کے دلوں میں ایک لطیف مکر دآثار قہر کا ظہور ہے اور جانا کہ یہ مقام ابتلا وامتحان ہے تو انہیں پر اسکا مدار رکھا اور تقدیر آلہیہ ہر تدبیر سے سابق ہے اور غیرت آلہیہ نے حجاب دوری انکے ویوسفؑ کے درمیان مقدر فرمائی تھی - محمد بن علیؓ نے فرمایا کہ جب انکو زجر سے منع نہ کیا اور خاموش رہے تو اس لعب سے متصل وہ چیز نتیجہ نکلی جس سے برابر غم متصل ہو گیا۔ ابن عطار نے کہا کہ اگر حفظ آلہی کے سپرد کر دیتے اور جانے دیتے تو محفوظ رہتا و لیکن انھوں نے حفاظت کی تدبیر کی اور انکے اس عہد پر کہ انا لہ لحافظون - اعتماد کیا تو انھوں نے امانت میں خیانت اور عہد میں بدعہدی کی چنانچہ دوسری مرتبہ بنیامین کے بارہ میں کہا کہ اللہ خیر حافظا - تو محفوظ رہا بلکہ سب مل گئے بعض نے کہا کہ حضرت یعقوبؑ نے تین مرتبہ اپنے نفس کی طرف رجوع کیا اور اسی میں مبتلا ہوئے اول تو یوسف سے کہا کہ لا تقصص رؤیاک علی اخوتک فیکیدوا لک کیدا پس آخر انھوں نے کید کیا اور دوسری مرتبہ جب اُنھوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ بھیجدو تو کہا کہ اخاف ان یاکلہ الذئب - آخر انھوں نے کہا کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا تیسری مرتبہ کہا کہ لا تدخلوا من باب واحد - آخر ان لوگوں کو وہی پہونچا جس سے پرہیز چاہا تھا - انتہی - جب برادران یوسف علیہ السلام نے درخواست کی تو

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا -

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ

بولا مجکو غم پکڑتا ہے اس سے کہ لیجاؤ اُسکو اور ڈرتا ہوں کہ کھا جاوے اسکو بھیڑیا اور تم

عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ

اس سے بیخبر رہو بولے اگر کھا گیا اسکو بھیڑیا اور ہم یہ جماعت ہیں قوت ور تو تو ہم نے

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

سب کچھ گنوایا

اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے یہ عذر بیان فرمائے - قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ - کہا کہ ضرور مجھے غمگین کرتا ہے اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ یہ امر کہ تم یوسف کو لیجاؤ یعنی شدت الفت سے ایک دم کی جدائی ناگوار ہے تو اتنی دیر تک تمہارے ساتھ بھیجنا مجھے بیشبہہ غمگین کریگا اور دوسرا عذر یہ کیا کہ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ - اور مجکو خوف ہے کہ اسکو بھیڑیا کھا جاوے وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ - درحالیکہ تم اس سے غافل ہو یعنی مویشی چرانے اور سبقت و تیر اندازی وغیرہ میں تم اس سے غافل ہو اور تمہاری غفلت میں اسکو بھیڑیا کھا جائے - سراج میں لایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ یوسف علیہ السلام پر بھیڑیے نے حملہ کیا لہذا احتیاط و پرہیز رکھتے تھے اور اسی خیال سے ان سے یہ بات ذکر فرمائی اور آخر اسی بات کو اُنھوں نے بہانہ پکڑ لیا تھا اسی واسطے ابن عمرؓ سے حدیث مروی ہے کہ ان لوگوں کو خراب باتیں مت سکھلاؤ کہ وے جھوٹ بولیں چنانچہ

یعقوبؑ کے بیٹون کو یہ حیلہ نہین معلوم تھا کہ آدمی کو بھیڑیا کھا گیا مگر جب باپ نے انکو بتلایا تو جھوٹ باندھا اور کہنے لگے کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا رواہ السلفی وابو الشیخ وابن مردویہ۔ اب جاننا چاہیے کہ پہلا عذر جو حضرت یعقوبؑ نے بیان فرمایا اگرچہ اس سے اپنی بیقراری پر ترحم کا اظہار چاہا کہ جب اتنی دیر صبر نہین ہوسکتا تو مدت تک بیقرار و غمگین کرنے کی تدبیر نہ کرنی چاہیے مگر برخلاف اسکے یہ کلمہ زیادہ حسد کو بھڑکانیوالا ہوگیا ادنی یہ کہ اسکی ایکدم کی جدائی ایسی ناگوار ہی اور ہماری ہر روز کچھ پروا نہین ہی اور آخر جسقدر غم حضرت یعقوبؑ کو ہوا اسقدر انکے خیال مین بھی نہ تھا بلکہ جانتے تھے کہ چند روز مین دفع ہوکر ہماری طرف متوجہ ہونگے لہذا انھون نے اس سے حسد کو زیادہ بھڑکایا اور اُسکا کچھ جواب نہین دیا بلکہ دوسری بات کا جواب دیا۔ قَالُوْا دوسری بات کے جواب مین کہنے لگے کہ لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ اگر یہ تصور کیا جاوے کہ اسکو بھیڑیے نے کھا لیا۔ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۔ حالانکہ ہم لوگ ایک جماعت ہین جیسے سر کے گرد عصابہ محیط ہوتا ہے ہم اسکو گھیرے ہوے رہین گے اور ایسی حالت مین کھا لیا تو۔ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ایسی صورت مین ہم لوگ بیشبہہ خاسرین ہونگے یعنی کمزوری و عاجزی کی وجہ سے گویا ہمارا عدم و وجود برابر ہوگا اور ہم کسی شمار مین نہونگے۔ فائدہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب بیان کیا تو بلاے حسد ہجوم کر گئی اور یعقوبؑ نے کہا کہ بھیڑیا کھا جاے گا تو اسی مکر سے غمگین ہوئے۔ عرب کی مثل صادق آئی کہ البلاء موکل بالنطق۔ باتون پر بلا موقوف ہی اور یہان سے زبان کے آفات سمجھنا چاہیے۔ بعض تابعین سے مذکور ہے کہ اگر بات خالص چاندی ہی تو اس سے خاموش رہنا بالکل سونا ہی اور بیشک حدیث صحیح ہے کہ من صمت نجا جو خاموش رہا وہ سالم رہا۔ ف فی العرائس فی قولہ واخاف ان یاکلہ الذئب۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سچ فرمایا تھا اُن کے حسد کے بھیڑیے سے خوف کیا اور اسکو بھیڑیا دیکھنا حقیقت تھا یعنی حسد کی صورت بھیڑیے کی ہی اور ان واقعات مین جو کچھ حضرت یعقوبؑ نے دیکھا اسمین انکی نظر باطنی سابقہ تقدیر پر واقع ہوئی اور فرزندون سے دربارۂ یوسف علیہ السلام کے جو کچھ نور نبوت سے دیکھکر بیان کیا وہ آئندہ زمانے کے واقعات ہونیوالے تھے اور یہ تدبیر وغیرہ کچھ حقیقت توحید کے منافی نہین ہی کیونکہ عقل و عادت و حواس کو بتقضاے بشریت استعمال کرنا کبھی انبیاء و صدیقین کے لیے حقائق تقدیر کے معائنہ سے پردہ نہین ہوسکتا کیونکہ انکا یقین ہماری محسوسات کے دیکھنے سے بھی بہت بڑھا ہوا ہوتا ہی وے خوب جانتے ہین کہ عرش سے فرش تک جو کچھ حرکات و سکنات واقع ہوتے ہین وہ حرف کن اور حکم الٰہیہ مین مسخر و مقدر رہین نیز معلوم کر لیا کہ تقدیر مین میرے و اسکے درمیان فراق ہی لہذا لیجانے ہی پر حزن پیدا ہوا اور فرزندون کو غافل اسی معنی مین کہا کہ جو میرے علم مین ہی اس سے تم کو آگاہی نہین ہی۔ اقول یہ اشارہ ہی کہ شہود وحدت مین تکلم بظاہر غیر سے اور بباطن حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے ہی بس اظہار اندوہ و ملال کسی دوسرے سے نہین ہوتا۔ فافہم فانہ دقیق واللہ تعالیٰ اعلم۔ انھون نے دیکھا کہ غیرت حق کسی غیر پر نظر رکھنا نقص شان نبوت قرار دیتی ہی حتی کہ وسائط پر بھی نظر نہ ہو صرف شہود حقیقت ہو۔ اور اسکی تصدیق یہ ہی کہ بھیڑیے نے یوسفؑ کو نہین کھایا تو معلوم ہوا کہ وہی حسد کا بھیڑیا متمثل ہوا اور فراست نبوت مین خطا کا احتمال خطا ہی اور خود انکو فراست سے یوسفؑ کے آخر عمر تک کے واقعات معلوم تھے چاہو یہ کہو کہ خواب وغیرہ سے ظاہر ہوے لیکن انھون نے مراد الٰہی تعالیٰ سے موافقت کی اور یوسفؑ سے جدائی و شہود حقیقت پر نظر ہو تو اپنی مراد چھوڑ دی ابو علی جرجانی نے کہا کہ بھیڑیے سے خوف کیا تھا وہی مسلط کیا گیا اور اگر اللہ تعالیٰ کا خوف کرتے تو بھائیون کو مجال نہین ہوتی اقول یعنی ان

سے بھی نہ کہتے کہ بھیڑیئے کا خوف ہی۔ جنیدؒ نے کہا کہ ان کا حسد اسی شفقت کے کلمہ سے اور زیادہ بڑھا کہ قصد کو خواہ مخواہ پورا کیا۔ قولہ تعالیٰ قالوا لئن اکلہ الذئب ونحن عصبۃ الآیۃ۔ تقدیر ازلی کو قوت تدبیر دفع نہیں کرسکتی ہی اور قولہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ اور قولہ وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم وغیرہ آیات سے اسطرف اشارات ہیں لیکن نظر توحید کبھی بعض اسباب سے ساکن ہوجاتی ہی پس انکے اس خیال پر کہ ہم ایک جماعت قوی ہیں خاموش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے اسکو قطع کردیا اور ان عہد وامانت والون نے اسکو لیجا کر جُب میں ڈالدیا اور بنیامین کو ساتھ کرتے وقت اللہ خیر حافظا کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ سے اسکو یوسف تک پہونچایا اور یوسفؑ کے ساتھ ان سب کو یعقوبؑ کے پاس جمع کردیا۔ یہی عبرت ونصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنیکا حال و غیر پر اعتماد کا نتیجہ کیسا ہوتا ہی۔ القصہ جب بیٹون نے باپ کو اطمینان دیا تو آگے یہ حال ہوا

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

پھر جب لیکر چلے اُسکو اور متفق ہوے کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنوین مین اور ہم نے اشارت کی اُسکو کہ تو جتادے گا اُن کو

بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

اُنکا یہ کام اور وہ نہ جانین گے

شیخ وہب بن منبہ و دیگر اہل اخبار و قصص نے ذکر کیا کہ بھائیون نے حضرت یوسف کو سمجھایا اور پھسلایا کہ ہم ایسے ایسے کھیل تماشے مین خوشی کرتے ہین تمھارا جی ہمارے ساتھ چلنے کو نہین چاہتا ہی یوسفؑ نے کہا کہ ہان مین بھی چلونگا تو بولے کہ اچھا باپ سے چل کر اجازت مانگو تو سب نے جا کر کہا کہ یوسف کا بہت جی چاہتا ہی حضرت یعقوبؑ نے پوچھا کہ بیٹا تیری کیا مرضی ہی کہا کہ ہان بابا مجھ سے میرے بھائی پیار ومحبت کرتے ہین اب آپ اجازت دیدیجئے حضرت یعقوبؑ نے پیار سے اُن کے عہد پر اُن کے ساتھ کردیا۔ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ۔ پھر جب اسکو لے گئے تو جبتک نظر کے سامنے رہے ہر ایک باری باری سے کندھے پر بٹھاتا اور گود مین لیتا تھا جب نظرون سے غائب ہوکر دور جنگل مین جہان کوئی نہ تھا پہونچے تو غیظ وغضب ظاہر کیا اور اس صغیر بیگناہ بچہ کو تھپڑون و لاتون سے مارنا شروع کیا وہ رو رو کر فریاد کرتا اور ایک کے طمانچہ سے بلبلا کر دوسرے کی طرف پناہ لینے دوڑتا وہ بھی جب مارتا تو تیسرے کی طرف جاتا مگر یہی آفت پاتا اور جس سے فریاد کرتا وہی ترس کی جگہ اسکو طمانچہ مارتا آخر مایوس ہوکر باپ کا نام لے کر رونے لگا کہ اے پدر مہربان تیرے یوسف کا یہ حال ہی بابا اگر تم دیکھتے تو تم سے صبر نہ ہوتا اے باپ اُنھون نے کتنی جلدی تمھارا عہد بھلا دیا آخر اس صدمۂ جانکاہ سے قریب مرگ نوبت پہونچی اور بڑے بھائی روبیل نے زمین پر پٹک دیا اور سینہ پر چڑھکر چاہا کہ قتل کردے حضرت یوسفؑ نے اس چوٹ وصدمہ کے بعد اپنے قتل کا سامنا دیکھکر اُس سے فریاد کی کہ مجھ پر رحم کر مجھے چھوڑ دو اُسنے کہا کہ اے راحیل کے بچہ اب تیرا وہ جھوٹا خواب کہان ہی اُنھین چاند سورج سے کہو کہ تجھے چھڑا دے اور گردن مروڑ کر مار ڈالنا چاہا حضرت یوسفؑ نے یہودا سے فریاد کی اسکو رحم آگیا اُسنے روبیل کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم نے یہ کچھ عہد نہین کیا تھا آخر لیچلے کہ جُب مین ڈالدین۔ کما قال تعالیٰ۔ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ۔ اور سب متفق ہوئے کہ اسکو جُب کے کنوئین مین ڈالدین جب وہان پہونچے تو حضرت یوسفؑ اُسکو دیکھکر ڈرے مگر اُن لوگون نے اس اندھیرے کنوئین مین جسکا پانی کھاری تھا لٹکا دیا اور یوسفؑ کے ہاتھ کنارون سے جھٹک کر چھے

بندھا ہوا اندر اُتارا اور بیچ کنوین سے رسی کاٹ دی۔ آنحضرت اندر گرے اور پانی سے اُبھر کر ایک پتھر اُسمین تھا اسکو پکڑ کر
اسپر آرام پایا اور اس حال مین جب لٹکاتے تھے ان کی قمیص ان لوگون نے اُتار لی تھی روایت ہو کہ جب بیچ مین سے رسی کاٹ دی
تو بحکم آلٰہی حضرت جبرئیل نے بیچ مین سے آپکو بغیر تکلیف کے اس پتھر پر بٹھا دیا اور جب ابراہیم خلیل علیہ السلام کو نمرود نے قمیص
اُتار کر گوپھن کے ذریعہ سے آگ مین پھینکا تھا تو بحکم آلٰہی تعالیٰ حضرت جبرئیل نے حلہ جنت انکو پہنایا تھا وہ قمیص حضرت اسحاقؑ
سے حضرت یعقوب تک وراثت پہونچی تھی حضرت جبرئیل نے اسوقت حضرت یوسفؑ کو پہنائی اور وحی آلٰہی سنائی وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ
اور ہم نے وحی بھیجی یوسف کو یعنی اُسی جُب کے اندر کہ۔ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا تو ان لوگون کو ان کے اس قول سے آگاہ
کریگا۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ حالانکہ وے نہ جانتے ہون گے کہ تو یوسف ہو یعنی کسی ہلاکت وغیرہ کا خوف مت کر ہم تجکو ایسے
رتبہ پر پہونچادینگے کہ یہ لوگ تیرے آگے ذلیل کھڑے ہونگے اور تو ان کو اس فعل سے آگاہ فرمادیگا اور یہ تیرے بلندی درجہ
کی وجہ سے یہ گمان بھی نہ کرینگے کہ یوسف ہو بلکہ ان کو یہ خیال ہو کہ وہین ہلاک ہو جائیگا چنانچہ جب حضرت یوسف کنوین مین
ٹھہرے تو بھائیون نے آواز دی اور حضرت یوسفؑ کی عمر چونکہ بارہ برس یا کم تھی تو ان کو اس اُمید پر جواب دیا کہ شاید
مجھے نکال لین گے پس ان لوگون نے پتھر جمع کیے کہ ابھی جیتا ہے اسکو پتھرون سے ہلاک کرین مگر یہودا نے روکا اور نہ مانا کہ کوئی
مارے اور روایت ہو کہ تین روز آنحضرت اس کنوین مین رہے اور یہودا انکو کسی ترکیب سے کھانا پہونچاتا تھا اور کنوین کا پانی بحکم
آلٰہی شیرین ہوگیا ؎ ترے قدم کے تلے خاک کیمیا ہو جائے ٭ ترے بُجھانے کو ہر خار شکل گل بنجائے ٭ ابن جریرؒ نے اپنے استاد
سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ قحط مین جب یوسف کے پاس انکے بھائی اناج لینے پہونچے تو موافق قولہ تعالیٰ فعرفہم وہم
لہ منکرون۔ یوسفؑ نے اُن کو پہچانا اور وے نہین پہچانتے تھے پس حکم دیا کہ صواع لاؤ یعنی وہ پیمانہ جس سے اناج ناپا جاتا
تھا اسکو ہاتھ پر رکھکر ٹھنکایا تو اس سے جھنجھناہٹ کی آواز نکلی فرمایا کہ مجھے یہ پیالہ آگاہ کرتا ہو کہ تم ایسے لوگ ہو کہ باپ
کی طرف سے تمہارا ایک بھائی یوسفؑ تھا اسکو باپ تم سب سے زیادہ چاہتا تھا اسکو تم نے لیجاکر غیابت الجب مین ڈالدیا۔ پھر
دوبارہ اس جام کو جھنکارا اور کہا کہ پھر تم اپنے باپ پاس آئے اور تم نے کہا کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا اور اسکی قمیص دروغ خون مین
لتھاڑ لائے یہ سنکر اُنھون نے آپس مین کہا کہ عجب ہو یہ جام تو ٹھیک تمھاری خبر بیان کرتا ہو۔ ابن عباس نے کہا کہ ہمارے
علم مین یہ آیت لتنبئنہم بامرہم ہذا الآیۃ۔ اسی بارہ مین ہو بعض مفسرین نے کہا کہ قولہ وہم لایشعرون کے معنی یہ ہین کہ ہم نے
اسکو جُب مین وحی فرمائی درحالیکہ ان لوگون کو وحی ہونے سے خبر نہ تھی ۔ سراج مین کہا کہ اخفار کا فائدہ یہ تھا کہ خالی خواب پر
حسد تھا تو اس کرامت سے بالکل دشمن ہو جاتے۔ اقول اسرار کی توجیہ محول بعلم آلٰہی ہونی چاہیے کیونکہ اگر اُن کو وحی آلٰہی
یا حضرت جبرئیل کی صورت سے آگاہی ہو جاتی تو مارے خوف کے جان نکل جاتی وبحکم قولہ ولوشاء ربک ما فعلوہ۔ اگر تیرا
پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہین کرسکتے تھے ہرگز کسی کو مقابلہ حق عزوجل کی طاقت نہین ہو۔ فافہم۔ پھر اگر کہا جاوے کہ
حضرت یوسف بالکل صغیر تھے ایسی حالت مین وحی فرمانے کے کیا معنی ہین تو جواب اسکا کئی وجہ سے دیا گیا اول یہ کہ شان
نبوت کے استقرار حالات سے دریافت ہوا کہ وحی اسرار واحکام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تو سخت وشدید
تھی کہ سخت سردی مین آپکی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا اور اُسکے بوجھ کو سوائے آپکے کون سنبھالتا کیونکہ بڑے قوی جوان

کی ران پر آپ کا سر مبارک ہوتا تھا تو وہ اسقدر بیتاب ہوجاتا کہ گویا اسکی ران پھٹی جاتی ہے پس یہ وحی تو اسوقت بجمیع اقسام حضرت یوسف پر نازل نہین ہوئی بلکہ جملہ اقسام مین سے صرف ایک قسم یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس ایک بزرگوار شفیق جس سے یوسف کو تسکین ہو بہت شفقت کے ساتھ آئے اور اس غم والم سے انکو تسکین دی کیونکہ جو صدمات اسوقت اس صغر سنی مین آپ پر پیش آئے اگر کسی بالغ پر ہون تو شاید اسکی روح فنا ہوجاوے تو صغیر بچہ کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے کیونکہ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ ایک صغیر بچہ جو ہمیشہ شفقت وناز ونعمت کی گود مین پالا گیا یکایک ہولناک جنگل مین دس مرد زبردست کے ہاتھون قتل کی دہشت وچوٹ کی صدمات مین گرفتار ہوکر ایک ہولناک کنوین مین ڈھکیل دیا گیا پس خیر الملائکہ اچھی صورت مین اسکی تسکین وپیار کیلئے آدمی کی صورت مین آئے اور بشارت دی کہ تم نجات پاکر بڑے عالی درجہ کو پہونچوگے۔ دوم وجہ یہ کہ ایحار مذکور ویسا ہی تھا جیسا حضرت یحیی وعیسی علیہما السلام کو صغر سنی مین وحی فرمائی اور اسی سے استدلال کیا گیا کہ یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالی صغیر کو نبوت دے اور وحی سے سرفراز کرے اور بعض فرقۂ معتزلہ وغیرہ نے جب اس سے انکار کیا تو یہان یہ دعوی کیا کہ حضرت یوسف کی عمر ستر۱۷ہ سال کی تھی اور پورے مرد ہوچکے تھے ولیکن یہ قول صریح مردود ہے اسلئے کہ اتنے بڑے آدمی پر یہ خوف نہین ہوتا کہ اسکو بھیڑیا کھا جائیگا جیسے اور بھائیون مین سے کسی پر یہ خوف نہین ہوا۔ وجہ سوم بعض نے کہا کہ یہ وحی بطریق الہام تھی جیسے قولہ اوحی ربک الی النحل۔ اور قولہ اوحینا الی ام موسی۔ وغیرہ مین ہے ولیکن صحیح قول اول ہی ہے پھر اگر سوال کیا جاوے کہ آیت مین فلما کا جواب مذکور نہین ہے تو کہا جائے کہ بالی سوجہ سے کہ وہ خود ظاہر ہے اور شاید وہ افعال جوان سے سرزد ہوے کہ ایسے باپ کی نافرمانی مین ایسے پیارے بھائی کو اسطرح ایسی بیرحمی سے تڑپا کر مارا کہ رقیق القلب آدمی سنکر تڑپ جاتا ہے اور چونکہ یہ صدمہ خالی جسم پر ہے اور مقصود تعلیم روحانی ہے لہذا اسطرف توجہ نہین چاہیے اسیواسطے جو کوئی جہاد وغیرہ حکم الہی کی تعمیل مین اپنے بچون کی طرف دیکھکر باز رہتا ہے اُسنے وسوسۂ شیطانی قبول کیا پس تقدیر کلام یہ ہے فلما ذہبوا بہ لم یلبثوا ان فعلوا بہ ما فعلوا واجمعوا ان یجعلوہ فی غیابت الجب یعنی لیجانے کے بعد اسکے ساتھ پہلے بہت بیرحمی کا برتاؤ کرکے پھر اس بات پر اتفاق کیا کہ اسکو جب مین ڈالدین پھر مترجم کہتا ہے کہ جو کچھ صدمات وضربات دشتم وانتہا بیرحمی کا برتاؤ مذکور ہوا ہے یہ قرآن مجید مین بصریح دکنایہ مذکور نہین اور حدیث مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم مین سے کسی سے صحت کو پہونچا بلکہ طبقۂ تابعین واتباع مین سے بعض نے ذکر کیا ہے تو اسکی راہ سوائے اسکے اور کوئی نہین ہے کہ اُنھون نے اہل کتاب سے لیا ہوا اور غالباً یہودیون سے لیا ہے پھر جب یہودیون کے روایات کو دیکھا جاتا ہے تو وے بالکل بیباکی سے کتاب الہی کے حکم تک بدل ڈالتے تھے تو بھلا قصون مین کیا اعتبار ہے لہذا نہ ہم تصدیق کرتے ہین اور نہ جھٹلاتے ہین اور اسیواسطے ہم کہتے ہین کہ تقدیر کلام میرے نزدیک اسطرح مناسب ہے فلما ذہبوا بہ واجمعوا ان یجعلوہ فی غیابت الجب فعلوا یعنی جب لیگئے اور اتفاق کیا کہ اسکو کنوین مین ڈالدین تو اسکو کر گزرے پھر جو کچھ افعال سختی وبیرحمی کے قصص سے مذکور ہوے ہین بہت بعید ہین پھر اگر صحیح نہون تو ناحق ایک سخت تہمت کا دنیا مین پھیلانا ہوجائیگا لہذا جسقدر کلام الہی وقرآن مجید سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ بھائیون نے حضرت یوسف پر حسد کرکے چاہا کہ اسکو باپ سے جدا کرکے خود انکی نظرون مین محبوب ہون تو بعض نے کہا کہ جان سے مارڈ کوئی بولا کہ نہین ہم جان سے بھلا کیا مارین اسکو فلان کنوین مین شاید وہ باؤلی ہوگی اتار دو وہان سے کوئی مسافر لیجائیگا پس بہانہ سے باپ کی اجازت سے لیگئے۔ اور اگر مار ڈالنا چاہتے تو ممکن تھا کہ بہین کسی حیلہ سے مار ڈالتے۔ اور لیجا کر شاید بیچ مین

بعض نے اختلاف کیا، اتفاق کر کے کنوین مین اُتار دیا اسوقت اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تو پریشان مت ہو تو انکو انکے ایسے
افعال سے خبردار کریگا اور وے بے شعور ہون گے۔ مترجم کہتا ہو کہ اس سے زیادہ ہم نہین جانتے اور نہ ہم کو تہمت لگانا بغیر
یقینی طریقہ کے جائز ہو لہذا مفسرین مین سے جسنے بیرحمی کی روایات ذکر کے یہ نتیجہ نکالا کہ انبیاء کے یہ افعال تو ہو نہین سکتے ہین
یہ تو مرد صالح کے بھی افعال نہین ہین تو یہ لوگ صالح بھی نہ تھے۔ مین کہتا ہون کہ اسنے یہ نتیجہ خراب تہمت کا کس دلیل سے نکالا
ہے اگر قرآن مجید و حدیث صحیح سے نکالا تو غلط ہو کیونکہ سوائے قصد قتل کے جو بعض کا خیال تھا یا حسد کے اور کچھ ثابت نہین ہے
اور اگر یہودیون کے بیان سے نکالا تو ہم کو آنحضرت صلعم نے منع کر دیا ہو کہ ہم انکی باتون پر اقرار یا انکار کچھ نہ کرین اسلیئے کہ اس قصہ کے
معاینہ کرنیوالے راوی تک ثقہ نقل کرنیوالے کہ جو متقی ہون نہین ملتے ہین تو بھلا ایسی روایات پر ہم کو ہرگز روا نہین ہو کہ ہم
برادران یوسف کے نسبت جنکو باپنے معاف کیا اور خود حضرت یوسف نے معاف کیا ایسا الزام لگا وین اور یہ وہم نہ کرنا کہ مسلمان
کے شاعرون و قصہ کی کتابون اور عموماً لوگون کی زبان پر جاری ہو گیا ہو کیونکہ اصل حال تو معلوم ہو گیا اب اس شہرت کا کیا
اعتبار ہو دیکھو جہان بھر مین مشہور ہو کہ فرعون دریائے نیل مین ڈوبا حالانکہ محققین مفسرین بلکہ جملہ مورخین نے لکھدیا کہ نہین بلکہ
قلزم مین ڈوبا اور قرآن و حدیث مین بحر کے اندر ڈوبنا مذکور ہو اور یہی صحیح ہو اور مترجم نے سراج وغیرہ سے جو یہ روایات
لکھدین تو ان لوگون نے خود لکھدیا ہو کہ قصص و سیر و اخبار کی روایتین ہین اور اُن مین سے کسی نے برادران یوسف پر
یہ اعتراض نہین کیا کہ اسکے نتیجہ سے وے صالح بھی نہین معلوم ہوتے ہین بلکہ سراج وغیرہ مین انکے انبیاء ہونے پر جزم کیا ہو اسیوجہ
سے کہ وے ہر قول کو اسکے رتبہ پر رکھتے ہین یہ اعتراض صرف بعضے ابنائے زمانہ نے کیا جن کو تفسیر لکھنے مین شاید یہ امتیاز
نہین ہو اللھم اغفرلنا وارحمنا وانت ارحم الراحمین ف۔ **فی العرائس** جب حضرت یوسفؑ امتحان مین پڑے اور بھائیون
کے ہاتھون عاجز ہو کر مصیبت اُٹھائی تو غیبت اُنکی تسلی خاطر فرمائی کما قال تعالیٰ واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا وھم لا یشعرون
اشارہ ہو کہ جب رتبۂ رسالت و نبوت و تمکین کو پہونچین گے تو زبان نبوت سے اُنکو اخبار ازلیت سے انکے قول و فعل و حرکات
کو بیان کرینگے اور یہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو کمال تسلی ہو اقول اسلیئے کہ تمام مصائب دنیا درواقع آسان ہین جبکہ انجام
بخیر و رضوان الٰہی ہونا معلوم ہو جائے اور ایسے شخص کو مصائب کی حالت مین بھی قوت الٰہیہ ایسی پہونچتی ہو کہ وہ استقامت پر
رہتا ہو کیونکہ وہ مقبول ہو فاللہ اعلم۔ استاد رح نے فرمایا کہ اشارہ یہ ہو کہ جب بلا مین پھنسایا تو رضوان کا مژدہ معمولی وقت سے
پہلے سنایا جس سے یہ بلا ظاہر ہو جائے کہ رحمت ہو عذاب نہین ہو۔ کہا گیا ہو کہ جب یوسف علیہ السلام سے شفقت پدری منقطع کیگئی
تو رحمت مولیٰ عطا فرمائی گئی اقول سبحان اللہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لطف کے عوض حضرت حق عزوجل خالق و مالک
یعقوب کا لطف محض فضل و انعام ہو قال تعالیٰ۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ

اور آئے اپنے باپ پاس اندھیرا پڑے روتے کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو

عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَآءُوْ

اپنے اسباب پاس پھر اُسکو کھا گیا بھیڑیا اور تو باور نہ کریگا ہمارا کہنا اگرچہ ہم سچے ہون اور لائے اُس کے

عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

کرتے پر لوہو لگا جھوٹ بولا کوئی نہین بلکہ بنادی ہو تم کو تمھارے جیون نے ایک بات اب صبر ہی اچھا ہو اور اللہ سے مدد مانگتا ہون

عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝

اس بات پر جو بناتے ہو۔

جب حضرت یوسف کو قمیص اتارکر غیابت الجب مین ڈال چکے تو اُسی قمیص کو خون مین لتھاڑکر گھر کو روانہ ہوئے۔ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ ۔ اور آئے اپنے باپ پاس وقت عشا کے درحالیکہ روتے تھے۔ قال الامام یہ بندش پہلے سے باندہ رکھی تھی جب یوسف کو اس اندھیرے بن اُس پاس کے ساتھ اکیلا چھوڑ چکے تو اندھیری رات مین باپ پاس آئے روتے تھے اور بڑا ماتم وغم ظاہر کرتے تھے۔ فی السراج وغیرہ عشا کے وقت رات مین اسوجہ سے آئے کہ ان کے چہرہ کو دن کی روشنی مین دیکھکر حضرت یعقوب علیہ السلام فراست سے اس حیلہ کے برخلاف نہ دریافت کرلین اسیواسطے بعض علمار کا قول ہو کہ کسی سے اپنی حاجت رات کے وقت نہ مانگے کیونکہ مروت وحیا آنکھون مین ہوتی ہے وہ روشنی مین چار ہون گے اور دن مین کسی گناہ کا عذر نہ کرے کیونکہ حیا سے عذر ثابت کرنے مین زبان لغزش کریگی۔ قولہ یبکون حال ہو اور رونا فقط آنکھون سے آنسو جاری ہونے کو کہتے ہین اور اسکے واسطے درد دل ضرور نہین ہو پس آیت مین صاف دلیل ہو کہ رونا کچھ سچائی کی دلیل نہین ہو کیونکہ بناوٹ بھی ہوتی ہو اور روایت ہو کہ حضرت شریح قاضی کے پاس ایک عورت نے نالش کی اور روتی تھی آپنے موافق اصول شرع کے گواہ مانگے وہان شعبی رح بیٹھے تھے کہنے لگے کہ اے ابوامیہ تم نہین دیکھتے کہ وہ رو رہی ہو تو فرمایا کہ یوسف کے بھائی نہین روتے آئے تھے حالانکہ وہ ظالم جھوٹے تھے کسی قاضی کو روا نہین ہے (یعنی شریح) کہ ایسی باتون پر حکم دیدے سوائے طریقہ حق وعدل کے۔ الغرض یہ حالت دیکھکر حضرت یعقوب علیہ السلام گھبرا کر پوچھنے لگے کہ کیا ہوا کیا تمھارے مویشی کو کوئی آفت پہونچی بولے کہ نہین پھر فرمایا کہ یوسف کا کیا حال ہو۔ قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ ۔ بولے کہ اے ہمارے باپ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ ہم جاکر دوڑ کی مشق یا تیراندازی کی مشق کرنے لگے وفی الحدیث لاسبق الافی خف او نصل وحافر۔ حدیث مین ہو کہ سبقت معتبر نہین مگر گھوڑ دوڑ مین یا تیراندازی یا اونٹ دوڑ مین۔ اور بعض نے کہا کہ پاؤن کی دوڑ تھی کہ کون آگے نکل جاتا ہو کیونکہ سواری پر نہین گئے تھے اور اسمین (یا بندوق بازی) کلام ہو کہ اس مشق کی ضرورت بنظر جہاد تھی اور روایت نہین ہو کہ اسوقت جہاد فرض تھا ہان حضرت موسیٰ علیہ السلام پر شریعتِ توریت مین فرض ہوا اور برابر فرض رہا یہان تک کہ حضرت عیسیٰ کی انجیل مین منسوخ ہوا لہذا استباق کو لہو ولعب قرار دیا ہو اور مترجم کہتا ہو کہ عدم مفروضیت کا یقین نہین ہو سکتا تھا تو اس سے ممنوع نہین ہو سکتا اور حدیث صحیح مین ہو کہ ارموا فان اباکم کان رامیا۔ لڑکون کو تیر سے چاندماری کرتے دیکھکر فرمایا کہ ہان تیراندازی کی مشق کرو کہ تمھارا باپ تیرانداز تھا۔ شارحین ومفسرین نے کہا کہ باپ سے عرب حجاز کے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مراد ہین اور محتمل ہو کہ حضرت ابراہیم مراد ہون پس ظاہر ہوا کہ اُسوقت بھی مستحسن تھا تو لہو ممنوع نہین ٹھہرا۔ الحاصل انھون نے بیان کیا کہ ہم استباق مین گئے۔ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا ۔ اور ہم یوسف کو اپنی متاع یعنی کپڑون وغیرہ کے پاس چھوڑ گئے تھے فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۔ پس اسکو بھیڑیا کھا گیا یعنی کھیل مین ہم سے غفلت ہو گئی اس سبب سے اسکو بھیڑیا کھا گیا ف جو لوگ عبرت حاصل کرتے ہین اُنھون نے یہان دیکھا کہ آدمی اگر اپنے دل کو یاد الٰہی سے غفلت مین ڈال دے تو دشمن جان سے بڑھکر دشمن شیطان اسکو مردہ کر دیتا ہے پھر عام مسلمانون تمام پر

یہ ہو کہ استباق اگر لہو ممنوع تھا تو غفلت وحرمان ظاہر ہو لیکن ظاہر تفسیر پر اعتراض ہوگا کہ برادران یوسف کیونکر متعجب ہوئے اور اگر ایسا لہو تھا جو شرع مین مباح ہو تو اس سے یہ خانہ بربادی کیونکر ہوئی کیونکہ لازم آتا ہو کہ بعض شرعی مباح سے بھی یہ نوبت پہونچتی ہو بلکہ جبکہ اس سے یہ نوبت پہونچتی ہو تو مباح کیون لکھا گیا اسکا جواب یہ ہو کہ ہان علاوہ بسی لہو مباح تھا لیکن مباح وہین تک جائز ہو کہ غفلت نہ آوے ورنہ حرام ہو جائیگا اور اسیواسطے جو کھانا پینا مباح اس حد تک پہونچے کہ آدمی نیند کے جوش مین ایسا غافل سووے کہ نماز جاتی رہے تو مکروہ ہو اور صریح نص اس کے قصۂ حضرت سلیمانؑ مین صافنات الجیاد کا معائنہ ہو کہ جہاد کی گھوڑیان ملاحظہ کرنے مین وقت نماز سے غفلت ہو گئی باوجودیکہ جہاد کی نیت سے یہ کام ثواب کا تھا مگر پھر بھی اُنھون نے کہا۔ انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب۔ اور سب گھوڑیان جو غفلت مین ڈالنے والی تھین ذبح کردین اور یہان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ غفلت مین ڈالنے والی چیز دور کر دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب عظیم وثنا حاصل کرتا ہو پس جب خیر سے غفلت کا یہ حال ہو تو مباح کا کیا حال ہوگا اور بعید یہ ہو کہ تیراندازی و گھوڑدوڑ وغیرہ خود امر آخرت نہین ہین بلکہ واسطہ ہین اور ذکر الٰہی ونماز وغیرہ خود آخرت سے ہین اب جانو کہ دنیا لہو ولعب ہو بحکم صریح قولہ تعالیٰ۔ انما الحیوۃ الدنیا لہو ولعب۔ اور جو لہو ولعب مباح غفلت مین ڈالے وہ مکروہ ہے تو دنیا بالکل مکروہ وحرام ہے الا اسی قدر کہ غفلت مین نہ ڈالے اسیواسطے حدیث سے ثابت ہو کہ ما قل وکفی خیر مما کثر والٰہی۔ اگر زیادت سے غفلت ولہو مین پڑے تو قلیل کفایت پر قناعت واجب ہو۔ یہ مختصر تنبیہ اسلیئے بڑھائی گئی کہ قرآن پاک ہمہ تن نصائح وعبرت وعلوم واصلاح قلب وطریق دار الآخرۃ دائم وباقی وموصل بخوان الٰہی جل شانہ ہو پڑھو اور دل سے صاف کرو اور اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہو واللہ الہادی الی سواء الصراط۔ القصہ برادران یوسف علیہ السلام نے یہ عذر کیا کہ لہو ولعب مین ہمارے ہاتھ پاؤن مشغول ہوگئے اور ہمارے حواس غافل ہوگئے تو یوسف کو ہمارا دشمن بھیڑیا کھا گیا۔ بھلا یعقوب علیہ السلام کی فراست کے آگے انکو کب فروغ ہوتا یہ خود جانتے تھے لہٰذا کہا۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا۔ اور آپ کو کبھی ہم کو سچا ماننے والے نہین ہین۔ وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ۔ اگرچہ ہم درواقع اس بات مین سچے ہون تو بھلا جب آپ کو ہماری طرف سے حضرت یوسفؑ کے بارہ مین شبہہ تھا تو آپ کب سچ مانین گے اور پہلے آپنے کہدیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اسکو بھیڑیا کھا جاوے اتفاق سے ویسا ہی واقع ہوا بعض نے کہا یعنی آپ بلا دلیل ہم کو سچا نہ مانین گے اگرچہ ہم حقیقت مین سچے ہون۔ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ۔ اور لائے تھے اسکی قمیص پر دروغ خون یعنی ایسا خون جسمین جھوٹ باندھا تھا کیونکہ اُنھون نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ خون حضرت یوسفؑ کا ہو مگر اصل مین جب کنوین مین ڈالا تو قمیص زبردستی اُتار لیا تھا اور بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کے خون مین یہ قمیص لتھاڑ کر حضرت یعقوبؑ کو اپنے قول کی نشانی دکھلانے لائے۔ روایت ہو کہ حضرت یعقوبؑ نے یہ قمیص اُنکے ہاتھون سے لیکر اپنے چہرۂ مبارک پر ڈالی اور یہان تک روئے کہ داڑھی اس خون سے مانند خضاب کے رنگین ہوگئی اور فرمایا کہ اللہ کی قسم مین نے آج کا سا بھیڑیا نہین دیکھا ایسا ہوشیار کہ میرا بچہ کھا گیا اور قمیص کہین سے نہ پھاڑی۔ شعبیؒ نے کہا کہ یوسفؑ کی قمیص مین عجیب واقعات ہین بھائیون نے قمیص اُتار کر خون مین ڈبو لیا مگر قمیص نے ان کو جھٹلایا کہ سب صحیح سالم تھی۔ زلیخا نے ان پر الزام لگایا تو ننھے بچے نے گواہی دی کہ ان کان قمیصہ قد من قبل الآیۃ۔ اس قمیص نے زلیخا کا مکر چلنے نہ دیا۔ آخر وہ قمیص آئی اور اُن کے باپ کی آنکھین روشن کر دین بقولہ والقاہ علی وجہہ فارتد بصیراً۔ وہ لباس نور ہو جو کسی عیب نجاست سے

میلا نہین ہوتا اور آخر اپنی اصل سے متصل ہوتا ہو القصہ حضرت یعقوبؑ نے نہ مانا۔ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا۔ فرمایا کل نہین بلکہ تمھارے نفس نے تسویل سے کوئی امر کیا ہو یعنی تم لوگ اپنے نفوس کے پھندے مین مطیع ہوئے اُسنے تم کو بُرا کام بھلا دکھلایا وہ تم کر کے آسئے ہو بھیڑیئے وغیرہ نے نہین کھایا۔ ذکرالحافظ رح ابن عباس رض نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر بھیڑیا کھاتا تو قمیص پھاڑتا۔ یہی شعبی رح وحسن و قتادہ وغیرہم سے مروی ہو۔ بعض علماء نے کہا کہ آنحضرت علیہ السلام تو پہلے ہی اپنے فرزند دلبند کو کہہ چکے تھے کہ کذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ولیکن تقدیر الٰہی تا جب جاری ہوتی ہی تو حسن تدبیر حکمت الٰہیہ سے پردہ عجیب طاری ہوتا ہو ولقد قال تعالیٰ واللہ غالب علی امرہ۔ اور خود حضرت یعقوبؑ نے آخر کہا کہ انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنکو جو علم تھا اس سے جانتے تھے کہ یوسفؑ زندہ ہین۔ بعض نے لکھا کہ علم الٰہی سے یہ کچھ منزلت تھی کہ مصر سے قمیص کی خوشبو سونگھ لی لیکن بھائیون نے گاؤن کے پاس کنوین مین ڈالا وہ نہ جانا تو یہ بوجہ تقدیر ہی اور یہی دلیل اس امر کی ہے کہ او تعالیٰ غالب قوی عزیز حکیم ہی جو چاہتا ہے ہوتا ہے جب چاہا علم دیا جب نہ چاہا کچھ نہین پس حمد و ثنا اسی قادر حی القیوم کیلئے ہی بالجملہ کسی خاص علم سے آنحضرت علیہ السلام نے اُنکے قول کو جھٹلایا اور اُسپر یہ بھی زیادہ کیا کہ تمھارے نفوس نے کسی حرکت پر تم کو آمادہ کیا جو تم سے سرزد ہوئی۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔ اے فصبر جمیل اولیٰ من الجزع وقیل فصبری صبر جمیل وقیل فہو صبر جمیل والاولیٰ ہو الاول۔ پس صبر جمیل خوب ہی شکایت وجزع وفزع سے۔ علماء نے کہا کہ صبر دو طرح کا ہی ایک جمیل جو خالص اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کیلئے ہو پس اسکو ایک نور مشاہدہ ہوگا کہ یہ امر حق تعالیٰ ہی اسکے استغراق مین کسی سے شکایت نہین کریگا اسی سے کہا گیا کہ پوری محبت وصدق مودت نہ وفا سے بڑھے اور نہ جفا سے گھٹے اور دوسرا صبر جو جمیل نہ ہو اور وہ کسی غرض وغیرہ سے سوائے خلوص رضاء الٰہی کے ہوتا ہے۔ وفی تفسیر الحافظ۔ مجاہد رح نے کہا کہ فصبر جمیل یعنی جزع نہین ہے ثوری رح نے اپنے بعض شاگردون سے نقل کیا کہ اُسنے کہا کہ صبر مین سے یہ ہی کہ اپنے درد و مصیبت کو کسی سے بیان نہ کرے اور اس سے اپنے نفس کی خوبی نہ سمجھے اور حبان بن ابی جبلہ سے مرسل روایت ہو کہ صبر جمیل کی تفسیر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر لاشکوی فیہ۔ ایسا صبر ہو کہ جسمین شکوی نہ ہو۔ اور بعض اہل تفسیر نے اتنا اور زیادہ ذکر کیا کہ جس نے بیان کیا اُس نے صبر نہ کیا اور امام حافظ رح نے کہا کہ امام بخاری رح نے اس مقام پر حدیث عائشہ رض جو دربارہ افک حضرت صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا تھی وہ بیان کی چنانچہ اسکے آخر مین جب آنحضرت صلعم نے خود حضرت ام المومنین صدیقہ رض سے پوچھا اور آخر انھون نے خود جواب دیا تو یہ کہا کہ جھوٹے بہتان باندھنے والون نے جو کہا وہ تم لوگون کے خیال مین جم گیا ہے اب اگر مین قسم کھاؤن تو تم میری تصدیق نہ کروگے اور اعتذار کرون تو نہ مانوگے (حضرت صدیقہ نے کہا کہ مین قرآن کم پڑھتی تھی اسوقت مجھے یعقوب تو یاد نہ آیا مین نے یوسف کا باپ کہدیا) میری اور تمھاری مثل وہ ہی جو ابو یوسف نے کہا تھا۔ فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔ اُسیوقت اللہ تعالیٰ نے انکا عذر نازل فرمایا اور پاکیزگی ظاہر فرمائی اور بہتانیون پر غضبناک جھڑکی اُتاری اور ایسا ہی سراج مین بھی اسکو یہان ذکر کیا ہے مترجم کہتا ہو کہ شاید امام بخاری کا یہان یہ حدیث لانا صرف روایت پر محمول ہوا اور تفسیر سے اسکا ربط کچھ ظاہر نہین ہوا اسیواسطے اس سے کچھ استفادہ بیان نہین ہوا اور مترجم ضعیف اپنے مالک مولیٰ حق سبحانہ تعالیٰ کی توفیق سے جو کچھ سمجھتا ہی ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاء سے پناہ مانگتا ہے۔ واضح ہو کہ اس حدیث سے اس آیت کریمہ کی تفسیر مین بہت مدد ملتی ہے

کیونکہ حضرت یعقوبؑ نے دو جملے فرمائے ایک تو قولہ فصبر جمیل ۔ اور دوسرا قولہ ۔ واللہ المستعان علی ما تصفون ۔ یعنی امر یوسف مین جو تم
کہتے ہو اسپر اللہ تعالیٰ ہی مستعان ہی یعنی اُسی سے استعانت مین بھی چاہتا ہون اور ہمیشہ چاہونگا اور ہر ایک اُسی سے چاہے اور وہی لائق
ومستحق ہی کہ سب مخلوق اُسی سے استعانت چاہے پس صبر جمیل تو طاعت و تسلیم ہی بمنزلہ قولہ ایاک نعبد ۔ اور یہ کلام بمنزلہ ایاک نستعین ہی پس
حدیث موصوف سے بیان کی باتین معلوم ہوئین اوّل یہ کہ حضرت ام المومنین صدیقہؓ کئی دن رات برابر روئین اور آخر مین صبر جمیل فرمایا تو
جب نظر بجانب خوف الٰہی ہو اور رونا کچھ شکایت قضاء الٰہی سے نہ ہو تو صبر جمیل زائل نہ ہوگا چنانچہ اولاد وغیرہ کے مرنے مین مطلقاً رونا ممنوع
نہین ہی جبکہ طپش دل سے آنسو جاری ہون یا بشفقت یا بخوف الٰہی مگر قضاء مقدر سے شکایت کسی مخلوق کے سامنے نہ ہو کیونکہ حضرت یعقوبؑ نے
کہا تھا کہ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ ۔ تو اللہ تعالیٰ کی درگاہ مین تضرع اُس سے اُسی کی طرف ممنوع نہین ہی ۔ دوم یہ کہ صبر جمیل یہ ہوا کہ
باوجود تمام صدق کے قسم کھانا بے سود تھا و اعتذار بے فائدہ تھا تو صبر جمیل مین قسم نہ کھاوے نہ اعتذار کرے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام
نے نہ اُنسے مواخذہ کیا اور نہ اوروں سے در بارہ تفتیش وغیرہ کی استعانت لی اور نہ تحقیقات کی اگرچہ کید و فریب اس قمیص سے ظاہر
ہوگیا تھا بلکہ صبر جمیل کیا اور اللہ تعالیٰ سے استعانت چاہی اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا آیہ کلام کے معنی اور ربط کس طرح ہے
اور یہان فوائد بھی پورے ہین مین گنجائش نہین پاتا واللہ الموفق اور شاید کہ صبر جمیل مین اللہ تعالیٰ سے استعانت عین عبادت ہے
تو اب یہ سوال بھی وارد نہین ہوتا جو سراج وغیرہ مین مذکور ہی کہ قضاء الٰہی پر صبر کرنا واجب ہی مگر ظالمون کے ظلم پر صبر کرنا ضروری نہین ہی
تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس معاملہ مین اچھی طرح تفتیش کیون نہ کی اور دوسرون سے استعانت کیون نہ لی اسلئے کہ خاندان شرافت
مین سے تھے اور لوگ اُنکو مانتے تھے اور جواب یہ دیا کہ شاید برادران یوسفؑ اس امر سے مانع ہوتے اور شاید وحی سے منع کئے گئے ہون
تاکہ مشقت سے ثواب زیادہ ہو اور مترجم کے نزدیک حدیث موصوف سے استفادہ اقوی ہی اس لئے کہ اگر ملنے والے ہون گے
تو بغیر کسی جستجو کے مل جاوینگے اور اگر نہین تو یہ اضطراب بے فائدہ ہی پھر اگر وہم ہو کہ رزق حلال کی جستجو بھی بیکار ہی کیونکہ جو مقدر ہوگا ملے گا
ورنہ نہین تو جواب یہ ہی کہ بیشک جسقدر رزق مقدر ہے گا ملیگا اور جسطرح مقدر ہوگا وہ اس بندے سے ضرور واقع ہوگا اور شاید
یہ مقدر ہو کہ مشقت سے اسقدر اور بے محنت بہت قلیل ملے بہر حال اُسنے یہ کہان سے جانا کہ میرے حق مین یہ مقدر ہی کہ ہاتھ پاؤن توڑ
کے بیٹھ رہون اور فرق یہان یہ ہی کہ رزق کے واسطے تلاش کا حیلہ مقرر ہی تو جب اُسنے یہ حیلہ نہ کیا تو عادت الٰہیہ سے اُسنے برخلاف کیا
اور یہ معصیت ہی اگر ایسی نیت ہو اور ظاہر ہی کہ گناہ کرنے سے رزق مین کمی ہوجاتی ہے جیسا کہ حدیث صحیح مسلم سے ثابت ہی جیسے گھبراہٹ
کے ساتھ حرص مین طمع کا پاؤن پھیلانا معصیت سخت ہی اس سے کچھ مقدر سے زیادہ نہین ملتا اور گناہ شدید کے بعد جو ملا وہ رزق
کیا بلکہ عذاب ہی یہین سے سمجھو کہ جو بعضے سرکش گناہگار بہت کچھ مال پاتے ہین وہ ان کے حق مین رزق حلال نہین بلکہ عذاب شدید ہے
کہ فوراً مرتے ہی یہ وہ اُٹھ جائیگا پس حاصل یہ کہ حدیث مین اجملوا فی الطلب کا حکم اسی معنی مین ہی یعنی طلب جمیل کرو رزق کی تلاش
مین پس طلب جمیل یہی ہی کہ آخرت کے کام مقدم کرکے تبعاً اسکے طالب ہو اور یہ نہ چاہئے کہ طلب کو مقدم کرکے پھر جو کچھ وقت بچے اُسمین
عبادت کرے اور قصہ مین صبر جمیل یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ سے استعانت چاہی اور ایسی جستجو مین پڑنا جو خلاف طریقہ تقوا و قدر ہی خلاف
جمیل جانا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم ف ۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام سے باپ کی شفقت توڑ دی گئی اور اس صالح نے رضائے
حق تعالیٰ کی طرف جگہ ڈھونڈھی تو ارحم الراحمین سے وہی تسلی پہونچی اور ہزار ناز و نعمت مین بھر گئے ۔ رہا بھائیون کا حال

تو فرمایا حق تعالیٰ نے وجاءوا اباھم عشاءً یبکون۔ اسمین منجملہ اسرار کے یہ ہے کہ آدمی مین جو طبیعت رکھی گئی ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ جب اسکی مراد حاصل ہو جاتی ہے تو بہت نرم بنجاتی ہے اور رونے کو چاہو تو رونا آجاتا ہے اور یہ فقط دنیا کی خواہش ولذت وشہوات کے حصول سے ہوکر ہوتا ہے جو عقل پر پوشیدہ نہین ہے اور اکثر یہ رونا خالی بناوٹ ہوتی ہے کسی عبرت وقلق آخرت سے وموجب ثواب وکمال نہین ہوتا ہے اور عشاء کو اسی جہت سے آئے کہ باپ کے رعب سے حالت سے دہشت نہو اور بناوٹ ظاہر نہو جائے اور اندھیرے مین جلدی کی بناوٹ ٹھیک ہو قولہ وجاءو علی قمیصہ بدم کذب الآیۃ۔ اسمین منجملہ اشارت کے یہ ہے کہ فریب ومکر اہل ایمان و نور فراست والون پر پوشیدہ نہین ہوتا حالانکہ بے قرب مقامات اور اولیاء کے مقالات سے مدعی ہوتے ہین اور یہ لوگ سچے ہین اور ظاہر یا باطن راہ حق مین شہید ہین اُن کے خون سے شہادت ٹپکتی ہے اور حدیث صحیح مین آیا کہ المتشبع بمالم یعط الحدیث جو ایسی چیز سے سیر ہو بیٹھے کہ حقیقت مین اسکو نہین ملی تو ایسا ہی جیسے کوئی مکر کا لباس پہنے ہو یعنی بناوٹ سے خلعت پہنکر شاہزادہ نہین ہوجاتا اگرچہ اسکو اسوقت خلعت بھی حاصل ہو تو بھلا جو کوئی فریب سے خلعت کی قطع بنادے وہ ضرور آنکھون والون پر مکار ظاہر ہوجائیگا عجب ہے کہ جس کے دل مین ایمان کا نور ہے اگرچہ وہ ولی نہ ہو وہ آخر ضرور ولی ومکار مین امتیاز کرلیتا ہے تو بھلا گمراہ ہونے والے کس نام پر مطلع نہین ہوتے ہین طبیعت مین جب حسد چھایا تو اس سے دروغ وگناہ پیدا ہوتے ہین اور عالم مین آگ لگا دیتے ہین حسین بن الفضل رح نے لکھا کہ آخر مین برادران یوسف نے کہا تھا کہ ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل۔ اور یہ دروغ کلمہ تھا تو آخر دروغ بھی اسی اول حسد کے دروغ سے ہوا جب کہا کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا۔ قولہ بل سولت لکم انفسکم امرا۔ اس سے فراست یعقوب علیہ السلام ظاہر ہے اور انکو نفوس کے کید وفریب سے آگاہ کردیا اور اشارہ ہے کہ تم اپنے فریب مین خود گرفتار ہو اور مین تو درمیان مین سوائے سابقہ تقدیر کے کچھ نہین دیکھتا ہون پس قولہ فصبر جمیل سے حق عزوجل نے لباس پہنایا اور صبر جمیل وہ ہے کہ مصیبت مین گرفتار ہوکر تقدیر ازل ومراد الٰہی کو مشاہدہ کرکے اس سے صابر ہو اور اپنے نفس سے تکلف کا صبر نہو۔ ولقد قال تعالیٰ وما صبرک الا باللہ۔ وقال تعالیٰ واصبر لحکم ربک فانک باعیننا اور تحقیق اسمین یہ ہے کہ دل پر جو کچھ اللہ تعالیٰ جاری فرمائے اُسپر آسودہ ہو اسطرح کہ یاد الٰہی صاف اور ذوق مشاہدہ منور رہے لہذا فرمایا واللہ المستعان علی ما تصفون۔ میری استعانت صبر بلا مین اُسی سے ہے کسی اور چیز سے نہین ہے شیخ حسین نے فرمایا کہ موارد قضا پر ظاہر وباطن کی آسودگی کو صبر جمیل کہتے ہین۔ یحییٰ بن معاذ رح نے فرمایا کہ صبر جمیل یہ ہے کہ بلا کو دل خوش ولب خندان قبول کرے۔ قال تعالیٰ

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ

اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پنہارا اُسنے لٹکایا اپنا ڈول بولا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا

وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ

اور چھپا لیا اُسکو پونجی سمجھکر اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہین اور بیچ آئے اُسکو ناقص مول کو گنتی کی کئی

مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝

پاولیان اور ہو رہے تھے اُس سے بیزار

ع ۲ / ۱۴ / ۱۲

جب حضرت یوسفؑ بنا بر بعض روایات کے تین روز اُس جُب مین رہے کہ یہودا اُن کو کھانا پہونچاتا رہا اور بنا بر بعض روایات کے ایک ہی روز رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اندھیرے کنوین سے جسکا پانی کھاری تھا اپنے بندہ مخلص کو خلاص فرمایا اس طرح کہ

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ اور آگئے کچھ مسافر۔ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ۔ سو انھون نے اپنے وارد کو بھیجا۔ سراج وغیرہ مین لکھا کہ سیارہ در اصل سیر کرنیوالے جو زمین مین پھرنے رہتے ہین پس مسافرون کو اسی وجہ سے سیارہ کہتے ہین اور یہ لوگ جو بئر الجب پر وارد ہوئے تھے مدین سے یا شام سے روانہ ہو کر مصر کو جاتے تھے وے راستہ بھول کر بھٹکتے ہوئے اس جنگل مین آئے جہان یہ کنوان تھا اور یہ کنوان آبادی سے دور ایک جنگل مین تھا جس سے پانی پینے سوائے چرواہون کے کوئی نہین آتا تھا اور مترجم کہتا ہے کہ پہلے ایک روایت یہ بھی مذکور ہوئی کہ اس پر اکثر لوگ اترا کرتے تھے تو ظاہر اس قول پر بعض نے زعم کیا کہ وہ بیت المقدس کا کنوان تھا یا مراد یہ ہو کہ چرواہے بہت آتے تھے لیکن مناسب مقام یہی قول ہو جو یہان مذکور ہوا بہر حال روایت ہو کہ اس کنوین کا پانی کھاری تھا حضرت یوسفؑ کی برکت سے شیرین ہو گیا تھا یہ لوگ بھٹکتے ہوئے وہان اترے اور آگے اپنا وارد پہلے بھیجدیا تھا اور وارد اسکو کہتے ہین جس کو مسافرون کی جماعت اپنے مین سے منزل پر پہلے بھیجدے تاکہ وہان پانی کا بندوبست کردے تو وہ اپنی جماعت سے پہلے منزل پر پہونچ جاتا ہو اور پانی بھر کر جمع کرتا ہی تاکہ ساتھی لوگ آتے ہی جانورون کو پلا دین اور کھانے پکانے کا سامان کرین اور اہل التفسیر نے لکھا ہو کہ یہان ان کے وارد کا نام مالک بن ذعر الخزاعی عرب کا بدوی تھا اسنے یہ وہی کنوان پایا جسمین آنحضرت علیہ السلام اس بیکسی سے ڈالے گئے تھے۔ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ۔ پس وارد نے اپنا ڈول کنوین مین لٹکایا اور ظاہر ہے کہ یہ بچہ بیچارے ایک نکلنے کا وسیلہ و سبب پاکر ڈول سے چمٹ گئے چنانچہ اُسنے نکالا تو یہ عجب دیکھا کہ نہایت خوبصورت لڑکا نکل آیا۔ خوبصورتی کی تفصیل بعض راویون نے بیان کی کہ گھونگروالے بال بڑی بڑی آنکھین چہرہ خوبصورت رنگ گورا باہین اور ٹانگین گداز بھری ہوئین سینہ چوڑا کر پتلی ناف باریک چھوٹی تمام اعضاء نہایت متناسب کوئی تعریف کر نہین سکتا جب بولتے تو دانتون سے نور برستا گویا کہ موتی جھڑتے اندھیری رات مین چاندنے بلکہ دن ہو جاتا اور ابتدائے خلقت حضرت آدمؑ سے مشابہ تھی خلاصہ بیان کا یہ وہ ہی جو حدیث کی روایت مین آیا کہ یوسف کو آدھا حصہ حسن کا دیا گیا تھا اور بعضے کہتے ہین کہ آپ کی پر دادی حضرت سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو چھٹا حصہ حسن کا دیا گیا تھا اور مراد اُس حسن سے یہ ہو کہ ظاہری دیدار نہایت خوبصورت تھا۔ القصہ جب اُسنے ایسا لڑکا دیکھا جسکو نصف حسن دیا گیا تھا تو۔ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ۔ بول اٹھا کہ اے بشارت یہ تو غلام ہے۔ عرب کا قاعدہ ہو کہ خوشی کے وقت بشارت کو پکارتے ہین اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ وقت وہ ہو کہ اے بشارت تو حاضر ہو جیسے غم کے وقت ویل و ہلاکت کو پکارتے ہین چونکہ خوشی کا وقت تھا اسنے اپنے لیے بشری یعنی بشارت کو پکارا اور بعض قراءۃ مین بشری بکسر الراء و سکون یاء آیا تو اصح یہ ہو کہ اسکے معنی بھی یہی ہین صرف اتنا ہوا کہ اے میری بشارت کہا۔ یہی ابن کثیرؒ نے ارجح قرار دیا اور بعض نے زعم کیا کہ اسکے ساتھ بشری کوئی عورت تھی اور بعض نے کوئی دوسرا مرد گمان کیا واللہ اعلم اولی وہی اول ہی پھر غلام سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ آنحضرتؑ بچہ تھے یا غلام مملوک یعنی اسنے آپ کو غلام شاید اسوجہ سے گمان کیا کہ تنگے بدن بے نہا خستہ حالت مین تھے بھلا کوئی فرزند کے ساتھ ایسا کیون کرتا خصوص ایسا خوبصورت بیٹا۔ اور یا اس قرینہ سے کہ کنوین مین پانی بھرنے کو غلام آیا کرتا ہو لہٰذا ظاہر غلام بمعنی مملوک اُسنے مراد لیا بقرینہ قولہ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً۔ اور انھون نے اسکو پوشیدہ رکھا ایک نفیس اسباب یا اصطلاحی بضاعت قرار دیکر۔ یا بعید قرار دیکر یہ دونون متخالف باتین ہوتے ہین کہ اسروہ کی ضمیر فاعل کی طرف راجع ہو پس دو احتمال ہین اول یہ کہ وارد مع ساتھیون کی طرف ہو یعنی اسر الوارد و اصحابہ یوسف بضاعۃ۔ یعنی وارد الخزاعی نے اپنے لوگون سمیت جو اسوقت کنوین پر اسکے ساتھ تھے پوشیدہ کیا کہ باقی لوگون سے جو آج منزل پر آتے ہون گے اسکو خفیہ کر لو کہ یہ ہمارے لئے خاص ایک بضاعت

یا نفیس سا باب ہوگا اسکو ہم مصر مین پہونچکر بیچکر مالا مال ہو جائینگے چھپانا مشکل امر تھا واللہ اعلم یا یہ مشورہ کیا کہ اس راز کو پوشیدہ کردو
کہ ہم نے کنوین سے پایا بلکہ ساتھیون سے کہہ دو کہ راستہ مین کسی مقام پر ہمارے عزیز ملے تھے اُنھون نے یہ غلام اپنا مال ہم کو بضاعت
دیا ہے کہ مصر مین اُنکے لئے فروخت کردین اور بضاعت وہ مال ہوتا ہے جو آدمی کسی دوسرے عزیز یا ملاقاتی کو اس غرض سے دیتا ہے
کہ تم تجارت کو کسی کام کو جاتے ہو ہمپر احسان ہوگا کہ ہمارے اس مال کو تجارت کرتے لاؤ تمہاری بدولت ہم کو کچھ نفع ملجائے گا اور اگر
شاید خود بخود تلف ہو یا چور لیجاوین یا گمی پڑے تو خیر ہماری قسمت ہے بس حاصل یہ ہوا کہ وارد اور اسکے ساتھیون نے بضاعت
کرکے اسکو چھپا ڈالا - احتمال دوم یہ کہ ضمیر مذکور آنحضرت کے بھائیون کی طرف راجع ہے اور بات یہ تھی کہ یہودا ہر روز یوسف کو طعام
لاتا پس اُسنے تیسرے روز کنوین مین نہ پایا تو بھائیون کو آگاہ کیا اور ان کو خیال ہوا کہ شاید اسی دیس کا کوئی نکال لایا ہو تب تلاش
کی تو مالک بن دعر الخزاعی وغیرہ کو اُترا پایا اور وہین یوسف کو دیکھا تو عبرانی زبان مین قتل سے ڈرایا اور مسافرون سے کہا کہ
یہ ہمارا غلام بھاگ کر کنوین مین گر رہا تھا تم کو مفت نہین ملیگا ہان ہم کو اسکی زیادہ خواہش نہین ہے تم کو ہم سستا بیچینگے انتہی حاصل
معنی قولہ واسروہ بضاعۃ یعنی یوسف کے بھائیون نے اسکو مخفی کیا کہ اُنکا بھائی ہے اور یوسف نے قتل کے خوف سے چھپایا
اور بیچ ہونا گوارا کیا پس وارد خزاعی نے ساتھیون کو آواز دی کہ یا بشری ہذا غلام یعنی اے ساتھیو خوشی کا مقام ہے کہ یہ
حسین غلام سستا بکتا ہے قال تعالی - وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ - اور اللہ تعالی جانتا ہے جو یہ لوگ حرکت کرتے تھے کہ ایسے کریم بن الکریم
بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم التسلیم کو اسطرح غلام بضاعت بناکر فروخت کرتے تھے جب یہ گفتگو ہوئی تو
معاملہ ٹھہرا - وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ - اور بیچ ڈالا اسکو بعوض داموں نجس یعنی حرام کے قول ضحاک ہے اسلئے کہ آزاد کے دام حرام ہین یا
ثمن زیوف کے قول ابن مسعود روایت کیا جاتا ہے یعنی بعوض کھوٹے داموں کے - یا بقول عکرمہ بعوض قلیل داموں کے جیسا کہ اللہ تعالی
نے فرمایا - دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ - یعنی کچھ گنتی کے روپیون کے بدلے اور یہ عرب کا محاورہ ہے مراد بہت تھوڑے درم ہوتے ہین کیونکہ
چالیس درم ہوتے تو اسکا حساب تول سے ایک اوقیہ ہوتا ہے اور اس سے کم گنتی کے ہین اور مروی ہے کہ بیس کو بیچکر دو دو درم بانٹ
لیے تھے کیونکہ ٹوٹے تو چاہتے ہی تھے کہ کوئی لیجائے انکو مال عزیز نہ تھا لہذا فرمایا - وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ - اور یوسف کے
حق مین اُنکے بھائی لوگ بالکل بے پروا اور بے رغبت تھے مفت بہا دیا واضح ہو کہ شیخ حافظ نے لکھا کہ قولہ واسروہ بضاعۃ یعنی خزاعی
وغیرہ نے باقی مسافرون سے چھپایا اور کہا کہ ہم نے اسکو خریدا یا بضاعت لیا ہے اس خوف سے کہ ساتھی اسمین ساجھا مانگین گے
جب اُنکو صحیح بات معلوم ہو جائے - یہ مجاہد و سدی و ابن جریر کا قول ہے اور عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ اسروہ بضاعۃ
یعنی بھائیون نے یوسف کا حال پوشیدہ کرکے غلام بتلایا اور آخر تک موافق مذکورہ بالا کے تفسیر ذکر کی اور لکھا کہ قولہ وشروہ
بثمن یعنی بیچ کیا اسکو بھائیون نے - یہ ابن عباس و مجاہد و ضحاک کا قول ہے پس شراء بمعنی بیع بھی بسبب لغت ہے اور قتادہ نے کہا کہ یعنی
خریدا اسکو مسافرون نے لیکن کہا کہ قول اول راجح ہے کیونکہ مسافرون نے خوشی سے خریدا تھا اگرچہ اب یہ ہے کہ اُنھون نے دھوکا کھایا
کہ یہ جھگڑا ہے اسلئے کم دامون کو بے رغبت ہو کر خریدا تھا اور لکھا کہ ابن مسعود نے کہا کہ بیس درم کو اور ابن عباس و نوف البکالی
و سدی و قتادہ و عطیہ نے بڑھایا کہ دو دو درم بانٹ لئے اور مجاہد نے کہا کہ بائیس کو بیچا مترجم کہتا ہے کہ دو دو درم بانٹنے سے
گیارہ بھائی کے حساب سے بائیس ہوئے لیکن بنیامین قطعاً شریک نہ تھے تو یہ وہم ہوگا اور لکھا کہ محمد بن اسحاق و عکرمہ نے چالیس درم

بیان کیے مترجم کہتا ہے کہ پھر معدودہ درہم ہون گے لہذا کم ہونا چاہیئے۔ سراج وغیرہ مین محمد بن اسحاق کا یہ قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ جانے کہ بھائیون نے بیچا یا مسافرون نے خریدا یعنی مقصود تو ظاہر ہے اس سے زیادہ بحث کی کچھ ضرورت نہین ہے اور
سراج مین لایا کہ اسروہ بضاعۃ کے دونون قول مین سے خزاعی وغیرہ کا خفیہ کرنا اقوی ہے کیونکہ بضاعۃ حال اُس قصے لاحق ہے
کہ جب خفیہ کیا اور مترجم کہتا ہے کہ اظہر اس مقام پر یون ہے کہ اسروہ بجملہ بضاعتہ۔ تو حال نہ ہوا یعنی چھپانا اس پیرایہ سے تھا کہ اس کو
بضاعت ظاہر کر دیا۔ روایت ہے کہ جب آنحضرت کنوین سے نکالے گئے تو اسکی دیوارین آپکے فراق پر روتی تھین۔ اقول سبحان اللہ
تعالیٰ یہ اسرار عجیب مخفی ومضبوط صنعت آلہی تعالیٰ ہے کہ دیوارون کا یہ شعور دیکھو اور ادھر برادران یوسف یا مسافرون کی یہ بے شعوری
دیکھو کہ کسی نے نور نبوت وظہور کرامت کبریائی کو نہ دیکھا بلکہ غلام قرار دیا اور بیچا اور اسقدر زاہد وبے رغبت ہوئے اور قصہ مین
مذکور ہے کہ بھائیون نے مسافرون کے پیچھے پیچھے چلانا شروع کیا کہ یارو خوب مضبوط گھیرے رہو وہ بڑا بھاری بھگوڑا ہے آخر
بہت دور تک پہونچا کر مصر کی منزل پر چھوڑا اور بالکل بے کھٹکے ہوگئے ف فی العرائس قولہ تعالیٰ وجاءت سیارۃ فارسلوا واردہم
مترجم کہتا ہے کہ اشارت مین اگر قلب وحاق سے کنایہ ہو تو موافق حدیث کے ملائکہ سیارہ کا اشارہ ان سیارہ سے ظاہر ہو لیکن
اہل دنیا اسکو بعوض حقیر دنیا کے فروخت کر ڈالتے ہین اسیواسطے روایت صحیح مین آیا کہ کافرون مین قلب نہین ہوتا اور خود قرآن
مین افئدتہم ہوی یعنی خالیہ سے تصریح ہے کیونکہ جب انھون نے بعوض دنیا کے بیچا تو سیارہ نے لیا وے خالی رہ گئے اور وہ مصر
کبریائی مین درجۂ عروج کو پہونچا اور بیان ایسی باتون کو تحمل نہین ہو سکتا اور افہام بیان قصور کرتے ہین بلکہ خوف ہے کہ نا سمجھی
سے منکر ہون۔ لہذا نادان مترجم اپنے نادان بھائیون کے سامنے اہل الحق کے اقوال نہین بیان کرتا ہے بلکہ بمجبوری شیخ کا
قول نقل کرتا ہے تاکہ سمجھنے والے سمجھین یا خاموش رہین۔ کہا کہ جب ارواح عدم سے نکلکر فضائے قدرت مین سائر ہوئین اور
موارد قدم کو ڈھونڈھا تو بحر ناپیدا کنار پایا اور ذوہمت سے مشاہدۂ آفتاب یا ماہتاب حاصل ہوا تو فرحت سے بزبان عشق بشارت
دی اور اپنی بقا پر نازان ہوئین و قولہ تعالیٰ واسروہ بضاعۃ۔ اسمین بضاعت توحید ومعرفت کو اغیار سے چھپایا اور اس سفر سے
یہ رتبہ پایا اگرچہ نفوس جو ظالم ہین بحکم قولہ اخلد الی الارض واتبع ہواہ۔ اسی دیس سے مانوس ہو کر بہرحال ذلت وخواری مین رہے
لکھا کہ اگر یوسف والے مسافرون کو انوار حسن ازل اس آفتاب نبوت سے ظاہر ہوتے تو آدم کو سجدۂ ملائکہ کی طرح عشق و
محبت سے سجدہ کرتے۔ اور یہ عبودیت کا سجدہ نہین ہے بلکہ مشاہدۂ انوار آلہی بیچون وبیچگونہ ہے اور یہ گمان مت کرو کہ وہان حلول
یا اتحاد تھا بلکہ مخلوق سے صنعت صفات صانع کا ظہور بیچون وچرا ہوتا ہے حالانکہ وہان صانع اندر سمایا نہین اور نہ کچھ ملازم ہے
تعالیٰ اللہ علوا کبیرا۔ شیخ جعفرؒ نے کہا کہ یوسف مین اللہ تعالیٰ جلشانہ کا ایک بھید تھا پس مقام ستر کو انکی نظرون سے پوشیدہ کر دیا اور اگر
اس بھید کو ان پر ظاہر فرماتا تو مر جاتے دیکھو کیسے انھون نے کہا کہ ہذا غلام اور اگر آثار قدرت سے واقف ہوتے تو کہتے کہ ہذا
نبی صدیق۔ چنانچہ زنان مصر پر جب بعض امور کا انکشاف ہوا تو بولین کہ ہذا ملک کریم اور جب اُن کو اسرار قدرت وکرامت
نہ سوجھے تو انھون نے اسکو ثمن نجس کے عوض بیچ ڈالا۔ کما قال تعالیٰ وشروہ بثمن بخس دراہم معدودۃ۔ اگر ان مین وہ عشق ومحبت
بمشاہدۂ آثار قدرت ہوتی جو حضرت یعقوب مین اسرار باری تعالیٰ معاینہ کرنے سے تھی تو کبھی اسکو دونون جہان کے عوض نہ بیچتے کیونکہ
جس جمال باطن کا پرتو جمال ظاہری تھا یہ ظہور ان کو کہین جہان مین نہ ملتا اگرچہ عین بیدار باطن کا معاینہ اُن کے مانند انبیاء

وصدیقین سے مشاہدہ ہے لیکن جمال باطنی کا مشاہدہ بغیر فضل الٰہی ممکن نہین تو نہین دیکھتا کہ کیسے حضرت سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلی آلہ
وعلی جمیع الانبیاء اجمعین کے دیدار سے کفار کی نفی فرمائی بقولہ ترٰہم ینظرون الیک وہم لا یبصرون کیونکہ اہل بصیرت نہ تھے نہ بصارت کیونکہ
بالاتفاق اندھا عالم کے سامنے آنکھون والا جاہل اندھا ہے۔ جعفرؒ نے فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کی قدر نہ پہچانی تو قلیل دامون کو بیچ ڈالا
ابن عطار رحمہ اللہ نے نہایت لطیف اشارہ فرمایا کہ اے شخص بہت تعجب ہوتا ہے کہ برادران یوسف نے اپنے یوسفؑ سے بھائی کو
ایسے حقیر دام کو بیچ ڈالا۔ ارے تو نے تو بڑا غضب کیا ہے کہ اپنے قلب نفس کو ذرا سی شہوت کے عوض بیچا۔ تیرا نفس ذرا سے مزے
کے ہاتھ بک گیا۔ ارے تو نے اس سے بھی زیادہ ظلم کیا کہ پہلے اپنے مالک خالق مولی رحیم کریم کے ہاتھون بھاری دامون کو بیچا بحکم قولہ ان اللہ
اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ۔ ایسی تیری جان حقیر کو اسنے اتنے بھاری دامون جنت کے عوض خریدا اور تو نے یہ خیانت
کی کہ چیز حقیر کو اپنے دشمن شیطان کے حوالہ کیا اور اسکا اپنے اوپر بالکل قابو دیدیا اور ذرا سے مزے کے عوض بیچ ڈالا بھلا بکی ہوئی چیز کو
دوبارہ بیچنا کہین جائز ہے بھلا یہ دوسرے دام بالکل حرام ہوے یا حلال ہوئے ارے تو بڑا سخت بیوقوف ظالم ہے تیرا گمان ہوا
کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیون نے اُن پر ظلم کیا مگر یہ نجانا کہ تو اُن سے کہین بڑھا ہوا ظالم ہے تیرے و اُنکے ظلم مین زمین و آسمان
کا فرق ہے دیکھ تو یوسفؑ کو اُن کے دشمن بھائیون نے بیچا اور نیت یہ تھی کہ پیغمبر جلیل القدر پدر کی شفقت ہمین پر رہے اور تیرا یہ حال ہے کہ تو نے
اپنے یوسف کو خود ہی اپنے دشمن کے ہاتھ بیچا اور تجھے حدیث صحیح مین معلوم کہ سب سے بڑا تیرا دشمن خود تیرا نفس ہے جس کو تو اپنے دونون پہلو
مین پیار سے دبائے ہوئے ہے اور اُسکو اسکی شہوات کی غذا سے خوب موٹا تازہ کرتا ہے کہ دن مین ہزار بار تجھکو قعر جہنم مین ایسی آگ کے
کنوئین مین بُری طرح ڈھکیلتا ہے کہ کبھی وہان سے تیرا چھٹکارا نہ ہوگا اگر ایمان نہو اور یوسف کو تو اُن کے دشمنون نے پانی ہی
کے کنوئین مین ڈالا تھا جہان سے وہ تین ہی روز مین نکلے۔ تجھے کہان تک بتلایا جاوے تو احسن القصص کو کہانی مت سمجھ غور کر
دیکھ تو یہان ایسے اعلی مقامات ہین کہ ہم ابھی ان کا اشارہ بھی نہین کر سکتے ارے جاہل وسوسہ چھوڑ دے خیانت چھوڑ دے۔ شیطن
سے الگ ہو تب تیری آنکھین جنت کی ہوا سے ٹھنڈی ہون اور ابھی تو جہنم کے دھوئین سے تو چوندھایا ہوا اندھا ہے۔ اللہم
اہدنا اللہم انت الہادی ثم قال الشیخ۔ اور ابن عطار و جنید وغیرہ نے کہا کہ قدرت الٰہیہ نہ دیکھی تو ہلکے دامون کو بیچا اور اگر تمام
دنیا و ما فیہا بلکہ آخرت کے عوض بیچے تو یہ بھی محدود چیز تھی ثمن بخس ہوتا لہٰذا تجھکو عبرت چاہیے کہ ثمن بخس سے ہمیشہ احتیاط رکھ۔ قال تعالیٰ

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اسکو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اُسکو شاید ہمارے کام آوے یا ہم کر لین اسکو

وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ

بیٹا اور اسطرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اُس ملک مین اور واسطے کہ اسکو سکھاوین کچھ کل

الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ

بٹھانی باتون کی اور اللہ جیت رہتا ہے اپنا کام اور لیکن اکثر لوگ نہین جانتے اور جب پہونچا

أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

قوت کو دیا ہم نے اسکو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلا دیتے ہین ہم نیکی والون کو

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے زعم مین مسافرون کے ہاتھ فروخت کرکے بھگوڑا ہونے کے فریب سے مشتری کی حراست مین کردیا تو بے فکر ہوگئے اور سمجھے تھے کہ باپ کو ہم پر التفات ہوگا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو فراق یوسفؑ مین رونا تھا اس درد جدائی سے آہ کرتے رہتے تھے بھائیون نے خالی خیال و گمان کی پابندی پر ایسی حرکت کی اور کچھ مراد حاصل نہوئی پس جو کوئی یقینی بات کو چھوڑکر خیالی و گمانی باتون کی پیروی کرے اُسکا احمق ہونا ظاہر ہے اور یہان یہ یقینی بات تھی کہ صلاحیت و باپ کی شفقت خوش اخلاقی و عدل و انصاف و خدمت سے جسقدر بقدر ہوگی حاصل ہوگی اور ظلم و جور و معصیت و ایذا و نافرمانی وغیرہ تدبیرون سے کچھ فائدہ نہین ہوسکتا بلکہ ایسے معاصی موجب خواری ہین اور اگر یوسفؑ کے حق مین عروج بمنزلت نبوت وغیرہ مقدر ہو تو اُس کا انسداد نہین ہوسکتا پھر دینی تدبیر سے کسی معصیت کا ارتکاب روا نہین ہے۔ آخر یہی ہوا کہ کنعان تمام سلطنت حکومت نہ تھا وہان سے حق عزوجل نے یوسفؑ کو بھائیون کی حرکت سے بذریعہ سافرون کے مصر پہونچایا وہان اسوقت مین عمالقہ مین سے ریان بن الولید بادشاہ تھا ان بادشاہون کا لقب فرعون ہوتا تھا اور بعضون نے کہا کہ وہی حضرت موسیٰؑ والا فرعون تھا ولیکن صحیح اول ہے و ابن جریرؒ کے نزدیک بعد ریان کے قابوس فرعون ہوا اور اسکے بعد مصعب بن الولید فرعون موسیٰؑ ہوا ہے غرضکہ اس فرعون کا وزیر خزانہ عزیز نام تھا اور یہ تو قرآن مجید مین مذکور ہے لیکن شاید یہ لقب ہو کیونکہ ابن عباسؓ سے عوفی نے روایت کی کہ نام اسکا قطفیر تھا اور محمد بن اسحاق امام سیر و مغازی نے کہا کہ اطفیر بن رحیب نام تھا اور بعض نسخ مین بن وحب لکھا ہے اور کہا کہ یہی وہ عزیز ہے جو وزیر خزانہ تھا اور شیخ حافظ رح نے جزم کیا کہ بادشاہ اسوقت عمالقہ مین سے ریان بن الولید تھا اور شیخ نے حضرت مجاہدؒ سے روایت نقل کی کہ بھائیون نے جب یوسف کو مسافرون کے ہاتھ بیچا تو ان کے پیچھے دور تک کہتے جاتے کہ بھگوڑا ہم خوب مضبوطی رکھو کہ بھاگ نہ جاوے یہان تک کہ مصر کی منزل پر پہونچے پھر سافرون نے مصر مین لاکر بازار مین منادی کی کہ بشارت ہو جو اسکو خریدے پس اسکو بادشاہ نے خریدا اور وہ مسلمان تھا مترجم کہتا ہے کہ حضرت مجاہدؒ سے شاید کسی نے ایسا سوال کیا ہو جسکے جواب مین اُنھون نے اس طور پر اختصار سے جواب دیا ورنہ مشہور ہے کہ خریدنے والا عزیز مصر تھا اور کہا گیا ہے کہ بادشاہ مذکور آخر حضرت یوسف پر ایمان لایا تھا پہلے سے مسلمان نہ تھا پھر عزیز مذکور جسکا نام قطفیر یا اطفیر بیان ہوا ہے لاولد تھا اور کہتے ہین کہ عنین محض تھا اور اسکی جورو کا نام محمد بن اسحاق نے راعیل بنت رعاییل بیان کیا اور کہا کہ وہ فرعون ریان بن الولید کی بہن کی بیٹی تھی ذکرہ الحافظ رح اور دوسرون نے زلیخا بیان کیا ہے۔ قاموس مین کہا کہ زلیخا بفتح اول و کسر ثانی آخر ممدود۔ اور خفاجی وغیرہ نے بضم اول و فتح ثانی لکھا اور بعض نے کہا کہ ایک نام و دوسرا لقب ہے اور عزیز نے اسکو اپنی جورو کیلئے خریدا تھا اور قیافہ و فراست سے ہونہار دیکھکر اکرام کے ساتھ رکھنے کی تاکید کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کا حال بیان فرمایا کہ۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ ۔ اور کہا یعنی تاکید کی اپنی جورو سے اس شخص نے جس نے یوسف کو مصر مین خرید لیا تھا کہ اسکا ٹھکانا و مرتبہ اکرام کے ساتھ رکھیو۔ کہتے ہین کہ جب مالک خزاعی نے بازار مین پیش کیا تو جبرا شرفیان دام لگے اتنے مین زلیخا کی فرمائش سے عزیز مصر نے لینا چاہا اور دام بڑھتے بڑھتے آخر یہ نوبت ہوئی کہ حضرت یوسف کے برابر سونا و چاندی و کپڑے و جواہر و مشک و عنبر وغیرہ اقسام اموال نفیسہ دیے جاوین اور حضرت یوسف کا وزن چار سو رطل[له] تھا اور اسپر بھی ایک دوسرے سے بڑھاتا گیا یہان تک کہ اُن کے وزن سے بھی دونا یا زیادہ چڑھ گیا آخر عزیز نے اس بے بہا جوہر کو لیکر اپنا جوہری ہونا ظاہر کیا خصوص جبکہ

له چار سو رطل وزن ہونا جبکہ عمر شریف ۱۲ سالی یا سترہ سال مانی جاۓ بعید معلوم ہوتا ہے جو بظاہر یہ اخبار یہود سے نقل کیا گیا ہے ۱۲ منہ۔

اپنی جورو سے کہا کہ اسکو غلامون کی طرح نہین بلکہ اکرام و منزلت سے رکھو یہ ہونہار ہے۔ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ۔ شاید ہم کو نفع پہونچاوے یعنی ہمارا کارپرداز ہو جاوے کہ مثل فرزندون کے مہمات خانہ داری و انتظام کرے اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ یا ہم اسکو حقیقت مین بیٹا بنا وین۔ شاید یہ مطلب تھا کہ اگر ہمارے اولاد ہوئی تو اسکو بیٹا نہ بنا وین گے بلکہ بیٹون کی طرح حسن سلوک سے ہمارا منتظم و کارپرداز ہو جاے گا اور ہمارے مال و دولت کو نفع ہوگا اور اگر اولاد نہ ہوئی تو اسکو متبنی کر لین گے بس اگر اسوقت اسکے ساتھ غلامون کا برتاؤ ہوا تو آیندہ یہ بات ناز یبا و غیر مناسب ہوگی یہ عزیز مصر کی فراست تھی وفی تفسیر الحافظ قال ابو اسحٰق عن ابی عبیدۃ عن عبد اللہ بن مسعود رضہ انہ قال افرس الناس ثلٰثۃ الخ۔ قال المترجم ابو عبیدہ ہذا ہو ابن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حاصل آنکہ حضرت ابن مسعود رضہ نے فراست مین تین آدمیون کو سب سے زیادہ بیان فرمایا اول وہ شخص جس نے یوسف کو اپنی جورو کیلیے خرید کر اس سے تاکید کی کہ اکرمی مثواہ عسیٰ ان ینفعنا الآیۃ۔ اور دوم وہ عورت جس نے موسیٰ کی نسبت اپنے باپ سے کہا تھا یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین۔ اور سوم حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کہ فراست سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ قال المترجم اس اثر مین ایک فائدہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضہ نے سوائے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے کسی نام کی تصریح نہین فرمائی حالانکہ سیر و تواریخ کی روایات سے اوپر مذکور ہوا کہ تطفیر یا اطفیر خرید نیوالا اور زلیخا کہنے والا تھا۔ اور صفورا حضرت موسیٰ کی پاک بی بی تھین انھین نے اپنے باپ حضرت شعیب سے کہا تھا لیکن چونکہ ان اخبار کی تحقیق بدون تنصیص الٰہی تعالیٰ کے قطعی نہین ہے لہذا احتراز کیا اور مترجم کہتا ہے کہ اسی طور سے کلام الٰہی تعالیٰ کی تفسیر کرنے مین ان روایات اخبار وغیرہ سے احتراز چاہیئے اور مراد میری یہ ہو کہ ان روایات پر عینی و احکام کا مدار نہین ہو ہان جو حکم و نصیحت کہ صریح نص الٰہی سے نکلے وہ مین صواب ہو اسیواسطے مینے پہلے بہت تنبیہ کر دی کہ کلام الٰہی مین حضرت یوسف کے بھائیون کی نسبت انبیا ہونے یا فساق ہونے کا کچھ ذکر نہین ہے ہان حضرت یوسف کے ساتھ جو معاملہ ہوا اُس سے معاف ہونا منصوص ہے تو زبان درازی کرنا بڑا خطرہ عظیم ہے اور کلام الٰہی مین صرف کنوین مین ڈالنا مذکور ہے باقی مار پیٹ و بیرحمی وغیرہ کا ثبوت کسی آیت یا حدیث سے نہین ہے۔ سراج مین تفسیر امام رازی سے نقل کیا کہ امام رازی نے کہا کہ جاننا چاہیئے کہ ان روایات قصص و سیر مین جو کچھ مذکور ہو وہ قرآن مجید سے کچھ ثابت نہین ہوتا اور کوئی حدیث صحیح بھی وارد نہین ہوئی جسمین اسکا کچھ بیان ہو اور قرآن مجید کی تفسیر کرنا ان روایات مین سے کسی روایت پر موقوف نہین ہو تو عاقل پر فرض ہو کہ ان روایات کے بیان کرنے سے بھی احتراز کرے انتہی کلامہ مترجم کہتا ہے کہ رازی نے اشارہ فرمایا کہ ان روایات پر یقین کرنا تو درکنار انکو ذکر بھی نہ کرنا چاہیئے پھر خطیب رح نے کہا کہ ان روایات کو شیخ بغوی رحمہ اللہ نے معالم مین ذکر کرنا شروع کیا پس دیگر جماعت مفسرین نے انھین کی پیروی مین اپنی اپنی توالیف مین ذکر کیا ہو مترجم کہتا ہے کہ امام بغوی محدث مفسر ہین وہ خوب جانتے تھے کہ یہ روایات اس قسم کے اخبار ہین جیسے سنن ابو داؤد وغیرہ مین ہر حدیث کو صاحب السنۃ خوب جانتا تھا کہ یہ روایت صحیح ہو یا ضعیف ہو لیکن یہ افسوس ہو کہ پچھلے لوگ جنکو اسماء الرجال مین تمیز نہین ہو اکثر بھٹک گئے اسی طرح ان روایات کا حال ہو جنکو امام بغوی رح نے ذکر کیا چنانچہ پچھلے لوگون نے انکو مثل اقوال صحابہ یا حدیث کے تصور کر لیا اور تعجب یہ ہو کہ ہمارے زمانہ کے بعض مدعیون[1] نے انھین روایات سے یہ حکم نکالا کہ ایسے بیرحم و فاسق لوگ تو مومن صالح نہین ہو سکتے پھر نبی کہان ہو سکتے ہین حالانکہ اس شخص کو یہ سمجھ

[1] یعنی مولوی صدیق حسن خان ۱۲
[2] مراد فتح البیان ۱۲

یعنی حضرت موسیٰ کی پاک بی بی ۱۲

نہ آئی کہ ان روایات کا ذکر کرنا صرف اس غرض سے ہو سکتا ہے کہ ہود وغیرہ نے یوں بیان کیا ہے ورنہ ذکر نہ کرنا بہتر ہے پھر ان
روایات سے کوئی حکم نکالنا حلال نہیں ہے پھر ایسا حکم نکالنا جو صریح نص کے خلاف ہو اعوذ باللہ من ذلک۔ اب میں تفسیر کی طرف
رجوع کرتا ہوں۔ القصہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اسطرح پوری فرمائی کہ جس نے مصر میں اپنی جورو کے لیے حضرت یوسفؑ
کو خریدا تھا اپنی جورو سے تاکید کی کہ اسکو اکرام سے جگہ دے شاید ہم کو نفع پہونچا دے یا ہم اسکو بیٹا بنا دیں۔ پس معلوم ہوا کہ
آنحضرت علیہ السلام غلامی کی ذلت میں نہیں رہے پھر فرمایا۔ وَكَذَٰلِكَ اور ایسے ہی یعنی جیسے ہم نے یوسف کو قتل سے اور کنوئیں
سے نجات دیکر عزیز مصر کو اسپر مہربان کیا اور اس سے باوجود اسکا مملوک ہونے کے اکرام کا برتاؤ لیا ویسے ہی مَكَّنَّا لِيُوسُفَ
فِي الْأَرْضِ۔ تمکین وقابو دیا یوسف کیلئے زمین میں مراد زمین سے ملک مصر ہے۔ بقاعی نے کہا کہ سرسبز و شاداب وکثیر المنافع اسقدر ہے
کہ گویا یہی سب زمین ہے اور میں کہتا ہوں کہ تمام زمین ایک سرائے مسافرانہ ہے کوئی ٹھکانا ہو تا ہمیں جسکو توفیق الٰہی تعالیٰ نیکیوں کیلئے
قابو ملا وہ خوب ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمام واقعات گردش میں آنحضرت علیہ السلام کے صبر و رضا سے ثواب دیکر آخر مصر میں ٹھکانا دیا
وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ۔ اور تاکہ ہم اس کو سکھلا دیں احادیث کی تاویل یعنی خوابوں کی تعبیر۔ اس عبارت کی ترکیب
میں بعض نے کہا کہ مکنا سے متعلق ایک فعل مقدر ہے جسپر یہ عطف ہے یعنی لنمکنہ ولنعلمہ من الخ یا واؤ یہاں زائدہ ہے۔ اور حاصل یہ ہے
کہ ہم نے یوسف کو حیات دنیا میں اسجگہ تمکین دی تاکہ مقرب ومؤدب بآداب رسالت بنا دیں اور تاکہ اسکو خوابوں کی تعبیر
سکھلا دیں اور ان دونوں باتوں کا [illegible]ئدہ تمام مخلوق کے لئے عام ہے وفضل عام ہے کیونکہ نبوت سے عوام کو تقرب معرفت
ہے جس سے وہ درجۂ جانور سے آدمیت کے عروج پر پہونچکر صاف منزلت دیکھتے وشکر کرتے ہیں اور ایسے ہی خواب کی تعبیر سے
اسرار آلٰہیہ وعلوم غیبیہ کیساتھ طاعت وعبادت وصلاح وتقوی سے آراستہ ہوتے ہیں۔ پھر واضح ہو کہ برادران یوسفؑ نے چاہا کہ
ہم یوسف سے بڑھکر مقرب صالح ہوں اور ہم درجۂ نبوت پر فائز ہوں جو باپ کی طرف سے ملنے کا یقین رکھتے تھے بدلیل قولہ تاللہ
لقد آثرک اللہ علینا۔ اور بدلیل قولہ یخل لکم وجہ ابیکم وتکونوا من بعدہ قوما صالحین۔ پس ان سے دو طرح غلط فہمی ہوئی اول تو
یہ سمجھے کہ نبوت اور ولایت ایک ایسی چیز ہے [illegible] تدبیر وکوشش وکمائی سے حاصل ہو جاتی ہے حالانکہ یہ محض فضل الٰہی ہے لیکن
جو کوئی ولی ہوتا ہے [illegible] ظاہر وباطن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور خلق خدا پر رحم کرنے اور ان کو عذاب دنیا وآخرت سے بچانے
میں اپنی جان کی طرح کوشش کرتا ہے خواہ وے کافر ہوں یا مشرک ہوں اور سب کو آرام سے رکھنا چاہتا ہے اور اب کوئی نبی
نہیں ہو سکتا ہاں ولی انشاء اللہ تعالیٰ بہت ہوں گے۔ دوم یہ غلطی کی کہ نبوت کو باپ کی طرف سے بطور میراث سمجھے حتی کہ بعد
یوسفؑ کے انبیاء ہوں ولیکن تدبیر کچھ مفید نہ ہوئی اور وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ۔ اور
اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے حکم پر۔ اسکا حکم کوئی روک نہیں سکتا۔ یا غالب ہے اپنے امر پر یعنی جس امر کا ارادہ فرماتا ہے وہی ہوتا ہے
اور بعض نے امر اور ارادہ کو ایک کیا لیکن ہم فرق پہلے بیان کر چکے ہیں اور بعض نے امرہ کی ضمیر حضرت یوسفؑ کی طرف
راجع قرار دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے یوسف کے امر پر یعنی شان یوسفؑ میں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی ہوا چنانچہ
بھائیوں نے قتل چاہا پس امر الٰہی ان پر غالب ہوا پھر چاہا کہ مسافر اسکو لیجا دیں تاکہ اسکا نام مٹ جائے پس اسکا نام مشہور ہو گیا
اور فروخت کر کے ذلیل بنانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسکا امر غالب کیا کہ وہ بادشاہ ہوا اور یہ لوگ اسکے سامنے سجدہ میں جھکے اور

چاہا تھا کہ اپ کو اس طرح تکلیف دیکر بہر خوش کرین کہ انہین کی جانب لاچ ہو تو امر الٰہی غالب ہوا کہ اُن کے مکر سے آگاہ ہوکر ہمیشہ ناخوش ہوئے اور عزیز کی جورو کے یوسف ؑ سے مراودت کی مگر امر الٰہی وہ بالکل پاک ہے بہرانے قید وغیرہ سے ذلت چاہی مگر وہ تہمت سے پاک اور معزز رہے بہر یوسف ؑ نے ساقی کے ذریعہ سے بادشاہ کو اپنے حال سے آگاہی دلانی چاہی مگر امر الٰہی غالب ہوا وہ بھول گیا یہان تک کہ جو مدت مقرر تھی وہ پوری ہوئی اور اس قصہ مین اکثر ایسے امور ہین جن سے صاف ظاہر ہے کہ حکم وامر فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کسی غیر کی شرکت نہین ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ ولیکن بہتیرے آدمی یعنی کافر و مشرک لوگ اس بات کو جانتے نہین ہین کہ کل امر تقبضۂ قدرت الٰہی تعالیٰ ہے۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ۔ اور جب پہونچ گیا یوسف اپنی مضبوطی کو یعنی اتنے سن پر پہونچے کہ وحی نبوت و رسالت کو برداشت کرین یا علم وحکمت کو اُٹھا وین۔ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ تب ہم نے اسکو حکم اور علم دیدیا۔ سراج وغیرہ مین لکھا کہ اشدہ یعنی شباب کی انتہا اور قوت وشدت پر پہونچے۔ عرب بولتے ہین کہ بلغ فلان اشدہ یعنی فلانا انتہائے شباب کو پہونچ گیا۔ وبلغوا اشدہم۔ وے لوگ اپنی منتہائے شباب کو پہونچ گئے شیخ حافظ ؒ نے لکھا کہ اس مقدار مین کئی اقوال مروی ہین۔ ابن عباس۔ مجاہد۔ قتادہ نے کہا کہ تینتیس ؒ سال کی عمر ہوئی تھی۔ ضحاک ؒ نے بیس سال وعکرمہ نے پچیس ؒ وحسن ؒ نے چالیس سال وسدی ؒ نے تیس ؒ بیان کئے۔ امام مالک ؒ وربیعہ اور زید بن اسلم وشعبی نے کہا کہ اشد احتلام کا سن ہے انتہی۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ انتہا اسکی بتیس برس ہوتی ہے اور سراج مین یہان اطبا کا قول تنازد وانحطاط کا مجمل نقل کیا اور مترجم کہتا ہے کہ اطبا کے نزدیک دقوف کا سن آخری چھتیس ؒ سال ہے اور شاید کہ مرتبہ نبوت کا چالیسوان سال ہو جیسا کہ حسن ؒ کا قول ہے اور مواہب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سن سے پہلے نبوت نہین ہوئی ہے واللہ اعلم بالجملہ قرآن مجید مین جو منصوص ہے اسی قدر ہم کو کافی ہے کہ جب وے اپنی مضبوطی کو پہونچ گئے خواہ کوئی سن ہو تب ان کو حکم وعلم عطا ہوا۔ سراج مین کہا کہ سابق مین قولہ تعالیٰ اوحینا الیہ لتنبئنہم بامرہم۔ مین بیان ہو چکا کہ وحی انکو پہلے ہو چکی تھی اب یہ حکم وعلم خالی وحی نہین ہے بلکہ حکم سے مراد علم بعمل ہے مترجم کہتا ہے یعنی خاصۂ درجۂ فقہ کہ متفرق علوم پر عمل کرنا جس سے ظاہر وباطن ہر حال مین موافق رضائے الٰہی ہے یہ حکمت ہے کیونکہ با وجود علم کے اسپر عمل کا طریقہ اکثر لوگون کو نہین آتا ہے اسی واسطے کسی شیخ عارف کامل کے مرید ہو جاتے ہین جو خود یہ درجہ طے کر چکا ہو مصرعہ کہ۔ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا ؎ اور بعض نے کہا کہ حکم سے مراد لوگون کے درمیان حکومت ہے لیکن حکومت ان کو عرصہ کے بعد جب قیدخانہ سے نکلے ہین تب حاصل ہوئی تھی اور تاویل الاحادیث کا علم پہلے ہو چکا تھا چونکہ علوم الٰہی عجیب اعلیٰ ہین کہ جو اس مرتبہ تک نہین پہونچا اس سے اگر بیان کیا جاوے تو وہ جہالت سے انکار کر جاوے اسکو تو ابھی ایمان کی تصدیق پوری نہین ہوئی ہے لہذا ہم کو اسقدر کافی ہے کہ مرتبہ بلوغ وقوت کے وقت اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کا علم وحکمت انکو عطا فرمایا جو نہایت عظیم الشان وقابل قدر ہے۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور یون ہی ہم محسنین کو نیک عوض دیتے ہین جیسے یوسف ؑ کو ایذا پر صبر وثبات کے عوض یہ علم ربانی عطا فرمایا اور محسن وہ شخص ہے جو صدق وخلوص کیساتھ حضوری سے عبادت وطاعت ادا کرے اور حدیث سے اسکی تفسیر کئی مقام پر گزر چکی ہے اور طبرانی وغیرہ کی روایت مین ہے کہ جو شخص اپنے علم کے موافق عمل کرتا ہے اُسکو اللہ تعالیٰ ایسا علم دیتا ہے جو وہ نہین جانتا تھا پس شدائد ومصائب پر صبر کرنا اور جان لینا کہ بغیر تقدیر الٰہی واقع نہین ہوا پس مستقیم رہنا منجملۂ ایمان کے ہے ف فی العرائس قولہ اکرمی

مثواہ عسیٰ ان ینفعنا الآیۃ۔ اسمین آخرت کیلئے خریداری بہتر ثابت ہو اور اکرام منزلت سے مقاکہ یوسف کو بنظر شہوت نہ دیکھے کیونکہ اگر عارف
باطن ہو تو چہرہ اس عالم مین آئینہ تجلی حق ہو اور یہ آئینہ سب سے افضل ہو کیونکہ طور سینا کی تجلی تو پہاڑ سے تھی اور یہ آدم سے ہے
اسیواسطے عالم الغیب کے دیکھنے والے مثل یعقوب علیہ السلام کے وہان کچھ اور دیکھتے تھے۔ عمل اکرام قلب ہو تب معرفت و طاعت
ملتی ہو اور اگر نفس کو قرار دے تو فتنہ و شہوت جوش کریگی۔ نفع اکرام قلبی کا معرفت مرتبہ صدیق ہے اور مشاہدہ حضرت
رب العالمین ہو۔ قولہ وکذلک مکنا لیوسف فی الارض الآیۃ۔ تمکین یہان مرتبہ مبسرین ہو حتی کہ معرفت مین چورس قائم ہو اور مشاہدہ
غیب کے داشت کرے اور اسکو تکوین و تغیر احوال سے باہر کردیا تاکہ ضعیف و غریب لوگ اُس سے فیض و ہدایت پاوین اسیواسطے
کہ حقائق مکاشفہ و لطائف خواب و اسرار ملائکہ سے آگاہ و خبردار رہو۔ قولہ واللہ غالب علی امرہ۔ اگر ضمیر امرہ راجع بجانب یوسف
ہے تو جو امور اوپر مذکور ہوئے اُن سے یوسف کا خلاص ہونا بتغلبہ الٰہیہ ہو اور اگر ضمیر راجع بجانب الٰہی عزوجل ہو تو لطیف
اشارہ ہو کہ امر الٰہی از عالم فعل ہو اور عقول مکلف الشریعت و طریقت مین بیرا مر تو از راہ رسم ہے اور غلبہ از راہ قہر پس تقدیر
ہر حال مین غالب ہو و لیکن انسان موافق تدبیر کے کام کرنے پر معذور ہو اور وہ اس تدبیر پر بھی غالب ہو۔ قولہ ولکن اکثر الناس
لایعلمون۔ امور مخلوقات منوط بتدبیر مین اکثر لوگ نہین جانتے کہ تقدیر ازلی کا موقع کیا ہو۔ ابن عطا رح نے کہا کہ اللہ تعالے
اپنے امر پر غالب ہے جو چاہا جس مخلوق کی طرف چاہا جسطرح چاہا اسکی طرف جاری کردیا اور جس سے چاہا پھیر دیا و لیکن اکثر لوگ
یہ جانتے و دیکھتے نہین کہ امر الٰہی اسطرح غالب ہو اُسنے بندون کو طاعت کا حکم دیا مگر جسکے لیئے چاہا آسان کردیا اور جسکے لیئے
چاہا اسکو ادائے طاعت سے عاجز کردیا۔ واسطی رح نے کہا کہ تدبیر مین انکو مصروف فرماتا ہے اور اُن کے تصرف مین خود تدبیر فرماتا
ان مین گم موجود ہوتا اور موجود گم ہوتا ہے پس کسی بات کو کسی مخلوق کی طرف نسبت کرنا ایک طرح کا شرک ہے۔ قولہ ولما بلغ اشدہ
لرنخ اشد مرتبہ تمکین ہو کہ معاملات مین بھی مستقیم ہو اور حال و آداب مین کوئی تلون صادر نہ ہو پس مکاشفہ مین۔ ربوبیت کا تصرف
ظاہر فرمایا پس حکم عبودیت اور علم ربوبیت اور حکم بطریقت و علم بحقیقت حکم بملک دنیا و علم بملک آخرت عنایت کیا و کذلک نجزی
المحسنین۔ جو کوئی ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانکر اپنی کوشش و طاقت کو فی اللہ و باللہ خیرات کرے وہ محسن ہے
او نصر آبادی رح نے اس مقام سے اشارہ لیا کہ جو کوئی علوم سنت حاصل کرکے ادب کے ساتھ امر و نہی پر قائم رہے اسکو علم غیب سے حصہ
ملتا ہو اور ہوائے نفس سے مخالفت کا علم جان لیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مرتبہ احسان مین آزمائے گئے اور محسن
تھے کہ اس علم سے فائز ہوئے چنانچہ فرمایا۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ

اور پھسلایا اسکو عورت نے جسکے گھر مین تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کئے دروازے اور بولی شتابی کر کہا

مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ○

خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہو میرا اچھی طرح رکھا ہے مجکو البتہ بھلا نہین پاتے جو لوگ بے انصاف ہون ۱

یہان سے اُن وقائع کا بیان ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام پر عزیز مصر کے گھر مین گزرے اور پہلے اس کا ایک نمونہ یعنی قولہ
وقال الذی اشتراہ من مصر لامرأتہ اکرمی مثواہ الآیۃ ذکر کردیا اور درمیان مین قولہ کذلک مکنا لیوسف فی الارض الی قولہ نجزی

المحسنین۔یہ سب جملہ معترضہ درمیان مین اسواسطے بیان فرمادیا کہ سننے والا آگے سنیگا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت سے فتنے پیش آئے تو جب پہلے سے اسکو معلوم ہوگا کہ ان سب سے نجات پاکر انجام کو بڑے مرتبہ پر پہونچے تو غور سے دیکھتا رہیگا کہ ایسے فتنے سے کس طریقہ سے نکلکر اس منزل کرامت پر پہونچے ہین۔ مراودت نرمی و آہستگی کے ساتھ خواہش کرنا اور چاہنا۔پس رود اسکا مادہ ہی جسکے معنی نرمی و آہستگی کے ہین اور بعض نے کہا کہ راد یرود سے ماخوذ ہے جسکے معنی کسی چیز کے طلب مین آنا جانا گویا مطلب یہ ہی کہ ایسا فعل کرنا جیسے دھوکا دینے والا کرتا ہے اور کبھی خاص کرکے جماع کے حیلہ کرنے مین بولتے ہین۔ القصہ جب عزیز مصر نے اپنی جورو سے دربارۂ اکرام منزلت یوسف ؑ کے تاکید کی تو آنحضرت اسکے گھر مین اچھی طرح پرورش پانے لگے یہان تک کہ بالغ ہوئے اور اسکی جورو ہر وقت ان کے کمال حسن کو دیکھتی آخر ان پر فریفتہ ہوگئی اور ان کو اپنی طرف لبھانا چاہا چنانچہ فرمایا۔ وَرَاوَدَتْهُ۔ اور لبھایا اسکو۔ الَّتِي اُس عورت نے ھُوَ کہ یوسف۔ فِي بَيْتِهَا جسکے گھر مین تھے۔ عَن نَّفْسِهِ۔ یوسف ؑ کی ذات سے یعنی چاہا کہ یوسف اپنی ذات کو اُسے دیدین اسکے لئے اُسنے انکے ساتھ مراودت کی۔ اور مراودت اگرچہ از باب مفاعلہ ہی جسکے معنی دونون طرف سے یہ کام ہونے کے آتے ہین جیسے مکالمہ دونون طرف سے باہم باتین کرنا اور معانقہ دونون طرف سے باہم گلے ملنا وغیرہ لیکن یہان یہ باب ایک ہی طرف سے ہی یعنی خالی عورت نے انکو چاہا تھا جیسے قرضدار کا مماطلہ کرنا یعنی ادا کرنے مین تاخیر کرنا اور جیسے طبیب کا مداواۃ کرنا یعنی علاج کرنا اور جیسے چور کا معاقبہ یعنی پیچھا کرنا۔ اور بعض نے کہا کہ عورت کی طرف سے طلب تھی اور آنحضرت کی طرف سے دفع تھا پھر یون نہین فرمایا کہ راودتہ زلیخا یعنی زلیخا نے اسکو اپنی طرف لبھایا اور اگر یہ کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے مریم کے کسی عورت کا نام نہین فرمایا اسی سے ادب سیکھا گیا کہ عورتون کا نام نہ لیا جاوے اور مریم کی نسبت کافرون نے نعوذ باللہ تعالیٰ جورو اور بیٹا ہونے کا کفر بکا تھا تو باندیون کی طرح نام ذکر کردیا اور تمام مخلوقات تو شان حضرت خالق عزوجل کے سامنے غلام و باندی سے کمتر ہین بہرحال اگر نام لیا تو یون بھی نہین فرمایا کہ راودتہ امراۃ العزیز۔ عزیز کی جورو نے اسکو لبھایا تو اسمین نکتہ یہ ہی کہ اس خواہش کا باعث یہ ہوا کہ وہ اسکے گھر مین ہر وقت رہتا تھا اور حال یہ تھا کہ اسکو آدھا حسن ملا تھا اور بقول مشہور ربانی الوجود سے من شعبۃ الشجن ۔ مخلوقات مین جو ہی عشق کا زخم اُٹھائے ہوئے ہی اور بعض حکماء نے تمام موجودات مین محبت ثابت کردی ہی یعنی جو چیز ہے اسکو کسی دوسری چیز سے خواہش و محبت ہی پھر جو مخلوق کسی اپنے مثل مخلوق کے طلب مین ہے وہ کافر برباد ہی جبکہ اُسکو عقل ہو اور اسمین ایک اشارہ آنحضرت علیہ السلام کے کمال پاکیزگی پر ہے کیونکہ زلیخا خود حسن مین مشہور تھی اور باوجودیکہ ہر وقت اسکے گھر مین ہر طرح قدرت رکھتے تھے اور خود وہی دل و جان سے طالب تھی پھر بھی کمال منزہ و پاک ہے اور دل مین خواہش بھی نہین آئی اللہ یہ بہت اعلیٰ مرتبہ ہی قتادہ رح نے کہا کہ یہ عورت عزیز مصر کی جورو تھی۔ ابن زید رح نے فرمایا کہ جب آنحضرت پورے مرد ہوگئے تھے تب اس عورت نے ایسی خواہش کی۔ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ۔ اور سب دروازے بند کردیئے۔ اغلق ابواب اغلاق سے نہین بلکہ تغلیق سے غلقت فرمایا جس سے زبان عربی مین دلالت ہوتی ہی کہ خوب مضبوط بند کیا تھا اسی سے گمان کیا گیا کہ قفل دیدیئے تھے واللہ اعلم اور ابواب سے دلالت ہی کہ آگے پیچھے کئی دروازے تھے اور شاید یہ مراد ہو کہ سب طرف کے دروازے بند کئے ولیکن سیاق مابعد سے قول اول کو ترجیح ہوتی ہی بہرحال اُسنے سب دروازے خوب بند کردیئے وَقَالَتْ۔ اور اسکے بعد آنحضرت سے بولی۔ هَيْتَ لَكَ۔ ابو عمرو۔ عاصم و اعمش و کسائی نے ہَیت بفتح اول و سکون دوم و فتح سوم

پڑھا اور وزن کیفت ولیت ۔ یہی حفص و ابن عباس و ابن جبیر و حسن و مجاہد و عکرمہ کی قرات ہو۔ اس کے معنی ان ائمہ سلف نے یہ بیان کئے کہ یہ عورت اسکو اپنی طرف بلاتی ہو اور علی بن ابی طلحہ و عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ اسکے معنی یہ ہے ۔ اور یہی زر بن حبیش و عکرمہ و حسن و قتادہ نے بیان کئے اور حسن سے مروی ہو کہ یہ سریانی زبان کا کلمہ ہو اور سدی رح نے کہا کہ قبطی زبان ہے اور بخاری رح نے عکرمہ سے ذکر کیا کہ حورانیہ کلمہ ہو اور ابو عبید یعنی قاسم بن سلام نے کہا کہ کسائی اسی قرات کو پسند کرتے تھے اور ابو عبید نے کہا کہ مین نے حوران کے ایک عالم سے پوچھا تھا اُسنے کہا کہ ہان ہماری بولی ہو اور حق یہ ہو کہ اب یہ کلمہ عربی فصیح ہے شاید دونون زبان کا توارد ہو یا شاید پہلے کسی اور زبان کا ہو۔ اور ابن مسعود رح نے قریب قریب قراتین پڑھتے سنکر فرمایا کہ تم کو جس طرح علم پہونچا ہو پڑھو لیکن اختلاف کی نیت سے بچو اور یہ کلمہ تو ایسا ہے جیسے کوئی تم مین سے ہلم و تعال کہتا ہے تعال کے معنی ادھر آ اور ہلم آ کے ہے ۔ ابن کثیر رح نے ذکر کیا کہ ابن عباسؓ و ابو وائل و ابو عبدالرحمن السلمی و عکرمہ و قتادہ سے روایت کی جاتی ہو کہ انھون نے ہئت بکسر اول و ہمزہ بجائے یاء اور ضم تاء پڑھا اور معنی یہ بیان کئے کہ مین تیرے لیئے آراستہ و مہیا ہوئی ہون۔ اور ابو عمرو اور کسائی اس قرأۃ سے انکار کرتے تھے اور ابن جریر نے عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت کی کہ انھون نے کہا کہ ہیت بفتح اول آخر پڑھو اور درمیان مین ہمزہ مت لا۔ اور ابو اسحٰق نے بفتح اول و کسرہ آخر پڑھا اور یہ غریب ہو اور دوسرون نے جنمین عامہ اہل مدینہ ہین بفتح اول و ضم آخر پڑھا۔ اور لکھا کہ ایک جماعت نے بکسر اول و ضم آخر پڑھا اور ابو عبید نے نقل کیا کہ ہیت جمع و تثنیہ نہین ہوتا پس ہیت لک و ہیت لکما و ہیت لکم و ہیت لکن و لھن یکسان بولتے ہین۔ بالجملہ معنی کلمہ سے مراد یہ ہو کہ عورت نے حضرت یوسفؑ کو اپنی طرف نزدیکی کیلئے بلایا ۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ۔ اے اعوذ باللہ معاذا مصدر یعنی فعل ہے حضرت یوسف نے کہا کہ مین اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہون انتہا درجہ کی پناہ یعنی اس کام سے جسکی طرف تو مجھے بلاتی ہے ۔ إِنَّهٗ بیشک جس نے مجھے خریدا ہے یعنی تیرا شوہر وہ ۔ رَبِّيْ میرا پرورش کرنیوالا ہے أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۔ بہت خوبی سے اسنے میرا ٹھکانا رکھا چنانچہ عورت کو حکم دیا تھا کہ اکرمی مثواہ الخ پس عورت کو وہی یاد دلاکر عذر کیا کہ مین اس احسان کے عوض اسکے ساتھ بدی نہین کر سکتا اور یہ عورت کی سمجھ کے موافق عذر ہو اور ارشاد ہو کہ بجھے خود اسکے حق کا خیال ضرور ہے اور اسمین اشارت ہو کہ درحقیقت آنحضرت علیہ السلام عزیز مصر کے مملوک تھے اور آزاد کی بیع جائز نہین ہے ۔ اور صحیح حدیث مین ثابت ہو کہ آزاد آدمی کے دام کھانا کبیرہ گناہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ قولہ تعالیٰ و شروہ بثمن بخس مین شراء کی تصریح ہو اور یہ حقیقت مین بیع ہو اور مجاز پر محمول کرنا ضروری نہین ہے اور ایسے ہی قولہ اشتراہ من مصر مین حقیقی اشتراء سے مجازی پر محمول کرنا تاویل ہوگی اور صحیح حدیث مین حضرت سلمانؓ کا خریدنا اور اُسکا قصہ معجزہ معروف ہو تو جواب ہو کہ یہ ظاہری عقد بیع ہو اور باطنی نہین ہو لیکن اسمین یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس صورت مین سلمان کا آزاد کرنا صحیح نہ ہوگا اور حق ولاء ثابت نہوگا حالانکہ آزاد شدہ ہونا معروف ہو اور تحقیق یہان یہ ہو کہ بندہ جن احکام سے مکلف ہو وہ اسی قدر پر ماخوذ ہو جو ظاہری حواس سے متعلق ہین اور سلمان رضی اللہ عنہ زمانۂ فترت مین دست بدست ماخوذ ہوکر فروخت ہو چکے تھے اور اُن کے ساتھ احکام بیع کے متعلق ہو چکے تھے پس اُنکا خریدنا صحیح ہوا اور یون ہی مین نے شیخ محقق اُستاد رحمہ اللہ سے سنا ہو اور سلمان کا اپنا آزاد ہونا بیان کرنا اگرچہ درواقع صحیح ہو لیکن جسکے قبضہ مین تھے اُسپر حجت نہ تھا اسلئے کہ اقرار خود حجت قاصرہ ہو خود مقر پر حجت ہو جاتا ہے غیر پر متعدی نہین ہوتا ہے اسیواسطے ائمہ حنفیہ و دیگر فقہا کے نزدیک اگر کوئی آدمی ایک لونڈی لایا اور اسکو مشتری کے ہاتھ فروخت کیا اور ہادی جب ہی

پس مشتری نے خریدا اور اسکو ام ولد بنایا یعنی اپنے تصرف مین لیا جس سے اولاد ہوئی پھر باندی نے اقرار کیا کہ مین آزادہ ہون
تو اس سے کچھ نہ ہوگا اور مرد پر حرام کرنے کا الزام نہ ہوگا بلکہ جو اولاد ہوئی وہ صحیح النسب ہوگی اور اگر مشتری نے اسکی تصدیق کی تو بھی
اولاد کے حق مین کچھ ضرر نہین ہے ہان آیندہ اس سے اجتناب کریگا اور اس کی نظیر بکثرت مسائل مین جنمین یہ تصریح موجود ہے کہ اس کا
مبنی ظاہر پر ہے اور جو کچھ احکام متعلق ہو چکے وے سب صحیح ہین مثلاً مشتری نے کسی دوسرے سے اسکا نکاح کرادیا تو مشتری کو مہر کھانا
حلال ہوا اور یہی اصل شرع مین اکثر دائر ہے چنانچہ مثلاً ایک شخص زید نے ایک عورت ہندہ سے نکاح کیا اور وہ پہلے کہہ چکا تھا کہ اگر مین اس سے
نکاح کرون تو اسکو طلاق ہے پھر مرد نے ایک عالم سے فتوی پوچھا وہ ایسی طلاق کو واقع نہین جانتے تھے اُنھون نے حلت کا فتوی دیا پس
مرد مدت تک اسکے ساتھ رہا اور کئی اولاد ہوئین پھر عورت کو خبر ہوئی تو اُسنے قاضی سے نالش کی اور قاضی کی رائے مین اسمین
حنفی مذہب حق تھا اُسنے وقوع طلاق کا فتوی دیا تو اولاد حلال ہوگی اور مرد پر زناکاری وغیرہ کی حد واجب ہوگی اور نظائر اسکے
بکثرت کتاب القضاء اور کتاب المحاضر والسجلات اور بکثرت کتاب الشروط مین مبین ہین اسکو فتاوی ہندیہ ترجمہ عالمگیریہ سے تحقیق کرو جب
یہ بات تحقیق ہوگئی تو حضرت یوسف کا یہ کہنا کہ انہ ربی احسن مثوای یعنی عزیز مصر میرا سید و آقا ہے مجھے اچھی طرح پرورش کیا ہے
یہ قول صحیح ہے اسمین کچھ مضائقہ نہین ہے ۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ پیغمبر سے یہ بعید ہے کہ اسکو اپنا مربی فرماوے بلکہ معنی یہ ہین کہ انہ یعنی بیشک
وہ اللہ تعالی ۔ ربی میرا رب ہے احسن مثوای اُسنے بھلا اچھا ٹھکانا دیا یعنی بھائیون کی شرارت جب کی آفت سے نجات دیکر اس منزلت پر پہنچایا
مین اسکی نافرمانی مین زنا و حرامکاری نہین کر سکتا ہون ۔ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ بیشک جو ظلم کرتے ہین یعنی نیکی کی جگہ بدی کرتے
ہین اور حکم الٰہی کے برخلاف کرتے ہین وے ظالم ہین تو ان کو فلاح نہین ہوتی ہے اگر مین ایسا کرون تو مین بھی ظالم ہوجاؤنگا اور فلاح نہ پاؤنگا
ف و فی العرائس قولہ تعالی وراودتہ التی ہو فی بیتہا الآیۃ ۔ سر باطنی پہلے عشق کی کشش سے اپنے معدن کی طرف چلا لیکن درمیان
مین طبیعت آڑ ہوگئی پس بسبب لاعلمی و بے تمیزی کے بہک کر شہوت کی طرف جھکا اور دروازے بند کیے ۔ چاہا کہ عشق چھپا رہے اور کبھی
غیرت عشق اسکو مقتضی ہوتی ہے لیکن عشق مثل مشک کے چھپتا نہین ہے وہ کس قدر فاش ہوگیا اور شبلی نے کہا کہ سب دروازے بند کردیے
اور سب لگاؤ کاٹ دیے اور پوری ہمت اپنے مقصود کی طرف پھیری اور چاہا جو چاہا ولیکن یوسف علیہ السلام پر قدس نبوت غالب
ہوئی وقال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای ۔ اشارت ہے کہ رب تبارک تعالی نے آدمی کو احسن تقویم پر پیدا کیا اور ازل مین اسکو برگزیدہ
نظر کیا جیسے یوسف علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے مختار کیا اور تاویل الاحادیث کا علم دیا ۔ روایات کثیرہ ہین کہ پہلے حضرت یوسف پر حسن
تمام عورتون کیلیے فتنہ ہوگیا تھا آخر جب نبوت و رسالت عطا ہوئی تو ہیبت و جلال کا لباس پہنایا ۔ اقول اسکو اکثر مفسرین نے لکھا
ہے ۔ قال الشیخ ۔ اور بعض نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے ولی نعمت کا خیال کیا یعنی عزیز مصر کا اکرام دیکھکر
اس خیانت سے انکار کیا اور حضرت ولی نعمت حقیقی یعنی رب تبارک و تعالی کا خیال نہ کیا تھا اسی سبب سے قصد کے فتنہ مین پڑے
کما قال تعالی لقد ہمت بہ وہم بہا یعنی فی الجملہ زلیخا کی طرف میلان ہوا ۔ اور مترجم کہتا ہے کہ یہ تقریر کچھ بھی نہین ہے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ
اللہ تعالی کا خیال نہ تھا کیا یہ نہین دیکھا کہ پہلے ہی فرمایا معاذ اللہ و لیکن عورت مذکورہ اُسوقت کافرہ تھی اُس سے ایسا عذر کیا
جسکو وہ بھی تسلیم کرتی تھی اور یہ جو بیان کیا کہ آنحضرت نے اُسکی طرف میلان کیا تھا یہ صریح نہین ہے بلکہ صحیح نہین ہے چنانچہ بیان ہوگا
قال الشیخ اور حضرت استاد رحمہ اللہ نے کہا کہ انہ ربی احسن مثوای یعنی میرے رب تبارک تعالی نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے اس حال پہ

مخلوق کر کے عزیز مصر کا دل مجھ پر مہربان کیا حتی کہ اُسنے اکرمی مثواہ کا حکم دیا تو مجھے عصیان نہین لائق ہے پھر شیخ ؒ نے کہا کہ آگے اشارہ ہے کہ فطرت بشری و نفس امارہ سے ہر وقت نبی و پیغمبر تک ہوشیار رہتے ہین۔

وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ

اور البتہ عورت نے فکر کیا اُسکا اور اُسنے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی ۔ یون ہی ہوا اسواسطے ہٹا دین ہم اُس سے بُرائی

وَالۡفَحۡشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ ۝

اور بیحیائی البتہ وہ ہے ہمارے چُنے بندون مین

اسمین آنحضرت علیہ السلام کے کمال عفت کا بیان ہے درحقیقت نعمت حسن عفیف ہو ورنہ اکثر لوگ جن کی ظاہری صورت مرغوب والبنی اوصاف قبیح ہوتے ہین انکو سچی نظر سے دیکھو تو ایسا سبزہ ہین جو ایسے گھورے پر لگا ہو جہان نجاست ڈالی جاتی ہو ہمیشہ مرد پاکیزہ مزاج ایسون کو اسی نظر سے دیکھتا ہے اور قابل تعظیم واجلال وہ ہین جنہین اوصاف یوسفی مین سے ہو چنانچہ جبکہ زلیخا نے دروازے مضبوط بند کر دیئے اور تمام آرائش سے اُنکو اپنی طرف بلایا تو اُنھون نے اپنی پاکیزگی سے صاف کہا کہ معاذ اللہ یعنی مین ہرگز ایسی حرکت نکرونگا مگر اپنے اوپر بھروسا نہ کیا کیونکہ نفس تو بدی کا امارہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی کیونکہ بشریت مقتضی ہے کہ مبتلا ہو جاوے چنانچہ قولہ اصب الیہن سے یہ خوف ظاہر ہے پس جب پناہ مانگی تو ظاہر ہے کہ وہ عورت زبردستی پر آمادہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا۔ اس آیت کی تفسیر مین اقوال بہت ہین اور اکثر ان مین سے ائمہ سلف سے روایت کئے جاتے ہین ولیکن سراج المنیر مین خطیب نے اور کبیر مین رازی ؒ نے و دیگر مؤلفین نے ان روایات کے ثبوت سے بالکل انکار کیا ہے اور شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو فن حدیث مین امام حافظ ہین اسطرح انکار نہین کیا لہٰذا مین بعض روایات نقل کرنے مین مضائقہ نہین دیکھتا علاوہ اسکے مؤلفین نے جو وجہ انکار بیان کی وہ کچھ نہین ہے۔ واضح ہو کہ بالاجماع والاتفاق سب کے نزدیک صحیح ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کسی فعل فاحشہ کے مرتکب نہین ہوئے تھے ولیکن اختلاف اسمین ہے کہ آیا قصد فرمایا تھا یا نہین تو یہان تین قسم کے اقوال ہین اوّل یہ کہ ہان قصد کیا یہان تک کہ اوپری باتون سے تجاوز کر کے فرج کی بیٹھک بیٹھے تھے پھر برہان الٰہی سے الگ ہو کر بھاگ گئے اور یہ قول حد سے افراط ہے دوم یہ کہ خالی قصد کیا تھا۔ سوم یہ کہ دل ہی دل مین باتین بنائین اور ایک جماعت نے کہا کہ نہین بلکہ برخلاف اسکے قصد بھاگنے کا کیا تھا اور بیان اقوال سے پہلے لفظ ہَمّ کے معنی معلوم کرنا چاہیئے۔ عرب بولتے ہین کہ ہَمَمۡتُ بالامر جب اس کام کا قصد و اسکے کرنے کا عزم کیا ہو۔ حدیث مین ہے لقد ہممت ان آمر فتیتی۔ مین اُبھرا تھا کہ اپنے غلامون کو حکم دون الحدیث فی تخلف الجماعۃ یہم بمعنی غم و اندوہ ومنہ قولہ ان قریشا اہمہم شان المرأۃ المخزومیۃ۔ یعنی قریش کو اندوہ مین ڈالدیا تھا بنی مخزوم کی عورت کے واقعہ نے کیونکہ اسکی چوری ظاہر ہو گئی تھی۔ ومنہ الحدیث وکفاہ اللہ ما اہمہ۔ بالجملہ یہان ہَمّ سے مراد قصد ہو پس یہ معنی ہین قولہ ولقد ہمت بہ۔ اور البتہ قصد کیا عورت نے اُسکا وہم بہا۔ اور قصد کیا اُسنے عورت کا پس بعض نے کہا کہ عورت نے اس سے اختلاط کا قصد کیا یعنی دھینگا مُشتی سے اور اُسنے قصد کیا عورت کے مارنے کا۔ اور بعض نے کہا کہ عورت سے بھاگنے کا ولیکن زبان عربیہ سے خلاف ہے اور گویا اتفاق اس بات پر ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے عورت کا قصد کیا جیسا کہ نص ظاہر ہے پھر ان لوگون مین اقوال ہین کہ یہ قصد بجانب عورت کے کس طرح تھا کیونکہ حرام طور پر قصد کرنا دل کا زنا ہے اور خفاجی ؒ نے سب

وجوہ سے یہ پسند کیا کہ عورت نے اسکی خواہش کی اور اُسنے عورت کی خواہش کی مگر یہ اشتہار و رغبت بدین معنی نہ تھی کہ بالفعل اسکا اثر مترتب ہو
اور یہ قول امام رازی رحؒ نے ذکر کیا ہی چنانچہ آگے آتا ہی۔ اب مین ہر سہ اقوال مذکورہ بالا کو تلخیص مناسب ذکر کرتا اور صحیح و ضعیف کو علحدہ
کرتا ہون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔ سراج مین ہو کہ بعض نے اس مقام پر علماء سلف سے عجیب اُلٹی پلٹی باتین روایت کین
کہ مثلاً انھون نے کہا کہ عورت مذکورہ نے جب خوب آراستہ ہو کر اسقدر الحاح کیا اور قصد کیا تو اُسنے بھی عورت کا قصد کیا یہان تک کہ
کمر بند کھولا اور عورت کیساتھ قربت کی بیٹھک پر بیٹھے اتنے مین آواز آئی خبردار اس عورت سے دور رہو مگر کچھ فائدہ نہ ہوا پھر دوبارہ
سنی اور تیسری بار مگر اثر نہوا چوتھی بار حضرت یعقوبؑ کی صورت دانتون مین اُنگلی دبائے ظاہر ہوئی تو بھاگے اور بعض نے کہا کہ سینہ پر ہاتھ مارا تو شہوت
جاتی رہی اسیوجہ سے اور بھائیون کے بارہ بارہ بیٹے ہوئے اور اُن کے صرف گیارہ ہوئے اور بعض نے کہا کہ چھت مین زنا کی مذمت کی آیات
نظر آئین اور بعض نے کہا کہ اس سے بھی اثر نہوا آخر اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ سے فرمایا کہ جاکر خبر لے میرا بندہ ڈوبتا ہے تو انھون نے آواز دی
کہ اے یوسف یہ کیا کرتے ہو غرضکہ اسی طرح کے اقوال مروی ہوے اور ہر گز ان بزرگون مین سے کسی سے کچھ بھی صحیح نہین ہی اور باہم یہ اقوال
خود متناقض و متکاذب ہین امام رازی نے بھی تطویل کے ساتھ نقل کرکے سب کو رد کر دیا۔ اور شیخ ابن کثیر رح نے کہا کہ یہان لوگون
کے اقوال مختلف ہین اور ابن عباسؓ و مجاہد و سعید و ایک جماعت سلف سے یہان وہ کچھ مروی ہی جو ابن جریر وغیرہ نے روایت
کیا مگر اللہ تعالیٰ جانے کہ ان اخبار کا کیا حال ہی۔ مترجم کہتا ہے کہ شیخ نے ان روایات کو بالکل متروک کر دیا کچھ نقل نہین فرمایا
اشارہ ہی کہ ان مین سے کچھ ثبوت نہین ہی اور شیخ نے اُن کو قابل ذکر بھی نہین سمجھا اور بیشک یہ قابل ذکر بھی نہین ہین لیکن چونکہ
بے بضاعت فارسی تفسیر والون اور قصص والون نے جنکو صحیح و سقیم کی تمیز نہین ہی ایسی روایات کو لکھکر شائع کر دیا ہے لہذا مین نے بضرورت
ملخص لکھکر عموماً آگاہ کر دیا کہ ان مفسرین سلف سے موافق ان موثقین علماء کے قول کے کچھ ثابت نہین ہی پس کسی کو حلال نہین ہی
کہ ان روایات پر اعتقاد کرے یا غرہ ہو کر وعظ وغیرہ مین بیان کرے۔ بالجملہ لفظ ہم سے اگرچہ لغوی معنی یعنی قصد کرنا مراد
ہے لیکن بالیقین وہ قصد ایسا نہ تھا جیسا ان بعض راویون نے سمجھا اور اسکو سلف صالحین کی طرف منسوب کر دیا اور بظاہر
معلوم ہوتا ہی کہ یہودی جو بحکم حدیث صحیح ایک قوم بہتان باندھنے والی بیباک ہی ان مین سے بعض نے یہ حرکت کی ہو واللہ اعلم
اب بیان اس بات کا کہ قصد سے صحیح مراد کیا ہی تو جمہور سلف و خلف سے صحیح روایات مین یہ معنی مذکور ہین کہ بمقتضائے طبیعت بشری
آنحضرت علیہ السلام نے بھی اس عورت کی خواہش کی۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ بھی مجمل بیان ہے اسکی توضیح کرنے سے اصلی مقصود ظاہر ہوگا
اور توضیح یہ ہی کہ قصد و خواہش دو طرح کی ہوتی ہے ایک یہ کہ آدمی اپنے اختیار سے کسی چیز کی طرف قصد کرے جیسے بھوکا آدمی
اپنی خواہش کے موافق طعام کا قصد کرتا ہے اور دوم قصد بغیر اختیار کے اور وہ اسطرح ہوتا ہی کہ دل مین خود بخود بھی چاہنے والی
کوئی بات آجائے یا طبیعت بشری خود بخود کسی طرف جھک جاوے۔ ابن کثیر رح نے لکھا کہ امام بغوی یعنی معالم التنزیل کے مصنف نے
بعض اہل تحقیق سے نقل کیا کہ حضرت یوسفؑ کے قصد سے مراد خطرات نفس ہین۔ امام رازی رح نے کہا کہ جیسے سخت گرمی مین
روزہ دار آدمی سرد ٹھنڈا پانی دیکھے اور اسکی طبیعت خود بخود اسکے پینے کی طرف میل و قصد کرے ولیکن وہ اپنے اختیار سے اپنے
دین کے خلاف سمجھکر اسکو روک دیتا ہی یا جیسے نوجوان تندرست قوی آدمی کے سامنے ایک خوبصورت نوجوان عورت آراستہ
و پیراستہ ہو کر متعرض و آمادہ ہو تو اسکی طبیعت بے اختیار ہو کر اسکی طرف رغبت کرتی ہی مگر وہ اپنی عقل کے اختیار سے خیال

کرتا ہے کہ اس فحش و حرام ایک دم کی لذت دوائی غضب الٰہی مین پڑنا روا نہین ہے تو دل ہی دل مین جھگڑے و کشمکش مین پڑجاتا ہی
پس جب اپنے خوف الٰہی اپنے آپکو روکا تو اسکی بندگی کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے اسی مضمون کو بیضاوی نے
اس طرح بیان کیا کہ آنحضرت علیہ السلام کے قصد سے مراد بے اختیاری قصد ہی کہ طبیعت کا میل کرنا اور شہوت وعقل مین
جھگڑا ہونا اور یہ اختیاری قصد نہین ہی اور بالاتفاق جو چیز کہ انسان کے اختیار مین نہین ہی اُسپر اللہ تعالیٰ نے حکم امر ونہی کا
نہین دیا ہے اور اختیاری بات یہان یہ ہی کہ ایسے میل و خواہش کے آنے پر اس فعل کو نہ کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے
ثواب کا سزاوار ہوجاتا ہے۔ ثعلب رحمہ اللہ نے کہا کہ زلیخا نے قصد کیا تو وہ چاہتی تھی کہ اسکو واقع کرے اور اصرار کرتی تھی اور
آنحضرت علیہ السلام نے جو قصد کیا وہ بلا عزم تھا اسکو واقع کرنا نہین چاہتے تھے پس یہ قصد محض نفس کے خطرات وہاجس ہوئین
بالجملہ انبیا علیہم السلام کی شان سے ایسا قصد البتہ نہین ہوتا جسکو واقع کرنے کا عزم ہو اور ایسا قصد جو خطرات کے قسم سے ہی
وہ معصوم ہونے مین مضر نہین ہی آیا نہین دیکھتے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خود تصریح کی بقولہ وما اُبرئ نفسی ان النفس لامارۃ
بالسوء یعنی نفس اندر ہی اندر بُرے خطرات لاتا ہے اور اس سے بڑھکر حضرت سرور عالم سید المرسلین و خاتم الانبیاء اجمعین کا ایک مرتبہ
کا ذکر جو بعض سنن مین مروی ہی اگرچہ اسناد بہت قوی نہو لیکن خطرات نفس کے ثبوت مین جو نص سے ثابت ہین کافی ہی کہ ایک مرتبہ
اچانک ایک عورت پر نظر پڑی تو اسی وقت اُٹھکر حضرت ام المومنین زینب کے حجرۂ پاک مین تشریف لیگئے اور جب واپس آئے تو بالون
سے پانی کے موتی ٹپکتے تھے اور ارشاد فرمایا کہ عورت امتحان و فتنہ ہین انکے آگے پیچھے شیطان چلتا ہی تو جب کوئی تم سے خطرہ پائے
تو اپنی عورت سے جو اسکے نکاح مین ہی قربت کرلے کہ وہ خطرہ دل پر رہنے نہ پائیگا پس درحقیقت زنا سے بچنے کا ثواب انہین
مردون کیلئے ہی جو خواہش کے باوجود خوف الٰہی و تعظیم حکم اللہ عزوجل ممنوع فعل سے باز رہتے ہین ورنہ جو ہیجڑا ہو
وہ خواہش ہی کیا کریگا پھر ہم اور ورع مین صاف فرق ہی اور دونون کا ثواب علیحدہ ہی چنانچہ صحاح مین حضرت ابوہریرہؓ
سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بدین معنی مروی ہی کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہی کہ اذا ہم عبدی بحسنۃ الحدیث
جب میرا بندہ قصد کرے کسی نیکی کا تو اسکے لیئے ایک نیکی لکھو پھر اگر اسکو کرے تو اسکے لئے دس گونہ ثواب لکھو اور اگر کسی بدی
کا قصد کرے مگر اسکو نہ کرے تو اسکے لئے ایک نیکی لکھو کیونکہ اس نے میرے ہی خوف وطاعت سے چھوڑی ہی اور اگر اسکو کرگزرے
تب اسکے لئے ایک بدی لکھو۔ کما فی روایۃ من الصحیحین اور یہ خاص واقعہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش آیا تھا وہ
بڑے مرتبہ کا تھا کیونکہ انھون نے قصد نہین کیا مگر جبکہ ایک نہایت خوبصورت عورت نے جو اس ملک مین بے مثل تھی کمال زینت
وطمانیت کے ساتھ در پردہ اور بے حجاب ان سے خواہش بصد تمنا اظہار کی۔ اور انکار کی صورت مین اپنے اوپر صدمات کا خوف
تھا پھر بھی عفت کے ساتھ رہے اور یہ سب فضل الٰہی ہی لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ اگر یہ نہوتا کہ اسنے دیکھا اپنے رب کے برہان کو
یعنی رب تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یقینی روشن دلیل کو اگر وہ نہ دیکھتا تو جو اسکے دل مین خواہش ہوئی تھی اسکو پوری کرتا۔ مگر
اُس نے اپنے رب کی توحید وعظمت وغیرہ کمالات کبریائی پر روشن دلیل دیکھ لی پس باز رہا۔ اور ابوعبیدہ سے ابوحاتم نے روایت
کی کہ اس آیت پر ابوعبیدہ نے مجھ سے کہا کہ یہان تقدیم و تاخیر ہے یعنی ولقد ہمت بہ ولولا ان رای برہان ربہ لہم بہا یعنی عورت
نے تو اسکا قصد کیا اور اُسنے اگر برہان رب تبارک و تعالیٰ نہ دیکھا ہوتا تو عورت کا قصد کرتا یعنی اُسنے عورت کا قصد ہی نہین کیا۔

شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ زبان عربی کی راہ سے اس قول مین تامل ہو واللہ اعلم اور لکھا کہ اس برہان مین بھی اقوال ہین جسکو آنحضرتؑ نے دیکھا چنانچہ ابن عباس و سعید و مجاہد و سعید بن جبیر و محمد بن سیرین و حسن و قتادہ و ابو صالح و ضحاک و ابن اسحٰق وغیرہم نے کہا کہ وقت قصد کے حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دیکھی کہ دانتون تلے اُنگلی دابے منع فرماتے ہین اور ایک روایت مین ہے کہ سینہ پر ہاتھ مارا کہ شہوت ان کے ناخنون سے باہر ہوگئی اور ایک روایت مین قطفیر یعنی عزیز کا خیال دیکھا اور محمد بن کعب القرظی نے کہا کہ چھت مین تین آیات لکھی دیکھین۔ ان علیکم لحافظین کراما کاتبین۔ ماتکون فی شان وما تتلو منہ من قرآن ولا تعملون من عمل الآیۃ۔ افمن ھو قائم علی کل نفس بما کسبت الآیۃ۔ اور کہا گیا کہ چوتھی آیت۔ ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا۔ اور اسی نے کہا کہ کتاب الٰہی کی ایک آیت دیوار پر دیکھی جو اس کام سے روکتی تھی ابن جریرؒ نے کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات و نشانیون مین سے کوئی نشانی دیکھی اور قطعی دلیل نہین کہ کون آیت تھی شاید تصویر یعقوبؑ ہو اور شاید فرشتہ جبرئیلؑ کی صورت ہو اور شاید لکھی آیت ہو پس مطلقًا چھوڑنا ٹھیک ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ علماء سلفؒ سے جو اقوال مذکور ہوئے عجیب ہین اور اُن مین سے بعض اقوال اسپر مبنی ہین کہ قصد خیانت کیا تھا تو آیت دیکھکر باز رہے اور شان نبوت جو اعلیٰ و اکرم ہے کہ جہان کے حکماء اس پر نور بصیرت کے سامنے اندھے ہین اس سے ان اقوال کو مناسبت بہت ہی کم ہے اور ان اقوال کے حق مین جو کچھ رازی و خطیب وغیرہ نے کہا وہ اقرب بصواب ہے اور خفاجی نے حاشیہ بیضاوی مین لکھا کہ ان اقوال و قصص کی باتون مین ایسی حالتین ہین کہ انکا بیان کرنا شان نبوت کے لائق نہین ہے اور چھوڑ دینا بہتر ہے باوجود اسکے یہ سب اقوال محض بے اصل ہین اور اسپر طرہ یہ ہے کہ نص قطعی و اسکے اشارات سے بالکل خلاف ہین اور یون کیون نہین کہتے کہ برہان رب تبارک و تعالیٰ وہ علم نبوت تھا جس سے قطعی جانتے تھے کہ یہ فعل حرام و منکر و فحش ہے اسی پر اعتقاد کرنا واجب ہے مترجم کہتا ہے کہ ائمہ سلف و خلف و علماء متقدمین سے صحیح تفسیر فقط اسطرح ثابت ہے کہ قولہ ولقد ھمت بہ۔ عورت مذکورہ نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ قصد قربت کیا یعنی دل مین اسکو ٹھان لیا اور بڑی کوشش سے ایسا واقع ہونا چاہتی تھی۔ وھم بھا۔ اور آنحضرت علیہ السلام کے دل مین خواہش کا خطرہ آگیا جسکو وہ واقع کرنا ہرگز نہین چاہتے تھے باوجودیکہ اسباب امتحان کے سخت تھے اور نہایت مشکل موقع تھا لولا ان رای برہان ربہ۔ اگر یہ نہ تھا کہ اپنے رب کی نشانی جو کھلی ہوئی نورانی حجت تھی دیکھی تھی تو موقع ایسا تھا کہ مبتلا ہو جاوین ولیکن اللہ تعالیٰ نے انکو برہان توحید و کبریائی دیدی تھی جس سے اُنھون نے نجات پائی اور معاذ اللہ کہنے کی برکت ظاہر ہوئی کیونکہ اپنے نفس پر بھروسا نہین کیا کذالک یون ہی ہم نے اسکو برہان دکھلایا اور پناہ دی یا یون ہی ہم نے اُسکو ثابت قدم فرمایا لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَآءَ۔ تاکہ ہم پھیر دین اُس سے برائی کو اور بہت قبیح بات کو یا زنا کو یعنی مستقیم رکھنا و طاعت پر ثابت قدم و پاک رکھنا حضرت خالق عز و جل کے قبضۂ قدرت مین ہے وہی اپنے خالص بندون کو سلامت رکھتا اور قبول فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ۔ بیشبہ وہ ہمارے مخلص بندون مین سے ہے اور قرآن مین منصوص ہے کہ شیطان کو فرمایا۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان یعنی میرے بندون پر تجھے کبھی کچھ بھی قابو نہین ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آنحضرتؑ نے حرام قصد اور عورت کو شہوت سے چھونا وغیرہ خراب باتین جو قصہ کہنے والے بیان کرتے ہین کچھ نہین کیا تھا یہ محض افترا ہے بلکہ وہ بالکل پاک ہے اور دل مین خطرہ آنا جو بے اختیاری ہو وہ معصیت ہی نہین ہے اور شیخ ابو السعودؒ کو حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرماوے کہ اُنھون نے اس مضمون کو آیت کریمہ سے صاف نکال لیا اسطرح کہ اگر آنحضرت علی نبینا

وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوء وفحشاء کی طرف قصد کیا ہوتا تو خود اس سے پھیرے جاتے اور یوں کہا جاتا کہ لنصرف عن السوء والفحشاء تاکہ ہم اسکو پھیر دین سوء وفحشاء کی طرف سے یعنی سوء وفحشاء کی طرف جاتا ہے وہان سے اسکو موڑ دین ولیکن یون نہین تھا بلکہ سوء وفحشاء کو شیطان رجیم انکی طرف لاتا تھا تو حضرت رب العزۃ ذوالعظمۃ والکبریاء جل جلالہ نے دور ہی سے اُن کی طرف سے شیطان کو مع سوء وفحشاء کے رد کر دیا اور وہ خائب وخاسر مطرود ہو گیا پس قطعی ثابت ہو گیا کہ آنحضرت نے سوء وفحشاء کا کچھ قصد نہین کیا تھا مگر سوء وفحشاء نے انکی طرف شیطان پر سوار ہو کر قصد کیا تھا تو اُن سے یہ دونون مع شیطان کے رد کی گئین اسلئے کہ شیطان کو بندگان حضرت خلاق العلیم عزوجل پر کچھ قابو نہین ہے ۔ والحمد للہ رب العالمین ف فی العرائس ۔

قولہ تعالیٰ ولقد ہمت بہ وہم بہا الآیۃ ۔ قصد زلیخا سابق تھا اور حسن یوسف کا جذب ۔ سابق تھا اور قصد زلیخا بجانب معدن حسن یوسف تھا کیونکہ اسکا عشق واسکا حسن دونون کا صدور معدن ازلی سے تھا اور دونون جمال قدم کی صفات سے ہین پس جب قلب زلیخا بجانب حسن یوسف منجذب ہوا اور قصد زلیخا کو ہیجان ہوا تو قصد یوسف کو بھی اُسکے عشق کی اہلیت وحسن کی جانب ہیجان ہوا پس دونون قصد یکے دیگرے مختلط ہو گئے پس جوہر کو بجانب جوہر اور فطرت کو بجانب فطرت اور طبیعت کو بجانب طبیعت اور انسانیت کو بجانب انسانیت اور روحانی کو بجانب روحانی اور الٰہی کو بجانب الٰہی ہیجان ہوا پس حیلہ یوسف دو قصد ہو کر متحیر ہوئے حتی کہ دونون کا تشخص وخیال وسواد وعقل وقلب وروح وسر باطن یکے دریکے ہو گیا پس دونون قصد مین کوئی قصد تہم نہین کر سکتے حالانکہ اصل الجواہر نور ارادہ ہی اور اصل فطرۃ فعل ارادہ ہی اور اصل الطبیعہ مباشرت قدرت ہی اور اصل انسان وجود معجون قہر ہے اور روحانی مباشرت لطف ہی اور یہی سر نفس امارہ ہے اور از اصل روحانی تا مباشرت لطف اور از اصل الٰہی تا تجلی جمال وظہور ذات در صفات اور ظہور صفات در افعال ہمہ وحدت ہی پس نظر عین الجمع مین دونون عشق کی اصل اور دونون ہمتون کی بنیاد تجلی ذات وصفات وافعال کے معنی مین ہے ہی پس جب تو نے اسکو معلوم کر لیا تو دونون شخص کو ایک شخص اور دونون روح کو ایک روح اور دونون قلب کو ایک قلب اور دونون قصد کو ایک ہمت اور دونون سر کو ایک سر اور دونون کل کو ایک کل دیکھے گا اور اس کل کا صدور ایک کل سے ہی اور یہی کل تمام علل کی علت ہے اور تمام چیزون کے لئے معلل اور دونون جہان کا پیدا کرنے والا ہے اور یہی جملہ اصول کے لیئے اصل ہی پس مذموم یہان کون ہی اور رغائب حقیقت اس اشارہ مین قدس معرفت ہے کہ اشارہ کیا کہ ابتدا اسی سے ہی اور انتہا اسی کی طرف ہے اور مین تو درمیان مین ہین اپنے لطف سے ہمین درمیان سے گرا دے جب فعل سے فعل کے واسطے بوصف فعل تجلی فرمائی تو عشق بشہوت ہو گیا اور جب صفت کیلئے صفت سے بوصف صفت تجلی فرمائی تو عشق بشہوت روحانی سوائے نفسانی کے ہو گیا ۔ اور جب ذات کیلئے ذات سے بوصف ذات تجلی فرمائی تو عشق ازلی مقدس از اسرار حرکات جمیع شہوات ہو گیا کیونکہ اسکا عشق ازلی بلا علت ہی پس پہلے ہمت وحرکت فعل لفعل ہے اور یہان مقام امتحان ہی کیونکہ امر سے مخالفت ہے اور درمیانی ہمت تجلی صفت بصفت ہی اور وہان مقام التباس ہی اور انتہا بر تجلی ذات بذات ہے اور یہ مقام قدس ہی امتحان سے تہمات اور حدثان سے طہارت ہی پس جبتک حضرت یوسف علیہ السلام ابتدا اور وسط مین رہے تب تک محل امتحان والتباس مین معرض عتاب مین تھے پھر جب تجلی ذات بذات مین آئے تو انوار ذات نے دونون مقام کو سلب کیا

اور اگر یہ نہوتا تو برابر عتاب امتحان مین پڑے رہتے اور تصدیق اسکی یہ ہر قولہ تعالیٰ لولا ان رآی برہان ربہ کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء پس جو برہان حضرت یوسف علیہ السلام پر ظاہر ہوئی تو وہ ظہور ذات قدیم بلا پردہ منزہ از علت حلول و مباشرۂ حدوث تھا اور یہ ظہور موجب ہر کہ حدوث کو قدم سے جدا کردے اور وہان حدوث کا تعلق و شائبہ نہین رہتا ہے یہ مقام صرف تجرید و تفرید و توحید ہر وہان مقام التباس سے نجات ہر اور قولہ کذلک لنصرف عنہ السوء الخ ظہور آثار فحش و برائی کے اسرار تالیف ارواح و اجسام پر اور بعض کی حرکت بعض کی جانب بصفت محبت و الفت و مودت و ہوائے نفسانی و شہوت شہوانی و جسمانی پر ہر اور یہی عالم امتحان ہر اور امر و نہی و تکلیف و عبودیت نہین سے ظاہر ہے پھر عالم اس امر سے مخالفت کرنا بھی اور راہ علم و عقل کے سوء و فحشاء ہر اور حقیقت مین وہان علت فحش و سوء کی کچھ بھی نہین ہر کیونکہ یہ مواضع مقادیر ازلیہ ہین اور وہان ہمہ تن خوبی ہی خوبی ہر۔ اقول ایک حقیر مثال جس سے کچھ عقل کو عروج ہو یون کہنا چاہیئے کہ مثلاً سنکھیا بذات خود ایک پاک چیز ہے حتی کہ بدن پر اسکا استعمال حلال ہر اور کوئی عیب نہین ہے اور اگر اسکو بدن کے اندر استعمال کیا جائے جس سے ہلاکت ہر تو خودکشی و عیب ہے اور یون ہی دنیا کی جو چیز کہ نہایت عیبدار دکھلا اسکے جہات خوبی کے بھی موجود ہین اور بعض جہات بدی کے ہین اور خود اس مسئلہ مین دیکھو کہ عورت کی طرف قصد مقاربت درحالیکہ وہ اجنبیہ بلا عقد نکاح ہر محض فحش و سوء بہت بدتر ہر اور جب بعد نکاح کے اسکی طرف قصد ہو تو بہت پسندیدہ ہے جبکہ نیت صالح ہو اسیواسطے بعض علماء مفسرین نے آنحضرت علیہ السلام کے زلیخا کی طرف قصد کرنے کے معنی مین کہا ہے کہ قصد یہ کیا تھا کہ اگر اس سے نکاح ہوتا تو خوب تھا اور ظاہر ہے کہ بنکاح ایسے قصد مین کچھ بھی عیب نہ تھا بلکہ اس صورت مین عدم قصد سے عیب پیدا ہوتا ہے اور اسی واسطے اہل الحق کا دستور صحیح ہر کہ دنیا مین کسی چیز کو بنظر حقارت و عیب نہین دیکھتے ہین کیونکہ بنظر حقیقت وہ مقادیر ازلیہ ہین ان مین کچھ عیب نہین ہر اور جس شخص کو تقدیر ازلی نظر نہ آوے وہ خود سوء و فحشاء مین لتھڑا ہوا ہوتا ہے تو وہ بھلا کیا کسی دوسری چیز کو سوء و فحشاء کہے گا۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ قال الشیخ و ضح ہو کہ جب عارف مقام توحید صرف سے پستی مین رہا اور درمیان ہی مین التباس و امتحان سے نہ نکلا تو دیدار قدم سے حجاب مین پڑا رکھا قدس ازل تک نہین پہونچا اور یہ پردہ اُسپر خود سوء و فحشاء ہے اور اس فحش سے بڑھکر کون عیب ہوگا کہ دور رانده ہوا رستہ مین حیران ہوا اور اصل الاصل و اصل الکل تک پہونچنے سے محجوب ہو پس اس عیب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خالص حضرت یوسف علیہ السلام سے دور فرمایا چنانچہ اُنکی ہمت عالیہ تمام مقامات امتحان و التباس و احتجاب و سوء و فحشاء سے ترقی کر کے دیدار صفات و ذات تک پہونچی اس صفت سے کہ خودی سے فانی اور بقاء حق باقی تھے تو اللہ عزوجل نے انکی تقدیس سوء و فحشاء سے بیان کر کے یہ اُنکا اخلاص اپنی منت و احسان کے ساتھ فرمایا بقولہ انہ من عبادنا المخلصین یعنی موحدین مرسلین و انبیاء کاملین مین سے تھا۔ قولہ لقد ہمت بہ وہم بہا۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ زلیخا نے اسکی طرف شہوت کا قصد کیا اور اُسنے عورت کو زجر و نصیحت کا قصد کیا یعنی بدلیل قولہ معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای۔ اور کہا کہ قولہ لولا ان رآی برہان ربہ یعنی یہ قصد زجر نہ ہوتا اگر برہان نہ دیکھتا اور کہا کہ برہان باہر نہ تھی بلکہ ان کے دل مین حق کی طرف سے واعظ تھا اور وہ واعظ ہر بندہ کے دل مین ہوتا ہے اور کہا کہ زلیخا نے تو چاہا تھا کہ اپنا جمال یوسف پر ظاہر کرے مگر خراب نیت سے اُسکو لباس مکروہ پہنایا تھا پس اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے اُسکو محجوب کر دیا اور برہان حالی اور حق ظاہر دکھلایا کہ اسوقت سوائے حق کے ان کو کچھ مشاہدہ نہ تھا اور کہا کہ اگر مشاہدہ برہان نہ ہوتا تو زلیخا پر نظر فرماتے قال المترجم

اہل حق رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بغیر مشاہدہ برہان حق کے بشری نظر کو تلبیسات شیطانی سے دوری بتکلف ہوتی ہو اور اکثر دن کو ثبات نہیں ہوتی ہے اور جب ایمان صادق ہوا تو محبت الٰہی عزوجل کے سامنے ہر مخلوق کا حسن غیر مرغوب ہو اور امام غزالی وغیرہ نے نقل کیا کہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک زمانہ کے بعد جب زلیخا ایمان لائیں اور معرفت الٰہی حاصل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے تنہائی اختیار کی حتی کہ آنحضرت علیہ السلام اگر بستر پر بلاتے تو صبح سے شام کا اور شام سے صبح کا عذر کرتی تھیں اور آخر کہا کہ مجھے آپ کی محبت بسبب عدم معرفت حضرت خالق عزوجل کے تھی اب میں اسکا عوض نہیں چاہتی ہوں تب آنحضرت علیہ السلام نے آگاہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے آگاہ فرمایا ہے کہ تجھ سے میرے دو فرزند ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ نبی بنا دیگا تو کہا کہ اچھا اگر حضرت عزوجل کی رضا ہو تو میں بسر وچشم اسکی بندگی میں حاضر ہوں . فافہم . اور شیخ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آنحضرت علیہ السلام سے طبیعت بشریہ نے حرکت کی اور اختیار سے اسکو معاونت نہیں پہنچی اور آدمی میں اگر پیدائشی فطرت جوش کرے تو کچھ مذموم نہیں ہے ولیکن شہوت کو خود اختیاری سے جوش دینا مذموم ہے اور اگر معصیت کو عمل میں لادے تو ملامت وعذاب کے قابل ہو اور اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصد بطریق مذمت نہیں بیان فرمایا بلکہ بطریق مدح ہو . شیخ ابو عثمان رحمہ اللہ نے کہا کہ قولہ لنصرف عنہ السوء یعنی سوء الہم . بدی کا قصد کرنا اور موافقت کا فحش دونوں دور کر دیئے . شیخ جنید رحمہ اللہ نے کہا کہ جو بندے اپنے خالق کو محبوب ہیں آن سے پہلے باطنی خلوص وصفائی ہمت وارادت ظاہر ہوتی ہو پھر ان کے افعال خاص ہوتے ہیں پس جسکا باطن صاف نہ ہوا اسکے افعال کبھی پاک نہ ہوں گے . القصہ جب برہان الٰہی سے حضرت یوسف علیہ السلام مستغرق تھے تو عورت کی خواہش کے موافق کچھ قصد نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جیسے ایمان والے بندے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خائف اور اپنے نفس سے پناہ مانگتے رہتے ہیں اگرچہ قبول ونماز وعبادت کے مرغوب ہونے میں پہلے سب کچھ بدبرہان الٰہی تعالیٰ سے حلاوت ہوتی ہے پس جب عورت کی طرف سے اصرار دیکھا تو وہاں سے بھاگے . چنانچہ فرمایا .

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ

اور دونوں دوڑے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اسکا کرتا پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازے پاس بولی

مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ

اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید پڑے یا دکھ کی مار یوسف بولا اسی نے

رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ

اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھامون اپنا جی اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا آگے سے

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا اور اگر ہے اس کا کرتا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی

وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ

اور وہ ہے سچا پھر جب دیکھا عزیز نے کرتا اسکا پھٹا پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا

إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۜ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ

البتہ تمہارا فریب بڑا ہے یوسف جانے دے یہ ذکر اور عورت تو بخشوا اپنا گناہ

ع ۳
۱۳

إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝

یقیناً ہے کہ تو ہی گنہگار تھی

جب حضرت یوسف ؑ بھاگے تو عورت ان کے پیچھے دوڑی وَاسْتَبَقَا اور دونوں نے سبقت کی۔ الْبَابَ ۔ دروازہ تک لیکن دونوںکے استباق میں مقصود علیحدہ تھا حضرت یوسف ؑ تو چاہتے تھے کہ سبقت کر کے نکل جائیں اور اس فتنہ سے چھوٹیں اور عورت چاہتی تھی کہ سبقت کر کے روک لوں جانے نہ دوں۔ اور شاید کہ تولہ بہت ہو دہم ہا۔ میں بھی ہر ایک قصد کا مقصود علیحدہ ہو۔ اور یوسف علیہ السلام اگرچہ بردتھے تیز بھاگے ہمدن گے لیکن دروازے بند تھے تو کھولنے میں دیر ہوتی گئی اور کعب احبار رحمہ اللہ نے انہا یہود سے روایت کی کہ دروازون میں قفل تھے بحکم آلہی وہ قفل برابر کھلتے چلے گئے پس زیرخالی دروازے کھولنے میں ہوتی گئی۔ اور کہتے ہیں کہ سات دروازے تھے آخر عورت نے باہری دروازے پر آنحضرت کی قمیص پیچھے سے پکڑ پائی اور زور کرنے میں وہ قمیص پیچھے سے پھٹی تو ٹکڑا عورت کے ہاتھ رہ گیا کما قال تعالیٰ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ ۔ اور نوچ لی عورت نے قمیص یوسف کی پیچھے کی طرف سے۔ اور حضرت یوسف رہا ہو کر نکل جانا چاہتے تھے کہ ناگاہ وہاں یہ معاملہ پیش آیا جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۔ اور دونوں نے پایا اس عورت کے سید کو یعنی شوہر کو نزدیک اس دروازے کے یعنی باہری دروازہ جسکے بعد کوئی دروازہ نہ تھا وہاں دونوں کو عورت کا شوہر ملا اور عورت اپنے شوہر کو جیسے فارسی میں خاوند یعنی خداوند کہتی ہے ویسے عربی میں سید کہتی ہے اور غلام و باندی بھی اپنے آقا کو سید کہتے ہیں مگر یہاں اول صیغہ الفیا تو تنبیہ فرمایا یعنی دونوں نے پایا اور دوسرا سیدہما نہیں بلکہ فقط سیدہا فرمایا تو اسوجہ سے کہ علم آلہی میں درحقیقت عزیز مصر حضرت یوسف کا سید نہ تھا اور نہ آپ اسکے مملوک تھے اگرچہ ظاہر میں لوگ بسبب نہ جاننے کے آپ کو اسکا مملوک خیال کرتے تھے اور یہی ظاہری برتاؤ کے لیے آپنے بقولہ انہ ربی کہا تھا اور کہتے ہیں کہ عورت کا شوہر قطفیر عزیز مصر وہاں اس عورت کے چچازاد بھائی یا ماموں زاد بھائی کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا تھا چنانچہ مروی ہے کہ دونوں نے دروازے کے اندر لوٹ پالکو تھی اور دھینگا مشتی اور قمیص پھٹنے کی آواز سنی تھی۔ مگر ظاہر سیاق اور اشارہ لفظ الفیا یہ ہے کہ وہ اسوقت اتفاق سے مل گیا پس عورت کو رنج و ملال میں فضیحت کا غم و خوف ہوا اور ڈری کہ شاید یوسف ؑ اس سے مل گئے ہیں ساتھ لاتا ہے مزورا انھوں نے کہدیا ہوگا پس جھوٹے ہی خود پیش قدمی کر گئی اور بہتان وکر باندھا۔ قَالَتْ ۔ اور کہنے لگی اپنے شوہر سے کہ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا ۔ کیا سزا ہے ایسے مرد کی جو تیرے اہل خانہ کے ساتھ بدی کا قصد کرے۔ تیری اہلیہ کہکر اسکو آبرو کا بڑا غصہ دلایا اور اپنی نسبت یہ ظاہر کیا کہ میں تیری ہی جورو ہوں سوائے تیرے کسی سے تعلق نہیں ہے ولیکن دل میں تو آنحضرت علیہ السلام کی محبت بھری تھی صاف نہ کہا کہ اسنے ایسا چاہا تھا اسکی کیا سزا ہوگی بلکہ علی العموم ایک لطیف اشارہ سے کہا پھر یہ بھی ڈری کہ شاید اسکی زبان سے نہ نکلجاوے کہ وہ قتل کیا جاوے یا بدی کے قصد سے وہ زبردستی کوئی حرکت واقع ہونا سمجھکر غیظ و خشم میں قتل کرے تو خود ہی خفیف کر کے یہ سزا بیان کی کہ۔ إِلَّا أَن يُسْجَنَ ۔ مگر یہی سزا کہ وہ قید کیا جاوے اور شاید یہ غرض ہو کہ گھر میں اپنی ہی حفاظت میں قید کراؤں تو بھاگنے بھی نہ پاوے۔ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ یا کوئی دکھ کی مار دیا جاوے اور شاید یہ غرض ہو کہ ایک دفعہ کچھ تکلیف بضرورت اٹھا کر پھر انکار و گریز نہ ہوگا۔ خطیب وغیرہ نے کہا کہ محبوب کا دکھ بھی عاشق نہیں چاہتا ہے اسواسطے پہلے اسکی سزا قید بیان کی

اور چاہا کہ وہ ہمیشہ واسطے رفع تہمت اور اپنے اغراض فاسدہ کے ایک مدت تک قید رکھا جائے اور حبس دوام منظور نہ تھا کیونکہ جب دوام قید منظور ہوتی ہے تو جملہ فعلیہ استمرار نہیں لاتے ہیں آیا نہیں دیکھتے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ لاجعلنک من المسجونین۔ یعنی دائمی قیدیوں میں سے تجھے بھی کرونگا۔ القصہ عورت اسطرح کہ بیٹھی حالانکہ آنحضرت ؑ کے دل میں اسوقت تک اشارہ کے مادہ کا کچھ ارادہ نہ تھا مگر لاچاری سے انکو اپنی پاکی و عورت کا فریب ظاہر کرنا پڑا۔ قَالَ یوسف ؑ نے جواب دیا کہ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ ۔ وہی مجھے پھسلاتی تھی۔ شرم سے بصیغہ غائب بیان کیا حالانکہ وہ اسوقت سامنے حاضر تھی یوں نہیں کہا کہ ہذہ راودتنی یا انک راودتنی۔ اسی نے خود ایسا چاہا یا تونے خود ایسا چاہا تھا کیونکہ جب وہاں گناہ نہ تھا تو شاید انکی جانب شبہہ ہوتا پس حیادار کو اس سے شرم ہوئی ہے تو اس قصہ کا ذکر ہی نہیں چاہتے تھے اور جب بضرورت بیان کیا تو بھی شرم سے اس عورت کو غائبہ قرار دیکر کہا کہ میں نے کچھ نہیں چاہا بلکہ اسنے خود مجھ سے ایسی خواہش کی تھی اور اس موقع پر حالت خود شاہد تھی چنانچہ عورت ساتوں سنگار سے آراستہ اور تنہائی میں انکو لئے ہوئے پھر دروازے پر شاہزادی کیونکر آئی اگر پکڑنے نہیں آئی اور بھلا غلام کو یہ جرأت کہاں اور بھلا اتنی ماما اصیلوں میں غلام کو طاقت کب ہو سکتی ہے اور بھلا ایسے شخص کو جو نہایت حیادار شرم سلامت سے معلوم تھا ف حدیث صحیح میں منع آیا ہے کہ جہاں عورت کسی جوان آدمی کے ساتھ تنہا تخلیہ میں بیٹھے اگرچہ وہ مرد اسکا بھائی کیوں نہ ہو۔ یہ خوف اہل ایمان کے حق میں زیادہ ہے کیونکہ شیطان انہیں کی فکر میں رہتا ہے بخلاف کافروں کے کہ انکا کفر خود کافی ہے اب ایسے فعل کیلئے وسوسہ دلانے کی حاجت نہیں اسی سے اہل ایمان جب سب کے سب ضعیف الاعتقاد ہیں تو بہ نسبت کافروں کے انمیں بداخلاق و بدافعال زیادہ پائے جاتے ہیں کیونکہ شیطان انکے اعتقد ایمان بھی سلب کرنا چاہتا ہے اور وے بسبب ضعف کے اسکا وسوسہ جلد قبول کر کے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں خصوص عورتوں کے دل میں اسکا گھر ہے۔ اللھم ثبتنا علی الصراط المستقیم۔ القصہ جب عزیز نے یہ سنا تو شہادت و تحقیق کی ضرورت ہوئی۔ مگر حق عزوجل نے آنحضرت علیہ السلام کے لیے نہایت قوی شاہد اپنی قدرت سے پیدا کر دیا کہ جس سے انکی پاکی و طہارت پر یقین واثق ہو گیا اور یہ واقعہ ہونے سے پہلے جسقدر پاکیزہ خیال کئے جاتے اُس سے بھی زیادہ ظاہر ہوگئے چنانچہ فرمایا۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اور گواہی دیدی ایک گواہ نے جو اس عورت کے ناتے داروں میں سے تھا کہ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ ۔ اگر ہوئے قمیص یوسف کی ایسی حالت پر کہ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ ۔ نوچی گئی ہو آگے کی طرف سے تو فَصَدَقَتْ عورت نے سچ کہا۔ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ اور یوسف جھوٹوں میں سے ہوگا یعنی یوسف ؑ کی قمیص دیکھو اگر آگے سے پھٹی ہو تو عورت سچی و یوسف ؑ جھوٹا ہے وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ ۔ اور اگر ہووے یوسف کی ایسی کہ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ نوچی گئی ہو پیچھے کی طرف سے فَكَذَبَتْ تو عورت جھوٹ بولی وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ اور یوسف صادقین میں سے ہے جب دیکھا گیا تو بیشک حضرت یوسف صدیق علیہ السلام سچے تھے ف ہمیشہ سچ بولتا اور بالا رہتا ہے اگرچہ ظاہری صورت کچھ مشکل نظر آئے اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آدمی سچ بولتا ہے اور ہمیشہ اسی کا قصد رکھتا ہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکا لقب صدیق لکھا جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کا قصد رکھتا ہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کذاب لکھا جاتا ہے اور حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ آدمی مال بیچنے میں بڑھانے کیلئے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے یہ بڑا سخت گناہ ہے اور جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہ میں بڑا سخت شمار فرمایا ہے۔ بالجملہ زبان کی خوبی و منفعت سے زیادہ آدمی اُسکے آفت سے بچے جیسے آلہ تناسل سے نسل و نیک اولاد کی نیت کم اور فائدہ کم ہے بلکہ اسکی آفت سے بچنے کا قصد زیادہ ہے اسیواسطے حدیث میں ثابت ہے کہ جو کوئی مجھ سے ضمانت کرے کہ اپنے جبڑوں کے

بیچ والی چیز اور اپنی ٹانگوں کی بیچ والی چیز کو نگاہ رکھیگا تو میں اسکے لئے جنت کا ضامن ہوں پس جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی
دینا زبان کی آفتوں میں سے بڑی ہیں۔ واضح ہو کہ اس گواہ کے عمر میں لوگوں نے دو مختلف اقوال نقل کئے ایک یہ کہ داڑھی والا
مرد تھا اور دوسرا یہ کہ گہوارہ کا لڑکا تھا۔ اور ابن عباسؓ سے عکرمہ وغیرہ نے قول اول روایت کیا اور عوفی نے قول دوم
روایت کیا اور ایسا ہی حسن بصریؒ سے دونوں قول مروی ہیں اور ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ ہرنی تھی اسکو اللہ تعالیٰ
نے گویا کیا اور مجاہد رح سے بھی مروی ہو کہ وہ آدمی ہی نہ تھا یہ عجب ہے۔ ظاہر البعض راویوں سے سہو ہوا یا سمجھ میں فرق تھا اور شاید بات
یہ ہوگی کہ پہلے عزیز مصر کے دروازے پر ملنے کے وقت جو شخص ساتھ تھا اور وہ بادشاہی مصاحبوں میں سے زلیخا کا رشتہ دار تھا
اور مرد دانشمند تھا اسنے حضرت یوسف کی صداقت پر گواہی دی ہوگی اور جب اسمین عورت نے گفتگو کی تو ایک طفل نے گواہی
دی جیسا کہ آیت میں ذکر ہو پس حضرات ابن عباسؓ مجاہد وعکرمہ وحسن و قتادہ و سدی ومحمد بن اسحاق وغیرہم ایک جماعت
نے پہلے گواہ کا ذکر جو بعض قصص و اخبار سے معلوم ہوا ہے بیان کیا ہوگا اسکو راوی نے شاہد کی تفسیر سمجھ لیا واللہ تعالیٰ اعلم
کیونکہ خود ابن عباسؓ وحسن بصری سے وضحاک وسعید بن جبیر اور ہلال بن یساف اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے کہ وہ گہوارہ کا بچہ تھا اور شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ شیخ ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا مگر صواب یہ ہو کہ یوں کہنا چاہیئے جیسے سہیلیؒ
نے کہا کہ یہی صحیح ہو اسلیئے کہ اسمین تو صریح ایک حدیث آئی ہو جس کو ابن جریر نے ابن عباس کی روایت سے آنحضرت صلعم سے
روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچپن میں چار نے کلام کیا ہے ماشطہ دختر فرعون کا بیٹا اور یوسف کی سچائی
کا گواہ بچہ اور جریج راہب کی پاکی والا گواہ بچہ اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔ اور شارح میں لکھا کہ اس حدیث کو امام احمد نے
مسند میں روایت کیا ہو یہ حدیث صحیح ہو اور جب یہ حدیث خود ابن عباس سے روایت ہو اور صحیح ہو تو کیونکر ہو سکتا ہو کہ انھوں
نے شاہد یوسف کی تفسیر میں کبھی کہا ہو کہ داڑھی والا مرد تھا اور کبھی کہا ہو کہ ہرنی جانور تھی جو بحکم الٰہی بولتی تھی اور مجاہد نے کبھی
داڑھی والا مرد بیان کیا اور کبھی کہا کہ وہ آدمی ہی نہ تھا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے حکم و قدرت سے بچہ نے کلام کیا
اور گواہی دی اسی طرح وہاں آواز غیب بھی آئی ہو کہ یوسف سچا ہو جسکو مجاہد بیان کرتے ہیں اور ہرنی بھی بولی ہو جسکو
ابن عباس کہتے ہیں اور یہ راوی سے غلط ہوا کہ اسنے سب کو شاہد کی تفسیر سمجھ لیا ورنہ ان ائمہ سلف سے صحاح احادیث میں
ثقات حفاظ راویوں سے تحرز کا اندازہ ہو چکا ہے کہ انکے کلمات علم ہوتے ہیں اور ہرگز ایسے مختلف اقوال سے اشتباہ نہیں ہو سکتا
کیونکہ جسنے غور کیا ہو وہ جانتا ہو کہ اکثر تفاسیر میں بعض بے سمجھ راویوں سے غلطی ہوئی کہ سلف نے جو حالات یہود کی زبانی نقل کیے انکو بھی
راوی نے تفسیر میں داخل کر دیا اور کہیں انکا مطلب کچھ ہو اور خود کچھ اور سمجھ لیا لہذا ہم کو حضرات سلف کی طرف سے یہ گمان
کبھی درست نہیں ہو کہ انھوں نے شاہد کی تفسیر میں ایسے متناقض و متخالف اقوال بیان کیے ہوں گے۔ بھلا یہ تو دیکھو کہ شاہد
کی تفسیر میں راوی نے کہا کہ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ جانور ہرنی تھی جسکو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی حالانکہ صریح آیت
میں شاہد من اہلہا منصوص ہو یعنی وہ گواہ اس عورت کے کنبہ والوں میں سے اُسکا ناتے دار تھا تو بھلا کوئی احمق یہ گمان
کر سکتا ہو کہ حضرت ابن عباس حبر الامۃ فقیہ مفسر جنکے علم و فضل پر اتفاق ہو اُنکو اتنا نہ معلوم ہوا دلئی تھا۔ مجاہد رح بھی نہ جانتے
کہ وہ آدمی ہی نہ ہوگا تو عورت کا رشتہ دار کیونکر ہوگا پس صریح معلوم ہوا کہ ان بزرگوں نے اُسوقت کی گواہی دینے والوں کو

سب کو بیان کیا کہ قطفیر کا سامنی اور رشتہ دار جو بادشاہی مقرب جوان آدمی تھا اُسنے بھی گواہی دی اور غیب سے آواز آئی اور ہرنی نے بھی
گواہی دی اور ایک طفل نے بھی گواہی دی جسکا ذکر قرآن مجید میں ہی کہ شہد شاہد من اہلہا اور جب ہر طرف سے حضرت یوسف کی
پاکی کی آوازیں آنے لگیں حتی کہ طفل نے گواہی دی تو قطفیر کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت علیہ السلام پاک ہیں یہ تو ان روایات کا محل ہی
اور شاہد کی تفسیر خود مرفوع حدیث میں مذکور ہو کہ وہ گہوارہ کا بچہ تھا اور یہی ابن عباس و حسن وغیرہم سے مروی ہی فت اول یہ کہ
گہوارہ میں بات کرنیوالے حدیث مذکور میں چار بیان ہیں اور صحیحین میں فقط تین بیان ہیں اور شاید وہ بدون گواہی دریافت کرنیکے
بولتے والے یا اور کسی صفت کی خصوصیت سے فقط تین بچہ بیان فرمائے تو ان میں دو تو وہی عیسی ابن مریم اور جریج راہب تہمت کی پاکی
بتلانے والے ہیں اور تیسرا ایک بچہ جو اپنی ماں کا دودھ پیتا تھا اُدھر سے خوبصورت خوش لباس سوار گزرا ماں نے کہا کہ پروردگار میرا
بچہ ایسا ہی کیجیو تو بچہ بولا کہ پروردگار مجھے ایسا نہ کیجیو پھر ایک مظلومہ باندی کو لوگ مارتے تھے کہ تو بدکاری کرتی ہی حالانکہ وہ بری
پاکدامن تھی تو ماں نے کہا کہ الٰہی میرا بچہ ایسا کیجیو تو بچہ بولا کہ الٰہی ایسا کیجیو یہ حدیث صحیحین میں مفصل مذکور ہے دونوں حدیث میں
ملکر پانچ ہو گئے اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا مشہور ہی اور اصحاب الاخدود والی عورت کے بچہ کا بولنا
خود صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہی۔ یہ سب اور زیادہ ہوئے اور ثعلبی جنے حضرت یحیی
بن زکریا کو شمار کیا اور شیخ مفسر سیوطی جنے سب گیارہ بیان کئے اور اتقان وغیرہ میں منظوم کر کے لکھا ہی اور حضرت سید المرسلین
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین والصالحین وسلم علیہم اجمعین کو اور حضرت مریم والدہ عیسیٰ کو اور زمانہ ہادی مبارک کے
طفل کو زیادہ کیا ہی اور واضح ہو کہ جریج ایک راہب تھا بہت پارسا اور ایسے شخص کے دشمن بہت لوگ فاسق شیطان کے
پیرو ہو جاتے ہیں اسپر تہمت لگانے کے لئے ایک بدکارہ عورت کو آمادہ کیا جسکے کسی چرواہے سے پیٹ رہا تھا اس نے وضع حمل کے
بعد لوگوں میں مشہور کیا کہ یہ جریج راہب کا بچہ ہی آخر لوگ ہجوم کر کے جریج کے پاس گئے ملامت کرنے لگے اس نے انکار کیا اور بیچارہ
پاکدامن تھا اور لڑکے سے پوچھا کہ اے طفل تیرا باپ کون ہے اسنے جواب دیا کہ فلاں چرواہا ہے حالانکہ یہ بچہ دودھ پیتا ہوا تھا اسی
حدیث سے ائمہ حنفیہ نے کہا ہی کہ زنا سے جو اولاد ہو اسکا رشتہ ثابت ہوتا ہے حتی کہ جب چرواہا اسکا باپ ہوا تو جائز نہ تھا کہ مثلاً چرواہے
کی بیٹی سے وہ بچہ نکاح کرتا اسی طرح قیاس کرنا چاہیے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی حرمت نہیں ثابت ہوتی ہے اور اس قصہ میں
کہتے ہیں کہ یہ اُسنے باطن کی بات بیان کی کہ درحقیقت اسکا نطفہ ہے اور حرمت کے احکام ظاہری ہیں تو بحکم حدیث الولد للفراش وللعاہر الحجر
یعنی اولاد تو جورو سے ہوتی ہے خواہ منکوحہ ہو یا باندی ہو اور زناکار کے لئے پتھر ہیں جب زناکار کا نسب نہیں ہوا تو حرمت بھی نہ ہوگی
مترجم کہتا ہے کہ اقوی استدلال حنفیہ ہو لہذا وہی مذہب ہے۔ اصحاب الاخدود مسلمانوں کی ایک جماعت کو کافر بادشاہ نے اگلی
امتوں میں سے آگ بھر کر خندقوں کو دوزخ بنا کر اسمیں جلایا تھا کہ دین سے پھر و اُنھوں نے نہیں مانا اور مرجانا قبول کیا چنانچہ
تفسیر سورۂ والسماء ذات البروج میں انشاء اللہ تعالیٰ العزیز الرحیم بیان آویگا تو انھیں لوگوں میں ایک عورت کا بچہ لیکر
آگ میں ڈالا جسکے صدمہ سے عورت تڑپنے لگی اور قریب تھا کہ دین سے پھر جاوے مگر بچہ نے آگ سے آواز دی کہ
اے مادر مہربان جلدی چلی آ یہاں تو آگ نہیں نہایت عمدہ باغ ہی بس یہ بچہ تھا جس نے کلام کیا۔ **فائدہ دوم** اس قصہ میں
ایک بچہ کی گواہی پر حضرت یوسفؑ کی پاکی ثابت ہوئی اور فقہا کا مذہب یہ ہی کہ گواہ جو قاضی کے نزدیک گواہی دیں یا

یا نکاح مین گواہ کئے جاوین وہ عاقل بالغ آزاد آنکھون والے عادل ہون اور طفل کی گواہی قبول نہین ہی تو جواب یہ ہی کہ طفل کو
لیاقت نہین کہ وہ سمجھے اور اگر سمجھا تو قوت نہین کہ محفوظ رکھے حتی کہ قبل بلوغ کے احکام روزہ نماز وغیرہ فرض نہین ہوتے ہین
اگرچہ بیع وخرید وغیرہ عقود مین نابالغ عاقل ہمارے نزدیک معتبر ہو تو معلوم ہوا کہ قبل بلوغ کے قابل تحمل شہادت نہین ہوتا
تو ادا کے قابل بدرجۂ اولی نہ ہوگا اور گواہی سے دوسرے پر قطعی لازم کرنا اور الزام ہوتا ہی پس ایسی صلاحیت ضرور ہی اسلیے
طفل نابالغ قاضی نہین ہوسکتا ہے اور یہ امر عادت مین قطعی ہی بخلاف شاہد یوسف کے کہ وہ خرق عادت تھا یعنی بطور
معجزہ کے خلاف عادت اتنا سا بچہ بولا تھا اگر کہا جاوے کہ اکیلا تھا اور یہان دو گواہ شرط ہین تو جواب یہ ہی کہ ہان شرع
مین کہین دو ہین اور کہین چار شرط ہین اور یہ علی العموم عادت مین قاعدہ شرعی ہی اور شاہد یوسف خلاف عادت تھا اور
معجزات مین اور جو اس قبیل سے ہون یہ شرائط ضرور نہین ہین لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت جبتک ختم نہین ہوئی تھی تب تک انبیا کے
معجزہ کا اعتبار تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوچکی تو اب جو کوئی معجزہ کا دعوی کرے وہ کذاب مردود شیطان ہے
اور کرامت البتہ ہوسکتی ہی اور واقع ہوتی ہے لیکن اس سے شرعی حکم نہین ثابت ہوتا ہے حتی کہ اگر اب کوئی لڑکا گہوارہ مین
بولے اور ایسی بات کہے جو شرع کے حکم صریح سے یا اجتہادی سے خلاف ہی تو اسکا اعتبار ہرگز نہ ہوگا جبکہ ولی کے کشف کا
دین مین کچھ اعتبار نہین ہی اور اسکی کرامت برحق ہی اسیطرح ولی کے خواب سے شرعی حکم ثابت نہین ہوتا ہے اسپر اہل السنۃ
والجماعت کا اتفاق ہی ہان پیغمبرون کے خواب البتہ وحی ہوتے تھے تو اب ممکن نہین ہی کہ کوئی شخص پیغمبر ہووے۔ اور قصہ مین
حضرت یوسف کے گواہ کا اعتبار اسی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالی عزوجل نے اسکو خلاف عادت گویا کیا اور شاید کہ ان ایسے
طور پر وقوع ہوا کہ عزیز مصر وغیرہ کو قطعی یقین ہوگیا کہ حضرت یوسف سچے و پاک ہین اسکو کچھ شبہہ نہ رہا۔ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ
دُبُرٍ پس جب عزیز مصر نے دیکھا قمیص یوسف کو کہ نوچی گئی ہی پیٹھ کی طرف سے تو اسکو یقین کامل ہوگیا کہ یوسف سچے ہین اور
عورت کی طرف مخاطب ہوکر۔ قَالَ بولا۔ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ۔ کہ یہ تہمت یوسف کو بیشک تم عورتون کی مکاری مین سے
ہے۔ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ۔ تمہارا کید و مکر بہت بڑا ہے۔ کید ایسی بات کسی آدمی کے واسطے کرنا جسکو وہ مکروہ و ناگوار
رکھے اس کلام مین اشارہ ہی کہ عزیز مصر نے جو کہا وہ ٹھیک ہے کیونکہ حق تعالی نے اسکو برقرار رکھا ہے۔ حدیث سے حکم
نکالنے مین یہ قاعدہ ہے کہ جس فعل کو آنحضرت صلعم نے کسی آدمی کو کرتے دیکھکر منع نہین کیا برقرار رکھا تو وہ بھی سنت
ہوتا ہے اسی طرح آیت مین بھی اس آیت کو مثال سمجھنا چاہیئے تو گویا حق تعالی نے عورتون کے مکر کو بڑا فرمایا۔ بعضے علما وحکما نے کہا
کہ مین عورتون کے مکر سے اتنا ڈرتا ہون کہ شیطان سے اتنا نہین ڈرتا کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا۔ ان کید الشیطان کان ضعیفا
شیطان کا مکر کمزور ہی بعضون نے اعتراض کیا کہ یہ عالم حکیم ٹھیک نہین سمجھے اسلیے کہ شیطان کا مکر بمقابلہ ارادۂ الہی کے ضعیف ہی اور عورتون کا
مکر بمقابلہ مردون کے بڑا ہے۔ یہ اعتراض بالکل لوچ ہے اسلیے کہ اللہ تعالی خالق عزوجل کے مقابلہ مین تو شیطان و اسکا مکر و تمام
جہان سب کوئی چیز ہی نہین ہی کمزور کیسا ہوتا ہے اور جب اللہ تعالی کے ارادہ کا اعتبار کرو تو عورتون کا مکر بالکل نابود و نیست ہی
پس جو کچھ اللہ تعالی نے چاہا وہ تو ضرور واقع ہوگا اس سے ہم کو بحث نہین ہے۔ بلکہ یہان تو مخلوق کا بیان ہی تو آدمی کو چاہیے
کہ عورتون کے مکر سے زیادہ احتیاط رکھے اور شیطان سے ہر وقت ہوشیار رہیگا مگر عورتون سے اس سے بھی زیادہ ہوشیار رہے

کیونکہ شیطان اگر خالی وسوسہ دلا دے تو ہوشیار اسکو فوراً جان کر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لیگا اور اگر شیطان نے پہلے عورت کو آمادہ
کیا کیونکہ عورت اسکا جال ہوتی ہے تو وہ ہتھیار لیکر آیا اب بہت زیادہ ہوشیاری چاہیئے ہے۔ ہاں یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز بڑی
ہو مگر کمزور ہو لیکن حکیم جانتا ہے کہ عورت آدمی سے خود مکر نہیں ہے بلکہ شیطان کیلئے آلہ ہے کیونکہ کم عقلی سے اسکا وسوسہ جلد قبول کرتی
اور آمادہ ہوجاتی ہے اسیواسطے جو مرد ایسے ہیں کہ شیطانی افعال میں بڑی مستعدی سے جلد جلد آمادہ ہوتے ہیں وہ عورتوں کے
مثل بلکہ بدتر ہیں کہ مرد ہو کر عورت سے بدتر ہوگئے نعوذ باللہ من سئ الاخلاق والضلال۔ القصہ اس فیصلہ کے بعد اسنے حضرت
صدیق علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ يُوسُفُ اے یوسف اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۔ منہ موڑ لو اور درگزر کرو اس بات سے
یعنی تہمت کو معاف کردو اور اسکو کسی سے ذکر مت کرتا کہ لوگوں میں نہ پھیلے پھر عورت کی طرف خطاب کرکے کہا۔ وَاسْتَغْفِرِيْ
لِذَنْۢبِكِ ۔ اور تو اپنے گناہ سے مغفرت کی التجا کر۔ تو نے بخطا حضرت یوسف کو تہمت لگائی۔ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ۔
بیشک تو بھی تھی خطا واروں میں سے۔ بعضوں نے کہا کہ طعنہ دیا کہ تو خطا واروں کی نسل سے ہے جو تجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی لیکن
ٹھیک یہی ہے کہ تو خطا وار آدمیوں میں سے ہے اور خاطئین جمع مذکر کہا اور خاطئات جمع مؤنث نہیں کہا کیونکہ عورتیں تو مکار ہوتی
ہیں اور واضح رہے کہ عورتوں پر مکاری کا حکم بطور جنس کے ہے یعنی جنس عورتوں کی بڑی مکار ہوتی ہے اس سے یہ لازم نہیں ہے کہ
ہر ایک عورت بڑی مکار ہو بلکہ اگر آدمی بڑا مکار ہو تو عورت کی جنس سے ہوگا۔ پس عورتوں میں سے مانند حضرت مریم و حضرت صدیقہ
عائشہ و حضرت فاطمہ و سارہ وغیرہ بڑی بڑی پاکدامن فقیہہ عالم گذری ہیں تو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جو عورت ہو وہ بڑی مکار
ہوتی ہے حتی کہ مردوں میں سے بعضے ایسے ہوتے ہیں جو ہزار درجہ عورت سے بدتر ہوتے ہیں اور یہ ایسا ہے جیسے کہتے ہیں کہ مرد
اچھا کہ عورت یعنی مرد کی جنس اچھی ہوتی ہے حالانکہ زانی چور شرابخور بدمعاش بیہودہ نکما مرد نہایت خراب ہے اور پاکدامن صالحہ نیک
سیرت مطیع دیندار عورت اس سے بہت بہتر ہے۔ القصہ عزیز نے عورت کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا
تو سراج میں شیخ ابوبکر الامام سے نقل لایا کہ شوہر اس عورت کا غیرت کم رکھتا تھا کہ فقط اتنی بات پر کفایت کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ
بات کچھ نہیں ہے اسلیئے کہ درحقیقت کوئی لوث واقع نہ ہوا تھا اور ہنوز پردہ ڈھکا تھا البتہ عالم الغیب جل جلالہ کو علم تھا اسنے نازل
فرمایا تو قتل کرنے یا طلاق دینے میں پردہ فاش ہوتا اور اسکو یہ حالت ایک ایسے پیغمبر کی طرف پیدا ہوئی جسکا مثل نہیں تھا۔ وفی قصۃ
الاملاک قال استغفری ان المست فنائل۔ اور قتل کی البتہ اسطرح روا ہے جیسے حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے
سعد بن عبادہ سید الخزرج ۱۲
کہا کہ یا رسول اللہ اگر میں اجنبی مرد کو اپنی کوٹھری میں دیکھوں تو تلوار سے قتل کردوں۔ آپنے فرمایا الا ان سعد الغیور یعنی خبردار ہو کہ
بیشک سعد بڑا غیرت والا ہے وانا اغیر منہ۔ اور میں اس سے بڑھکر غیرت والا ہوں واللہ اغیر منی اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت
والا ہے ولذلک حرم الفواحش اور اسی جہت سے اس نے فواحش کو حرام کردیا۔ علماء حنفیہ نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی جورو کے ساتھ
کسی اجنبی کو دیکھے درحالیکہ دونوں راضی ہوں تو روا ہے کہ دونوں کو قتل کردے اور اسپر کچھ قصاص نہیں ہے اور کہا
کہ اسی طرح اگر ذی رحم محرم کے ساتھ مانند ماں وبہن و پھوپھی وغیرہ سے معاملہ ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر عورت پر زبردستی کیگئی
ہو تو مرد فاجر کو قتل کرسکتا ہے اور بعض نے لکھا کہ اولیٰ یہ ہے کہ بحالت ضرورت قتل کرے اور میں کہتا ہوں کہ غیرت اسکا باعث ہے
مسئلہ اگر ذمی کے بیٹے نے اسکی ماں کے پاس پڑوالوں میں سے کسی کو قتل کیا اور صورت دلباس ان لوگوں کا مسلمانوں کا

ہے تو کیا حکم ہوگا مترجم کہتا ہے کہ یہ تو کا اگر اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا اگر راضی ہوا تو جب اسنے مردانی کو قتل کیا تو اس سے قصاص لیا جاوے اور اسلام کی حکومت و ملک میں یہ فعل روا نہیں ہے اور رنڈیوں کی نسبت اسلام کا حکم دیا جاوے یا نہیں دیا جائیگا بلکہ ان سے وہ برتاؤ ہوگا جو کافروں کے ساتھ ہو بس میرے نزدیک جو کوئی ان کو اسلام میں داخل کر کے انسے مسلمانوں کا برتاؤ کرے وہ بھی انہیں کے مثل ہو ایسا ہی حکم اللہ تعالیٰ و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بقواعد شرع ثابت ہو اور استدلال کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہو واللہ تعالیٰ اعلم ف فی العرائس قولہ واستبقا الباب الآیۃ۔ واضح ہو کہ اول ظہور نور توحید میں آنحضرت کو برداشت نہ ہوئی تو مقام خطر سے بھاگے اور اگر بحر توحید میں غوطہ لگاتے اور مستغرق ہو کر زلیخا کو دیکھتے تو وہ پانی پانی ہو جاتی اور شہوت انسانی کا اثر نہ رہتا اسیواسطے جب زلیخا میں اثر نہ ہوا تو ان کے بھاگنے پر وہ پیچھے دوڑی اور قمیص پھاڑ لی۔ آنحضرت تو ابتدا رتوحید میں تھے اور زلیخا اپنے عشق میں انتہا کے قریب تو اسکے عشق میں توحید مؤثر نہ ہوئی۔ اور قمیص پھاڑنا عشق روحانی پر عشق انسانی کا غلبہ ہو اور یہی پھاڑنا حضرت یوسف علیہ السلام کے صدق پر دلیل ہو گیا بعض نے کہا کہ اگر مکان کی طرف نہ بھاگتے بلکہ اللہ تعالیٰ کیطرف بھاگتے تو کافی ہوتا قولہ تعالیٰ والفیا سیدہا لدالباب۔ زلیخا کا سید عزیز کو قرار دیا کیونکہ یوسف علیہ السلام کا سید حضرت خلاق علیم ہے جل شانہ اور یوسف بتوحید و تفرید آزاد از عبودیت نفس تھے اور ظاہر شریعت کی راہ سے بھی ایسا ہی تھا پھر عشق و ملامت میں ملازمت ہو چنانچہ زلیخانے ہر چند جرم کو آنحضرت کے ذمہ لگایا اور زبان دباکر خالی سزا دینے کا نام لیا مگر آخر اسی کی طرف عود ہوا۔ قولہ الا ان یسجن او عذاب الیم۔ اگر زلیخا کو عشق پورا ہوتا تو جرم آنحضرت پر نہ لگاتی بلکہ خود گوارا کرتی۔ شیخ ابن عطار ح نے فرمایا کہ ابھی سچی نہ تھی اور آخر میں محبت سے مستغرق ہو کر بولی کہ الآن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ۔ مترجم کہتا ہے کہ اکابر اولیا نے بحکم قولہ تعالیٰ والذین آمنوا اشد حبا للہ اور باعتبار اس قصہ و اشارات احادیث صحیحہ کے کہا کہ محبت اعلیٰ مقامات قرب میں سے ہو ولیکن ؎ عشق آن نبود کہ در مردم بود ✽ این فساد خوردن گندم بود ✽ امام غزالی رح وایک جماعت نے عشق نفسانی اور عشق روحانی و عشق ایمانی میں امتیاز بیان کر دیا ہے پس عشق نفسانی یعنی شہوانی میں جانور و آدمی سب شریک ہیں اور وہ معیوب ہے۔ اور عشق روحانی اکثر فلاسفہ افلاطون وغیرہ کے عشق میں تھا۔ اعلیٰ عشق ایمانی ہو ولیکن ہر حال میں ملامت اسکے ساتھ لازم ہے پس قسم اول کی ملامت تو بفواحش و عیوب ہیں جیسے فاسقوں و فاجروں کی حرکات میں مشاہدہ ہو اور یہ برعکس آثار ہوتے ہیں چنانچہ قسم اعلیٰ میں ہمہ تن رضائے حق عزوجل کا اختیار بلامت ہو چنانچہ فرمایا حق عزوجل نے۔ لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم۔ یعنی اپنے رب کی عبودیت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کرتے ہیں کیونکہ صدق کے علامات میں سے ہو کہ رضائے محبوب ہمہ تن پسند ہوتی ہو اور اپنی کوئی خواہش نہیں رہتی اسیواسطے ابتدا رحال میں زلیخا کا صدق نہ تھا اور آخر میں صدق ہو گیا چنانچہ اسنے اپنے کو مجرم قرار دیا اور آنحضرت علیہ السلام کو بری کیا ایسے ہی جو لوگ بندوں میں سے صادق ہیں وہ حضرت رب تبارک و تعالیٰ کی رضائے اعلیٰ میں ہر دم سرگرم رہتے ہیں ماں باپ بیٹے دوست و آشنا سب کے سب جاہد و نصیحت و ملامت سے باز نہیں آتے کسی شخص کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ محبت ایمانی میں اہل ملامت کامل التقویٰ بزرگوں کا نام ہے چنانچہ حضرت الصاری رحمہ اللہ سے مصرح منقول ہو کتاب لب نفحات میں ذیل تذکرہ بعض اکابر اولیا در شیخ الصاری رحمہ اللہ نے افسوس کے ساتھ اسوقت کے

جاہل صوفیہ پر ملامت کی ہے کہ یہ لوگ رندی و زندقہ و الحاد و سدا سہاگ و بیہودگی کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور شیطان سے محبت ہے اسکو ملامت کہتے ہیں مترجم کہتا ہو کہ شاید ان بدبختون نے سوائے عشق شہوانی کے کسی عشق سے وقوف نہین پایا اس سبب سے اسی کے مناسب ملامت کو ملامت خیال کیا اللھم احفظنا ہم حاصل یہ کہ عشق شہوت کی ملامت تو تمام مشہور ہے اور ملامتیہ فرقہ گمراہ گروہ کا اسی قسم کا مفسد گروہ ہے اور عشق نورانی ایمانی کی ملامت یہ کہ کمال تقوی و طہارت ہو حتی کہ راہ حق مین اسکو کچھ خوف ملامت کا نہ ہو کہ لوگ ہم کو اس طرح کہین گے۔ فلیحفظ المقام واللہ تعالیٰ ہو الحکیم العلام قولہ قال ہی راودتنی عن نفسی۔ شیخ نے لکھا کہ کرم مقتضی سکوت تھا بنظر آنکہ نصیحت وہو و توحید مین ترک تدبیر سے اقرب ہو کیونکہ ظہور اشیا ربقا دیر ازلیہ ہو لیکن تقدیس نبوت فعل حق تعالیٰ کی عبودیت ہو لہذا گہوارہ کے بچہ نے گواہی دی لطیف اشارہ ہو کہ عورت نے محبت کا دعوی کیا اور بلا کے وقت الگ ہوئی تو کریم بن الکریم نے اپنے قول سے ملامت اسپر لازم کی۔ شیخ نے کہا کہ ملامت دعوی عشق مین لازم ہو ورنہ عشق صادق نہ ہوگا۔ اقول اسی واسطے مردان راہ حق ہر زمانہ مین کافر و مسلم یعنی دشمن و دوست سے عجیب سوانح کے ساتھ بدگوئی و ملامت برداشت کرتے ہین ولیکن شرع مقدس و طریقہ سنت و رضائے حق تعالیٰ مین کمال تقوی کے ساتھ ثابت قدم رہتے ہین۔ جب حجت قاطعہ سے صدق نبوت ظاہر ہوا تو عورت کے شوہر نے کہا کما حکاہ اللہ تعالیٰ انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم۔ شیخ نے کہا کہ عورتون کے مکر و کید سے مراد یہان انکا کرشمہ و ناز و عشوہ و زلفون کا لہرانا و خوش ادائی و دلربائی سے حرکات انداز اور زینت لباس و لطافت گفتگو اور ناز سے چلنا ہو اور اسپر حسن کی ایک نقاب اُن کے چہرون پر ہی۔ بھلا شیطان کو یہ منظر ملعون صورت کا انکے مقابلہ مین کیا شمار ہو اسیواسطے قولہ ان کید الشیطان کان ضعیفا۔ مکر شیطان کو کمزور اور مکر زنان کو عظیم قرار دیا۔ حدیث مین ہو کہ ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء یعنی مین نے اپنے بعد کوئی فتنہ نہین چھوڑا کہ وہ عورتون سے زیادہ بڑھکر مضر ہو مردون کے حق مین یعنی اُمت کو آئیگا۔ فرمایا کہ تمھارے لئے سب سے بڑا فتنہ عورتین ہین اور فرمایا النساء حبائل الشیطان شیطان کے جال یہ عورتین ہین۔ اقول اس زمانہ مین تو مرد مومن کو یہ بدیہی نظر آتا ہے۔ کچھ دلیل کی حاجت نہین ہو۔ شیخ نے کہا کہ حسن فعل الٰہی عزوجل یہ ہو کہ عورتون کے چہرون و طبائع پر ایک نقاب حسن ازل ہو کہ طبائع مردان اسطرف منجذب ہوتے ہین اور یہی اصل عظیم ہو اسی وجہ سے انکے کید کو عظیم فرمایا ہے۔ جب یہ خبر فاش ہوئی تو زلیخا کی ہمجولیون و ہمرازون نے لالچ کیا ولیکن ظاہر مین زلیخا کو ملامت کا بہانہ کیا چنانچہ اسکو اللہ تعالیٰ نے حکایت فرمایا بقولہ

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ

اور کہنے لگین کئی عورتین اس شہر مین عزیز کی عورت خواہش کرتی ہو اپنے غلام سے اسکا جی فریفتہ ہوگیا اس کی محبت مین

اِنَّا لَنَرٰىهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ

ہم تو دیکھتے ہین وہ بہکی ہے صریح پھر جب سنا اُسنے انکا فریب بلوا بھیجا اُن کو اور تیار کی

لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ

اُنکے واسطے ایک مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے ہاتھ مین چھری اور بولی یوسف نکل انکے سامنے پھر جب دیکھا اُس کو

أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ○

دہشت میں آگئیں اُسکی اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیاں حاشا للہ نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ

قَالَتْ فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ط

سو یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تم نے مجکو اسکے واسطے اور میں نے چاہا اُس سے اُسکا جی پھر اُسنے تھام رکھا

وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ ○ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ

اور مقرر اگر نہ کریگا جو میں اسکو کہتی ہوں البتہ قید پڑیگا اور ہوگا بےعزت یوسف بولا اے رب مجکو قید پسند ہے اس بات سے

إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ ○

جس طرف مجکو بلاتیاں ہیں اور اگر تو دفع نکرے مجھے انکا فریب تو مائل ہو جاؤں انکی طرف اور ہو جاؤں بے عقل

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○

سو قبول کرلی اُسکی دعا اُسکے رب نے پھر دفع کیا اُس سے اُنکا فریب البتہ وہی ہے سننے والا خبردار

القصہ جب یہ خبر فاش ہوئی کہ عزیز کی جورو اسطرح چاہتی ہے اور حکمت الٰہیہ نے حضرت یوسفؑ کی پاکی اور طفل کی گواہی سے کرامت عام مشتہر فرمائی تو امراء اور رؤسا کی عورتوں میں یہ تذکرہ پھیلا وقال تعالیٰ ۔ وَقَالَ نِسْوَةٌ ۔ نسوۃ جماعت زنان اس کا واحد لفظ نہیں بلکہ امرأۃ آتا ہے اور تانیث غیر حقیقی ہے لہذا فعل قالت ضرور نہیں روایت ہے کہ پانچ عورتیں سرغنہ تھیں ساقی کی جورو باورچن ۔ دارو غہ اصطبل کی بیوی ۔ اور داروغہ جیل خانے کی بیوی اور شاہی حاجب کی عورت یعنی ایسا کہا عورتوں کی ایک جماعت نے ۔ فِي الْمَدِينَةِ ۔ جو اس شہر میں تھیں یعنی مصر میں اور بعض نے کہا کہ شہر عین الشمس ایسا تھیں اِمْرَأَتُ الْعَزِيزِ ۔ امرأۃ رسم الخط بتا رکشیدہ یہاں ہے عزیز بادشاہ ولقب وزیر مصر اور ایسے شخص کی جورو کا قصہ سننے کی طرف توجہ زیادہ ہوگی ۔ المعنی کہ عزیز مصر کی جورو ۔ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۔ مراودت کرتی ہے اپنے غلام کو اسکے نفس سے یعنی زلیخا چاہتی ہے کہ اُسکا زرخریدہ اُس سے مانوس ہو حالانکہ وہ بھاگتا ہے ۔ فتی نوجوان ۔ قتادہ ۔ نوخیز عورت ۔ اور فتاہا وفتاک وفتای اسکا تیرا امیرا غلام یعنی وہ اپنے غلام کنعانی سے بُری حرکت چاہتی ہے ۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۔ در حالیکہ مشغوف کرلیا اُسنے اس عورت کو از راہ محبت کے یعنی شغاف قلب جو پردہ وجلی رقیق ہے وہاں تک عورت کے دل پر اسکی محبت بیٹھ گئی اور یہ پردہ پھاڑ کر دل پر پہونچ گئی ۔ ضحاک از ابن عباسؓ شغف بمعنی محبۃ عشق شدید اور شغف بمعنی مہلاس سے کم اور شغاف دل کی جھلی ہے ۔ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔ ہم سب تو اس عورت کو کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا دیکھتے ہیں اور ضلال عرب والے عشق کو بھی کہتے ہیں تو شاید یہ معنی ہوں کہ ہم اسکو عشق میں مدہوش سمجھتے ہیں ولیکن اول ظاہر ہے بقرینہ قولہ ۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ ۔ پس جب سنا زلیخا نے اُن کا مکر ۔ مراد مکر سے قول ہے کیونکہ اس قول سے چاہتی تھیں کہ کسی طرح یوسف کو دیکھیں کیونکہ ان عورتوں نے بظاہر کہا کہ فلانی عورت اپنے غلام پر ایسی ریجھی دھری جاتی ہے ہم تو اسکو دیوانی سمجھتے ہیں اور مطلب یہ تھا کہ ہم کو تحقیق کرادو ہم دیکھ لیں ۔ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ قرآن میں جہاں مکر ہے اس سے عمل مراد ہے پس معنی قولہ تعالےٰ مکر اللہ یعنی فعل اللہ ۔ اگر چہ فعل الٰہی ایسی طرح پر ہو کہ بدکار ظالم بندوں کے فعل کے مقابلہ میں خفیہ بصورت مکر ہو ۔ رازی نے کہا

کہ یا یہ ہو کہ زلیخا نے ان کو اپنے اسرار سے آگاہ کیا تھا اسکو انھون نے فاش کیا - یا - اُنھون نے خفیہ غیبت کی - مترجم کہتا ہے کہ
عورتون نے بلحاظ موقع حالیہ کے اس کلام سے کوئی مکر چاہا تھا مثلاً زلیخا کا یوسف سے ترک تعلق اور گھر سے بدر کرنا یا اُن مین
سے کسی کو دیدینا وغیرہ جسکو زلیخا سمجھ گئی بس صحیح ہوا کہ جب زلیخا نے ان عورتون کا مکر سنا تو - اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ - اُن عورتون
کو بلوا بھیجا - وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً - اور مہیا کر رکھا انکے لئے متکا - ابن عباسؓ و سعید بن جبیرؒ و مجاہدؒ و حسنؒ و سدیؒ وغیرہم نے
فرمایا کہ متکا وہ مجلس جسمین فرش بچھے دگاؤ تکیہ آراستہ ہون اور چاقو چھری سے کاٹ کر کھانے کی چیزین مہیا ہون جیسے ترنج
وغیرہ - کذا فی تفسیر الحافظ - واعتدت اے اعددت و معنی اعداد کے سامان مہیا کرنا اور سراج مین متکا کی تفسیر خالی ایسے
طعام سے ذکر فرمائی جو چاقو چھری سے کاٹا جاوے اور ایسے طعام کو متکا اسوجہ سے کہتے ہین کہ اترائے ہوئے لوگ تکیہ دیکر اسکو
کھاتے ہین اور اصل متکا وہ چیز ہے جسپر تکیہ دین جیسے گاؤ تکیہ وغیرہ اور حدیث مین تکیہ دیکر کھانے سے ممانعت فرمائی ہو کما فی الصحاح
و لیکن اصوب وہی تفسیر ہے جو سابق مین مذکور ہوئی کہ مراد متکا سے مجلس گاؤ تکیہ وغیرہ سے آراستہ ہو اور فرعونیون کے رواج
مین شاید یہ ہوگا کہ ترنج وغیرہ فواکہ کی دعوت مین ایسی تکیہ دار مجلس آراستہ کرتے ہون گے پس متکا مجلس اس امر کو متضمن ہو
کہ اسمین چھری چاقو سے کاٹ کر کھانے کی چیزین بھی مہیا ہوتی ہین اسی واسطے فرمایا - وَّاٰتَتْ اعطت - كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ
سِكِّيْنًا - اور دیدی زلیخا نے ہر ایک عورت کو اُن مین سے ایک چھری - قال الحافظ - یہ طریقہ زلیخا کی طرف سے عورتون کے
مکر کا جو دیکھنا چاہتی تھین مقابلہ ہے یعنی صریح زخم کی حجت سے زلیخا کی معذوری کا اقرار کرین چنانچہ جب یہ سامان ہوگیا
تو - وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ - اور زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو فرمایا کہ نکل کر ان عورتون پر ظاہر ہو پہلے سے حضرت یوسفؑ کو
فرزندانہ خیال عزیز سے بلباس شاہانہ آراستہ کر کے تنہا مقام پر چھپا رکھا تھا اب حکم دیا تو ظاہر ہوئے - فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ
سو جب ان عورتون نے آنحضرت کو دیکھا تو بڑا بزرگ شان والا جانا اسکو - یعنی عظمت و اجلال شان یوسفؑ کی ان پر طاری ہوئی
اور کمال حسن و ہیبت شان اصلی نبوت ازلی کی اور لباس تاج شاہانہ ظاہری سے ان پر دہشت طاری ہوئی کہ جس سے خود فراموشی
کی نوبت پہونچی - وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ - اور لگین کاٹنے اپنے ہاتھون کو - یا کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ - شیخ حافظؒ نے کہا کہ اکثرون
کا قول ہو کہ مسنج سے چھری ٹلے ہو کر ہاتھون پر پہنچی اور بیہوشی و حیرت سے اسی طرح وہ عورتین دیتے گئین حتی کہ ہاتھ زخمی
ہوگئے اور مجاہد و قتادہ سے مروی ہو کہ بعضے ٹکڑے کٹ گرے اور زید بن اسلم سے روایت ہو کہ جب عورتین دعوت کھاکر فارغ ہوئین تو
زلیخا نے تنقل کے طور پر ترنج مع چھری ہر ایک کے سامنے رکھوائی اور فرمایا کہ کیا تم یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو - بولین ہان تو کہلا بھیجا کہ
یہان آؤ جب عورتون نے دیکھا تو عظمت و ہیبت طاری ہوئی اور متحیر رہ گئین پھر حکم دیا کہ جاؤ تاکہ سامنے سے آتے اور جاتے
دونون ہیئت سے دیکھ لین اور یہ عورتین اس حالت مین چھری اپنے ہاتھ پر چلانے لگین جب آنحضرت چلے آئے تو انکو درد محسوس
ہوا اور غلغلہ برپا ہوا تب زلیخا نے کہا کہ ایک نظر اس آفتاب جمال کو دیکھنے سے تمھارے حواس کی آنکھین اسقدر نابود ہوگئین
بھلا تم مجھے کیونکر ملامت کرتی ہو - وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا - تب کہنے لگین حاش للہ یعنی پاکی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے
یہ تو آدمی نہین ہو - اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ - نہین ہو یہ شخص مگر ایک بزرگ فرشتہ - الغرض آئندہ زلیخا پر کبھی ملامت
نہ کرین گی کیونکہ آدمی تو ایسا کیا بلکہ اس سے مشابہ بھی کبھی نہین دیکھا گیا ہو یہ آدمی نہین ہوسکتا بلکہ کوئی فرشتہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ

نے متمثل فرمایا ہو واضح ہو کہ حضرت یوسف کا جو حسن تھا بیان سے باہر ہے اور احادیث مین بعض روایات مین ہو کہ حسن مین سے نصف و بعض مین دو تہائی فقط آنحضرت کو دیا گیا تھا اور باقی مین تمام مخلوق ہو اور ظاہر اصریح روایت نصف کی ہے اور ما آل دو تہائی ہو اسطرح کہ ایک تہائی حسن کا اُنکی دادی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ملا تھا جیسا کہ حدیث مین آیا اور یہ میراث بھی حضرت یوسف کو ملی اور خود نصف حسن انکو ملا تو مجموعہ دو تہائی ہو گیا واللہ اعلم - بالجملہ انکا حسن سوائے دیکھنے والون کے دوسرون کے قیاس سے باہر ہو کیونکہ اُنکا مشابہ دوسرا نہ تھا جسپر حواس کی قوت کو دوڑاوین اور ادنی بات یہ تھی کہ جب سوار ہو کر چلتے تو چہرہ کی روشنی سے دیوارین روشن ہو جاتی تھین - اب یہان ایک وہم یہ ہوتا ہے کہ ظاہرا عورتین اسوقت توحید الٰہی اور فرشتہ کی قائل تھین حالانکہ تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوم بت پرست تھی تو اسکا جواب کئی طرح پر ہو اوّل یہ کہ حاشا للہ کلمہ تنزیہ و تعجب ہے جسکو عرب بولتے ہین پس ان عورتون کے کمال تعجب کے کلمہ کو عربی کے ایسے کلمہ سے تعبیر فرمایا اور فرشتہ سے تشبیہ نظر عرف معروف ہو اگرچہ بظاہر ایمان انکو اعتقاد نہ ہو اور ممکن ہو کہ حضرت ابراہیم و دیگر انبیاء کی تعلیم و تلقین سے اثر عام اقوام تک پہونچا اگرچہ ان فرقون کی طرف نسبت نہ ہو یا بت پرستی اُن مین بعد اسلام کے پھیلی ہو اور یہ امر صاف مشاہدۂ حالیہ سے ظاہر ہوتا ہو جواب دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اقرار اور فرشتہ کا اقرار اُنکی طرف سے تحقیقی تھا اور اُنکی بت پرستی کو اس اقرار سے کچھ مخالفت نہ تھی دیکھو کفار عرب کو بھی اللہ تعالیٰ کا اقرار تھا باوجود بت پرستی کے اور ملائکہ کو بنات اللہ بطریق کفر و انکار کہنے سے فی الجملہ انکا اقرار تھا - بالجملہ کفر کی ملتین طرح طرح کی ہین اور اُنکا یہ اقرار واقعی ہوتا کچھ محل وہم نہین ہو اور جواب سوم درحقیقت دوسری قرأۃ کا اختیار ہے اور وہ یہ ہو کہ بشرا بای جارہ اور شرا بمعنی خرید ہے پس قولہ ما ہذا بشرا یعنی یہ شخص تو خریدا ہوا غلام نہین ہے اس کی شان غلامی کی نہین ہو - ان ہذا الا ملک کریم - ملک بکسر لام پڑھو یعنی یہ شخص تو بادشاہ بزرگ ہو - خفاجی رح نے کہا کہ یہ قرأۃ براہ روایت و درایت دونون طرح صحیح ہو - اگر کہا جاوے کہ ان عورتون نے کیونکر جانا کہ فرشتہ اس صفت کا ہوتا ہو تو جواب یہ کہ محض اعتقاد جو ان کے دل مین مرتکز تھا یا خیال خوبی جو بجانب ملائکہ ہو سکتا ہے اس امر کا باعث ہوا جیسے بھوت پریت و شیطان کی نسبت نہایت قبیح صورت ہونے کا خیال راسخ ہوتا ہو پس یہان مانند کشاف معتزلی کے کوئی شخص یہ زعم نہ کرے کہ بشر سے فرشتہ کی صورت افضل ہو بلکہ اس بحث مین نہ پڑے کہ فرشتہ اچھا کہ آدمی اچھا کیونکہ دین مین یہ کوئی مسئلہ نہین ہو - اگر کہا جاوے کہ یہ فضل حضرت یوسف ؑ کے ساتھ مخصوص تھا تو جواب یہ ہو کہ ہان مگر یہان نظر دو طرح پر ہے اوّل آنکہ کسی شے کی خوبی جو درحقیقت ہو اور دوم آنکہ ظہور کسی خوبی کا دنیاوی آنکھ کی قوت پر تو جاننا چاہیے کہ نظر دنیاوی ایک صنعت قدرت کاملہ الٰہی تعالیٰ ہے اور اسپر امتحان کا اندازہ ہو چنانچہ روح کو یہ آنکھ نہین دیکھ سکتی اور عصائے موسیٰؑ کو آنکھ دیکھتی تھی مگر اسکی حقیقت کو کچھ نہین پہچانتی تھی حالانکہ درحقیقت وہ فرعون کیلیے اژدہا ہو جاتا تھا اور یہ حال حواس کا اہل عقل پر خوب واضح ہے پس اب سنو کہ حضرت یوسف ؑ کے ساتھ یہ مخصوص تھا کہ ظہور نصف حسن کا ہو اور ممکن ہو کہ درواقع کسی بندۂ خاص کو اُن سے زیادہ حسن عطا فرمایا گیا لیکن صفت ظہور اس نظر کیلیے عام نہ ہوئی ہو اور اکابر اہل الحق اسی پر ہین کہ آنحضرت سید الانبیاء والمرسلین یعنی مولانا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و صحابہ اجمعین مین کمالات بروجہ اتم و اکمل تھے اور آپ جملہ انبیاء و مرسلین سے افضل تھے ولیکن اس فرد انا پائدار کے ظہور مین حکمت الٰہیہ جسطرح مقتضی ہوئی ظہور ہوا اسیواسطے آپکا دیدار ایک معجزہ خاص تھا جس سے حضرات

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بحکم طوبیٰ لمن رآنی الحدیث کے جو حاصل ہوتا تھا وہ کمال کبھی کسی طرح اب ممکن نہیں ہوا وجس سے
طائفات کافرو معبدین کی صریح نفی فرمائی بقولہ تراہم ینظرون الیک وہم لا یبصرون - اور سعدی علیہ الرحمہ نے خوب کہا ہے گر نہ بیند بروز
شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ؛ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وجمیع الانبیاء والمرسلین کا حسن وجمال اعلیٰ و اکمل تھا اگرچہ اندھوں
کو نظر نہ آوے - فافہم واستقم - وہہنا اشارات لطیفۃ لا یسعہا المقام بل لا یتحملہا الکلام - القصہ ان عورتوں نے اس حسن ظاہری پر ایک
نا راست نظر سے ایسی کیفیت دیکھی اور یہ حالت طاری ہوئی کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا ہاتھ کاٹ ڈالے اور درد محسوس نہوا اور بالآخر
انھوں نے خام خیالات پر اُسکو آدمی نہ جانا بلکہ فرشتہ تجویز کیا اور زلیخا کا عذر معقول جانا - قَالَتْ - زلیخا نے ان عورتوں سے
کہا کہ - فَذٰلِكُنَّ - اے فہذا - اور کن ضمائر خطاب ہیں جنکے لئے موقع اعراب نہیں ہوتا اور اشارہ ذلک بجائے ہذا کے بغرض
تفخیم شان ہے جیسا کہ بلاغت عرب میں معلوم ہے اسلیئے یہی ہے - الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ - وہ شخص جسکے عشق میں تم نے مجھے ملامت کی تھی یعنی
میں ایسے حسن سے بے اختیار و بے صبر ہوں - بالجملہ یہ عذر ایسا صریح تھا کہ معذوری کا مرتبہ یقین سے بھی بڑھ گیا لہذا زلیخا نے اپنے
واقعہ کی تصریح کر دی قولہ - وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ - اور بیشک میں نے اسکو اسکی ذات کی چاہت میں
بھایا تھا مگر اسنے عصمت و پاکدامنی اختیار کی یعنی صحیح واقعہ جسکا شہرہ ہوا یہی ہے کہ میں نے ہی اس سے مراد چاہی لیکن
اسنے بجائے لوث کے عصمت کو چاہا پس اس حسن صورت کاملہ کے ساتھ اسمیں حسن سیرت صادقہ ایسی اعلیٰ مجتمع ہے - پھر دھمکایا
اور کہا وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ - اور اگر اس نے نہ کیا وہ جو میں اسکو حکم دیتی ہوں - زبان دبائے ہوئے اشارے سے حکومت
کی بولی میں فحش بات سے پرہیز کرکے کہا کہ اگر میرا کہا نہ مانیگا تو - لَيُسْجَنَنَّ - ضرور قید کیا جائے گا - یعنی ایسی تدبیر کروں گی کہ
قید میں پڑکر مجبور رہے - وَلَيَكُوْنًا - اے لیکونن مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ - یا ہو جائیگا ذلیل و خوار غلاموں یا نوکروں میں سے یعنی اس
رتبہ سے گراکر خوار کر دونگی - یہی تکبر باوجود اس عشق کے زلیخا کی راہ میں خار ہو گیا حتی کہ آنحضرت علیہ السلام جدا ہوئے اور وہ
خود خوار ہوکر بعد ایک مدت کے آنحضرتؑ کی نوازش سے سرفراز ہوئی - واضح ہو کہ عبارات مفسرین صریح ہیں کہ زلیخا نے قولہ
ولئن لم یفعل - بطریق دھمکی کے حضرت یوسف کو سنا کر انکی موجودگی میں کہا و لیکن اسمیں مضائقہ نہیں کہ اُسنے فقط
عورتوں سے بطور رشید و تدبیر کے کہا ہو اور شاید کہ ان عورتوں سے اپنی مراد کیلئے استعانت چاہی ہو اسطرح کہ آنحضرت علیہ السلام
نے کہا تھا کہ معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای یعنی اپنی پرورش کرنیوالے عزیز مصر کی جورو سے بلحاظ مربی ہونے کے یہ کام نہ کریں
تو یہ عورتیں طالب ہوں پھر انکی تلویث کے بعد کام آسان ہو چنانچہ بعض مفسرین نے قصہ روایت کیا کہ ان عورتوں میں سے
ہر ایک نے زلیخا کی حیلہ گری و اشارہ سے آنحضرت علیہ السلام سے تخلیہ میں یہ خواہش ظاہر کی اور ہر طرح کی زینت و مکر و لجاجت و حیلہ
کا خاتمہ کر دیا تھا - اور کلام مابعد میں اسطرف اشارہ بھی نکلتا ہے چنانچہ جب یہ صورت معاملہ نظر آئی تو - قَالَ - دعا کی حضرت یوسفؑ
نے - رَبِّ - اے میرے پروردگار - السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ - قیدخانہ مجھے زیادہ پسند ہے یعنی وہی مجھے منظور ہے - مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ
اِلَيْهِ - اس کام سے جسکی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں اور سب دعا میں یہ حال حضرت علام الغیوب جل کبریاؤہ کی درگاہ میں عرض
کیا اور بعض نے کہا کہ عورتوں نے زلیخا کیلئے سفارش کی تھی اسوجہ سے عورتوں کے جمع کا صیغہ بیان کیا - وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ
كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ - اور اگر اے پروردگار تو نہ پھیر دیگا میری طرف سے ان عورتوں کے مکر کو تو میں مل جاؤں گا

ان عورتون کی طرف سے وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ - اور ہو جاؤن گا جاہلون مین سے - یہ آیت صریح ہی کہ خیر کو پہونچانیوالا اور بدی و برائی
کو دور کرنے والا حضرت خالق عزوجل ہی اور آدمی کافر ہو یا مومن بہ سبب کے امور اسی کے قبضۂ قدرت مین ہین ولیکن جسکے لئے ایمان
کا حصہ نہین ہی وہ اپنی تدبیر کا بھروسا کرتا اور جو مراد ملی اسکو نتیجۂ تدبیر خیال کرتا ہے اور مومن تدبیر سے گریز نہین کرتا ولیکن اسپر
اعتماد نہین کرتا ہے پس جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ عورتین یا تو مراد چاہتی ہین یا میرے لئے قیدخانہ تو خیال ہوا
کہ اول مین دنیا کی مذمت و آخرت کا عذاب عظیم مگر کچھ لذت - اور دوم مین دنیا کی مدح اور آخرت مین ثواب جمیل مگر کچھ کراہت
تو دوم اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے قیدخانہ طلب کیا - حالانکہ طول مدت سے گھبراکر رہائی چاہی تھی جیسا کہ آیندہ آویگا
انشاء اللہ علماء نے کہا کہ محنت امتحان پر دلیری نچاہیئے اگر قیدخانہ نہ مانگتے تو بلا قید کے خلاصی پاتے اسیواسطے حدیث صحیح مین بلا پر صبر سے
پرہیز کرکے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگنے کا حکم مروی ہے اور بعض روایات مین دنیا و آخرت کی سلامتی و عافیت مانگنے پر تحریض ہی
اور آیت مین دلالت ہی کہ معصیت کیساتھ جہالت کی صفت ہوتی ہے کیونکہ حکمت سے ارتکاب قبیح نہ ہوگا لہذا جو کوئی معصیت و قبیح افعال
و نافرمانی خالق عزوجل کا مرتکب ہو اگرچہ ظاہری حواس سے تیز ہوش اور لوگون مین زیرک مشہور ہو وہ کبھی عقلمند حقیقی نہین ہی مترجم
کہتا ہے کہ عوام بلکہ خواص بلکہ علماء وقت کے نزدیک حواس کا اندازہ و عقل کا منارہ بالکل خلط و مشتبہ ہو گئے ہین - اور ان دونون مین
فرق یہ ہی کہ علم ریاضی یعنی حساب و جبر و مقابلہ و اقلیدس و علم مثلث و علم طبعیات و موسیقی و تمام کلین مانند کپڑا بننے و سینے وغیرہ
کے و ریل و تار برقی وغیرہ جو نتیجہ ریاضی ہین سب حواس سے متعلق ہین اور تدبیر انتظام ملکی بھی اسی کا اثر ہے اور اسمین دخل دماغ کے
بطن کی غرفۂ اول کو جو محل قوت تخئیلیہ ہے بہت زیادہ ہی اور یہ قوت بدن کی تروتازگی و رطوبت و خون کی زیادتی و جوش خصوصاً ایام
طفولیت مین زیادہ ہوتی ہے اسی واسطے گرم ملکوں خصوصاً جوانی کے زمانہ مین جب انتعاش حرارت سے اس رطوبت مین کمی آجاتی ہی
اس قوت مین وہ بات نہین رہتی جو ابتدا مین تھی اور یہ مقام فلاسفہ یونان نے بہت مشرح ثابت کیا اور کہا کہ ریاضی کی تعلیم اسیوجہ سے
اطفال کو شروع مین دیجاتی تھی - مین کہتا ہون کہ اب بھی وہی جاری ہی اور صاف مشاہدہ ہوا کہ طفولیت مین یہ فنون بہ نسبت
جوانی کے اچھی طرح آتے ہین پھر عقل کا مرتبہ اس سے بلند ہے اسکو کسی شکل و تصویر سے مدد کی ضرورت نہین ہی اسیواسطے فلاسفہ یونان
نے ایام کودکی مین الٰہیات کے مسائل بالکل تعلیم نہین دیئے بلکہ لکھا کہ قوت تخئیلیہ و واہمہ جبتک قوی ہی عقل کی قوت کو ترقی نہوگی
یعنی ظہور آثار صاف نہ ہوگا کیونکہ اسمین مادیات کی بالکل ضرورت نہین ہی اور قوت مذکورہ سوائے مادیات کے مجردات سے بحث
نہین کر سکتی مثلاً وجود امور عامہ مین سے ہی کہ افراد امکان بالمعنی الاعم کو فی الجملہ عام ہے اور جیسے معلول مقتضی علت تامہ ہی وغیر
ذلک من المسائل و یہین سے تم دیکھتے ہو کہ بڑا بڑا ریاضی دان و بڑا نئی ایجادین کرنیوالا جب اس سے کوئی مسئلہ الٰہیات کا پوچھو تو
سخت جہالت کا جواب دیتا ہے اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ دنیاوی چیزون مین بڑی ترقی کرنیوالے مسئلہ الٰہیات و آخرت مین بالکل
جاہل ہین لیکن یہ افسوس ہی کہ عوام کی نظر مین یہ لوگ بڑے عقیل ہین حالانکہ صحیح اسقدر ہی کہ بڑے قوی حواس کے لوگ ہین - اب ہم
کہتے ہین کہ ایسے فنون جاننے والا درحقیقت عقلمند نہ ہوگا وہ کبھی حکیم نہین ہے تو اس سے معاصی و خالق عزوجل کی نافرمانی حتیٰ کہ
حق سبحانہ تعالیٰ سے منکر ہونا بھی سرزد ہوگا اور جو شخص ان حواس سے تجاوز کرکے عقل سے فائز ہوا وہ راہ حق مین مستقیم ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ
حدیث مین آثار قیامت مین ہی کہ دنیا ان کیلئے آراستہ ہوگی اور یہی انکا عین مقصود ہوگا - اور صم بکم ملوک الارض ہون گے یعنی

روئے زمین کے بادشاہون کو عقل سے بہرہ نہ ہوگا بلکہ حواس مین نہایت قوی وتیز اور حاکم بادشاہ ہونگے۔ مترجم کہتا ہے کہ جس شخص نے مثل مترجم کے بتوفیق الٰہی سبحانہ تعالیٰ مذکورۂ بالا تمام فنون ریاضی ومنطقیات وفلسفہ ومسائل عقلیات بطور فلاسفہ حاصل کیئے اور اللہ تعالیٰ نے اسکو قرآن مجید واحادیث پاک علوم وحی سے سرفراز فرمایا اور اپنی رحمت سے فیض الہام وہدایت خاصہ جوان علوم مین سمجھ کا نام ہے عطا فرمایا ہے وہ شخص ضرور میرے بیانات کو صاف آئینہ کے مثل روشن دیکھے گا واللہ تعالیٰ ہو الہادی الی سواء السبیل والحمد للہ رب العلمین۔ القصہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عاجزی سے دعا فرمائی کہ اے رب میرے تو ہی مجکو بچا دیجیو اور مجھے میرے نفس پر مت چھوڑیو ورنہ جہالت سے مین انکے مکر مین مبتلا ہوجاؤنگا پس مجھے قیدخانہ جو چندروزہ تکلیف ہو اس لذت سے جسکا انجام دائمی عذاب ہو زیادہ محبوب ہے۔ شیخ حافظ رح نے ذکر کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت عالی عصمت عطا فرمائی اور نہایت فضل سے انکو محفوظ فرمایا اور یہ کمال کا اعلیٰ مقام ہے کہ خود عالم جوانی مین بڑھتے ہوئے جوش شباب مین کمال خوبصورت اور انکو ایسی خوبصورت بلاتی تھی جو اسوقت ان پر سردار تھی نہ بھی عزیز مصر کی بیوی اور تمام زمانہ مین خوبصورتی مین مشہور۔ مال بھرا ہوا۔ جمال یہ کچھ۔ اسپر انکی حاکمہ تھی اور تمام عورتین اسکی طرف سے سفارشی اور منت سماجت بیحد اسپر بھی اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے خوف سے نافرمانی چھوڑ کر قیدخانہ مانگا۔ حدیث صحیحین مین ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سبعة یظلہم اللہ فی ظلہ الحدیث یعنی سات آدمی ایسے ہین کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے سایہ مین رکھیگا اُسدن کہ کچھ سایہ نہ ہوگا سوائے سایۂ حق عزوجل کے یعنی بروز قیامت (ایک) امام و بادشاہ عادل (دوم) نوجوان جو عبادت الٰہی مین پرورش ہوا (سوم) جو شخص مسجد سے نکلا اور اس کا دل مسجد مین لگا ہوا ہو حتی کہ وہین لوٹ کر آجاوے (چہارم) دو شخص جنھون نے اللہ تعالیٰ کے واسطے باہم محبت پیدا کی اسی پر دونون یکجا ہے اور اسی پر متفرق ہوئے (پنجم) وہ شخص جس نے صدقہ دیا اور اسقدر چھپایا کہ اسکے بائین ہاتھ کو خبر نہ ہوئی کہ اسکے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا (ششم) وہ مرد جس کو منصب جمال والی عورت نے بلایا اور اُسنے کہا کہ مین اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہون (ہفتم) وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی مین یاد کیا پس اسکے آنسو جاری ہوئے۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اعلیٰ مصداق اسی کرامت کے تھے جو ششم مین مذکور ہے صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا مولانا محمد وآلہ وصحبہ وعلی اخیہ یوسف وجمیع الانبیاء والمرسلین والملائکة وسلم علیہم اجمعین جب آنحضرت نے دعا کے طور پر قید کی پسندیدگی ظاہر کی۔ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ تو قبول کر لیا اُسکے واسطے اُسکے پروردگار نے فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۔ پس پھیر دیا اُسکی طرف سے ان عورتون کا مکر یعنی عصمت پر ثابت قدم رہے اور قیدخانہ کی مشقت برداشت کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسکو لوث سے بچایا۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بیشک اُسکا پروردگار خوب سنتا جانتا ہو۔ دل کا اخلاص وحسن نیت اسپر روشن ہو اور دعا آواز سے و خفیہ و دل سے سب سنتا جانتا ہو ف فی العرائس قولہ وقال نسوة فی المدینة الآیة۔ ملامت سے انکا مقصود دیدار حضرت یوسف علیہ السلام تھا اور فراست سے انھون نے یہ بات بتلائی کہ محبت یوسفی زلیخا کے سویدائے دل تک پہنچ گئی ہو اور صورت شغاف قلب کی ایک لطیف رقیق جھلی ہو اسکے بعد عالم کثافت ہو اور اسکے بعد عالم لطافت ہو پس دل مقام نفس وہوی ووسواس ہے اور دیگر مقام عقل وروح وفرشتہ ہو پس عالم کثافت تو شہوت نفسانی کا مقام ہے اور مقام لطافت عشق روحانی کی جگہ ہے

اور واضح ہو کہ عشق روحانی مین کوئی علت ہوائے نفس و شیطان کی نہین ہوتی ہی۔ **قال المترجم** امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہم نے کہا کہ
فرق دونون کا اکثر اسوجہ سے پوشیدہ ہوجاتا ہی کہ عشق نفسانی و روحانی مین طبیعت مقہور ہوتی ہے اور روح ہی جانب قوی ہوجاتی ہے
ولیکن نشان اسکا یہ ہی کہ شہوت نفسانی مین تناسب اعضاء و رنگ و اقتضاء حاجات پر نظر ہوتی ہے اور شہوت روحانی مین روحی
صفات پر نظر ہوتی ہی مثلاً معشوق کے جسم پر نظر شہوت ہی اور اخلاق پر نظر عشق روحی ہی الی آخر ما قالوا۔ اور مترجم نے عشق ایمانی
کو بہ تبعیت بعض اکابر کے سابق مین بڑھایا اور مفصل ذکر کر دیا ہی۔ فاللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ نے کہا کہ پھر جب محبت کا اثر منظر روح
تک پہونچا اور روح الروح سے مل گیا تو عالم روحانی مین پہونچا اور متمکن ہو کر ماسوائے حق عزوجل کے سب سائط سے چھوٹ گیا اور یہی
حب اللہ جل سلطانہ ہی۔ قولہ انا لنراہا فی ضلال مبین۔ چونکہ اس مقام پر پہونچکر عالم کثافت کے غلبہ سے استغراق ہوتا ہی تو ضلال کہا گیا یعنی
محبت مین ایسے مستغرق ہی کہ کسی ملامت کا اثر اسپر نہین ہوتا ہی اور سلامتی پر التفات نہین کرتی ہی۔ جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ محبت کی کیا
علامت ہی فرمایا کہ قرآن مجید مین آیا کہ قد شغفہا حبا۔ اور کہا کہ جفائے حبیب کو وفا خیال کرے۔ سمنون رح نے کہا کہ شغف محبت یہ کہ
قلب اُس سے اسقدر بھر جاوے کہ دوسری چیز کی جگہ باقی نہ رہے۔ شبلیؒ نے اسکو انتہائے محبت بیان کیا۔ بعض نے کہا کہ ایسی حالت
کہ بیان مین آنا ممکن نہ ہو۔ سری سقطیؒ نے کہا کہ سوائے محبوب کے کچھ مطلوب نہو اور ملامت بے اثر ہو۔ جعفرؒ نے کہا کہ شغاف مثل ابر
غلیظ کے قلب پر چھایا کہ کوئی اور نظر نہ آیا۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ وجد و محبت مین شوق تازیانہ ہی۔ جعفر بن محمد رح نے کہا کہ عشق ضلال ہے
بقولہ فی ضلال مبین یعنی عشق ظاہری مین بعض نے کہا کہ غلبہ عشق مین اسکی عقل گم ہوگئی قولہ فلما سمعت بمکرہن۔ زلیخا نے ان کو
بھی مبتلائے بلا کرنا چاہا۔ واعتدت لہن متکا۔ اقسام طعام و ترنج و چھری دیدیا کہ مشغول ہون اور ناگاہ آفتاب سالت حسن یوسفی سے
چکرا کر مسلوب ہون۔ قالت اخرج علیہن۔ بعد انکہ اسکو تاج و خلعت سے آراستہ کر دیا تھا اور چونکہ عورت کو دیکھکر اپنا چہرہ چھپاتے
تھے تو دونون ہاتھون پر طباق رکھدیا تھا کہ کشادہ چہرہ دیکھین پس ناگاہ آفتاب نکل آیا کہ عورتین بیہوش متحیر ہوگئین۔ قولہ فلما
راینہ اکبرنہ۔ نور عظمت الٰہی سے ہیبت ناک ہو کر عقل و حواس سے غافل ہوگئین وقطعن ایدیہن۔ انکو عظمت مین تحیر ہوا بخلاف
زلیخا کے کہ اسکو چہرہ یوسفی سے دوسری طرح دیدار ہوا اسی لیے یہ عورتین تحیر و ہیبت مین پڑ گئین اور زلیخا عشق و محبت مین
مسلوب ہوئی ورنہ کبھی مراودت نکرتی۔ قولہ وقلن حاش للہ الخ۔ اس عظمت و شان سے فرشتہ خصلت بلکہ فرشتہ پاک از شہوات یقین
کر لیا اور چونکہ محل قدس مین نہ پہونچی تھین تو مجانست سے فرشتہ کو خارج رکھا اور ہیبت سے نگاہ کی کیونکہ جمال یوسفی پر نور
چمکتا تھا و فی الحدیث مررت لیلۃ اسری بی بسماء فرایت یوسفؑ۔ قیل فکیف رأیتہ۔ قال کالقمر لیلۃ البدر۔ یعنی شب معراج مین
آپنے یوسف کو مثل چودھوین رات کے چاند کے دیکھا۔ ابو فردہ نے کہا ہی کہ جب مصر کے کوچون مین چلتے تو چہرہ کے روشنی سے
در و دیوار منور ہو جاتے تھے جیسے سورج پانی و آئینہ کی چمک پڑتی ہی۔ وہب رح نے کہا کہ محل کی چالیس عورتون مین سے نو عورتین
مر گئین اور عارفین کو یہ مقام التباس ہی لیکن مضائقہ نہین ہی کیونکہ بالاتفاق وے سب یقین جانتے ہین کہ او تعالیٰ جل شانہ ہر تشبیہ
و حلول وغیرہ سے پاک ہی اور یہ جو منصور یعنی حسین بن منصور سے تشبیہ کا کلمہ مروی ہی اس سے تشبیہ مراد نہین ہی پھر واضح ہو کہ تفاوت
اثر دیدار ان عورتون و زلیخا مین ظاہر ہے کہ عظمت و ہیبت سے از خود رفتہ ہوگئین اسیواسطے زخم کے اثر سے الم نہ معلوم ہوا حالانکہ
زلیخا کو اگر ایک چیونٹی کاٹتی تو اسکو محسوس ہوتا۔ بعض نے کہا کہ عورتون نے حسن پاکیزہ خالی از شہوت ملاحظہ کیا۔ جعفرؒ نے کہا کہ

ہیبت نبوت نے وہ روک دیا جو ان عورتوں نے چاہا تھا۔ ابو سعید خراز نے کہا کہ مشاہدہ میں جو غائب ہو اپنے نفس سے جدا ہو اسکو
معلوم نہیں ہوتا کہ اسپر کیا گزر گیا۔ ابن عطار رح نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کے دیدار میں مدہوش و متحیر ہو کر ہاتھ کاٹ گئیں۔ یہ ایک
مخلوق نے دوسری مخلوق کا مشاہدہ کیا تھا تو بھلا تمکو کیا گمان ہے جبکہ مخلوق پر دیدار خالق عزوجل سے کچھ انکشاف ہو تو کیوں تجھے
انکار ہے ایسے امور کا جو انکے حالات سے تغیرات ہوتے ہیں بعض نے کہا کہ تائید الٰہی تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کیواسطے
عصمت کی محافظ تھی اسلیواسطے ان میں سے کسی نے اسکو بنظر شہوت نہ دیکھ پایا سہل رح نے کہا کہ ان ہذا الا ملک کریم یعنی بصورت
انسان اور بصورت فرشتہ ہے محمد بن علی رح نے کہا کہ یعنی یہ شخص ایسا نہیں ہے کہ مباشرت کا قصد کرے بلکہ کرم پاکیزہ ہے کچھ شبہہ
نہیں ہو سکتا بعض روایات میں ہے کہ اہل مصر کو چار ماہ تک کچھ غذا نہیں ملی بلکہ جب بھوکے ہوتے تو آنحضرت علیہ السلام کا چہرہ
دیکھ لیتے تو بھوکھ جاتی رہتی تھی جب یہ کیفیت ہوئی تو آنحضرت علیہ السلام وہاں سے گذر سے۔ پھر جب عورتوں کو ہوش ہوا تو۔
قالت فذالکن الذی لمتننی فیہ۔ اقرار لیا کہ یہاں ملامت کو گنجائش نہیں ہے اور عشق ہر کسی اندازہ سے باہر ہے۔ نصر آبادی رح نے کہا کہ عشق
میں عذر غیر معقول ہے اور کامل عشق سوائے معشوق کے کسی چیز میں مشغول نہیں ہوتا ہے۔ پھر چاہا کہ خود یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی
بیان کرے۔ قولہ ولقد راودتہ عن نفسہ الخ یعنی وہ درحقیقت سب تہمتوں سے پاک ہے باطن میں ظاہر سے زیادہ خوبصورت ہے۔ قولہ
ولئن لم یفعل ما آمرہ۔ حضرت یوسف کو دھمکایا ولیکن جو کوئی بعنایت الٰہی ممتاز و مؤید ہو اور خاص بندہ محبوب ہو اسپر شہوات
شیطانی کا غلبہ کیونکر ہو سکتا ہے ولیکن زلیخا کا یہ قول صرف بباعث غلبہ محبت و عشق تھا بعض اہل الحق نے کہا کہ حضرت یوسف
علیہ السلام کو جو کچھ تکلیف قید و مشقت کی پہونچی تھی وہ درحقیقت زلیخا پر امتحانات ہوتے تھے جس سے غلبہ عشق میں زیادتی ہوتی
جاتی تھی اور اسی کی بلاؤں میں سے کچھ ادھر ادھر کی شفقت آنحضرت علیہ السلام کو بھی پہونچ جاتی تھی یعنی زلیخا پر ایک بلا کا پورا ہونا اسی طور
پر ہوتا کہ کچھ مشکل آنحضرت کو بھی لاحق ہو جیسے قید خانہ میں جانا وغیرہ۔ **قال المترجم** اگر وہم ہو کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت
علیہ السلام پر تکلیف طاری نہ تھی حالانکہ حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناقب حضرت یوسف کے طور پر بتواضع
فرمایا کہ اگر حضرت یوسف کی سی دراز قید مجھے ہوتی تو بلانیوالے کا کہنا مان لیتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قید ایک مشقت تا زمانہ درازتھی
تو جواب یہ ہے کہ شیخ مذکور کی غرض یہ نہیں ہے کہ حضرت یوسف کو کلفت نہ تھی کیونکہ قیدی سے اقرار لیا تھا کہ بادشاہ سے۔ مجھ
بیگناہ کی رہائی کے واسطے سفارش کرے بلکہ غرض یہ ہے کہ تکلیف مقصود نہ تھی چنانچہ حکیم عالم باحادیث صحیحہ واقف ہے کہ
اصلی ماہیت کیساتھ آثار بقدر طاعت و معصیت ہیں اور آنحضرت علیہ السلام خ دپیغمبر معصوم تھے اور اصلی ماہیت کے آثار سے
مراد میری یہ ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کا قید ہونا درحقیقت نعمت تامہ ہے گو بصورت قید ہو اور فرعون کی بادشاہت درحقیقت
بلا ہے اگرچہ بصورت بادشاہت ہو وعلیٰ ہذا دنیا میں جو سرفرازی و دولت ہے وہ بظاہر صورت کچھ معتبر نہیں ہے بلکہ بدلائل شریعت ایک
آنکھ والا پہچان سکتا ہے۔ شیخ نے کہا کہ بالجملہ یہ واردات آنحضرت علیہ السلام پر تتمہ بلا زلیخا کی شدت تھی۔ پھر جب یوسف
علیہ السلام نے دیکھا کہ عورتیں مکاری سے مجھے زلیخا کی اطاعت و اسکی خواہش کی قبولیت پر معین و داعی اور بجائے میری
اعانت کے معصیت خالق پر زلیخا کیلئے ملتجی ہیں تو اپنے پاک معبود حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے التجا کی اور تضرع کے ساتھ دعا
کی کہ قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ الی قولہ اصب الیھن۔ یعنی اے میرے رب پاک مجھے تیری معصیت کے سامنے

یہ قیدخانہ بڑھکر پسند ہی بہ نسبت اس لذت حرام و شہوت نفس کے جو مجھکو تجھ سے محجوب کرے اور انوار روحانیہ و آثار ربانیہ پر پردہ
ہوجائے لعدیہ بول چال مین محاورہ ہی ورنہ مراد یہ ہی کہ مجھے دعوت زلیخا کچھ بھی پسند نہین ہی بلحاظ نور عقل و بصیرت ایمان کے۔ اور نیز
قیدخانہ کی پسندیدگی اسوجہ سے بڑھی ہوئی تھی کہ تنہائی مقام انس و خلوت و مناجات و مشاہدت ہی اور مجھے اپنے نفس کی خواہش سے
تیری رضامندی ہی مختار ہی اسمین ایک لطیف اشارہ ہی کہ مجھے قیدخانہ بحق زلیخا زیادہ محبوب ہے کیونکہ اس سے اسکا عشق چند
ہوکر جسمانی و نفسانی سے منتقل بروحانی ہوجائے گا جبکہ آتش عشق جلاکر اسکو خاک اکسیر کردیگی کیونکہ تروتازگی جسم کثیف موجب
جوش شہوات جسمانی ہی اور قولہ والا تصرف عنی کیدہن یعنی اگر اپنے قدیمی حکم سے جو تو نے میرے حق مین معصوم رہنے کا جاری
فرمایا ہے مجھے ان عورتون کے مکر سے اور بن ٹھنکر مکر عشوہ و ناز و غمزہ سے لبھانے سے نہ بچادے تو مین اپنے نفس پر بھروسہ نہین
کرسکتا کہ وہ انکی طرف میلان کرجاوے پھر تو مین تیری رضامندی کے عوض شہوات نفس مین گرفتار ہوجاؤن یعنی کسی کو
نہین چاہیے کہ اپنے نفس پر بھروسہ کرے ورنہ نفس امارہ بڑے معاصی کا خواہشمند ہوتاہے اور دعا کرے کہ رب میرے مجھے نفس کے
حوالہ مت کیجیو اور جو کوئی کہ مخالفت نفس بمقابلہ پاوے وہ حق عزوجل کا شکر ادا کرے کہ یہ حفظ الٰہی اسکے حق مین تقدیر ازلی تھی
والحمدللہ رب العالمین۔ پس جاہل وہ کہ قرب الٰہی پر شہوت نفس کو مقدم رکھے اور نیز جاہل وہ کہ اپنے نفس سے آگاہ نہ ہو اور
نیز جاہل وہ کہ نفس کے حظوظ مین گرفتار ہوکر باطنی عقوبات سے بیفکر ہوجاوے شیخ واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کلام کے اسرار
سے ہی کہ عورتین مجھے حسن لذت کی طرف بلاتی ہین اسکا مجھ سے مسلوب کرلینا بھی خواہش نفس دائمی رہنے سے زیادہ محبوب ہے
قال المترجم یہ غرض نہین کہ نامردگی بہتر ہے کیونکہ ہجڑے کو عفت کا ثواب کیا ہو وے جبکہ خواہش ہی نہین ہی بلکہ مراد یہ
کہ باوجود بقائے خواہش کے ان عورتون سے کام دل حاصل کرنے سے اجتناب کرنے کو زیادہ محبوب کردیا اور شرم و حیا یا اسکے مثل
خصلت کو غلبہ دیدیا۔ فافہم۔ وقیل من العفۃ ان لا تقدر یعنی عدم قدرت بھی منجملہ عفت سے ہی بس سامان نہ دینا از جانب
حق عزوجل ہی تو تعریف اسی پاک حق سبحانہ تعالیٰ کے واسطے ہی۔ بعض نے فرمایا کہ یوسفؑ نے وہم کیا کہ قیدخانہ اُن کو
فتنہ سے نجات دیدیگا حالانکہ اُسنے بڑے فتنہ مین پھنسایا جبکہ آنحضرت علیہ السلام نے قیدی سے کہا کہ تو اپنے بادشاہ سے میرا
حال بیان کرنا۔ قال المترجم یعنی ساقی و باورچی بادشاہ کے قید تھے جب ساقی نے رہائی پائی تو آپنے اُس سے سفارش
چاہی تاکہ بادشاہ ان کو قید سے رہائی دیدے پس بعض اکابر کا مطلب یہ ہی کہ شان نبوت کے مناسب یہ نہین تھا کہ غیر کی
طرف نظر رکھتے چنانچہ اسی وجہ سے اور چند سال قید مین پڑے رہے اور یہ قصہ عنقریب آویگا ولیکن یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت علیہ السلام
کی طرف سے یہ امر صرف ایک خطرہ تھا جسپر اسقدر مواخذہ ہوا حالانکہ عموماً ہم لوگ اس سے کروڑون درجہ بڑھکر خطرات بلکہ
افعال کرتے ہین اور اندھے و بیعقل معذور فرمائے جاتے ہین۔ اللہم غفرانک انک انت ارحم الراحمین۔ شیخ ابن عطارحہ نے کہا
کہ آنحضرت علیہ السلام نے دعا کی کہ مین فواحش زنان مصر و لذات عیش کو ترک کرتا ہون اور قیدخانہ اختیار کرتا ہون چونکہ
کمال توحید یہ ہی کہ خود کسی امر کو اختیار نہ کرے بلکہ ہر حال مین یہ چاہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو وہی مجھے پسند ہی جبکہ
رضائے حق عزوجل حاصل ہے اسی وجہ سے کام بگڑ گیا اور اگر قیدخانہ اختیار نہ کرتے تو امید تھی کہ بغیر اس امتحان قید کے فواحش سے
معصوم و محفوظ رہتے جیسے ابتدائے مراودت کے وقت معصوم رہے۔ شیخ جنیدؒ نے کہا کہ دعائے آنحضرت علیہ السلام فوراً قبول ہوئین

ظاہر ایہ حکمت ہو کہ جنھون نے تعدی وظلم کرنا چاہا تھا اُن کے دفعیہ مین اپنی حاجت بجناب باری تعالیٰ بیان کرکے اپنے اوپر نشان عشق ظاہر ہونے کا خوف کیا جس سے سوائے عصمت کے کوئی پناہ نہین ہو تو قبولیت سے تائید فرمائی گئی اور مکر و تسلط شیطان دفع کر دیا گیا اور امتحان مین پورے اُترے واللہ تعالیٰ اعلم۔ الغرض عورتون کی طرف سے یہ شورش ہوئی اور آنحضرت علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی چنانچہ اسکا اثر ظاہر ہوا۔ کما قال عز وجل۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۟

پھر یون سوجھا لوگون کو ۔ وہ نشانیان دیکھے پر کہ قید رکھین اُسکو ۔ ایک مدت

ثُمَّ۔ پھر اس واقعہ کے بعد۔ بَدَا لَهُمْ۔ ظاہر ہوئی یہ راے ان لوگون کو یعنی عزیز مصر و اسکے صلاح کارون کو۔ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ بعد از انکہ اُنھون نے نشانیان دیکھ لین کہ لَيَسْجُنُنَّهٗ ضرور اس عبرانی کو قید رکھین حَتّٰى حِيْنٍ۔ ایک وقت تک۔ یعنی اتنی مدت تک کہ لوگ جو بدگوئی اس معاملہ مین حضرت یوسف کے حق مین کرتے ہین وہ گفتگو موقوف ہو جاوے۔ سوال ہوا کہ ان لوگون نے یوسف کے حق مین نشان بلکہ گواہی سُن لی کہ وہ پاک ہو پھر کیون قید کیا گیا تو جواب یہ دیا گیا کہ ہان لیکن زلیخا کی وجہ سے عورتین اُلٹا الزام لگاتی تھین اسلیے آنحضرت کے حق مین ظاہر مین بدگوئی ہوتی تھی۔ تراجم وغیرہ مین لایا کہ زلیخانے اپنے شوہر سے کہا کہ یہ عبرانی لوگون سے کہتا ہو کہ زلیخانے مجھے لبھایا تھا اسلیے مین فضیحت ہوتی ہون اور نکلکر اپنی برأت بیان نہین کر سکتی تو تم یا تو مجھے نکلنے دو کہ مین اپنا عذر بیان کرون یا اسکو قید کرو تاکہ فضیحت نہ پھیلے تب عزیز نے اسکو قید کر دینا مصلحت دیکھا تاکہ یہ گفتگو بند ہو جائے۔ انتہی کلامہ۔ شیخ حافظ نے ذکر فرمایا کہ ظاہر یہ ہو کہ ان لوگون نے آنحضرت کو اسی بہانہ پر قید کیا تھا کہ اُسنے اپنی مربیہ کو لبھانا چاہا تھا کیونکہ آخر قصہ مین جب بادشاہ نے اپنے واسطے رہا کرکے لینا چاہا تو آنحضرت علیہ السلام نے انکار کرکے کہا کہ پہلے تحقیق کر لیا جاوے کہ مین بیگناہ قید ہوا ہون اور مین نے کچھ بھی خیانت نہین کی اور زلیخانے آخر کہا کہ اب سچی بات صاف کھل گئی کہ مین نے ہی اسکو لبھایا تھا۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ تقریر بیشک قوی ہو اور بات یہ معلوم ہوتی ہو کہ در اصل لوگواہیون وغیرہ سے اُنکو آنحضرت کا پاک ہونا معلوم ہوتا تھا لیکن اس زمانہ مین کہانت وغیرہ کے اعتقادات سے عورتون نے مشتبہ کر دیا اور لوگ مذبذب ہو گئے علاوہ اسکے یہ بعید بھی چھپ نہین سکتا کہ عورتین دیکھکر فریفتہ ہوتی جاتی ہین اور باہم عورتون مین بھی فساد و فتنہ ہوگا اور گھر گھر یوسف کا قصہ ہو گیا حتی کہ بہت سی نشانیان ایسی دیکھی گئین کہ بحکم قبولیت دعا و تقدیر ازلی کے انکو بھی رائے ٹھیک معلوم ہوئی کہ چند روز کیلئے قید کر دینا چاہیے۔ واضح ہو کہ فعل بدا کا فاعل حذف ہو کر لیسجننہ کا جملہ اسکے قائم مقام ہوا اور خود جملہ فاعل اسوجہ سے نہین ہو کہ جملات ایسے ہو نہین سکتے ہین پھر اس قید کی مدت مین بہت دونون کے روایات پانچ و سات و بارہ ہین اور امام رازی نے کہا کہ ہم اس سے بیکار بحث نہین کرتے ہم کو اتنا معلوم کہ کچھ مدت قید رہے کیونکہ اصلی غرض تو علوم روحانی و پاک کرنا نفس امارہ کا ہو وہ ہم کو سب اسیقدر بیان سے حاصل ہو جاتے ہین اور حدیث صحیح سے اتنا ثابت ہو کہ دراز مدت تک قید مین پڑے رہے حیث قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ لولبثت طول لبث یوسف لاجبت الداعی[۱۵]۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ

اور داخل ہوے بندی خانہ مین اُسکے ساتھ ایک دو جوان کہنے لگا اُن مین سے ایک مین دیکھتا ہون کہ مین نچوڑتا ہون شراب ۔ اور دوسرے نے کہا مین دیکھتا ہون

اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّیۡرُ مِنۡهُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝

کہ اُٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اسمیں سے بتا ہمکو اُسکی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھکو نیکی والا

وَدَخَلَ مَعَهُ اور داخل ہوئے یوسفؑ کے ساتھ۔ السِّجۡنَ۔ قیدخانہ میں فَتَیٰنِ۔ دو جوان بھی۔ یعنی جب یوسفؑ قیدخانہ گئے تو قیدخانہ میں انکے ساتھ دو جوان اور بھی قید کردیئے گئے اُن کا جرم بعضے راویون نے بیان کیا ہے چنانچہ ذکر او کیا قتادہ رحمہ نے کہا کہ بادشاہ کے دونون ملازم خاص تھے ایک تو شراب وغیرہ پلانے والا تھا اور دوسرا شاہی باورچی تھا۔ محمد بن اسحاق رحمہ نے فرمایا کہ شراب پلانیوالے کا نام نبدا اور دوسرے کا مجلت تھا۔ اور شیخ سدی رحمہ نے کہا کہ بادشاہ نے دونون کو اس تہام پر قید کردیا تھا کہ طعام و شراب میں زہر دینے کی سازش کرتے تھے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حال قیدخانہ میں مشہور ہوگیا تھا کہ بڑے جوانمرد بامروت نہایت سچے دیانت دار خوش خلق بڑے عابد زاہد ہیں اور خوابون کی تعبیر خوب بتاتے ہیں اور تمام قید والون کے ساتھ احسان و حسن خدمت و بقدر وسعت سلوک کرتے ہیں تو جب یہ دونون قیدی داخل ہوئے اور اُن کی ملاقات سے مشرف ہوئے تو سب باتیں بیان سے بڑھکر دیکھیں اور آپ کی محبت میں ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہر دم آپ کی خدمت میں رہتے اور کہتے کہ یا حضرت واللہ ہم تو آپ کو دل و جان سے چاہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے لیکن میں وہ شخص ہون کہ جس نے مجھ سے محبت کی ہیں اسکی محبت سے کسی بلا میں مبتلا ہوگیا چنانچہ میری پھوپھی نے پیار کیا تو مجھے ضرر پہونچا اور میرے باپ نے تو مجھے ایذا پہونچی اور زلیخا نے تو مجھے قیدخانہ ملا۔ وے بولے کہ آپ معاف فرمادیں کہ ہم تو بے اختیار ہیں محبت نہیں چھوڑ سکتے پھر ان دونون نے ایک رات خواب دیکھا اور صبح کو آنحضرتؑ سے بیان کیا۔ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا دونون میں سے ایک نے کہا کہ میں نے آپکو دیکھا کہ میں نچوڑتا ہون شراب یعنی بادشاہی ساقی بولا کہ میں نے یہ خواب دیکھا کہ میں انگور نچوڑتا ہون انگور کو عربی میں عنب کہتے ہیں چونکہ عنب سے خمر بنتی ہے مجازاً خمر سے عنب مراد کیا جیسے کہتے ہیں کہ شیرہ نچوڑ دا اور مراد یہ ہوتی ہو کہ انگور نچوڑ کر شیرہ نکالو۔ وَقَالَ الۡاٰخَرُ۔ اور دوسرا بولا کہ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ۔ میں اپنے آپکو دیکھتا ہون کہ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا لادے ہون اپنے سر پر روٹی کہ تَاۡكُلُ الطَّیۡرُ مِنۡهُ۔ اسمیں سے چڑیان کھاتی ہیں یعنی پرند اس روٹی سے جو میں سر پر لادے ہون نوچ نوچ کر کھاتے ہیں جب دونون اپنا اپنا خواب بیان کرچکے تو درخواست کی کہ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ۔ اے یوسف ہم کو ہمارے خواب کی تاویل سے آگاہ فرمادے اور تاویل مآل کار یعنی اس خواب کا انجام کار کیا ہوگا اور تعبیر کے معنی عبارت و بیان میں لانا پس مآل کار کو بیان کردینا تعبیر ہے چونکہ ان دونون کو آنحضرت علیہ السلام کے علم و تقویٰ پر اعتماد تھا تو ان سے اصلی مقصود پوچھا چنانچہ خود کہا کہ۔ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ ہم یقین کرتے ہیں تجھکو کہ تو نیکو کارون میں سے ہے۔ شیخ حافظ رحمہ نے ذکر کیا کہ ابن ابی حاتم نے اپنے اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی کہ اُنھون نے پڑھا۔ انی ارانی اعصر عِنَبًا۔ اور ضحاکؒ نے کہا کہ عمان کے لوگ عنب کو خمر بولتے ہیں مترجم کہتا ہو کہ شاید حضرت ضحاک رحمہ کی روایت سے یہ غرض ہو کہ یہ آیت اہل عمان کے لغت پر ہی تو اس صورت میں مجاز نہ ہوگا الا اہل حجاز کے محاورہ پر مجاز فصیح ہی حتیٰ کہ اردو فارسی میں بھی ایسا محاورہ فصیح ہی۔ پھر لکھا کہ عکرمہؒ نے بیان فرمایا کہ ساقی بولا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے انگور کا ایک درخت بویا وہ بڑھا اور پھلا اور خوشہ لگے اور میں نے انکو نچوڑ کر اپنے بادشاہ کو پلایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے

تعبیر دی کہ تو قید خانہ میں تین روز رہیگا پھر نکالا جائے گا اور بادشاہ کو شراب پلا دیگا۔ **مترجم** کہتا ہے یعنی آخر میں جب تعبیر دی تو انکو کے پیشتر عیان کر دی تھی اور محسن لغت میں احسان کرنے والا اور شاید یہی اُنکی مراد ہو کیونکہ آنحضرت علیہ السلام قید خانہ والوں سے نیکی و صبر کی نصیحت مع خبر گیری و خدمت کرتے رہتے اور عبادت میں بھی مشہور رہتے تو ممکن ہے کہ احسان سے اعلیٰ درجہ کا زاہد عابد مراد لیا ہو اگرچہ وہ معنی جو حدیث سے ثابت ہیں کہ اسطرح بندگی میں قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور نہیں تو اسطرح کہ وہ واللہ اسکو دیکھتا ہے اس معنی کی حقیقت سے یہ قیدی واقف نہیں تھے اور تیسرے معنی محسن کے یہ بھی زبان عرب کا بول چال ہے کہ فلان محسن ذٰلک یعنی اس کام و صنعت میں فلان شخص نہایت اچھی لیاقت رکھتا ہے تو گویا اُنھوں نے اقرار کر دیا کہ ہم تجھکو خوابوں کی تعبیر دینے میں بہت اچھا لائق جانتے ہیں۔ **قال المترجم** اس آیت سے ظاہر ہے کہ کافر کا خواب بھی ٹھیک ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں اسوقت تک کافر تھے اور صنعت آلہیہ انسان کی اندرونی قوتوں میں عجیب شان کے ساتھ ہے کہ باطن میں یہ واقعہ جو آخر کو ظاہر ہوا ان دونوں نے پہلے دیکھ لیا اگرچہ باطن سے جاہل ہو کر کچھ جان نہیں سکتے تھے اور یہ بھی عجب ہے کہ باورچی نے اپنے قتل ہو جانے اور گدھ و چیل و کوے کی نوچ نوچ کھانے کی تصویر یا سرقت دیکھ لی۔ پھر دیکھو کہ صحیح حدیث میں آیا کہ خواب صالح نبوت کے چھتیس جزوں میں سے ایک جزو ہے تو وہم ہوگا کہ ان کافروں کو کہاں سے نبوت کا جزو ملا اور جواب یہ ہے کہ حدیث کے معنی رویا صالحہ سے متعلق ہیں اور یہاں رویا صالحہ نہ تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُن کے خواب کا مآل کار صرف دنیاوی امور تھے اور بندہ مومن کو آخرت باقی کے خواب نظر آتے ہیں لقولہ تعالیٰ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا الآیۃ۔ علاوہ اسکے کافر کے اندر ہر ایک چیز ودیعت ہے اگرچہ اُن کے قلوب خالی ہونے سے امور آخرت نظر نہیں آتے تو دنیوی امور میں انکی شارکت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سراج میں لایا کہ حضرت یوسفؑ نے اُن کے خواب کی تعبیر دینے میں کراہت کی اسلئے کہ ایک کیواسطے موت تھی لہذا پہلے ایک تمہید کے ساتھ ایمان کی دعوت فرمائی۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي

بولا نہ آنے پائیگا تمکو کھانا جو ہر روز تمکو ملتا ہے مگر بتا چکونگا تمکو اسکی تعبیر اُسکے آنے سے پہلے یہ علم ہے جو مجھکو سکھایا

رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝

میرے رب نے میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور آخرت سے وہ منکر ہیں

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ

اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو

ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پہ لیکن بہت لوگ بھلا نہیں مانتے

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ۔ فرمایا کہ نہیں آویگا تمہارے پاس وہ کھانا جو تم کو رزق دیا جائیگا۔ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ۔ مگر آنکہ میں تم کو اسکی تاویل سے خبردار کر دونگا۔ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا۔ قبل ازینکہ تمہارے پاس آجاوے یعنی تمہید کی کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم حاصل ہے کہ جو کھانا تمہارے واسطے رزق ہے اسکے تم تک پہونچنے سے پہلے میں تم کو اُسکے سب حال سے آگاہ کر دونگا۔ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي۔ یہ ایسی بات ہے جو میرے رب نے مجھے تعلیم فرمائی ہے بعضے مفسرین نے کہا کہ طعام

مرزوق سے خواب کا کھانا مراد ہو تو معنی یہ ہوے کہ خواب مین اگر تم ایسا کھانا دیکھو جو تمکو آخر کسی وقت ملنے والا ہو تو مین خواب سنکر تمکو بتلا دونگا کہ ایسا ایسا کھانا تمکو ملیگا حالانکہ ہنوز وہ تم کو ملا نہ ہوگا اور بعض مفسرون نے کہا کہ جاگتے کا روزانہ کھانا مراد ہو یعنی جو کھانا تمکو آج یا کسی وقت ملیگا مین تم کو اسکے ملنے سے پہلے اُسکا رنگ روزہ ووقت ومقدار وکیفیت بتلا دونگا جیسے حضرت عیسیٰ نے کہا تھا۔ اُنبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم۔ اور چونکہ اُس زمانہ مین جادو کا زور بڑھا تھا اسلیے اُنکو صاف سمجھا دیا کہ یہ جادو سے نہین ہو بلکہ میرے رب نے مجھے سکھلا دیا ہو اب اس فضل کی وجہ بیان کی اور ان کو ایمان کیطرف بلایا بقولہ۔ اِنِّیۡ تَرَکۡتُ مِلَّۃَ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ - مین نے چھوڑ دی ملت ایسے لوگونکی جو یقین نہین لاتے اللہ تعالیٰ پر اور وے آخرت سے بالکل منکر ہین یعنی یہ فضل آلٰہی مجھ پر ہو کہ مین نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب جانا اور آخرت کو برحق مانا اور جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ سے منکر وآخرت سے کافر ہین اُنکی ملت کو کبھی نہین لیا چھوڑ رکھا اور یہ مطلب نہین ہو کہ پہلے مین اُس ملت پر تھا پھر چھوڑ کر مومن ہوگیا پھر بتلایا کہ مجھے فقط ایمان ہی نہین بلکہ نبوت خاندانی ہو۔ وَاتَّبَعۡتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ - اور مین نے پیروی کی اس ملت کی جو میرے باپ دادے کی ہو یعنی حضرت ابراہیم خلیل اللہ پردادا اور اُنکے بیٹے اسحٰق دادا اُنکے بیٹے یعقوب کی سنت پر چلا اور اگر کوئی کہے کہ وہ خود نبی تھے تو جواب دیا گیا کہ ہان لیکن شریعت عبادت وہی رہی جو صحف ابراہیم مین نازل ہوئی تھی جیسے توریت بعد عیسیٰ تک رہی اور چونکہ وہی اسحٰق ویعقوب کی شریعت رہی اسلیے انکا بھی ذکر کیا اور اچھا جواب یہ ہو کہ یہان آپ ان قیدیون کو توحید پر یقین دلاتے تھے اور توحید سب پیغمبرون کی یکسان ملت ہو اسمین کچھ تغیر نہین ہو سکتا اسیواسطے آنحضرت نبینا صلوات اللہ علیہ وسلامہ کو حکم ہوا۔ فبھداہم اقتدہ یعنی انبیاء سابقین کی اقتدا کر و یعنی توحید مین ورنہ آپ سب سے افضل تھے اور اسی پر دلالت کرتا ہو۔ قولہ۔ مَا کَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِکَ بِاللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ - ہم لوگون سے کبھی ٹھیک نہین ہو سکتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بناوین۔ بلکہ ہم توحید کرتے ہین کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب نرالا ہے کوئی اسکا شریک نہین ہو اور اسکے سوائے سب چیز اُسی نے پیدا کردی ہو حتی کہ جو علم تاویل وتعبیر مجھے حاصل ہو اُسی کا پیدا کیا ہوا ہو۔ ذٰلِکَ - یہ دین توحید۔ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ عَلَیۡنَا - اللہ تعالیٰ کے بڑے فضل مین سے ہو ہم پر بھی۔ وَعَلَی النَّاسِ - اور قوم کے باقی لوگون پر بھی کیونکہ ہم نے اُسکی توحید پہچانی اور دوسرونکو معرفت سکھلائی تو سبنے نجات پائی اور آخرت کی نعمتون سے سرفراز ہوے تو دراصل یہ فضل ہم پر اول وبالذات آگیا ہے اور باقی قوم پر رجوع ہے۔ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ - ولیکن قوم مین سے بہتیرے اس نعمت کا کچھ شکر نہین کرتے کہ ایمان لاوین بلکہ ناشکری وانکار کرتے ہین جب اپنی حالت پاکیزہ وتعبیر توحید ظاہر کر دیا تو آہستہ اُنکو ایمان کی جانب دعوت فرمائی۔ اور اس سے ظاہر ہو کہ حسن تدبیر لوگونکا ایمان کیطرف لانا نہین شان انبیاء ہو اس زمانہ کے لوگونکی طرح یہ کہنا نہو کہ جسکی قسمت مین ہوگا ہو جائیگا۔ دیکھو تعبیر سے پہلے ان کو ایمان سکھلایا۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ؕ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ

اے رفیقو قیدخانے کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست کچھ نہین پوجتے ہو سوائے اسکے

اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ

مگر نام ہین کہ رکھ لیے ہین تم نے اور تمہارے باپ دادون نے نہین اُتاری اللہ نے اُنکی کوئی سند حکومت نہین ہو کسی کی

اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝

سوائے اللہ کے اُسنے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اُسی کو یہی ہے راہ سیدھی پر بہت لوگ نہین جانتے۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ۔ اے دونوں ساتھی قید خانہ کے ۔ یعنی دونوں میرے ساتھی جو قید خانہ میں ہو یا بوجہ سکونت کے انکو قید خانہ کیطرف منسوب کر دیا جیسے اصحاب الجنة واصحاب النار وہ لوگ جو جنت و دوزخ میں رہیں گے یا جنت و دوزخ میں باہم ساتھ ہو گئے ہیں بہرحال ان دونوں قیدیوں کو ایسے لفظ سے خطاب کیا جس سے اُنکا دل دنیا سے ہٹ جاوے اور فرمایا ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ ۔ ہمزہ اول استفہام اور ارباب جمع رب کی بمعنی پالنے والا اور معبود کے معنی میں مستعمل ہے اور کبھی خالق و محافظ کے معنی لیے جاتے ہیں جیسے رب النوع کا لفظ یونانی کافر ایک ایسی چیز مجہول کا نام رکھتے تھے جسکو اس نوع کا خالق و قائم رکھنے والا جانتے اسیوجہ سے اسکی تصویر بنا کر قربانی وغیرہ چڑھاتے تھے اور یہاں بھی رب کا اطلاق اخیر معنی میں مناسب ہے یعنی پوچھا کہ بھلا بتاؤ کہ جدا جدا چند متفرق معبود اچھے ۔ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۔ یا کہ اللہ تعالیٰ جو زبردست پر غالب ہے وہ اچھا ہے ۔ ارباب متفرق عمدہ کلمہ سب طرح کے باطل معبودوں کو شامل ہے حتی کہ چھوٹے بڑے پتھر چاندی سونے وغیرہ کے جن کو بھی اور کالی دیوی و بھوانی و مسیح و آفتاب ماہ و جن جنیرہ کو بھی شامل ہے اب اگر کوئی کہے کہ ارباب متفرقہ تو درحقیقت مخلوق و جمادات وغیرہ ہیں اُنسے مقابلہ اللہ تعالیٰ کا کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ اچھے یا وہ تو جواب یہ ہے کہ سمجھانے کا طریقہ یہ عمدہ ہے کہ جو کوئی جس اعتقاد پر ہے اسکو اسکے اعتقاد پر جہاں بٹھا ہے وہیں تنبیہ کرو چنانچہ دونوں قیدی تو بت پرستی کے قائل تھے کسی بت کو بھیک پچانیوالا اور کسی کو روزی دینے والا اور کسی کو کسی طرح قدرت والا سمجھتے تھے تو ان بتوں کو باطل و ناکارہ کہنے سے انکا نفس شرارت پر آمادہ ہو جاتا اسیواسطے قریش کے بتوں کو برا کہنے سے صحابہؓ کو منع کر دیا تھا کہ وے جاہل اسکے مقابلہ میں اللہ عزوجل کی جناب میں گستاخی کرینگے مگر قیدیوں کو آہستہ سمجھایا کہ تم سوچو کہ یہ بت ایسے ہی لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان کا خالق اور اسمیں سب ہی قدرت ہے جو وہ چاہے وہی ہو کہ وہ سب جہان سے غالب تمام ہے تو پھر متفرق ارباب میں سے ہر ایک کی خوشامد کرنا تمکو پسند ہے یا ایک زبردست سب قدرت والا اچھا ہے اب سچا وصاف انصاف الاضرورکہدیگا کہ بیشک اس سے کیا فائدہ کہ ہم ستر دروازہ بھٹکے پھریں اب یادہ غور کریگا تو فوراً جان جائیگا کہ جب وہی زبردست پر غالب ہے تو یہ کیسے ہوگا کہ جو وہ نہ چاہے وہ ہو جاوے یا جو وہ چاہے وہ نہ ہونے پاوے بلکہ قدرت و طاقت فقط اسی کیلئے رہی تو صاف معلوم ہوگیا کہ ہر طرح کا نفع و ضرر وہی دیتا ہے کسی کے کئے کچھ نہیں ہو سکتا پس جہالت سے منہ پھیر لیگا اب آگے اسکو صفات باری جل سلطانہ کی معرفت حاصل ہو جائیگی تو عارف ہو جائیگا کہ کیا عبادت و حکم تو اسی کا ہے باقی سب بنائی باتیں رہ گئیں چنانچہ فرمایا ۔ مَا تَعْبُدُوْنَ ۔ نہیں پوجتے تم دونوں و تمہارے طریقہ والے سب لوگ مِنْ دُوْنِهٖ ۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے اِلَّآ اَسْمَآءً مگر کچھ ناموں کو یعنی حق عزوجل جو حقیقی سچا معبود ہے اسکے سوائے جو تم دوسروں کو پوجتے ہو تو وہ فقط نام بادھوائی ہیں کہ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ ۔ ارباب معبود اور دیوتا انکا نام رکھ لیا تم نے وَاٰبَآؤُكُمْ اور تمہارے باپ دادوں نے یعنی حقیقی چیز نہیں ہیں محض خیالی ہیں مثلاً ایک بھول ہے کہ اسکے سامنے کوئی کپڑا سکھلاوے کہ وہ آفتاب ہے تو یہ محض بے حقیقت خیالی بات ہے اور خشک ہو جانا کپڑے کا ہو تو عادت آفتاب سے ہو جائیگا اگرچہ یہ جاہل اپنے فرضی بھول کی طرف سے سمجھے تو ایسے ہی باطل معبود درحقیقت معبود ہونے میں محض خیالات ہیں اسیواسطے فرمایا کہ تمنے نام رکھے ہیں ۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۔ کچھ بھی ان ناموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ حقیقی خالق نے حجت نہیں نازل فرمائی یعنی عبادت تسلیم و گردن جھکانا حکم الٰہی کا ہوتا اگر اُسنے حکم دیا ہوتا کہ چند افعال انکی خدمت میں کیئے جاویں ورنہ عبادت تو اسی خالق کیلئے ہے لہذا اگر بسنظر کی جانب نماز ادا کرنے میں طاعت الٰہی ہے ۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہیں دیا کہ تم ان بتوں وغیرہ کی خدمت کرو ۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔ حکم تو کسی کی شان نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے تو اگر تمہارے نفس و خیال نے کچھ حکم لگایا تو خود اپنے آپ کو کسی کا بند ■

بنایا اور یہ محض خبط ہے حکم نہیں ہے چونکہ حکم ماسوائے حق عزوجل کے کسی سے ہو نہیں سکتا۔ روایت ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
کے ساتھ امیر المومنین حضرت خلیفہ چہارم علی کرم اللہ وجہہ نے صلح بطریق تحکیم اقرار دی تو ایک گروہ بنو تمیم کا خارجی ہوگیا کہ خلیفہ برحق کیطرف
سے دوسرے کی تحکیم بے معنی ہے اور قولہ تعالی ان الحکم الا للہ سے حجت تصور کی جب آنحضرت علیہ السلام نے سنا تو فرمایا کہ کلمہ حق کے معنی
نہیں سمجھے۔ رواہ الائمہ۔ واضح ہو کہ دنیا میں باہمی معاملات میں جو احکام جاری ہوتے ہیں جبتک مطابق شریعت الٰہی ہیں تب تک
احکام مذکورہ درحقیقت حکم الٰہی ہیں اور جب مخالف ہوئے تو ہیچ ہیں اسیواسطے جو قوانین کہ مخالف حکم الٰہی ہوں وہ ظلم ہیں ولہذا بحکم
قولہ تعالی ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الفاسقون۔ انکے حکم پر عمل کرنا فسق اور انصاف دیکھنا اور رضامندی کفر ہے اور تفصیل
تحت آیت کریمہ مذکور ہو چکی ہے۔ اور یہیں سے کہا گیا کہ وکالت خلاف قوانین شرع حرام ہے گرچہ کفر میں تامل ہے جیسا کہ وہاں بیان
ہو چکا مسئلہ جو وکالت کہ خلاف شرع خرید و فروخت و نکاح و رہن و نالش وغیرہ میں ہو حرام ہے بدلیل نص و بدلیل آنکہ سعایت
بظلم بھی ظلم ہے کیونکہ ظلم کی معاونت منع ہے۔ فی السراج وغیرہ۔ حکم یہ ہے کہ کسی امر میں بمقتضائے حکمت فیصلہ دینا۔ اقول حکمت علم ہے
جو حق عزوجل کے سوائے کوئی مخلوق نہیں جان سکتی ہے جسکو حق تعالیٰ نے بطریق وحی کے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمایا ہے اور جہاں کہیں
حلت و حرمت میں اختلاف ہے جیسے شریعت توریت میں جہاد فرض تھا اور شریعت انجیل میں منسوخ ہوا یا شراب کی حلت و حرمت تو یہ
حکمت بالغہ الٰہیہ کے موافق ہے لہذا غیر منسوخ اب نہیں منسوخ ہو سکتا کیونکہ علم الٰہی قدیم و ازل سے تا ابد بالکل حاوی ہے اگر کہا جاوے
کہ فقہا اختلاف عصر و زمانہ سے احکام میں مغائرت کیونکر لیتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ یہ انہیں مقامات میں مخصوص ہے جنمیں شرع نے بندوں کو مختار
کیا ہے یا انکے اختیار و پسند پر مبنی ہوا ہے مثلاً شاہی زمانہ میں ریشمی کار چوبی کام زینت تھا اور اب عیب ہے تو بنائے اختیار لباس ہے جسمیں شرع
نے کوئی قید محصور نہیں فرمائی ہے بس مرجحان سب کا یہی ہے کہ حکم وہی معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ
اس نے حکم دیدیا کہ بندگی مت کرو کسی کے سوائے اسکی۔ یہ حکم سب سے مقدم ہے اور یہی ایمان و توحید ہے عبادت کے معنی تحت قولہ اتخذوا احبارہم
ورہبانہم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم الآیۃ۔ بیان ہو چکے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ کسی کا حکم لینا و خدمت کرنا اسطرح کہ جیسے اللہ تعالیٰ
کا حکم ہے یہ بھی عبادت ہے جسکا موقع ہے کہ اہل یورپ اپنے بڑے پادری سے روزے تالدینے کا حکم حاصل کرتے ہیں۔ دیکھو سجدہ ذکر کی
تمھاری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ والحق کہ عبادت کسی کی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ ذٰلِکَ۔ یہ جو کچھ بیان ہوا کہ حکم و عبادت مخصوص
بحق تعالیٰ ہے۔ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ یہی ٹھیک دین ہے اسمیں کچھ کجی نہیں ہے۔ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ ولیکن بہتیرے لوگ یعنی جو کافر ہیں لَا یَعۡلَمُوۡنَ
اسکو نہیں جانتے ہیں بس کج راہ کو ختیار کرتے ہیں یا تو کھلم کھلا جیسے بت کو دیوتا وغیرہ مانا اور مسیح میں الوہیت بتلائی اور یا جہالت سے جیسے عقیدہ
کیا کہ فلاں کی درگاہ ہم کو بیٹا دیگی اور اگر نذر نیاز نہ کی تو مٹا دیگی۔ یہاں تک انکو ایمان و توحید سکھلائی اور اسمیں بڑا فائدہ یہ تھا کہ دونوں
قیدیوں میں سے ایک کا زمانہ آخر ہو چکا تھا اور موت آدمی کو سخت ناگوار ہوتی ہے پس اگر پہلے اسکی موت کی خبر دیتے تو بدحواسی میں پھر
ایمان کا کلمہ نہ سنتا اور نہ سمجھتا پس کمال شفقت سے چاہا کہ دنیا کے قیدخانہ سے رہائی پاوے تو ایمان کی بدولت جنت میں آرام
اٹھاوے ورنہ زیادہ سخت و شدید عذاب کی قید میں پڑ جاویگا معرفت مخلوق الٰہی پر شفقت کرو۔ فی الحدیث۔ زمین والوں پر تم رحم کرو
تم پر آسمان والا رحم فرماویگا۔ رواہ اصحاب الصحاح۔ جو کوئی فسق و فجور و گمراہی میں پڑا ہوا اسپر ترس کھاؤ کہ یہ آگ میں ستوالا گرا پڑتا ہے معرفت
یہ سیدھی راہ شیطان کی ہے کما صح فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ و فی الحدیث الدنیا سجن المومن ایمان والے کیلئے دنیا قیدخانہ ہے۔

معرفت جہالت نجانتا اور بقولہ لایعلمون کا انجام کفر ہے لہذا علم قرآن و حدیث فرض ہو جب آپ ایمان تعلیم فرما چکے تو دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر انکو اسطرح سنائی کہ کسی خاص کی تعیین نہ فرمائی تاکہ دل نہ دکھے۔

يَٰصَٰحِبَيِ ٱلسِّجۡنِ أَمَّآ أَحَدُكُمَا فَيَسۡقِي رَبَّهُۥ خَمۡرٗاۖ وَأَمَّا ٱلۡأٓخَرُ فَيُصۡلَبُ فَتَأۡكُلُ ٱلطَّيۡرُ مِن رَّأۡسِهِۦۚ

اے رفیقو بندی خانے کے ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلا دیگا اپنے خاوند کو شراب اور دوسرا جو ہے سو سولی پڑھے گا پھر کھا دینگے جانور اُسکے سر میں سے

قُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ ٱلَّذِي فِيهِ تَسۡتَفۡتِيَانِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُۥ نَاجٖ مِّنۡهُمَا ٱذۡكُرۡنِي

فیصل ہوا کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے اور کہدیا اُسکو جسکو اٹکلا کہ بچے گا اُن دونوں میں میرا ذکر کریو

عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَىٰهُ ٱلشَّيۡطَٰنُ ذِكۡرَ رَبِّهِۦ فَلَبِثَ فِي ٱلسِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِينَ ۝

اپنے خاوند پاس بھلا دیا اُس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے پھر رہگیا قید میں کئی برس

۵ ع ۷ ۱۵

يَٰصَٰحِبَيِ ٱلسِّجۡنِ - اے میرے دونوں قیدخانہ کے ساتھیو - دونوں کے خوابوں کی تفصیلی تعبیر یہ ہے - أَمَّآ أَحَدُكُمَا تم دونوں میں سے ایک شخص تو - فَيَسۡقِي رَبَّهُۥ خَمۡرٗا - اپنے رب یعنی سردار کو شراب پلا دیگا - یہ وہی ساقی تھا جسنے دیکھا کہ انگور کا شیرہ نچوڑتا ہے - یہ تعبیر خوشی کے ساتھ ملی ہوئی مقدم کر دی وَأَمَّا ٱلۡأٓخَرُ - اور رہا دوسرا - فَيُصۡلَبُ تو وہ سولی دیدیا جائے گا - فَتَأۡكُلُ ٱلطَّيۡرُ مِن رَّأۡسِهِۦ - تو کھائیں گی چڑیاں اسکے سر میں سے یعنی گدہ و کوے وغیرہ نوچ نوچ کھا دینگے - یہ وہی ہے جسنے دیکھا تھا کہ میں سر پر روٹیاں لادے ہوں اسمیں سے پرندے نوچ نوچ کھاتے ہیں اور چونکہ اسکے حق میں سولی و موت تھی اسواسطے تعبیر کو مجمل کر دیا کہ تم میں سے ایک ایسا ہوگا - پھر حکم ازلی آلٰہیہ کو محکم بیان فرمایا بقولہ قُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ - طے ہو چکی وہ بات - ٱلَّذِي فِيهِ جسکی نسبت - تَسۡتَفۡتِيَانِ تم دونوں پوچھ گچھ کرتے ہو - یعنی یہ حکم الٰہی قدیم جاری ہو چکا ہے کسی بہانہ و حیلہ سے بدل نہیں سکتا ہے - اپنے انجام کا کچھ فکر کرو - اسمیں تنبیہ ہو کہ ایمان پورا کر لو کہ انجام اچھا ہو - فقہ خواب صحیح و اسکی تعبیر درست ہو وہ تین قسم کا ہوتا ہے ایک خواب انبیاء علیہم السلام اور وہ وحی ہے حتیٰ کہ مثل وحی کے اسکی تعمیل واجب ہے جیسے حضرت ابرہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا اور اسکا برتاؤ کیا - یہ کبھی جیسا دیکھا ویسا ہی بلا تعبیر ہوتا ہو جیسے یہی خواب اور کبھی تعبیر کے ساتھ جیسے خواب یوسف علیہ السلام اور یہی کے چھتیس جزو میں سے ایک جزو خواب مومن یعنی حقیقی ایمان والے کا خواب ہے ولیکن وہ وحی نہیں اور نہ اسپر عمل کرنا خلاف شرع یا جدید تشریع میں جائز ہے مثلاً کسی نے دیکھا کہ اسکو حکم دیا جاتا ہو کہ کوئی معصیت کرے یا مغرب کی دو سنت کو فرض سے پہلے پڑھے یا ایک مجلس قوالی وغیرہ کی جمع کرے تو ایسے امور میں کچھ اعتبار نہیں ہو کیونکہ وہ درجہ نبوت تک نہیں پہونچ سکتا تاکہ حکم شرع اسپر نازل ہوئے چنانچہ مصرح یہ حکم کتب اصول میں مذکور ہو پھر مومن کا خواب دو طرح کا ہوتا ہو ایک وہ جو امور آخرت سے متعلق ہو اور یہی ایک جزو خواب نبوت ہو اور دوسرا وہ جو امور دنیاویہ سے متعلق ہے وہ قسم دوم ہو اس قسم میں مومن و کافر شریک ہوتے ہیں حتیٰ کہ صاحبان یوسف نے اپنا اپنا حال دیکھ لیا تھا - قسم سوم جو درحقیقت خواب نہیں بلکہ شیطانی احلام ہیں اور اسی قسم سے وہ خواب ہے جو حدیث صحیح مسلم میں ہو کہ ایک نے بیان کیا کہ گویا اسکا سر جدا ہو کر گرا اور بھاگا اور یہ اسکے پیچھے دوڑا - ایسے احلام کی نسبت حدیث میں حکم ہے کہ جس کروٹ ہو تو تین مرتبہ تھتکارے اور اعوذ باللہ پڑھکر کروٹ بدل لے اور کسی سے ذکر نہ کرے اسکو کچھ ضرر نہ پہونچے گا اور حدیث میں منع ہے کہ جاہل یا دشمن

یا دشمن یا بدسرشت سے خواب بیان کرے - بعترفت احکام آلٰہی جو واقع ہونے ہین سب ازلی ہین حتی کہ جو کچھ کل کے روز واقع ہوگا سب حکم
آلٰہی ازلی ہی جل سلطانہ وعز برہانہ - واضح ہو کہ علم آلٰہی میں ازل سے ابد تک سب حاضر ہے تو جو کچھ مقدر ہی وہ واقع ہوگا لیکن بندہ کو نہ چاہئے
کہ طریقۂ عبودیت سے سرتابی کرے اور کہے جو ہونا ہوگا وہ ہوگا - میں اسی پر بیٹھا رہونگا کیونکہ وہ کیونکر جانتا ہی کہ کیا ہوگا اور کمان سے
جانا کہ مجھے بیٹھا رہنا چاہئے اور کچھ کوشش نکرنا چاہئے حتی کہ نماز اور روزہ سب ترک کرے کیونکہ جنتی و دوزخی مقدر ہین - استغفار
حکم شرعی مانگنا چونکہ پیغمبر برحق سے تعبیر چاہی تھی وہ حقیقی جواب تھا - واضح ہو کہ شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا کہ قال الثوری
عن عمارة بن القعقاع عن عبداللہ (یعنی ابن مسعود ۱۲) قال لما قالا ما قالا واخبرہما قالا ما راینا شیئا فقال قضی الامر الذی فیہ تستفتیان - ورواہ محمد بن
فضیل عن عمارة عن ابراہیم عن علقمة عن ابن مسعود بہ - یعنی سفیان ثوری رحمہ اللہ نے روایت کی عمارہ بن قعقاع سے انھون نے
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ جب دونون قیدیون نے اپنا اپنا استفسار بیان کیا اور حضرت یوسف نے دونون کو خبر دی
تو دونون کہنے لگے کہ ہم نے تو کچھ نہین دیکھا ہی تو یوسف ؑ نے کہا کہ جسمین تم حکم پوچھتے ہو وہ حکم جاری ہو چکا - اسی قول کو محمد بن فضیل
نے عمارہ سے انھنے ابراہیم سے انھنے علقمہ سے انھنے حضرت ابن مسعود رضہ سے روایت کیا پھر شیخ ابن کثیر رح نے لکھا کہ مجاہد و عبدالرحمٰن
بن زید بن اسلم وغیرہم نے بھی اسکی یون ہی تفسیر کی ہے اور اسکا حاصل یہ ہی کہ جس نے کوئی جھوٹا خواب بیان کیا اور اسکی تعبیر کیگئی
تو تعبیر سے لازم ہو جاتا ہی واللہ تعالیٰ اعلم - اور لکھا کہ امام احمد نے اسناد کے ساتھ معاویہ بن حیدہ سے انھنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کی کہ آپنے فرمایا - الرؤیا علی رجل طائر مالم تعبر فاذا عبرت وقعت - یعنی خواب آدمی پر طائر ہے جبتک تعبیر نہ دیا جائے پھر
جب تعبیر دیا گیا تو واقع ہو جاتا ہی مترجم کہتا ہی کہ شیخ نے اس روایت پر کچھ کلام نہین کیا ؒ حالانکہ اسمین چند وجوہ سے کلام ہی اول یہ کہ
نص مین صورت خواب مذکور ہی اگر چہ احتمال انکے کذب مقولہ کا ہی - دوم یہ کہ تاویل کا وعدہ آنحضرت علیہ السلام نے دیا اور یہ خواب کو اس عبارت
مین بیان کر دینا ہوتا ہے جو سوال لیہ ہو پھر اگر خواب ہی نہ تھا تو ایک خبر غیب بطریق وحی ہوگی نہ خواب کی تعبیر - سوم آنکہ آنحضرت ؑ
نے اسپر امتنان آلٰہی ظاہر کیا کہ ذلک مما علمنی ربی یعنی تعبیر خواب جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے تو جب خواب ہی نہ تھا تو ان دونون کو
زیادہ بد اعتقادی ہوگی جیسے تندرست آدمی کسی حکیم سے نبض شناسی کا تجربہ کرے اور وہ بخار کا نسخہ لکھدے - چہارم جب
بادشاہ نے خواب دیکھا تو ساقی کو تعبیر خواب کا اعتقاد حضرت یوسف کی جانب بوجہ ہو جاتا اگر چہ صلاحیت و پرہیزگاری کا اعتقاد
اور دیگر امور کا ہونا مثلاً دنیا مین بہت پرہیزگار و صالح ہین مگر تعبیر خواب مین سب مشہور نہین ہین جیسے انبیاء علیہم السلام مین سے حضرت
یوسف ؑ کو یہ صفت بطریق خصوصیت عطا ہوئی تھی - پنجم جبکہ آنحضرت علیہ السلام نے انسے کہا کہ تمہارے رزق سے پہلے مین اسکو
بیان کر دونگا تو اولی یہ تھا کہ پہلے انکا یہ دروغ بیان فرماتے اور پھر کہدیتے کہ ولیکن واقع یون ہوگا - الحاصل مترجم کو اللہ تعالیٰ عفو
فرماوے جزم و یقین ہی کہ ایسے روایات سہو و باطل ہین انکا ذکر کرنا روا نہین ہی اور صحیح یہی ہی کہ دونون قیدیون نے حقیقت مین
خواب دیکھا تھا اور چونکہ خواب کی تعبیر سے آپنے ایک کے حق مین موت دیکھی تو تعبیر دینے سے پہلے اپنی نبوت اسپر قوی کر کے ایمان کھلایا
پھر جو ہونا تھا اسکو بیان کر دیا اور تاکید کر دی کہ اسمین فکر بچاؤ کی بیفائدہ ہی یون ہی حکم سابق ہو چکا ہی اور یہ جو شیخ رحمہ اللہ
نے اسکا حاصل نکالا کہ دروغ خواب تعبیر سے واقع ہو جاتا ہے یہ ایسی بات ہی کہ اسکے لئے قطعی دلیل چاہئے ورنہ قابل التفات نہین
ہے جس سے عوام ہزارون شکوک مین مبتلا ہوون ہان البتہ جھوٹا خواب بیان کرنا بحکم احادیث صحیحہ بڑا گناہ ہی تو ممکن ہی کہ گناہ کیلئے

یہ سزا ہو جائے حالانکہ اس موقع پر اس وجہ سے بھی موافق نہیں کہ دوسرا بھی جھوٹا ہوتا حالانکہ اُسنے نعمت پائی - اور یہ جو شیخ نے امام
احمد کی روایت معاویہ بن حیدہ قشیری سے تقویت دی تو وہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ وہ رویا سے متعلق ہے اور یہاں تو دعویٰ ہے کہ
رویا کا وجود ہی نہ تھا پھر کیا چیز طائر ہوگی اور کس کی تعبیر واقع ہو جائیگی - پس صحیح یہی ہے کہ ان دونوں نے خواب دیکھا تھا جس کی
آپ نے تعبیر دی۔ شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مسند ابو یعلی موصلی سے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ذکر کی الرویا لاول عابر۔
یعنی خواب کی تعبیر وہ ہوتی ہے جو سب سے پہلے تعبیر دینے والا تعبیر دیوے یعنی دوسرے تعبیر دینے والے کا کچھ اعتبار نہیں ہے تعبیر وہی
ہوتی جو اول نے دیدی۔ آدمی کو چاہیئے کہ جھوٹ نہ بولے کہ میں نے ایسا خواب دیکھا۔ اگر دیکھے تو کوئی مرد صالح متقی عقیل تلاش
کر کے اُس سے خفیہ بیان کرے اور تعبیر پر جلدی و اصرار نہ کرے۔ القصہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں کی تعبیر دیدی اور
فرمایا کہ نجومیوں و کاہنوں کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہے اور آگاہ کر دیا کہ یوں ہی واقع ہونے کا وقت مقرر ہو چکا ہے
فقط عام لوگوں سے برتاؤ رکھنا نیکی کے ساتھ بڑا ثواب ہے لیکن انکے حقوق کا بھلائی سے لحاظ رکھنا اور اپنے آپ کو بچانا اور ظاہر
و باطن اپنے دل کو خطرہ سے محفوظ رکھنا ضرور ہے چنانچہ آگے کا حال سنو۔ وَقَالَ - اور کہا یوسفؑ نے لِلَّذِیْ دونوں قیدیوں میں سے
فقط اس شخص سے کہ ظَنَّ جسکے حق میں ظن یعنی تعیین کیا تھا کہ اَنَّہٗ نَاجٍ مِّنْہُمَا - ان دونوں میں سے یہ رہائی پاویگا یعنی ساقی
سے کہا کہ - اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ - میرا ذکر کرنا اپنے رب یعنی بادشاہ کے پاس - ظاہراً یہ غرض تھی کہ جب موقع و قریب ہو تو بادشاہ سے
بیان کرنا کہ ایک مرد صالح ناحق قید ہے تاکہ تیرے ذریعہ سے میری رہائی ہو جاوے خصوصاً جبکہ ساقی کا اعتبار بڑھ گیا تھا اس حسب
سے کہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ارکان سلطنت و شاہی خاندان والے اس بادشاہ سے ناراض ہوئے اور باورچی و ساقی سے سازش
کی کہ کھانے و پانی و شراب میں زہر دیویں چنانچہ دونوں نے اقرار کر لیا ولیکن بعد پر ساقی نے نمک حرامی سے توبہ کی اور فوراً حاضر ہوا
اور عرض کیا کہ اے بادشاہ یہ کھانا آپ نہ کھاویں اسمیں زہر ہوگا تو باورچی نے کہا کہ اس شراب میں بھی ہوگا آپ نہ پئیں۔ بادشاہ
نے حکم دیا کہ تم دونوں کھاؤ پیو۔ چونکہ شراب صاف تھی ساقی نے فوراً پی لی۔ اور کچھ نہ ہوا مگر باورچی نے کھانے سے انکار کیا تو وہ
کھانا ایک کتے کو دیا گیا جو کھاتے ہی مر گیا۔ چونکہ سازش میں شرکت دونوں کی ظاہر ہوتی تھی بادشاہ نے دونوں کو قید کیا
پھر تین روز یا زیادہ کے بعد ساقی کو اعزاز کے ساتھ اپنے کام پر بحال کیا اور باورچی کو سولی دیدی اور یہی واقعہ حضرت یوسفؑ
نے اول سے بیان کر دیا تھا۔ پس حضرت یوسفؑ نے چاہا کہ ساقی کے ذریعہ سے بادشاہ کے حکم سے مجھے رہائی مل جائے حالانکہ قید کی
خود درخواست کی تھی ولیکن قید و مشقت سخت ہوتی ہے خصوصاً جبکہ پانچ برس گذرے تھے اسیواسطے حضرت سید المرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم نے بتواضع فرمایا کہ لو لبثت فی السجن طول لبث یوسف لاجبت الداعی۔ یعنی یوسفؑ اولوالعزم رسول تھے کہ صابر و ثابت قدم رہے
اور اسیواسطے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیا ہے کہ آدمی کبھی امتحان و سختی پر دلیری نہ کرے اور ہمیشہ سلامت و عافیت چاہے ہم لوگ
اپنے نفوس کے مکائد یاد رکھیں کہ انسان ذرا سے پرہیز و ممانعت پر تلملاتا ہے اور بے صبری کر کے اول سے زیادہ بدتر حالت پر ہو جاتا ہے اور
فرشتہ صفت پیغمبر صادق حضرت یوسف صدیق علیہ السلام سے عبرت و نصیحت حاصل کریں کہ کہاں ہم لوگ خزف ریزہ اور کہاں وہ جوہر
نفیس گو آخر جو چیز خود مانگی تھی یعنی قید خانہ اُس سے گھبرائے اور ایک ساقی سے وسیلہ رہائی چاہا حالانکہ امور مقدر ہیں اور قید کی دعا
کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا تھا اسکے سوائے دوسرے پر نظر کرنا دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے نظر ہو اور چونکہ اسنے

دنیا مین ظاہر اسباب کی پابندی کا قاعدہ جاری فرمایا ہو تو ظاہری اعضا کو ان اسباب مین مشغول کر دے تو حقیقت مین غیر کی طرف نظر نہ ہوئی اور یہ جائز ہے حتی کہ فوج و لشکر و سامان و ہتھیار مہیا کرے اور فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے۔ دوم یہ کہ دل کی نظر جھک جاوے اور جس وقت ظاہری اعضا کو اسباب مین لگاتا ہو اسوقت ساتھ ہی دل کی نظر بجانب خالق عزوجل نہو اگرچہ دل کی نظر ان اسباب پر بھی نہو تو یہ بات کمال صدق و ایقان کے مرتبہ مین یہ ایک چوک ہے اور ادنیٰ درجہ والون کیلئے کرم الٰہی عفو فرماتا ہے اور ایک تیسری صورت یہ ہے کہ ظاہر اور باطن نظر ان اسباب پر ہو اور یہ قسم کفر سے ملی ہوئی ہے حتی کہ اگر دل کی نظر اس اعتقاد پر جو کہ یہی سبب یا اسکے مثل کوئی سبب مؤثر ہوگا تو صریح کفر ہے ورنہ شدت غفلت گناہ ہے۔ اللھم غفرانک۔ پس شاید کہ حضرت صدیق علیہ السلام کی نظر اسوقت جھکی ہو اور یہ نزدیک بھی بعید ہے اور شاید کہ نظر ہو۔ لیکن خلاف درخواست قید کے جو اللہ تعالیٰ سے عرض بھی اسوقت درخواست رہائی اس سبب کی طرف جھکالی اور یہی بات جناب کبریا جل شانہ مین ناگوار آئی۔ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ پس بھلا دیا اس قیدی ساقی کو شیطان نے ذکر کرنا یوسف کا اپنے مالک کے پاس یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی درخواست اس طریقہ سے ناپسند فرمائی اور شیطان کو قابو دیدیا کہ وہ ساقی کی یاد پر مسلط ہوگیا حتی کہ مدت تک اسکو یوسف کا ذکر کرنا اپنے بادشاہ پاس یاد نہ آیا۔ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ۔ تو پڑے رہے حضرت یوسفؑ قیدخانہ مین کچھ برسون۔ بضع کی تعداد تین سے اور دس سے کم ہوتی ہے اور اکثر روایات مین سات برس بیان ہوئے ہین اور تحقیق اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ اور بارہ برس کی روایت بھی آئی ہے لیکن اسطرح کہ پانچ برس پہلے اور سات برس یہ ملا کر بارہ برس ہوئے جو تفسیر مذکور ہوئی ایک جماعت مفسرین کا قول ہے اور بعضون نے ضمیر انسٰہ مفعول راجع بجانب یوسفؑ قرار دی تو ترجمہ یہ ہوا کہ بھلا دیا یوسف کو شیطان نے اپنے رب کا بیان کرنا تو پڑا رہا قیدخانہ مین کچھ برسون تک حکم ہے کہ ہر کام کا ہونا انشاء اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھے یعنی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہوگا شاید کلمہ اسطرح ملا کر نہ کہا ہو اور شاید کہ اپنے رب کی طرف سے درخواست مین چوک ہوئی۔ امام محمد بن عمر رازی نے تفسیر کبیر مین لکھا کہ یہی قول ٹھیک ہے کہ شیطان نے یوسف کو ذکر رب تعالیٰ بھلا دیا کہ اس ملعون نے اپنے مانند ایک آدمی سے استعانت چاہی اور یہ ایک غفلت انکو پیش آگئی۔ مترجم کہتا ہے کہ نہیں بلکہ اس درجہ تک غفلت میری اعتقاد سے باہر ہے اور جو کوئی اہل عرفان و توحید کی حالت سے واقف ہے وہ ایسا قیاس نہین کر سکتا یہ تو ہم لوگون پر قیاس ہے وہان تو ایسی حالت کی گنجایش نہین خصوصاً ایک پیغمبر رسل و نبی صدیق کی شان مین کیا موقع ہے ہان یہ کہ طریقۂ درخواست اول رسل تھا اور اب اس نازل طریقہ سے ہوا جو ایک قسم کی بھول ہے۔ پھر امام رازی نے لکھا کہ کسی مخلوق سے مدد لینا کسی ظلم کے دور کرنے مین عام لوگون کیلئے شریعت مین جائز ہے لیکن بہت سی باتین عام کے حق مین نیکیان سمجھی جاتی ہین اور مقرب لوگون کے حق مین یہ باتین درجہ گناہ پر ہوتی ہین پس صدیق کی شان یہ ہے کہ سبب پر بالکل نظر نہ کرین بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رکھین اور بالکل اسی کی شان مین مشغول ہوجاوین اسیواسطے یوسف علیہ السلام اتنی بات پر ماخوذ ہوئے مگر بیان اللہ تعالیٰ نے اس کرم سے انکے حق مین بطریق تعریف بیان فرمادیا کہ وہ بالکل حق تعالیٰ کی شان مین مشغول تھا حتی کہ ایک مرتبہ اسنے ایسا کیا تو ماخوذ ہوا اور اگر کوئی کہے کہ شیطان کو کہان سے پیغمبر پر یاد الٰہی بھلا دینے کا قابو مل سکتا ہے اسکا جواب یون دیا جائے کہ یہ بھلاوا ایک خطرہ تھا اور شیطان کو یہ قابو نہین دیا گیا کہ دل سے یاد الٰہی چھڑا دے یا بھلا دے۔ قال المترجم یعنی خطرہ آنا روا ہے جیسا کہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اور سابق مین یہ بحث مفصل گذری ہے واضح ہو کہ مسئلہ یاد الٰہی جل شانہ اسوجہ سے مشکل ہوگیا کہ ہنوز قلوب جو کدورات و شہوات و ردیات سے ملے ملے ہین وہ خیال اس صاف باطن کی

حالت کالا ستہ ہین جو بالتوازل ہو جیسے انبیار و رسلین یا حکم ادبیت کے ساتھ بوتہ محبت ایمانی مین صاف ہوا ہو جیسے اولیار کیونکہ جو ہنوز لسترم
ہے وہ تو قصد کرتا ہے کہ یاد کرے مگر الفاظ آتے ہین وہ بھی بشفقت توجہ کہ آنًا فانًا تغیر ہو جاتا ہے اور وہان تحصیل سے حصول ہے
اور الفاظ سے معانی اور خارج سے باطن اور انتہا یہ کہ اپنا یاد مین لانا شغل پھر قیاس کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ اب مین کہتا ہون کہ
حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یا ایہا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساہم انفسہم اولٰئک ہم الفاسقون ۔ مومنون کو مخالف طریقہ
فاسقین بتلایا کہ فاسق اپنے رب کو بھولے ہوئے ہین تو خود کو بھولائے جاتے ہین کیونکہ اپنے نفس کو پہچانتے تو رب کو پہچانتے
اور یہی آیت اصل ہے اس قول عارفانہ تابعی کے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ۔ پس جو راہ شرع نے بتلائی یعنی جس طریقہ پر زندگی کرنا چاہیے
اسپر قیام بہر دوام سے نفس کی شناخت ایمانی سے یاد الٰہی کا ظہور ہوتا ہے تو نسیان ممکن نہین ہے اسیواسطے حدیث صحیح مین ہے کہ یذکر اللہ
فی کل احیانہ یعنی آنحضرت علیہ السلام ہر حال و وقت مین اپنے رب کو یاد رکھتے تھے ۔ امام بخاری رح نے بیت الخلاء کے وقت ذکر کے مسئلہ کا
استدلال اس حدیث سے کیا اور میرے نزدیک اشارہ کردیا کہ یاد الٰہی زبان سے پڑھنے پر نہین ہے اور بعضے لوگ جو پیشاب پاخانہ
کے وقت ذکر الٰہی سے اپنے کو علیحدہ کرتے ہین وہ غلطی کرتے ہین وہان کوئی وقت علیحدگی نہ تھی حالانکہ بالاتفاق بیت الخلاء و غسلخانہ
وغیرہ کے وقت قرأت قرآن منع ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو سمجھ اعتبار کرنا چاہیے کہ اگر ضمیر انساہ راجع بجانب یوسف علیہ السلام ہو تو
بھی نسیان سے نفس فراموشی مراد نہین ہے کیونکہ یہ تو عام مومن مین نہین ہو سکتی بلکہ طریقہ معاملت مین نظر کی چوک یا شغل گو شۂ
خاطر ہے جو بالکلیہ بشان حق عز و جل ہونا چاہیے تھا پس اُنسے مواخذہ ہوا کہ کتنے برس تک قید خانہ مین پڑے رہے ۔ مترجم کے
نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ ضمیر مذکور راجع بجانب ساقی ہے بقرینہ قولہ وادکر بعد امۃ الآیۃ ۔ جیسا کہ آویگا انشاء اللہ تعالیٰ ۔ شیخ نے لکھا کہ یہی قول
مجاہد و محمد بن اسحاق و بہتون کا ہے اور لکھا کہ حضرت یوسف کی طرف ضمیر مذکور راجع ہونا بھی مجاہد و ابن عباس و عکرمہ وغیرہم سے
ابن جریر نے روایت کیا اور ایک حدیث بھی آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ اگر یوسف نے یہ کلمہ نہ کہا ہوتا جو کہا تو قید خانہ مین اتنی
مدت نہ پڑے رہتے جتنی مدت رہے بوجہ اسکے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسری کی طرف سے رہائی چاہتے تھے ۔ شیخ نے کہا کہ یہ
روایت تو ضعیف ہے کیونکہ سفیان بن وکیع راوی و ابراہیم بن یزید جعفی بہت ضعیف ہین اور حسن و قتادہ سے یہ قول مرسل بھی روایت
ہوا لیکن یہان مرسل قبول نہین ہو سکتی ہے ۔ قال مجاہد و قتادہ لفظ بضع تین سے نو تک ۔ قال وہب بن منبہ ایوب کی بیماری سات
برس و در یوسف کی قید سات برس ہے اور بخت نصر کا عذاب سات برس رہا ۔ الضحاک عن ابن عباس بارہ سال قید رہے ۔ ظاہر مراد یہ کہ
کل مدت بارہ مجموعہ پانچ و سات کا تھا ۔ امام رازیؒ نے کہا کہ سوائے اسقدر حصہ کے جو فرقان حق مین منصوص ہے باقی باتین بنی اسرائیل
سے سنی گئین تو انکا سچ و جھوٹ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ۔ مترجم نے کہا کہ مقصود نفس کی تہذیب واسطے آخرت و بقائے دائمی کے ہے اسطرح
کہ اشارات و صریح جنایات آلیہ سے مکائد نفس و شیطان و اسکی راہون سے آگاہ ہو کر راہ راست پر مہذب ہو اور وہ اسقدر نصوص
مین خواہ صریح خواہ اشارت کیساتھ اور اکثر بتوضیح احادیث و صحیح اقوال صحابہ رضہ موجود ہے پھر باقی باتون سے دنیا وی حیات و کانون
کی لذت سے بیکار تضییع اوقات مین کیا حاجت و کیا فائدہ ہے ۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ف ۔ عرائس البیان مین ان آیات
کے کچھ اشارات جو اوپر درج ہین معرفت کیلئے مفید ہین بیان ہوئے انکو سن لینا چاہیے ۔ قولہ انا نراک من المحسنین احسان جب صفت
خلق ہے تو معنی یہ ہین جو حدیث مین مذکور ہے کہ صل من قطعک و اعط من ظلمک و احسن الی من اساء الیک یعنی ناتا جوڑ جس نے تجھسے

کاٹا ہو اور عفو کر دے جس نے تجھ پر ظلم کیا ہو اور نیکی کر جس نے تجھ سے بدی کی ہو۔ اور جب صفت معرفت ہی تو بحکم حدیث الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر گویا تو اسکو دیکھتا ہے سو اگر تو نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھتا ہے۔ پس یہاں مشاہدہ کرنیوالا عالم ملکوت کا اور بکشف معائنہ کرنے والا انوار جبروت کا گویا نظیر قولہ تعالیٰ وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین۔ اے من المحسنین۔ کیونکہ مشاہدہ صرف اس عالم کے بعد اُس عالم میں اہل توحید کو ہی اور جب احسان صفت ہادی ہی تو معنی عالم بحل مشکلات نفوس وعجائبات قلوب اور عارف بدقائق اعمال وحقائق اعمال۔ ابن عطا نے کہا کہ فقرا کی طرف مائل بہ احسان ونکوئی وانس ومصاحبت۔ ابوبکر بن طاہر نے کہا کہ عذر کرنیوالے کا عذر نہیں رد کرتا اور قول شافعیؒ وایک جماعت سلف کا قول ہی کہ جو عذر کرے اسکا عذر قبول کرنا چاہیئے اور رد کرنا حماقت ہی شیخ نے کہا کہ ایمان کے شرائط میں سے ہی کہ جو بدی کرے اسکے ساتھ مکافات کے بجائے نیکی کرے بعض نے کہا کہ محسن جو تعبیر خواب کا عالم ہو اور قول یہ تفسیر خاص ہے۔ ابوبکر الوراق نے فرمایا کہ جو محنت وسختی کے وقت بھٹکے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاوے۔ یوسف بن الحسین نے کہا کہ جو کوئی دوستوں کی خاطر اپنی خواہش چھوڑ دے اوّل دوست سے مراد وہ کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت رکھے پس پہلے دیکھ بھال لے جلید رح نے فرمایا کہ جو حقائق امور نفس سے آگاہ ہو۔ قولہ واتبعت ملۃ آبائی ابراہیم واسحق ویعقوب۔ کمال توحید باقتدار انبیاء ورسل ہر صلے اللہ تعالیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین۔ اتباع انکی راہ شوق پر چلنا اسطرح کہ سر باطن صاف نورانی و روح ملکوتی ونیت صادق وانفاس پاک ونفس طاہر وعقل عالم باحکام آلہیہ واسرار وآثار عبودیت قائم رکھے حسن ادب کی رعایت سے اول حضرت ابراہیم خلیل پھر اسحق پھر یعقوب کا ذکر فرمایا حالانکہ اشارت یہ تھی کہ خلت میں اتباع خلیل اختیار کرتا ہوں اسکے ساتھ ہی محبت وحلم وسخاوت ومہمان نوازی اور قضاء وقدر پر رضامندی اور بیقراری بعشق باری تعالیٰ وآہ وزاری میں اور کمال توحید کیساتھ قدیم کو حوادث سے منزہ رکھنے میں حضرت ابراہیم کا متبع ہوں کیونکہ حنیف مسلم وغیر محب الآفلین تھے اور ساتھ ہی صدق وایقان ومشاہدہ آیات والتباس میں طالب حق ہونے وانقیاد وحنیفیت سہل میں انکا مطیع ہوں پھر اسحق علیہ السلام کی اتباع اس امر میں کہ درگاہ ربوبیت پر اپنی جان قربان کی اور اپنے والد علیہ السلام کی فرمانبرداری پر حاضر وقائم رہے اور اتباع یعقوب اس امر میں کہ صبر جمیل وحزن طویل وگریۂ دائم وتحمل امتحانات قضا میں قائم ہیں۔ **قال المترجم** اہل بیان کیواسطے یہاں ایک ضروری نکتہ یہ ہی کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا ہوئے تو بہت صغیر تھے حتی کہ اسکی مدت کے بعد بلوغ کو پہونچے ہیں تو علم شرائع انکو صرف بالہام ووحی الٰہی پہونچا مقصود ہی مع ہذا ان کو دعوے اتباع ابراہیم واسحق ویعقوب علیہم السلام ہے تو تادب بآداب وحی کو عین ان کی اتباع قرار دیا پس بہت سی باتیں اس سے معلوم ہوئیں اول یہ کہ زندہ ہونا حضرت متبوع کا شرط نہیں ہی۔ دوم یہ کہ چند انبیاء علیہم السلام کی اتباع ایک ساتھ متحقق ہوتی ہی ولیکن ظاہری احکام کی اتباع صرف ایک ہی کی ہوگی سوم یہ کہ انکشاف مقامات میں تابع اپنے متبوع کا ہمسفر ہوتا ہی۔ چہارم متبع باعتبار وصول بمقام متبوع کے اتباع رکھتا ہی جسکی کفالت لطف رحمت حق عزوجل سے ہوتی ہی پس اگر عالم باقدر ضرورت ادب سیکھا ہو اوصفات جمیلہ حمیدہ میں انبیاء وصالحین کی اقتدا سے وصول برضائے حق عزوجل کا قصد کرے تو پیر کی بھی ضرورت نہیں ہی جبکہ نیت صادق وطرق آداب سے ٹھیک واقف ہو اور سب بھلائیوں کی جڑ یہ ہی کہ جملہ خواہش منحصر برضائے حق تعالیٰ رکھے اور سب برائیوں کی جڑ یہ ہی کہ شہوات وخواہشوں کا مجمع ہو یا محل ہو حتی کہ جنت کی خواہش ودوزخ کا

خوف ایک پورا باعث ہونا قاتل ہے اور صحیح ہی جو فرمایا کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔ دنیا کی خواہش سب برائیون کی جڑ ہی اور دنیا کو اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ لہو ولعب ہے یعنی اسکو بقا نہین ہی اور دل کو یاد آلہی سے لاہی وغافل کردیتی ہی اور پوری ماہیت تحت قولہ انما مثل الحیوۃ الدنیا کما انزلناہ للآیۃ۔ اور تحت قولہ واضرب لہم مثل الحیوۃ الدنیا الآیۃ تلاش کر وپس آسایش وآرام ودل لبھانیوالے اسباب اس دنیا پر مزین ہین۔ فافہم واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ باب خوب سمجھ لو کہ متابعت کرنا خالص مریدون کی صفت ہوتی ہے اور جس شخص نے اخلاق وعادات مین پیروی نہ کی وہ کسی وقت کبھی متبوع کے درجہ پر نہین پہونچے گا قولہ ماکان لنا ان نشرک باللہ من شئی۔ طریقہ آبائی جسمین اتباع کی ہی۔ اسکی اصل یہ ہی کہ قدیم کو تمام حوادث سے منزہ وپاک جانا و سمجھا یعنی محبت وانقیاد آلہی جل شانہ مین کسی غیر جانب التفات نہین ہی۔ اقول وفی الحدیث یا غلام احفظ اللہ یحفظک۔ یعنی ہر طرح مؤثر اللہ تعالیٰ ہی تو کسی چیز مین غیر پر نظر نہین چاہیے پس اللہ تعالیٰ بندے کیلئے ہر طرح کفایت ورعایت فرماتا ہے۔ پھر بیان کردیا کہ یہ طریقہ حاصل کرنے سے اب پیدا نہوگا بلکہ سابق ازل مین حق عزوجل نے اختیار فرمایا ہے۔ فی قولہ ذلک من فضل اللہ علینا۔ یہ سب صفات جمیلہ جنکو حق عزوجل پسند فرماتا ہی ہم لوگون کو محض فضل آلہی سے حاصل ہوئے ہین وقولہ علی الناس۔ یعنی ہم پر یہ فضل ہی اور ہم اور لوگون کے واسطے فضل آلہی ہین۔ قولہ ولکن اکثر الناس لایشکرون۔ جو فضل ہم سے ظاہر ہی اسکے شکر یہ سے اکثر لوگ غافل وجاہل ہین۔ اقول لہم قلوب لایفقہون بہا۔ اسوجہ سے بہالت وغفلت ہی کہ اسکا ادراک بذریعہ قلوب ہے اور قلوب انکے ہوا رخالیہ ہین اُن سے ادراک ہو نہین سکتا تو جاہل ومنکر ہین قال الشیخ ابو عثمان رح نیک صالحین کی پیروی کرنے اور ابرار کی بزرگی کا اعتقاد رکھنے سے قلب کی صلاح ہوتی ہے شیخ ابو عثمان مغربی نے کہا کہ فریب شیطان ونفس سے بچا ہوا بے کھٹکے راستہ یہ ہی کہ بزرگان صالحین کی اقتدار کرے کیونکہ صالحین نے بھی یہی کیا ہے کما قال تعالیٰ الحکایۃ عن یوسف الصدیق علیہ السلام واتبعت ملۃ آبائی الآیۃ۔ واسطی رح نے کہا کہ فضل پر نظر اچھی ہی اور متفضل پر نظر اس سے اچھی ہے پھر متفضل پر نظر اچھی ہی اور اس نظر سے فنا رسب سے اچھی ہی ابو علی جوزجانی نے کہا کہ وہ شخص سب سے زیادہ اچھے حال مین ہی جس نے اپنی ذات کو فضل ومنت ونعمت کے نیچے دبا ہوا جانا اور اپنے عمل وسعی ولیاقت کو کچھ خیال نہ کیا کیونکہ یہ باطل ودروغ خیال ہی اور وہ صحیح ودرست ومستقیم ہی قولہ یا صاحبی السجن ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار سامین متفرقون سے اشارہ کیا کہ جو چیز متعدد ومنقسم ہو وہ حادث ہی قدیم نہین ہوسکتی بلکہ قدیم حق عزوجل وہی ہے کہ وہان انقسام وتعدد کو راہ نہین ہی اور اسکے واحد ہونیکے یہ معنی نہین ہین کہ اسکو ایک کا عدد گنتی عارض ہی ہرگز ہرگز نہین بلکہ اسکے معنی یہ ہین کہ وہی ہی ویسا کوئی نہین ہی وہان شرکت محال ہی۔ عوام اس بات کو بہت کم سمجھتے ہین جبکہ اللہ تعالیٰ بےمثل وبےمانند ہی تو وہی رب قاہر ہوا اور سب مخلوق اسکے قبضۂ قدرت مین مقہور ہی یعنی جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہی حتی کہ اگر زید سے چاہا کہ وہ تمام رات عبادت پر قائم رہے تو وہ برابر قائم رہے گا۔ پس یہ اسکی صفات ہین قولہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون۔ یہ نہین جانتے کہ فلان چیز سے روزی حاصل ہونا اور فلان سے یہ ہونا اور وہ ہونا اور یون نہونا وغیرہ جہالت کی نظر ہین بھلا کبھی حادث بھی قدیم ہوسکتا ہی بلکہ قدیم وہی وحدہ لاشریک ہی اور جملہ حوادث ہین اور جو حرکات ان حوادث سے صادر ہوتے ہین خواہ وہ نافع ہون یا مضر ہون سب مقہور تحت قدرت ہین۔ شیخ ابو عثمان مغربی نے یہان ایک عجیب اشارہ فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہی کہ انسان پر غیر کا حال کھل جاتا ہی اور اپنا حال چھپ جاتا ہی تم دیکھو کہ بزرگ مرتبہ

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے قیدیون کو فرمایا کہ ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار ۔ پھر دوسرے وقت ایک قیدی سے کہا کہ اذکرنی
عندربک ۔ حکایت ہی کہ ایک شخص نے حضرت فضیل سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تو فرمایا کہ اس آیت کو یاد رکھ ۔ **قال المترجم**
شیخ ابو عثمان کے قول کا یہ مطلب ہے کہ جب تقدیر آلہی مین کوئی امر جاری ہوتا ہے تو ایک پردہ ایسا حائل ہوتا ہے کہ آدمی باوجود علم
کے غفلت کے پردہ مین چھپ جاتا ہی لہذا آنحضرت صلعم نے استعاذہ مین فرمایا ۔ وسوء القضاء یعنی قضائے مکروہ سے جو بذات خود مجبوب ہے
پناہ مانگی اور فرق یہ ہی کہ جو امر مجبوب کسی بندہ کو پہونچا مگر نظر اسکی فضل آلہی پر نہین ہی تو وہ اسکے واسطے درحقیقت وبال ہوگی جبکہ
اسنے شرک کیا اور جو مکروہ کسی بندۂ صالح کو پہونچا اور اسکی نظر حق تعالیٰ پر راضی ہی تو یہ نہایت درجہ ثواب کی نسبت ہی کیونکہ جو امر
مجبوب ہے اسمین تو ایک راحت نفس کی بھی بندہ صالح کو مل گئی اور مکروہ مین سراسر عوض آخرت ہی تو ثواب زیادہ ہوگا ۔ فافہم ۔ قولہ اذکرنی
عندربک فانساہ الشیطان ذکر ربہ ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کلام مین وہ موقع بیان فرمایا جسمین حضرت صدیق علیہ السلام اپنے خاص بندہ
کا امتحان فرمایا ہی اور صورت یہ واقع ہوئی کہ شان معرفت کے بجائے قلب یوسفی پر نکرت (؟) کا ایک پردہ دیا تو دریائے ناپیدا کنار نکرت مین
ایک لمحہ غوطہ کھایا اور معرفت سے موصوف ہونے کے ساتھ ایک حجاب پیش آیا اور یہ شان ورائے طور عقل عوام ہی کیونکہ اس حالت
کی کیفیت وہی سمجھ سکتا ہے جو فی الجملہ اہل باطن مین سے ہو بالجملہ یہ کیفیت عبارت مین اسطرح لائی جاتی ہے کہ وصف معرفت
سے موصوف ہونے کی حالت مین نکرت مین ہوگئے پس جب ذات بمثل و بمثال قدیم نے امتناع فرمایا اور بندۂ خاص عارف کو مشاہدۂ
جمال قدم سے محجوب فرمایا تو وہ رسم طبیعت و عالم صورت مین بہکگئے بس مثل اہل صورت کے اسباب ظاہری کی راہ چلنے لگے حالانکہ یہ حالت
لمحہ سے بھی کم واقع ہوئی **قال المترجم** اسقدر قلیل وقت شیخ نے آیت کے لطیف اشارہ سے نکالا ہی اور وہ یہ ہی کہ قولہ وقال للذی
ظن انہ ناج منہما کو اللہ تعالیٰ نے علیحدہ مستقل آیت نہین فرمایا بلکہ اسی کلام کا ایک ٹکڑا ہے کہ ذیل کی گفتگو مین سرزد ہوا تھا ۔ فافہم
فانہ لطیفۃ جدا ۔ قال الشیخ پھر جب انوار قدم نے قلب یوسفی پر طلوع فرمایا اور فیض کرم نے انکی دستگیری کی تو محل امتحان و کید شیطان
کو سمجھ گئے اور ذکر انسان سے رجوع کر کے درگاہ کبریائی پر عجز و انکسار سے سر رکھا ۔ **قال المترجم** اگر کسی کو شبہہ ہو کہ شیخ نے انکا رجوع کرنا
کہان سے معلوم کیا اسواسطے کہ آیت مین اسکا ذکر نہین ہی تو جواب یہ ہی کہ ہان آیت مین مذکور نہین ولیکن اہل دل بالیقین جانتے ہین کہ یہ
حالت عارف کیلئے نہین رہ سکتی ہی اور یقین کیلئے قطعی دلیل قولہ تعالیٰ والذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون
ہے جیسا کہ اس آیت کی تفسیر مین گذر چکا پس کوئی شک نہین کہ حضرت یوسف اہل تقوی مین سے تھے بلکہ متقین کے سردار تھے تو بعد ہی
خطرۂ شیطانی کے فوراً انکو تذکر ہوا ہوگا جبکہ عوام مومنین کا یہ حال ہی تو پیغمبر مرسل کا ضرور ہوگا اور مواخذہ بطریق مدح صرف محل امتحان
تھا ۔ فافہم ۔ قال الشیخ اور جب اللہ تعالیٰ بندۂ عارف کے حق میں زیادہ معرفت و قرب منزلت چاہتا ہی تو اسکو ایک لمحہ غفلت مین ڈالدیتا
ہے پھر اسپر تجلی فرماتا ہے تاکہ اپنے نسیان سے نادم اور نہایت تیزی سے مزید عرفان کی جستجو مین سرگرم ہو جاوے گویا کہ یہ غفلت زیادہ یاد کا
باعث ہو جاتی ہے اور ہامواخذہ تو جسکو زیادہ قرب ہی اسکو اہتمام زیادہ و مواخذہ و بلا زیادہ ہی ۔ **قال المترجم** کوئی یہ گمان نکرے
کہ قرب زیادہ محل الم ہی کیونکہ دنیاوی عمر ایک لمحہ سے کم ہے سہ کہ دنیا ہمین یک دمی بیش نیست ؛ غم و خرمی بیش درویش نیست ؛ پس
ہر مواخذہ و بلا درحقیقت اصل عیش و کمال انعام ہوتا جاتا ہی اسیواسطے کثرت سے اکابر وہ گزرے ہین جو انعام و راحت پہونچنے کے بجائے
غم و اندوہ و مکروہ پہونچنے پر زیادہ خوش ہوتے تھے کیونکہ یہ خالص ثواب دائمی راحت ہی اور یہ وہی سمجھیگا جسکو حق تعالیٰ اسنے قرب

معرفت ۱۲

ومنزلت عطا فرمائی ہو ورنہ مترجم تو ناقل ہی۔ واللہ اعلم۔ **قال الشیخ** دیکھو ایک لمحہ غفلت پر چند سال تک قید کا مواخذہ فرمایا گیا ولیکن واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان چند سال قید سے حضرت یوسفؑ کے حق مین کمال تربیت وکامل لیاقت نبوت کی تعلیم اس خلوتخانہ مین رکھکر ارادہ فرمائی تھی حالانکہ نفس یوسفی بتلبیس شیطان یہ چاہتا تھا کہ اُسیوقت قید خانہ سے خارج ہو کر اس کمال سے محروم ہوجاوین لیکن حق تعالیٰ اپنے خالص بندون کی خود تربیت فرماتا ہی پس خلوت مین انس وتمکین وقوت سلوک مین استقامت وبیداری عطا فرمائی اور تو یہ نہین دیکھتا کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر ابتدائے نبوت مین غار حرا مین تنہائی کے ساتھ عبادت اختیار فرمائی۔ **قال الشیخ** قولہ فانساہ الشیطان الآیۃ۔ مین احتمال یہ بھی ہو سکتا ہی کہ یوسفؑ نے قیدی سے کہا کہ اذکرنی عند ربک یعنی بادشاہ سے میرا ذکر کرنا اور مقصود یہ تھا کہ بادشاہ سے میری تعریف بیان کرنا کہ وہ مجھے پہچانے اور مین اسکو ایمان کی ہدایت کرون اور وہ عذاب الٰہی سے رہا ہو اور ثواب پاوے اور مین عموماً اس طریقہ سے توحید پھیلاؤن اور امر معروف ونہی منکر سے لوگون کو راہ راست پر لاؤن پھر شیطان کا بھلانا اس معنی مین ہی کہ حضرت یوسفؑ کو سابقہ تقدیر الٰہی یاد نہ رہا کہ ہنوز بادشاہ کے ایمان لانے کا وقت نہین آیا ہی تو بادشاہ کے وقت ایمان تک قید مین رہے پس یوسف علیہ السلام کا نسیان سابقہ تقدیر ازلی سے تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔ **مترجم** کہتا ہے کہ یہ توجیہ شیخ کی طرف سے علمائے ظاہر سے مشابہ واقع ہوئی حالانکہ معنوی امور سے تسکین وطمانیت کے بعد ایسی اضطرابی توجیہ کی کچھ ضرورت نہین ہی بخلاف علمائے ظواہر کے کہ زیادہ نظر انکی عوام کی فہمائش پر رہتی ہی یا معنوی مدارک سے غفلت ہوتی ہے تو خواہ مخواہ غیر مطمئن طور پر مضطربانہ توجیہات سرزد ہوتی ہین مگر جو کوئی کہ معنوی اسرار وحقائق سے واقف ہو اور وہ ہر مقام پر جہان عموماً اضطراب کی گنجائش کی جاتی ہے نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ یقین کرتا ہے۔ فاستقم۔ واسطیؒ نے کہا کہ اے لوگو اپنے نفوس کے پیچیدہ قاعدون سے ہوشیار رہو جو بے محل دلیری سمجھاتا ہی ایسا نہ ہو کہ حکمت آلٰہیہ بطور پاداش کے تم کو خبردار فرمائے کہ اسطرح بندے وتمام مخلوقات اسکی مملکت مین عاجز ہین۔ اقول شاید غرض یہ ہی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نفس نے بذریعہ ساقی کے رہائی کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے مدت تک اُن کو عاجز ہو کر قید مین رہنا دکھلایا۔ بعض نے کہا کہ قولہ اذکرنی عند ربک یعنی تاکہ وہ جانے کہ ضرر ونفع کا اختیار اسکو بالکل نہین ہی اور جملہ امور موکول بتدبیر الٰہی ہین پس کسی غیر پر اعتماد نہ کریگا اور دلیل پس قولہ فانساہ الشیطان ذکر ربہ الآیۃ ہی۔ **مترجم** کہتا ہی کہ جہان تک میرے خیال مین آتا ہے اس بزرگ کے قول کی جا اس مقام پر بظاہر بالکل بے ربط معلوم ہوتی ہے یہ توجیہ نفیس ہی کہ بادشاہ نے دونون قیدیون کو مقید کر کے اپنے اختیار سے ایک کو پھانسی اور دوسرے کو رہائی دیدی ضرور ہی کہ یہی خیال بادشاہ کو بلکہ تمام لوگون کو ہوگا اور عموماً ایسا ہی خیال ہوتا ہے کہ حاکم نے فلان کو رہا کیا اور فلان کو یہ کیا اور وہ کیا۔ تو قیدی سے حضرت یوسفؑ نے فہمائش کر دی کہ دیکھو مین نے تم دونون کے خواب کی تعبیر دینے سے پہلے ایمان توحید سکھلایا اور سمجھایا کہ اصل مین اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک سب مخلوق پر قادر وقاہر ہے جو وہ چاہتا ہی وہی ہوتا ہی پھر خواب کی تعبیر مین کہہ دیا کہ ہر ایک کے حق مین یہی حکم ہو چکا ہی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کے فعل سے پہلے یہ امر حکم الٰہی مین مقدر تھا بلکہ بادشاہ اسی حکم پر مقہور تھا حتیٰ کہ اسکے سوائے وہ اور کچھ نہ کر سکا تو ساقی سے کہا کہ تو بادشاہ کو متنبہ کر دینا کہ مجھے فلان صدیق سے جو قید خانہ مین ہی صاف معلوم ہو چکا تھا کہ تجکو ضرور ایسا کرنا پڑیگا وہی ہوا تو خواہ مخواہ تجھے خود کچھ اختیار نہین ہی جو حکم الٰہی ہوتا ہے وہی ہوتا ہے تاکہ بادشاہ توحید پر مستقیم ہو کر اپنے خیالات شرک سے اجتناب کرے۔ **وقال المترجم**

یہ حکمت نہایت نفیس متین ہے فافہم و استقم واللہ تعالیٰ اعلم۔ نصر آبادیؒ نے کہا کہ ذکر رب سے پہلے اپنا ذکر کیا تو شیطان نے قیدی سے یہ غرض
بیان کرتے وقت ذکر الٰہی سبحانہ تعالیٰ بھلا دیا بعض اکابر نے کہا کہ دیکھو انبیا علیہم السلام کو تو ایک چیونٹی برابر بات پر ماخوذ فرمایا کیونکہ انکو
حضوری و منزلت ہے اور اُن پر ایک خاص عنایت کی نظر ہے اور دوسروں پر چونکہ یہ نظر نہیں ہے تو اس سے کروڑ درجہ زیادہ گستاخی پر عفو کیا تم نہیں
دیکھتے کہ یہاں یوسف علیہ السلام کو کیسے ماخوذ فرمایا ہے شیخ نے کہا کہ میرے دل میں القا ہوا کہ یہاں شیطان نے یوسف علیہ السلام کو یاد
سے نسیان دلایا اور رب عزوجل نے ذکر یا مذکور کسی کو نہیں بھلایا اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ تمام وجود یوسفی ہر سانس میں مستغرق
مشاہدہ ہے بس ذکر اس مقام پر کمل توکل و رضا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ جو کوئی درجہ توکل سے ساقط ہو وہ یاد حق عزوجل سے بھی ساقط ہو
کیونکہ توکل تو مقامات کے اسباب میں سے ہے اور عارف کا حال یہ ہے کہ وہ حالات میں سیر کرتا ہے اور یہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت توکل
سے محجوب ہو جائے کیونکہ حقیقت اُسکی وحدانیت حق عزوجل ہے بس وحدانیت کا علم اور یہ کہ وہ ہر مخلوق پر قادر و قاہر ہے ہر دم ضروری
ہے اور کبھی نہیں ہو سکتا کہ انبیاء ارباب یقین سے محجوب ہوں۔ **قال المترجم** سابق میں جو معنی میں نے نسیان الٰہی عزوجل کے محتمل
بیان کئے ہیں الحمد للہ کہ انکی تائید اس کلام شیخ سے نکلتی ہے اور حاصل اسکا میرے خیال میں یہ ہے کہ یاد حق عزوجل بھول جانے کی
شان یوسف علیہ السلام میں کوئی صورت نہیں ہے بلکہ جو بیان کلام بمنزلہ ارسال کے بدون ذکر انشاء اللہ تعالیٰ کے ہوا اور یہ ایک
حد ہے کہ شیطان کو وہاں تک مجال دگیپی ہے کیونکہ اسرار تو محل تصرف شیطان نہیں ہیں اور اگر تجکو وہم ہو کہ قوی حدیث سے ثابت ہے
شیطان دونوں کندھوں پر سے سونڈ دل تک دوڑاتا ہے اور ذکر الٰہی سے سونڈ ہٹاتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ بیان عام فہم اس مضغۂ
گوشت کا ہے جو اسرار کے حکم میں نہیں ہے اور دل لطیفۂ الٰہیہ وہ دوسرا ہے ہاں ظہور لطیفہ کا محل یہی مضغہ ہے اسیواسطے قولہ ان فی
الجسد لمضغة الحدیث میں اس مضغہ کی تعریف بیان فرمائی ہے کیونکہ لطیفۂ الٰہیہ کا بیان اگرچہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آسان
تھا ولیکن شک نہیں کہ وہ قیامت تک کے عوام کے واسطے بہت مشکل ہو جاتا حالانکہ آیات و احادیث عام ہیں اور یہیں سے تجھے معلوم
ہوگا کہ معجزہ ان آیات و احادیث میں یہ بھی ہے کہ تا قیامت تمام افہام و عقول کے احاطہ کئے ساتھ یہ کلمات بلاغت معجز نظام ہیں فسبحان اللہ
رب العرش عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ القصہ وہ قیدی جسکو سولی کی تعبیر دی تھی قتل ہوا اور ساقی بدستور
اپنے عہدہ پر گیا ولیکن بھولا رہا اُتنے مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کا کچھ ذکر اپنے بادشاہ سے نہ کیا اور ایک مدت قید میں گذری
یہانتک کہ جب حضرت یوسفؑ اس خلوت میں کامل ہوئے اور حق تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے صدیق پیغمبر علیہ السلام کو سرفراز فرماوے تو یہ واقعہ

ہوا جو بیان فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ

اور کہا بادشاہ نے میں خواب دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی اُنکو کھاتیاں ہیں سات دبلی اور سات بالیں

خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ

ہری اور دوسری سوکھی اے دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے

قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ۝

بولے یہ اُڑتے خواب ہیں اور ہم کو تعبیر خوابوں کی معلوم نہیں

وَقَالَ الْمَلِكُ ۔ اور کہنے لگا بادشاہ ۔ یعنی مصر کا جو سب سے بڑا بادشاہ تھا اور عزیز مصر اگرچہ بادشاہی لقب کہتا تھا مگر وزیر تھا اور بادشاہ کو فرعون کہتے تھے اور نام اسکا ریان بن الولید بیان ہوا ہے غرضکہ اس بادشاہ نے اپنے وزراء و ارکان دولت کو جمع کر کے جو خواب دیکھا تھا اسکو اسطرح بیان کرنا شروع کیا گیا کہ ابھی دیکھ رہا ہے چنانچہ کہا کہ ۔ اِنِّيْٓ اَرٰى میں دیکھتا ہوں سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ ۔ سات گائیاں فربہ موٹی تازی ۔ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ ۔ ان کو کھائے جاتی ہیں سات دُبلی ۔ بیضاوی وغیرہ نے لکھا کہ بادشاہ اس خواب سے بہت دہشتناک ہو گیا تھا کہ اسنے دیکھا کہ ایک خشک نہر سے سات موٹی تازی گائیاں نکلیں اور اسی نہر میں سے سات دُبلی لاغر ڈانگر نکلیں پس دُبلیوں نے موٹیوں کو نگلنا شروع کیا یہانتک کہ کھا گئیں ۔ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ ۔ اور دیکھتا ہوں سات بالیاں سبز یعنی دانہ آگئی ہیں مگر ہنوز خشک کاٹنے کے قابل نہیں ہوئی ہیں ۔ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۔ اور دوسری سات بالیاں خشک پس خشک بالیاں اُن سبز بالیوں پر لپٹ گئیں اور غالب آگئیں ۔ یہ خلاصہ خواب تھا ۔ بقرات جمع بقرہ گائے ۔ سمان جمع سمنیہ چربی و گوشت سے بدن کی موٹائی کو سمن کہتے ہیں اور سمنیہ مؤنث بسبب گائے کے ولیکن اسمین مذکر کی جمع بھی سمان آتی ہے یقال رجال سمان و نساء سمان ۔ اور قولہ یاکلہن اسے یبتلعہن یعنی کھائے جاتی ہیں ۔ مراد نگلے جاتی ہیں ۔ عجاف یہاں عجفا کی جمع ہے جو بقرہ کی صفت ہے اور عجفاء وہ گائے جو ڈانگر دُبلی رغال ہو اور قیاس عجفاء کی جمع کا عجف ہے جیسے حمراء کی جمع حمر آتی ہے ولیکن سمان کے وزن پر عجاف لایا گیا کیونکہ یہ اُسکا نقیض ہے اور بلاغت عرب میں قرار پایا ہے کہ نظیر و نقیض کو دوسرے پر محمول کر کے اسکے وزن پر لاتے ہیں اور سنبلات خضر و سنبلات یابسات کا تفصیلی حال نہیں لکھا کہ خشک غالب ہو گئیں اسوجہ سے کہ دُبلی و موٹی گائیوں کے عجیب واقعہ بیان کر دینے سے انکے عجیب واقعہ کی تفصیل کی حاجت نہ رہی یعنی ان میں بھی وہی حال ہوا کہ سبز غائب ہو گئیں اور خشک لگ گئیں ۔ جب بادشاہ اپنا یہ واقعہ بیان کر چکا تو وزیروں کو خطاب کیا کہ ۔ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اے میری جماعت خاص ۔ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ ۔ مجھے فتویٰ دو میرے خواب کے بارے میں ۔ یعنی میرے خواب کی تعبیر بیان کر دو ولیکن خواہ مخواہ حکم نہیں دیا بلکہ کہا ۔ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۔ بشرطیکہ تم لوگ خواب کی تعبیر دیا کرتے ہو یعنی تمہیں اگر تعبیر خواب کا علم ہو تو میرے خواب کی تعبیر بیان کرو ۔ فقہ اگر کسی نے خواب دیکھا اور اسکو ایسے شخص کے سامنے بیان کرنا چاہا جو کامل وقوف نہیں رکھتا ہے یا اسپر پورا اعتماد نہیں ہے تو اس سے شرط کر لے کہ اگر تم کو تعبیر خواب کا علم ہے تو بیان کرو بلکہ اس زمانہ میں تو ہر شخص کو یوں ہی تعبیر پوچھنا چاہیئے تاکہ جاہل آدمی خراب تعبیر نہ دیوے اور جب شرط کر لی تو خواب تعبیر سے کچھ ضرر لاحق نہ ہوگا کیونکہ اسنے خلاف شرط کی نادانی کی تعبیر دیدی ۔ القصہ وزیروں نے جہالت کا جواب دیا چنانچہ ۔ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۔ کہنے لگے کہ یہ اضغاث احلام ہیں ۔ اضغاث جمع ضغث بضاد منقوطہ و غین منقوطہ و ثاء مثلثہ ۔ ایک مٹھا ہری و سوکھی گھاس کا یا قمچیوں کا اور مراد یہاں یہ کہ کئی طرح کی چیزیں خلط ملط ہیں ۔ احلام جمع حلم بضم حاء حطی بغیر نقطہ و سکون لام جو سونے میں نظر آئے اور اکثر پریشان خواب کو کہتے ہیں اور حموٗا کا فردن و مشرکون میں یہ اعتقاد ہے کہ دماغ حالت خواب میں بھی متحرک رہتا ہے تو بیداری میں جو صورتیں آدمی کے خیال میں نقش ہو کر جمع ہیں انہیں کو لوٹ پوٹ کیا کرتا ہے اور کبھی دماغ میں کوئی مادہ فاسدہ ہوتا ہے اسکی کیفیت عجیب طرح سے نظر آتی ہے جیسے کوئی شخص سادہ پانی پی گیا یا نزلہ کی شدت ہے یا بلغم بڑھ گیا ہے تو دیکھے گا کہ دریا میں پیرتا ہے یا مینہ برستے میں کھڑا ہے یا جیسے شراب وغیرہ پی کر سویا اور تیزی سے صفرا پیدا ہوا تو آگ وغیرہ خواب میں دیکھے گا یا کوئی رنگین سُرخ مادہ ہے تو خون کے ہولناک واقعات

دیکھے گا تو اُن کے نزدیک یہ احلام ہین جنکی کوئی اصل سوائے اسکے نہین ہوتی ہی۔ کلیہ یہ گمان صحیح نہین ہی ہان یہ صحیح ہی کہ اگر ایسے اسباب ہوں تو اسطرح احلام نظر آوینگے ولیکن یہ کہنا کہ بس خواب ہمیشہ یہی احلام ہوتے ہین غلط ہی اور تحقیق اوپر گزری کہ جو لوگ دنیا کے خیالات مین گھرے ہین اور کافر ہین یا گنہگار مسلمان ہین انکو کبھی ایسے احلام نظر آوینگے اور کبھی دنیاوی واقعات آئندہ کے صحیح نظر آوینگے جبکہ روح دماغی کو روح اصلی سے کوئی جھپک مل جاوے اور رہے وہ لوگ جن کی روح اصلی صاف ہی تو انکو دنیا کے آئندہ واقعات بھی صحیح نظر آتے ہین اور اکثر آخرت یا اسکے متعلقات خواب صحیح نظر آتے ہین لیکن کبھی تاویلی ہوتے ہین اور کبھی صریح ہوتے ہین القصہ وزیرون نے یہی کہا کہ یہ تو مخلوط پریشان دماغی خیالات ہین۔ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ۔ اور ہم لوگ پریشان خواب کی تاویل سے آگاہ نہین ہین ف یعنی بادشاہ سے عذر کیا کہ ہم کو ایسے احلام کی تعبیر کا علم نہین ہی۔ چونکہ بادشاہ کو اضطراب تھا اور ہول سے اسکو تشویش رہی اور وہان ساقی حاضر تھا اسکو یاد آگیا حالانکہ وہ ایک مدت تک بھولا رہا تھا پس اس نے اجازت چاہی کما قال تعالیٰ

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۝ يُوسُفُ أَيُّهَا

اور بولا وہ جو بچا تھا اُن دونین اور یاد کیا مدت کے بعد مین بتاؤن تم کو اُسکی تعبیر سو تم مجکو بھیجو جاکر کہا یوسف اے

الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ

سچے حکم دے اس عذاب مین سات گائین موٹی اُنکو کھادین سات دبلی اور سات بالین ہری

وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

اور دوسری سوکھی کہ مین لیجاؤن لوگون پاس شاید اُنکو معلوم ہو

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا اور کہنے لگا وہ شخص جس نے دونون قیدیون مین سے رہائی پائی تھی یعنی شراب پلانے والا ساقی اس مجلس مین بولا کہ قیدخانہ مین ایک مرد صالح فاضل بڑا عالم عابد ہی مین نے اور باورچی نے اپنے اپنے خواب بیان کیے تھے تو اُسنے نہایت صحیح تعبیر دی جسمین ایک حرف کا فرق نہ تھا ویسا ہی واقع ہوا۔ وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ۔ اور یاد آیا اُس کو بعد ایک اُمت یعنی زمانہ دراز کے۔ اتنے عرصہ تک وہ بتقدیر الٰہی حضرت یوسف ؑ کو بھولا رہا۔ ایک قرأۃ مین امہ بجر اول و آخر ہا بمعنی نسیان ہے اے تذکر بعد نسیان۔ اسکو بھولنے کے بعد یاد آیا اور ایک قرأۃ مین اِمَّۃ در آخر تار فوقانیہ اول کسرہ ہی بمعنی نعمت۔ اول دونون قرأتین جید ہین بحسب المعنی۔ حاصل آنکہ ساقی نے ایک مدت کے بعد یاد کر کے کہا کہ۔ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ مین تم کو اُسکی تعبیر سے آگاہ کرونگا۔ ظاہر یہ ہی کہ اُسنے اسوقت حضرت یوسف ؑ کو نہین بتلایا بلکہ کہا فَأَرْسِلُونِ سو تم لوگ بھے بھیجو یعنی رخصت دیدو تو مین جاکر خبر لاؤن کیونکہ مروی ہی کہ قیدخانہ خاص دارالسلطنت مین نہ تھا بلکہ دوسرے شہر مین تھا کذا ذکرہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ غرضکہ انھون نے بھیجا اور ساقی حاضر ہو کر محبت کے الفاظ مین حضرت یوسف سے یون عرض کرنے لگا۔ يُوسُفُ اے حضرت یوسف۔ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ۔ اے بڑے سچے۔ أَفْتِنَا ہم کو تعبیر بتلا دو فِي۔ اس خواب کے بارہ مین۔ سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ سات گائیان موٹی تازی ہین کہ۔ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ اُنکو کھائے جاتی ہین سات دُبلی ڈانگر گائین۔ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ اور سات بالیان سبز ہین۔ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ اور دوسری سات خشک ہین۔ واضح ہو کہ اس سے معلوم ہو گیا کہ خواب کی تعبیر دریافت کرنے کیلئے دوسرے شخص کو بھیجنا جائز ہی اور اس کام کیلئے سفر کرنا جائز ہی اگرچہ شرعی قصری مسافت نہ ہو یا ہو۔ اور ایلچی کو چاہیے کہ

ٹھیک انھیں الفاظ میں خواب بیان کرے جو بھیجنے والے نے کہے ہیں کیونکہ تعبیر میں قیاس وتخمین درست نہیں ہے تو کبھی نہیں اطمینان ہو سکتا کہ ایک حرف کی تعبیر سے کیا فرق ہو گیا بلکہ وہی الفاظ ادا کرے۔ لَعَلِّيٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ۔ اُمید ہو کہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں قبل کسی واقعہ کے۔ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ اور امید ہے کہ وہ لوگ جان لیویں یعنی اس خواب کی تعبیر قبل وقوع کے یا آپ کی شان ومنزلت جس سے رہائی ہووے جیسا کہ پہلے وصیت فرمائی تھی۔ اس مرتبہ حضرت صدیق علیہ السلام نے اس سے کوئی درخواست نہیں فرمائی کیونکہ اول مرتبہ عتاب آمیز خطاب ہو چکا تھا۔ فی الحدیث۔ اچھا خواب فرشتہ کی جانب سے ہوتا ہے اور مکروہ پریشان غم دنیا از جانب شیطان ہی اور شاید اسکے معنی یہ ہیں امور قضا وقدر سے فرشتہ اچھائی کو بطریق خواب کے آدمی کے دل میں الہام کرتا ہی یا اسکے معنوی و برزخی تصویر دکھلا دیتا ہے اور مکروہ میں دشمن شیطان کا غم دینا مقصود ہوتا ہے پھر واضح ہو کہ یہ امر کبھی ظاہر نہیں ہو سکتا کہ یہ جو دیکھنے والے نے دیکھا ہی وہ خوشی ہی یا غم ہے لہذا جو لوگ کوئی خواب دیکھکر پریشان ہو جاتے اور اسکو برا سمجھنے لگتے ہیں یہ اُنکی جہالت ہے اسلئے کہ ان کو علم تعبیر نہیں دیا گیا جس سے اُنھوں نے بھلائی وبرائی پہچان لی حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کا ذبح دیکھا اور وہ ذبح عظیم سے فدیہ وبلا عظیم یعنی نعمت عظمیٰ تھی علی احد التفسیرین فافہم۔ صدیق وہ شخص جو بڑا سچا ہووے پس اگر یقین وحسن نیت وکمال ایمان وکمال تصدیق احکام الٰہی ونبوت حضرت رسالت پناہی وکمال صدق معاملات میں ہو تو وہ اصطلاحی صدیق ہے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے کہ ان کے مثل امت میں دوسرا فرد اسوقت نہیں ہو سکتا تھا اور اگر خاص خاص امور میں ہو تو انھیں امور کی راہ سے صدیق ہوگا اور جو شخص سچ بولنے میں مستقیم ہو وہ بھی صدیق ہی چنانچہ حدیث صحیح میں ہی کہ آدمی سچ بولتا ہی اور سچ ہی بولنے کا قصد رکھتا ہی یہانتک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا ہی اور قصد جھوٹ بولنے کا رکھتا ہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کذاب لکھا جاتا ہی فت۔ وفی العرائس قولہ یوسف ایہا الصدیق صدیق اسوجہ سے کہا کہ غیب کے حالات کامل پورے پورے سچائی کے ساتھ بوحی والہام بیان فرماتے تھے اور بکاشفہ سے سچ جانتے اور عجائب خبریں اپنے سچے مکاشفہ سے بیان فرماتے تھے اور صدیق وہ ہی جو صدیقیت میں مستقیم ہو یعنی صدق کا درجہ اسکو استقامت کے ساتھ حاصل ہو کہ اسمیں کبھی حرکت کرے اور یہ اسطرح ہوتا ہے کہ دل پر انوار تجلی نے ظہور کیا اور صدق حاصل ہوا پھر ہمارا انوار یقین وعرفان نے ظہور کیا یہاں تک کہ اسمیں یہ ملکہ مستقیم ہو گیا اور خلاصہ اسکا یہ ہوتا ہی کہ ایک حالت یکساں ہی اور سچائی کے ساتھ اعمال یکساں صحیح رہیں۔ شیخ ابوحفص نے فرمایا کہ صدیق وہ ہوتا ہے کہ جس طرح ظاہر میں ہی ویسا ہی باطن میں ہو یعنی ظاہر وباطن میں کچھ فرق نہو اور مترجم کہتا ہی کہ مراد یہ ہی کہ ظاہر میں صلاحیت وتقویٰ کا اظہار ہو ویسا ہی باطن میں ہو۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ صدیق کا ادنیٰ درجہ ہی لہذا جیسے متقی کیلئے درجات ہوتے ہیں ویسے ہی صدیق کے لئے بھی محاذی درجات ہیں چنانچہ جو کوئی اسلام لایا اگرچہ وہ گنہگار رہو پر نسبت مشرک کے کافر کے متقی ہی کیونکہ اسنے شرک کرنے سے اتقا کیا یا دائمی عذاب الیم سے پرہیز کیا۔ اور بعض نے فرمایا کہ صدیق وہ ہی کہ جس کے قول وفعل وعزم ونیت اور لوگوں کے ساتھ اسکے معاملات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکے عہد وپیمان سب سچ ہوں مترجم کہتا ہی کہ جس کے معاملات وافعال میں خطا واقع ہو جاوے لیکن وہ ہمیشہ سچائی کا قصد وعزم رکھتا ہو تو اسکا حکم معلوم نہیں ہوا اور ظاہرا حدیث شریف متذکرۂ بالا سے وہ بھی صدیق ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ بعض نے فرمایا کہ صدیق وہ ہو جسکے قول وفعل موافق ہوں اور جو حالت اپنی ظاہر کرے ویسا ہی باطن میں بھی ہو اور مترجم کہتا ہو کہ ظاہرا یہ شرط ہوگی کہ ظاہری افعال اسکے سب صلاحیت پر

ہوں فسق وفجور نہ ہوں پس منافق وہ ہی کہ ظاہر میں صالح و باطن میں فاسق ہو اور یا اسکی تاویل وہی ہو جو اوپر مترجم نے متقی کی نظیر میں ذکر کیا ہو واللہ اعلم۔ شیخ ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا صدیق کی مثال میں حقیقی ایک فرد حضرت ابوبکر الصدیق ہیں کہ دوسرا صدیق انکے مثل نہیں ہو سکتا ولیکن صفت یہ ہو گی کہ وہ دونوں جہان کو ویداحق پر قربان کر دے چنانچہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر یعنی اپنے صدیق سے پوچھا کہ تم نے اپنے واسطے کیا باقی رکھا ہی یعنی گھر کے تمام مال و متاع میں سے سب خیرات کیا کچھ اپنے واسطے باقی رکھا ہی وہ کسقدر ہے تو جواب میں عرض کیا کہ میں نے اپنے واسطے اللہ تعالیٰ و اسکے رسول کو رکھ لیا ہی۔ **قال المترجم** ہذا استنباط جید۔ واللہ اعلم۔ القصہ جب خواب بیان کیا تو حضرت صدیقؑ نے تعبیر مع تدبیر بیان فرمائی۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝

کہا تم کھیتی کرو گے سات برس لگ کر سو جو کاٹو اسکو چھوڑ دو اسکی بال میں مگر تھوڑا جو کھاتے ہو

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝

پھر آویں گے اس پیچھے سات برس سختی کے کھا جاویں جو رکھا تم نے انکے واسطے مگر تھوڑا جو روک رکھو گے

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

پھر آویگا اس پیچھے ایک برس اسمیں مینہ پاوینگے لوگ اور اسمیں رس نچوڑیں گے۔

ع ۷ ۱۶

قَالَ حضرت صدیق علیہ السلام نے تعبیر خواب کو اسطرح فرمایا کہ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ کھیتی کرو گے سات برس۔ اور کہا گیا کہ بمعنی امر ہی اے ازرعو یعنی سات برس تم کھیتی کرو لیکن امر کو بصیغہ مضارع بیان کیا اور یہ مبالغہ ہی جیسے قولہ تومنون باللہ والیوم الآخر وتجاہدون الآیہ۔ اور غرض مبالغہ کی یہ ہی کہ اسوقت جس کام کا حکم دیا جائے وہ طالب کو کیا معلوم کہ ہوگا یا نہ ہوگا تو خوب یقینی کر دیا کہ ضرور تم ایسا کرو گے اگرچہ تمھارے دل میں اسوقت یہ بھی ہو کہ یہ کرنے کا حکم دیتا ہی ہم نہ کریں گے یا شاید کریں یا نہ کریں تو وحی الٰہی تعالیٰ سے غیب کا حال بیان کر دیا کہ کرو اور تم ضرور ایسا کرو گے اگرچہ تجھے وہم ہو کہ یہ تو ہمارا قول حال ہی کہ غیب کا حال جب کوئی پیغمبر برحق بیان فرماتا ہی تو یہی معنی ہیں کہ ایسا ہوگا تو اسکو صیغہ امر کیوں کہتے ہو تو جواب یہ ہی کہ خود آگے فرمایا کہ فذروہ اسکو چھوڑ رکھو اور یہ صیغہ امر ہی تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی یہی مراد ہے ورنہ تقریر خوب مربوط و مناسب ہو گی بخلاف کہ فرمایا کہ کھیتی کرو گے سات برس۔ دَاَبًا بسکون الف اور ایک قراۃ میں بفتحتین حال ہے دائبین یعنی متوالیین درپے درپے ہوگا یعنی ہمیشہ کی عادت کے موافق ایسا کرو اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے یہ کہ برابر کوشش سے یہ کام کرنا چاہیئے پس دابًا مفعول مطلق ہو سکتا ہی کہ تدابون دابا۔ یا تقدیر ادابوا الزراعۃ دابا۔ اور دونوں کیلیے یہاں قرینہ ہی پس اول کا قرینہ تو ظاہر ہی کہ علم غیب سے خبر دینا بطریق مبالغہ یوں ہوا کہ تم سات برس برابر زراعت کرو گے اور دوم کا قرینہ یہ ہی کہ آیندہ قصہ میں بادشاہ نے یہ کام انھیں کے حوالہ کر دیا کہ جس کوشش سے آپ چاہتے ہیں خود اہتمام فرمایئے۔ سراج میں لکھا کہ یہ سات موٹی تازی گائیوں اور سات سبز بالیوں کی تعبیر ہی۔ پھر بیان ایک تدبیر نظر شفقت جو انبیاء علیہم السلام کی عادت ہوتی ہی بیان فرمائی کہ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ۔ پس جو تم کاٹو یعنی گیہوں باجرا جوار وغیرہ جو کھیتی پک کر کاٹو تو اسکو چھوڑ رکھو اُسی کی بالیوں میں یعنی تاکہ وہ خراب نہ ہو جاوے اور گھن وغیرہ نہ لگجاوے کیونکہ وہ اپنی بال میں خوب رہیگا اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ۔ یا استثنا اسقدر قلیل مقدار کے اسمیں سے نکالو جو تم کھاؤ گے یعنی جس اناج میں سے کھانا مقصود ہو اسمیں سے بقدر حاجت دانہ صاف کر لو

اور باقی بالیوں میں رہنے دو۔ پھر تعبیر شروع کی ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ۔ پھر آوینگے بعد ان سات برسوں کے جنمیں کھیتی کروگے اور
سات برس شِدَادٌ سخت یعنی قحط کے کہ بالکل خشکی ہوگی کچھ تازگی نہوگی۔ یہی سات خشک بالیاں و سات دُبلی گائیاں ہیں جو موٹیوں
وسبز کو نگلے جاتی تھیں يَأْكُلْنَ۔ یہ ساتوں قحط کے سال کھاجاوینگے۔ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ۔ وہ سب جو تم نے اُنکے لئے پہلے ذخیرہ کر رکھا تھا
یعنی پہلے سات سال کا کھیتی کا ذخیرہ اور ہری بھری بالیاں۔ ان برسوں کو کھا جانے والا بیان کیا تاکہ جلد سمجھ میں آجاوے کہ سات دُبلیاں
سات موٹیوں کو کھائے جاتی تھیں۔ حالانکہ ان برسوں میں لوگ ہی اپنا ذخیرہ کھاتے تھے اور مترجم کہتا ہو کہ ہر چیز عالم میں کھانیوالی ہے
اور ہر چیز دوسرے کیلئے ماکول غذا ہے اور یہ حقیقت بیان میں اسواسطے نہیں آتی ہو کہ ہم لوگوں کی سمجھ اسقدر سکتی و پاکیزہ و صاف نہیں ہے
ولیکن یہ یاد میں رہنا چاہیئے تاکہ وقت پر دل میں دلیل روشن ہوجاوے الغرض کہا کہ یہ قحط کے سال ان سب برسوں کو کھاجاوینگے جو
پہلے موجود تھے۔ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ۔ باستثنائے قلیل مقدار کے ذخیرہ میں سے جو تم بیجوں کی غرض سے محفوظ کر رکھو۔ یعنی
آخری حد پریشانی و ناامیدی کی یہاں تک ہوجائے گی کہ صرف بیجوں کی قدر بمشکل رہجاویگا کہ اگر آیندہ سال قحط ہو تو بالکل فاقہ
ہوجانے کا خوف ہو ولیکن رحمت الٰہی عزوجل نے اپنے مخلوق کو باقی رکھا چنانچہ فرمایا۔ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ۔ پھر اسکے بعد
یعنی ایام قحط کی مصیبت کے بعد آویگا ایسا ایک سال کہ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ۔ جسمیں غیث دیئے جاوینگے لوگ۔ غیث کثرت سے باران
جو پیداوار کیلئے نہایت مفید ہوئے بعض نے کہا کہ یغاث از غوث بمعنی فریادرسی ہو تو معنی یہ ہونگے کہ اس سال میں بندوں کی دستگیری فرمائی
جاویگی یعنی حق تعالیٰ قحط زدہ لوگوں کی فریاد پر ان کو رحمت عطا فرماویگا ولیکن اول اولیٰ ہو بدلیل قولہ۔ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ۔ اور اس
سال میں لوگ شیرہ نچوڑینگے اور کہا گیا کہ یعصرون بادلوں کے مینھ سے بوجہل ہونے کے اشتقاق میں ہو یعنی سحابات معصرات
ان پر سایہ کرینگے ف۔ یہاں قولہ ثم یاتی من بعد ذلک عام الآیۃ۔ کو تعبیر خواب مذکور سے تعلق نہیں ہے بلکہ خواب کی تعبیر تو سات
سال فراخی و سات سال قحط پر تمام ہوگئی اور یہ سال نہایت فراخی کا آنحضرت علیہ السلام نے بطریق بشارت کے ذکر فرمادیا۔ بیضاوی
وغیرہ نے ذکر کیا کہ شاید اس قرینہ سے کہ عادت الٰہی جاری ہے کہ بعد سختی کے راحت عطا فرماتا ہو مگر مترجم کے نزدیک یہ امر بہت
مستبعد ہو خصوص قطعی خبر غیب میں کہ وہاں اٹکل دو وجہ سے حرام ہے اول اخبار غیب اور دوم قطعی بیان اٹکل سے۔ فافہم۔ اور لکھا کہ شاید
اس قرینہ سے قحط کی انتہا فراخی پر ہوتی ہے اور مترجم کہتا ہے کہ ہاں قحط کی انتہا فراخی پر معلوم ہے مگر یہ صفت کیونکر معلوم ہوئی
کہ فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون۔ علاوہ ازین قحط کا خاتمہ فراخی پر ہونا ان لوگوں کو بلیر بتلائے معلوم تھا کیونکہ یہ مقدمہ تو بدیہی
ہے کہ قحط ختم ہوا تو اسکا نقیض آیا۔ اور لکھا کہ اور شاید وحی سے معلوم کرکے بتلایا ہو اور میں کہتا ہوں کہ صریح صاف بات یوں فرمائی
جاوے کہ بدلیل قولہ علیک من تاویل الاحادیث اور بدلیل قولہ تعالیٰ ذلک مما علمنی ربی۔ یہ سب بتعلیم الٰہی سبحانہ تعالیٰ واقع ہوا ہو ف
قولہ تزرعون سبع سنین دأبا۔ سے معلوم ہوا کہ آدمی کو عالم اسباب میں بدون نظر کرنے سبب کے یا اسپر اعتماد کرنے کے کوشش کرنا چاہیئے
اور بحکم قولہ فذروہ فی سنبلہ۔ سے معلوم ہوا کہ تدبیر کرنا اصلاح کی غرض سے مامور بہ ہو اور یہ تقدیر سے منافی نہیں ہو بلکہ حسن نیت پر
ثواب ملیگا اور قولہ الا قلیلا مما تاکلون۔ ہدایت وارشاد ہو کہ کھانے پینے میں اسراف سے فضول خرچ نہ ہو اور یہ حکم کلام الٰہی میں صریح
منصوص ہو اور واضح ہو کہ کھانے کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں اول تین لقمہ اور یہ صالحین اتقیا کے آداب میں ہو۔ دوم تہائی پیٹ
کھانا اور تہائی پانی اور تہائی سانس یعنی یاد الٰہی کے لئے خالی چھوڑنا اور یہ ایک حدیث میں منصوص ہو اور اسی پر عموماً اہل ایمان کا عمل رہا۔

سوم شکم سیری سے کم اور یہ مباح ہی پھر شکم سیری کو بعض نے حرام کہا اور بعض نے یہ حد مباح کی قرار دی اور سیری سے زائد حرص کو حرام کہا ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور موٹائی کے لئے کھانا دو طرح کا ہے اول پسندیدگی موٹائی و پہلوانی کی تو یہ بحکم حدیث یحبون السمانة۔ اور بحدیث یشبع فیہم السمن کے حرام ہی اور صحیح حدیث میں ہی کہ قیامت کے روز بڑا موٹا لحیم شحیم لایا جائیگا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی قدر مچھر کے پر کے برابر نہوگی اور دوم لاغری و ضعف کے دور کرنے کیلئے بغرض اصلاح دماغ و درستی حواس و قوت عبادت کے ہو تو یہ جائز اور بعض صورتوں میں مستحب اور جسپر جہاد فرض ہو اسپر واجب ہے۔ اور ابراہیم بن ادہم اور ایک جماعت صالحین سے مروی ہے کہ کھانے میں اسراف نہیں ہی یعنی جسقدر لوگ کھاوین یا انکو کھلادے اسراف نہیں ہی ورنہ فتاوی وغیرہ میں شکم سیری وغیرہ کا مسئلہ صحیح ہے اور حدیث صحیح میں ہی کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہی اور کافر سات میں کھاتا ہی یہ اشارہ اسکے حرص کا ہی قولہ ما قدمتم لہن۔ میں جواز ہے کہ آدمی کسی وقت ضرورت کیواسطے کچھ ذخیرہ رکھ چھوڑے اور واضح ہو کہ زیادہ بحث اسکی قولہ الذین یکنزون الذہب والفضة ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ الآیة میں گذر چکی ہی اور زکوٰة ادا کرنے پر محمول ہونا اکثرون کا قول ہی اور بعض نے تورع کی راہ سے مطلقاً ذخیرہ سے اجتناب فرمایا ہی اور حدیث میں ہی کہ آنحضرت صلعم سونا و چاندی کچھ ذخیرہ نہیں فرماتے تھے اور بحرین سے جو کثیر مال آیا اسکو اُسی روز تقسیم فرمادیا ایک درم بھی نہیں رکھا اور برابر آپ کا یہی دستور تھا اور اس مقام پر اناج کے ذخیرہ کا ذکر ہی تو صحیح حدیث سے ثابت ہی کہ آنحضرت صلعم اپنے عیال کیلئے ایک سال کا روزینہ رکھ دیتے تھے اور یہیں سے کہا گیا کہ جو کوئی زراعت کا پیشہ کرے ایکسال کا قوت رکھے اور نوکر ماہواری ایک ماہ کا اور کرایہ والا بدستور کرایہ کی سہ ماہی یا ششماہی یا ماہواری چنانچہ عموماً دستور تو اس زمانہ میں ماہواری ہی اور قولہ الا قلیلا مما تحصنون سے نکلا کہ عیال کی تنگی ایسی صورت میں جائز ہی کہ نفقہ سے عام ضرر لاحق ہو بدلیل اسکے کہ احصان خاص طریقہ سے نگہداشت ہی۔ اور بعض روایات میں ہی کہ جو کوئی عاشورا کے روز اپنی عیال پر وسعت دیوے اللہ تعالیٰ سال بھر اسکے لئے وسعت فرماتا ہی ولیکن شیخ ابن الجوزی نے اس روایت کو موضوع کہا اور لکھا کہ حضرت امام المومنین حسین بن علی علیہما السلام کے قاتل یزیدیوں نے اسکو بنایا ہی اور بعض متاخرین نے کہا کہ نہیں اسکی قوت ثابت ہوئی ہی۔ اور عاشورا کے روز شکریہ کا روزہ تو صحاح میں منصوص ہی پس اگرچہ آنحضرت صلعم کو شہادت جگر گوشہ نبوت حضرت امام حسین علیہ وعلی آبائہ الصلوٰة والسلام کی اطلاع تھی مگر اسکی تعزیت کا کوئی طریقہ آپ سے مروی نہیں ہی اور عوام جو اس روز نصف روز کا روزہ رکھتے ہیں یہ بدعت حرام ہی اور بعضے بوجہ فاقہ حضرت امام رضہ کے دو روز نوین و دسوین کا روزہ رکھتے ہین اور اس نیت سے بھی حرام ہی اور پوشیدہ نہیں کہ دنیائے ملعونہ سے باکرام شہادت فرشتوں کے پروں پر تاج شاہانہ کے ساتھ سلطنت آخرت کے تخت پر بیٹھنے کیلئے جانا محرم کی دسوین تاریخ کو واقع ہوا تھا پس جو آخرت بہ آنکھوں دیکھنے سے زیادہ یقین رکھتا ہی وہ اپنے سرتاج حضرت امام کیلئے شکرانہ ادا کریگا اور پلید یزید اور اسکے گروہ کی خواری پر افسوس کریگا کہ مردود ہوئے اور اس سے زیادہ واویلا اور بدعات منکرہ سب آخرت سے انکار و دنیاوی حیات پر جان نثار ہونے پر مبنی ہیں اور حضرت امام رضہ کی اقتدار کا اگر خیال ہوتا تو پہلے اس امر کو دیکھتے کہ حضرت سید اہل الجنة علیہ السلام نے کسطرح دنیا کو ترک کیا اور آخرت کو اختیار کیا۔ اور کس استقلال سے شربت شہادت پر متواتر روزہ افطار فرمایا اور کس طرح حضرت خلاق علیم کے حفظ و رعایت پر اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم کو چھوڑا اللہم اجعلنا من احبہ واتبعہ وفاز فوزاً عظیماً۔ اور واضح ہو کہ حکمت آئیہ قحط و فراخی میں کسی قیاسی قاعدہ پر ہمکو معلوم نہیں ہوسکتی ہاں البتہ زکوٰة جب روکی جاوے یا زنا کیا جائے تو قحط و خشک سالی اور وبا پیدا ہوتی ہی جیسا کہ بعض نے استنباط کیا ہی ولیکن ظاہر

نہین ہوکہ ان دونون وجہ کے سوائے قحط وبا ہووے کیونکہ حکمت آلہیہ ادراک بشر سے خارج ہے۔ اگر وہم ہوکہ عموماً جن ملکون مین زکوۃ
کا اعتقاد وعمل ہی نہین ہو یا زنا ایک خلاف قانون یا علانیہ ہونا خلاف تہذیب سمجھنے کے سوائے کچھ خیال نہین کیا جاتا ہو وہان
تو کبھی ایسا نہین ہوتا ہے توجواب یہ ہوکہ یہ وہم فقط نادانی سے پیدا ہوا ہو اسکو سمجھنا چاہیئے کہ کفر کے لئے تمام دنیا وما فیہا سب وقف
ہے اور اسلام کے لئے بقدر عبادت وجواز شرع کے مباح ہے اور باسند نیت کفر کے حرام ہے توجو لوگ اسلام لائے یا ابھی کافر ہین
مگر اُن پر کوئی پیغمبر حق بھیجا گیا تو ان کو بحالت فسق وفجور یا سرکشی کے ایسی چیزون سے تنگ پکڑا جاتا ہے تاکہ عبادت وطاعت
پر قائم رہین یا اسلام لادین جیسا کہ قولہ تعالی ولو ان اہل القری آمنوا الآیات سابقہ ولاحقہ مین قرآن مجید کے اندر مصرح منصوص
ہوکہ اگلی امتون کے ساتھ انبیا کا برتاؤ ہوا اور جب وے بالکل کافر ہونے پر اصرار کرگئے یا جو اسلام مین تھے مگر فقط برائے نام صورت کے مسلمان
رہ گئے تو اُنکا آخرت کا حصہ بھی اللہ تعالی اُنکا خالق رب العالمین انکو دنیا مین دیدیتا ہے حتی کہ ان کو بہت زیادہ فراخی اور وسعت حاصل
ہوجاتی ہو پھر موت کے وقت اُنکی گرفتاری سخت وشدید ہی لقولہ تعالی فاخذناہم بغتۃ فاذاہم مبلسون۔ توحاصل یہ ہوا کہ جن لوگون کی صورت
فقط مسلمانون کی سی ہو اور دل اُنکا کافرون کے مشابہ یا مثل ہو تو اُنکی زکوۃ نہ دینے سے یا اُن مین زنا پھیلنے سے اس باعث سے قحط یا
وبا رنہ ہوگی ہان کسی حکمت خاصہ سے آوے تو اسکا علم حق تعالی عزوجل کو ہو اور اسی طرح جن ملکون مین محض کفر و اسپر اصرار ہے اور
وہان ایمان کا وجود ہی نہین ہو تو ان کافرون پر بھی انکے دنیاوی چال چلن کے موافق آسودگی فراخی وتندرستی ہوگی اور دنیاوی چال چلن
سے یہ غرض ہوکہ لوگون پر انکی حکومت اگر ظلم وجبر کی ہوگی تو ظالم کو روز بروز تنزل ہوتا ہے اور اگر لوگون کو آرام دینے اور اُن کے
رزق کشادہ کرنے وہر طرح حفاظت کرنے کے طور پر ہوگی تو وے آسودہ وتندرست رہین گے پھر جو چیز اُنھون نے اختیار کی تھی
یعنی دنیا اسکا خاتمہ انکی زندگی پر ہو پس فوراً جان نکلتے ہی سخت عذاب مین پڑجادین گے اور یہ جو مین نے ذکر کیا ہو یہ آیات و احادیث
مین مصرح موجود ہو پھر یہ جو ہم نے کہا کہ قحط وفراخی کی حکمت خاص علم آلہی مین ہو اسکا اشارہ بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام
کے وقت کا جو فرعون تھا وہ مرد عادل وآخر مسلمان ہوگیا اور سات سال فراخی وسات قحط کے دیئے اور پھر ایک سال نہایت فراخی
کا دیا اور جب قریش نے آنحضرت صلعم سے متواتر انکار کیا تو آپنے بددعا فرمائی کہ اے پروردگار انپر سات برس کا قحط مثل ہفت سالہ
قحط یوسف علیہ السلام کے اُتار دے چنانچہ یہی ہوا حتی کہ لوگون کی نظرون مین آسمان دھوان دھار معلوم ہوتا تھا وقال تعالی۔ یوم
تاتی السماء بدخان مبین الآیۃ۔ اور ایسے ہی یہود مدینہ بسبب ناحق عداوت کے باوجود معرفت کے قحط وبلا مین گرفتار ہوئے۔ جیسے
دولتمندی پر نازان تھے خسر الدنیا والآخرہ ہوگئے اور سابقین امتون پر اصرار کفر کی حالت مین بہت فراخی دیدی لقولہ فتحنا علیہم ابواب
من السماء الآیۃ۔ اور واضح ہوکہ جس طرح فسق وفجور سے مسلمانون پر سختی ہوتی ہو اسی طرح حسن طاعت وعبادت واخلاص نیت و
اختیار آخرت وترک لذات دنیا کی صورت مین تمام دنیا انکے پیچھے پیچھے لگادی جاتی ہو اور وے اسکو پھٹکارتے رہتے ہین اور جو کوئی
ایمان کسی قدر ضعف کے ساتھ رکھتا ہو یعنی فسق کرتا اور دنیاوی عیش بھی چاہتا ہو تو وہ دونون جگہ یعنی دنیا وآخرت دونون کی
نعمت سمیٹتا ہو لہذا دنیا کے پیچھے دوڑتا ہو اور وہ اس سے بھاگتی ہے پس قدر مقدر پاتا ہے اور اوقات ضائع کرتا ہو بالآ اسکو آخرت کا
حصہ دیا جائیگا اور یہ سب فضل آلہی ہو جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب مین کہتا ہون کہ تمام ثروت جواہرات سونا چاندی گھوڑے
ہاتھی مکان وسباب جملہ چیزین جن پر ناموری وعزت دنیاوی منحصر ہے حالت قحط مین محض بیکار ہین جبکہ کچھ پیداوار نہ ہو اور پیداوار

کی صورت مین درحقیقت انسان کا حصہ آمین سے اسی قدر ہو کہ کچھ قلیل اپنے پیٹ مین ڈالے یعنی اسی قدر کہ جسقدر اہل مصر کی نسبت فرمایا تھا کہ
الا قلیلا مما تاکلون۔ پھر جو کچھ پیٹ مین ڈالا وہ بھی کچھ دیر تک لٹے رہا پھر ایک نجس شکل مین بہا دیا کہ درحقیقت اسکے واسطے کوئی تیار نہین
ہی آیندہ وہ پیچ ہو کچھ تعلق اس سے نہین رکھتا اور جو کچھ ایک ہی آدمی نے خیال کیا کہ عمدہ جوہر اسکے بدن کا جزو ہوگیا وہ سالہاسال
جمع کر کے آخر گڈھے مین دابا گیا اور ایسا بدبودار سڑا کہ زندہ اسکے سونگھنے سے قریب مرگ ہو جاوے اللھم غفرانک فانا جاہلون۔ اور
حدیث مین ہو کہ آدمی بکا کرتا ہو کہ میرا مال میرا مال اور ہوا اسکے مال سے کیا سوائے اسکے جو کھا کر برباد کیا یا پہنکر پھاڑ دیا اور یا خیرات کر کے
اپنے لئے ذخیرہ کر لیا اور مترجم نے مقدمہ فتاوی مین اس حدیث کی فقہ کو بتفصیل نفیس بیان کر دیا ہے۔ فافھم واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔ القصہ
حضرت یوسف علیہ السلام نے اسکو یہ تعبیر دیدی اور وہ رخصت ہو کر چلا گیا اور بادشاہ وغیرہ سے بیان کر دیا تب بادشاہ نے طلب کیا۔ کما قال تعالیٰ۔

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس پھر جب پہونچا اُس پاس بھیجا آدمی کہا پھر جا اپنے خاوند پاس اور پوچھ اُس سے کیا حقیقت ہو ان عورتون کی
وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ

جنھون نے کاٹے ہاتھ اپنے میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے کہا بادشاہ نے عورتون کو کیا حقیقت
اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ

تمھاری جب تم نے پھسلایا یوسف کو اُسکے جی سے بولیان حاشاللہ ہم کو معلوم نہین اُس پر
إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ

کچھ برائی بولی عورت عزیز کی اب کھل گئی سچ بات مین نے پھسلایا تھا اسکو اسکے جی سے اور وہ تو
مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ

سچا ہے یوسف نے کہا تھا اسواسطے کہ وہ عزیز معلوم کرے کہ مین نے چوری نہین کی اس عزیز کی پیچھے اور یہ کہ اللہ نہین چلاتا فریب دغابازون کا
الصَّادِقِينَ ۝ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۝

وَقَالَ الْمَلِكُ۔ اور بادشاہ نے کہا کہ ائْتُونِي بِهِ۔ میرے پاس اسکو لے آؤ۔ شاید یہ غرض ہو کہ مین خود اسکی زبان سے سنون یا
ایسے نیک آدمی کا اکرام کیا جاوے جیسا کہ بغوی وسراج وغیرہ مین مذکور ہے اور ظاہر یہ ہو کہ قید سے رہائی دینی مقصود تھی یعنی اسکو
قید سے رہا کرو اور یہ منزلت دو کہ میرے دربار مین حاضر ہو کہین چلا نہ جاوے اسیواسطے یہ ہوا کہ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ۔ جب بادشاہ
کا ایلچی خواہ ساقی ہو یا اور کوئی ہو یوسف پاس آیا یعنی بلانے کو آیا چونکہ اسمین رہائی مضمر تھی لہذا قَالَ یوسف نے کہا کہ ارْجِعْ
لوٹ جا۔ إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے آقا کے پاس۔ فَاسْأَلْهُ۔ اور اس سے دریافت کر یعنی بطور میرے پیغام کے اُس سے پوچھ کہ۔ مَا بَالُ
النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ۔ کیا حقیقت ہو ان عورتون کے حال کی جنھون نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ۔ یہان چند
باتین سمجھنا چاہیئے اول یہ کہ جو شخص بلانے آیا تھا اُسکے ساتھ نہین گئے بلکہ یہ سوال پیش کیا اور صحیحین مین حضرت ابوہریرہ سے روایت
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحن احق بالشک من ابراہیم اذ قال رب ارنی کیف تحی الموتی الآیۃ۔ ویرحم اللہ لوطاً
لقد کان یاوی الی رکن شدید ولو لبثت فی السجن طول مالبث یوسف لاجبت الداعی۔ یعنی ہم زیادہ مستحق ہین شک کے ابراہیم کی
بہ نسبت جبکہ انھون نے کہا کہ رب ارنی کیف تحیی الموتی اور رحم فرماوے اللہ تعالیٰ لوط پر کہ البتہ ٹھکانا لیتا تھا رکن شدید کی جانب اور اگر

مین قید مین پڑا رہتا اسقدر دراز مدت کہ یوسف پڑا رہا تھا تو بلانیوالے کا کہا مان لیتا علماء نے لکھا ہو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب باری تعالیٰ عزوجل کی عظمت وکبریائی اور اسکے امتحان کی بڑائی وبزرگی کے مقابلہ مین تواضع کے طور پر اگلے انبیائے اولوالعزم کے مصائب امتحان مین ثابت قدمی بیان فرمائی یعنی یہ مقولہ آپکا بطریق تواضع ہو جو صفت محمود ہو ورنہ دوسری صحیح حدیث مین آیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ مین جو مصائب مجھ پر گذرے وہ کسی پیغمبر پر نہین گذرے ہین اور تجھے یہ وہم نہو کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن مین کیڑے ہوگئے تھے کیونکہ معاملات آلہی وخطرات نفس وطرق قبولیت ایسے باریک ہین کہ ظاہری صورتین جن کو ہم لوگ بہت مصیبت سمجھین وہ ہنوز کسی متقی اہلدل سے دریافت کے قابل ہین چنانچہ نظیر اسکی جہاد ہو کہ تلوار سے کفار کے ساتھ مقاتلہ کرنے کی سختی کو چھوٹا کہا اور ہر وقت نفس وخطرات شیطان سے مجادلہ کرکے راہ مستقیم پر استقامت کو بڑا جہاد فرمایا ہو حالانکہ ہماری نظر کا آدمی اسکے برعکس خیال کریگا فافہم اور امام احمد کی روایت مین ابوہریرہؓ کی حدیث اسطرح ہو کہ اگر بجائے یوسف کے مین ہوتا تو جلدی سے بلانا قبول کرلیتا اور اپنی برئت کا عذر نہ ڈھونڈھتا اور عکرمہ سے مرسل روایت ہو کہ مین تعجب کرتا ہون یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کا وہ انعام جو یوسف پر ہوا تھا بھلا نظر آتا ہو کہ اچھا صبر وکرم کیا اور اللہ تعالیٰ اسکو بخشے کہ جب اس سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو ذاتی کرم سے بتلادی اور اگر بجائے اس کے مین ہوتا تو نہ بتلاتا یہانتک کہ پہلے شرط کرلیتا کہ مجھے قید سے نکالو اور مجھے تعجب آیا یوسف اور اُن کے صبر وکرم پر اسکو اللہ تعالیٰ بخشدے جبکہ اسکے پاس بادشاہ کا ایلچی بلانے آیا تھا اور اگر بجائے اسکے مین ہوتا تو دروازے کی طرف سے آگے ہوتا ولیکن یوسف نے یہ چاہا تھا کہ تہمت سے اُسکا چھٹکارا ہوجاوے مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث مین پھر بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسکو بخشدے اور یہ لطیف اشارہ اہل دل وصاحب فہم فقیہ کیواسطے ہو جسکو اس حدیث کی حکمت دریافت ہو جسمین اپنی پاکیزہ ذات کے واسطے ظاہر مین انکسار فرمایا ہے حالانکہ خود افضل الرسل تھے اور شان توحید مین قید از جانب حق عزوجل ورہائی بھی از جانب حق عزوجل اور برائت باعلان حق عزوجل ہو کیونکہ قلوب قبضۂ قدرت آلہیہ مین ہین کوئی خطرہ خود نہین کرسکتے ہین اسیواسطے متقی وصالح کے حق مین طویل حدیث مین یہ مضمون ہو کہ لوگ اسکے ساتھ ابتدا مین عداوت کرتے ہین یعنی شیطان ان لوگون کو برانگیختہ کرتا ہو حتی کہ محل امتحان وآزمایش مین اسکو ہر طرف سے پریشانی ہوتی ہو یہانتک کہ جب وہ استقامت پر قائم رہتا ہے تو درجۂ احسان پر فائز اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ ندا فرماتا ہو کہ فلان بندے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے تو آسمان والون کی طرح زمین والے بھی اسکو دوست رکھین پس اسکی محبت کا بیج تمام شائستہ قلوب مین جم جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ قلوب عداوت یا محبت مین حکم آلہی عزوجل اپنے خالق کے مسخر ہین پس محل امتحان سے جہانتک جلدی ہوسکے مبادرت کرنا چاہیئے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ بالجملہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ایلچی کے ساتھ نہ جانا اس غرض سے تھا کہ لوگون کے دلون مین کوئی شبہہ تہمت کا نہ رہے کیونکہ ابتدا مین طفل گہوارہ کی شہادت وغیرہ سے لوگون کے دلون مین استحکام تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بری ہین چنانچہ قولہ امرأۃ العزیز تراود فتاہا عن نفسہ قد شغفہا حبا سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ الزام زلیخا پر لگاتے تھے لیکن پھر جب خاص لوگون نے مشورہ کرکے ان کو قید کیا تو احتمال ہوا ہوگا جسکے دفع ہونے اور پوری برئت ظاہر ہونے کی غرض سے جانے مین عذر کیا جیسا کہ حدیث مذکورۂ بالا سے یہ توجیہ ظاہر ہوتی ہو۔ یہان سے بعض علماء نے کہا کہ تہمت سے بچنا اور مواقع تہمت سے گریز کرنا انسان پر لازم ہو اقول بیشک مواقع تہمت سے بچاؤ مین بہت صلاح اور بے پروائی مین بڑے مفاسد ہین کیونکہ لوگ اسکی غیبت وتہمت سے گنہگار ہونگے جسکا یہی باعث ہوگا تو

یہ بھی معصیت کا شریک بلکہ خود سبب ہو گیا اور اگر عالم ہو تو اسکی اقتدا میں فتور ہو گا اور صحیحین میں حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا قصہ مذکور ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف میں شام کو بغرض دیدار آنحضرت صلعم تشریف لائیں اور تاریکی میں دو مرد صحابہ نے آپکو ام المومنین سے باتیں کرتے دیکھ کر واپس ہونے کا قصد کیا تو آپنے انکو آواز دیکر بلوایا اور فرمایا کہ یہ عورت صفیہ ہو یعنی میری پاک بی بی اور تم سب کی پاک ماں ہو تو اُنھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی شان میں ہم کو شبہہ ہوتا پس آپنے موقع تہمت سے اسقدر اہتمام کیا اور نہایت پیار شفقت سے ایسا کیا کیونکہ شاید شیطان کسی وقت غفلت پاکر ان دونوں کے دلوں میں کچھ دغدغہ دیتا جس سے یہ نتیجہ بہت سخت پیدا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاک مقدس پیغمبر افضل الانبیاء والرسل بلکہ خیر الخلائق اجمعین کی طرف ایسے وسوسہ سے اُنکے قلوب بہت بگڑ جاتے جسکی اصلاح بہت دشوار ہو جاتی تو آپنے کمال شفقت سے چاہا کہ ان پر شیطان کسی طرح قابو نہ پاوے اور اسی پر مبنی ہے مسئلہ فقہ کہ جو شخص مسجد میں ہوا اور اذان دی گئی اور لوگوں میں معروف نہیں ہو کہ یہ فلان شخص کسی دوسری مسجد کا امام ہو یا مانند اسکے تو اسکو نماز پڑھنے سے پہلے نکلنا نہیں چاہیئے تاکہ اسکی نسبت تہمت نہو کیونکہ تہمت کے موقع سے پرہیز واجب ہو اور اسی پر مبنی ہو یہ مسئلہ واسکے نظائر کہ کسی مومن و عالم کو روا نہیں ہو کہ شراب خانہ میں جاوے اگرچہ اسکی نیت اسکے تقبیح جلسہ دیکھنے کی ہو اور علی ہذا عالم ایسی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتا جہان ممنوعات ہوں اور اسی وجہ سے آجکل نکاح کی دعوتیں یا ایسی دعوت جسمیں ممنوع فعل ہو رد کرنا جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے دوسری بات اس مقام پر یہ ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام بطریق ظلم کے قید تھے ولیکن نکلنے سے انکار کیا تو مسئلہ معلوم ہوا کہ مظلوم اگر انفصال و تحقیق مقدمہ تک مشکل کے ساتھ طاعت پر صبر کرے اور تحقیق کا امر رکھے تو جائز ہے۔ تیسری بات قولہ ارجع الی ربک۔ سے معلوم ہوا کہ آقا و سردار کو رب کہنا بطریق مجاز جائز ہے یعنی ظاہری صورت میں جسکے ذریعہ سے پرورش ہوتی ہو اسکے ساتھ غریب پرور وغیرہ کا استعمال جائز ہو جبکہ یہ نیت ہو کہ درحقیقت یہی دینے والا اور پرورش کرنیوالا ہو اور جو لوگ نہایت تعظیم سے کسی کو مؤثر سمجھتے ہیں اُنکے حق میں حرام کیا بلکہ قریب کفر ہو اسیواسطے متقی علماء نے اس زمانہ میں لوگوں کو اس لفظ کی اجازت نہیں دی کیونکہ عوام کے دلوں میں تعظیم بھری ہوئی ہے چوتھی بات یہ ہو کہ آپنے ایلچی کو کہا کہ بادشاہ سے دریافت کر کہ اُن عورتوں کی کیا شان ہو حالانکہ ظاہر یہ تھا کہ یوں کہتے کہ عورتوں کے مقدمہ کی تحقیقات کرے تو سراج میں لایا کہ قولہ فاسالہ اس سے دریافت کر اور سوال کر۔ دو معنی کو محتمل ہو ایک تو پوچھنا و مانگنا اور دوم طلب کرنا و جستجو کرنا تو لفظ مابال النسوۃ اچھے موقع پر واقع ہوا کیونکہ یہ لفظ کسی چیز کی ماہیت و حقیقت دریافت کرنے میں مستعمل ہو پس جب ایک چیز مانگی اسطرح کہ اسکی حقیقت کا سوال کیا تو ضرور اس خیال سے کہ جاہل نہ کہلاوے تحقیقات کرنے پر آمادہ ہو گا بخلاف اس کے اگر یوں کہتے کہ اس سے کہہ کہ تحقیقات کرے تو غالب گمان یہ تھا کہ وہ بالکل پروا نہ کرتا بلکہ ناگوار جانتا کیونکہ اسکے دماغ میں بادشاہی تمکنت تھی۔ پانچویں بات یہ ہو کہ آنحضرت علیہ السلام نے اُن عورتوں سے تعرض کیا جنھوں نے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے اور زلیخا سے تعرض نہ کیا اور یہ کمال کرم و رعایت حقوق ہو اور اس ضمن میں برات حاصل ہونا عمدہ طریقہ ہو واضح ہو کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے انھوں نے حضرت یوسف کو معطر زمعاشرت زلیخا کے معائنہ و مشاہدہ کیا تھا اور غلبۂ ہیجان عورتوں کی طرف سے اس مقدمہ سے ظاہر تھا گویا جرم خیانت میں ہاتھ کاٹے گئے تھے اسواسطے انھیں عورتوں کو تحقیقات کیلئے متعین کر دیا۔ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ۔ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب آگاہ ہو۔ اشارہ ہو کہ ان عورتوں کا مکر بڑا خطرناک ہے۔ اور ان عورتوں نے مکر بہت زور دیا تھا کہ اپنی سیدہ یعنی زلیخا کا کہنا تجھے ماننا چاہیئے ورنہ تو قید میں تکلیف اُٹھاویگا۔ اور بعضوں نے کہا کہ ربی سے مراد بادشاہ ہو یعنی اسکو تو یہ قصہ معلوم ہو ولیکن یہ قول

ستمگر ہے بلکہ صحیح وہی ہے کہ اپنے مظلوم قید ہونے کی شکایت کے طور پر کہا کہ خدائے تعالیٰ خوب آگاہ ہے کہ ان عورتوں نے میرے ساتھ بڑے
بڑے مکر کئے اور اسطرح مجھے قید ہونا پڑا تاکہ آیندہ اگر قید سے رہا ہو کر بادشاہ کے قرب میں سکونت ہو تو اسکے خاندان کی عورتوں یا انھیں
پہلی عورتوں سے نجات رہے اور بار دگر اسی فتنہ میں پریشانی نہ ہو الغرض ایلچی واپس آیا اور اُس نے بادشاہ سے وہ سوال بیان کیا تب
بادشاہ نے عورتوں کو جمع کر کے یہ مقدمہ دریافت کیا۔ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ کہا کہ اے عورتو تمہاری کیا شان تھی یعنی یہ بڑا خطرناک واقعہ کس طرح
یوسف کی طرف سے انجام پذیر ہوا تھا۔ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ جبکہ تم نے یوسف کو اسکی ذات سے اپنی طرف لبھایا تھا
یہاں سے ظاہر ہو کہ بادشاہ کو اس امر کا قطعی یقین تھا کہ خواہش کرنے والیاں یہی عورتیں خود تھیں اور یوسف ؑ نے کچھ بھی نہیں چاہا تھا
اسیواسطے اُس نے یہ سوال ہی نہ کیا کہ تم نے یوسف ؑ سے خواہش کی تھی یا یوسف ؑ نے تم سے کچھ چاہا تھا بلکہ یہی کہا کہ تم نے چاہا تھا
ولیکن دریافت یہ کیا کہ شاید ان عورتوں کی خواہش کرنے اور اصرار کرنے و دھمکانے و ڈرانے اور ہر طرح کے مکر و فریب کرنے پر کوئی
بات آنحضرت علیہ السلام کی طرف سے سرزد ہوئی ہو تو بتلا دیں کہ انجام کیونکر ہوا چنانچہ مترجم کی اس تقریر پر دلیل یہ جواب ہے جو
عورتوں نے دیا کہ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ کہنے لگیں ماشاء اللہ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے اسمیں کوئی بدی نہیں دریافت کی یعنی دیکھنا تو درکنار بلکہ دریافت کرنے و جستجو
کرنے سے بھی ہمکو کوئی برائی اسمیں نہیں معلوم ہوئی تو لفظ سوء نکرہ تحت نفی ہے۔ اور حرف من سے ہر فرد ہر صغیر و کبیر برائی کی نفی ہو گئی یعنی کسی قسم کی بدی خواہ چھوٹی ہو یا
بڑی ہو کسی طرح سے ہمکو اسمیں دریافت نہیں ہوئی چونکہ زلیخا کو دریافت ہو گیا کہ آنحضرت علیہ السلام نے سر آمکرہ اس درمیان سے فقط میری آبرو کا لحاظ
کر کے۔ اقطرد یا ہو تو اسے جوش محبت اس نیکی کے عوض نیکی کرنی چاہی قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ۔ عزیز کی جورو یعنی زلیخا بولی کہ۔ اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ
اب سچائی خوب صاف کھل گئی۔ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ میں نے ہی یوسف کو اسکی ذات سے لبھایا تھا۔ اُس کی طرف سے
کوئی بُرائی نہیں ہے یہ عورتیں سچ کہتی ہیں کہ ان کو اسمیں کوئی بدی معلوم نہیں ہوئی اور اب میں بھی کہتی ہوں کہ۔ وَاِنَّهٗ
لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ اور وہ بے شبہ سچے آدمیوں میں سے ہے یعنی بہت سچا ہے کیونکہ جو لوگ سچے معلوم و متعین ہیں ان میں سے
ہونا اظہار اس امر کا ہے کہ یقینی سچا ہے۔ سراج وغیرہ میں لایا کہ یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے
ہم و قصد وغیرہ کچھ بھی واقع نہیں ہوا جیسا کہ بعضے اہل ہوی و ہوس فرقہ حشویہ میں سے ایک پیغمبر خاص علیہ السلام کی شان میں گمان کرتے
ہیں مترجم کہتا ہے کہ شیخ ابن کثیر ؒ نے نقل کیا کہ ابن جریر ؒ نے اپنے اسناد کے ساتھ عکرمہ کے طریق سے ابن عباس ؓ سے روایت کی کہ جب
یوسف ؑ نے کہا کہ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ۔ الآیۃ تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ نہ اسوقت کہ جب آپنے کچھ قصد کیا تھا تو یوسف علیہ السلام
نے کہا کہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ الآیۃ۔ مترجم کہتا ہے کہ اسناد اس روایت کی حسن ہے ولیکن باوجود اس روایت کے مترجم کا زعم ہے کہ
کوئی بُرائی حضرت یوسف پر نہ تھی جیسا کہ صریح قولہ ما علمنا علیہ من سوء سے ظاہر ہے اور روایت ابن عباس ؓ میں ہم بتشدید میم سے مقصود
دفعۂ خاطر و خطرات ہیں جو بلا اختیار محل امتحان میں خطور کرتے ہیں اور آدمی لحظہ لحظہ ان کو دور کرتا رہتا ہے اور یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ ارادہ کیا کہ
اس عورت کیساتھ کوئی فعل ممنوع کیا جائے جیسا کہ عوام نے زعم کیا ہے حتی کہ قصہ خوانوں نے اپنے اپنے قصہ میں عجیب عجیب بو ساخت
سے بیہودہ گوئی کی کہ عورت کا ازار بند کھولا اور اپنا ازار بند کھولا اور کسی نے اور بڑھکر کہا کہ اُس مقام پر تخلیہ کیا اور سامان تیار کیا اور کسی نے
اور تجاوز کیا کہ دونوں عورت کے چار زانو کے درمیان بیٹھے۔ نعوذ باللہ من تلک الخرافات۔ اور اگر روایت مذکورہ کے یہ معنی فرض
کئے جاویں تب بھی روایات متروک کی ہو جاویں گی۔ اگر کوئی کہے کہ عمل سے پہلے قصد عفو ہے اور مجرد زعم سے روایات ترک نہیں

ہوسکتی ہین خصوص جبکہ صحابی کی روایت تفسیر مین بمنزلہ مرفوع کے ہو تو جواب یا جاوے کہ حدیث صحیح کے موافق نیکی کے قصد پر ایک ثواب ہے تو مقابلہ مین بدی کا قصد مستحق ایک گناہ کا ہو اگرچہ عام رحمت آلٰہیہ نے اسکو عفو کر دیا ہے پس معصوم پیغمبر سے اسکا ارتکاب ممنوع ہو خصوص جبکہ عوام پر خواص کا قیاس محض جہالت ہو اور یہ امر محقق مدلل ہو مجرد زعم نہین ہو اور یہ جو کہا کہ تفسیر صحابی حکم مرفوع رکھتی ہے تو اسکے معنی یہ ہین کہ جو احکام توقیفی ہون یعنی قیاس کو دخل نہوا اور سابق قصہ پر محمول نہ ہو وہان مرفوع کا حکم اسلیئے ہو کہ ضرور سنکر روایت کیا گیا اور بیان قصہ صریح مرفوع مین کہین مذکور نہین ہو اور اکثر باتین بنو اسرائیل و یہود سے لی گئی ہین پس بیان سے تو متعین ہو کہ یہ روایات اہل کتاب ہے جنکی نسبت حضرت عبداللہ بن سلام نے شہادت دی کہ یہودی ایک بہتان باندھنے والی قوم ہو جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث مین مصرح ہو لہذا اس روایت پر اعتماد نہین ہوسکتا ہو کیونکہ قرآن پاک مہیمن ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آگی کیفیت بیان فرمائی ہو تو جس طرح اسمین مذکور رہے وہی صحیح ہو اور جو اہل کتاب نے تغیر و تبدیل کر کے بنایا وہ تحریف باطل ہو حتی کہ سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہتے چلے آتے تھے حالانکہ وہ مثل داؤد علیہ السلام کے پیغمبر تھے جسکو قرآن مجید نے صاف ظاہر کر دیا۔ مترجم کو جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہی ہو کہ ہمّ سے مراد خطرہ ہو جو ہیم دفع کرتے جاتے تھے کیونکہ اس صورت مین ثواب جمیل و جزیل ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ القصہ جب ایلچی کی زبانی بادشاہ نے عورتون کا حال دریافت کرنا سُنا اور ان عورتون سے تفتیش کیا بلکہ مکر اپنی فراست کے موافق تحقیق و اقرار بجلت لیلیا تو ایلچی واپس گیا گویا یہ پیغام دیا کہ عورتون کا یہ حال ہو اور تم نے اسکو کیون دریافت کیا اور چلنا اسپر کیون موقوف کہا تو حضرت یوسفؑ نے جواب دیا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ۔ یہ امر اسواسطے مین نے پوچھا کہ وہ شخص جسنے مجھے بطور فرزند پرورش کیا تھا اور وہان بادشاہ کے پاس وزارت پر مامور ہو اور مین جاتا تو ضرور اس سے میرا سامنا ہوتا اور اُسی نے مجھکو یہان قید کیا تھا وہ میرے پیٹھ پیچھے یقیناً جان لیوے کہ مین نے ہرگز اسکی خیانت نہین کی تھی جبکا مجھ پر الزام عورتون نے لگایا۔ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ اور اللہ تعالیٰ راہ نہین دیتا خیانت کرنیوالون کے مکر کو۔ یعنی جو کوئی کسی کے کام مین یا کسی امانت مین خیانت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے مکر کو پورا ٹھیک رودان نہین ہونے دیتا ہو۔ اگر کہا جاوے کہ ذٰلک لیعلم الخ۔ اس صورت مین حضرت یوسف کا مقولہ ہو اور اوپر کی آیت زلیخا کا مقولہ ہو تو اسمین ربط ساقط ہوگا تو جواب یا جاوے کہ نہین بلکہ قرینہ جب صاف ہوتا ہو تو عبارات حذف ہوتے ہین جیسے قولہ انا انبئکم بتاویلہ فارسلون یوسف ایہا الصدیق الآیۃ۔ مین ہو چنانچہ تقدیر کلام اسطرح ہو کہ فارسلون فاجابوہ الی ذٰلک وارسلوہ فجاء الی یوسف فکلمہ یا یوسف ایہا الصدیق یعنی جب ساقی نے کہا کہ مجھے بھیجو تو اُنھون نے کہنا مان لیا اور اسکو یوسف کے پاس بھیجا وہ یہان آیا اور یوسف سے مخاطب ہوکر عرض کرنے لگا کہ یوسف اے میرے بڑے راست گوے الی آخرہ اسی طرح یہان ہو کہ بادشاہ نے اُن کو بلوایا اور آپنے اسکا جواب نہ دیا بلکہ ایلچی سے کہا کہ بادشاہ سے ان عورتون کا حال دریافت کرلا۔ پس ضرور ہو کہ دریافت کی حکمت پوچھی جاوے کہ تم نے کیون دریافت کیا کیونکہ یہ تو بادشاہ کو معلوم تھا کہ عورتون ہی نے یوسف کو فریب سے اپنی طرف لبھایا تھا تو اس عجیب واقعہ کا انجام یوسف کی طرف سے کیونکر ہوا یعنی اسکی طرف سے بھی کوئی خواہش کسی طرح ظاہر ہوئی یا نہین تو انھون نے صاف کہدیا کہ ہرگز نہین ہرگز نہین حاشاللہ اسکی طرف سے تو ہمارا دیکھنا کیا بلکہ ہم کو کچھ معلوم بھی نہین ہوا ہو اور زلیخا نے کہدیا کہ اب تو یہی بات سب پر کھل گئی جب یہ حال تھا تو ایلچی پھر گیا اور اُس نے پوچھا ہوگا کہ یہ کیون دریافت کیا گیا اور مترجم نے اوپر اشارہ کیا کہ یہان ضرور اس امر کا خطرہ ہوگا کہ اصل مین تو وزیر کی نزدیکی سے اسکی جورو اور دیگر عورتون سے

یہ شقت پیش آئی اور اب بادشاہ بلاتا ہو تو وہان بھی ایسے خاطر وہین قدم رکھنا پڑیگا علاوہ اسکے عزیز مصر وہان موجود ہو جسنے مجھے قید کیا تھا پس خیانت کا الزام اسکی خاطر مین شل اور لوگون کے جو بصلحت قید مین شریک تھے موجود ہوگا پس اس تحقیقات کرانے کا فائدہ اور اپنی غرض بیان کر دی فافہم واللہ اعلم یہ تفسیر جو مذکور ہوئی ایک جماعت مفسرینؒ کا قول ہو اور عکرمہ سے ابن عباسؓ سے یہی ثابت کیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ شیخ ابن جریر و ابن ابی حاتم نے فقط اسی کو نقل کیا ہو کوئی اور معنی نہین نقل کئے اور شیخ ابن کثیرؒ کا ظاہر کلام مشعر ہے کہ زیادہ مشہور و بہت مناسب و نہایت لائق یہ معنی ہین کہ قولہ ذلک لیعلم الخ زلیخا کا کلام ہو وہ کہتی ہو کہ چونکہ اسوقت مین حق بات عام طور پر کھل گئی کما قالت الآن حصحص الحق ۔ تو مین اقرار کرتی ہون کہ بیشک مین نے ہی اسکو فریب سے لبھایا تھا اور مین یہ بھی کہتی ہون کہ انہ لمن الصادقین ۔ وہ سچا ہے کہ اسنے ہرگز کچھ قصد نہین کیا بلکہ مین نے یہ قصد کیا ولیکن ابتدائے وقت مین حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ مین ایسی پرہیزگاری و تقوی کا خیال سب لوگون کے دلون مین نہ تھا پس اگر زلیخا اسوقت حق بات کہتی تو ضرور لوگ اتہام کرتے کہ جب یہ خود خواہش کرتی تھی تو کچھ کرا مزور حادث ہوا ہوگا ۔ پھر کس کس سے عذر کیا جاتا اور اب حق بات صاف کھل گئی تو مین نے اقرار کر دیا اور موافق بیان یوسفؑ کے اور مطابق ظاہر حال و اعتقاد کے جو اسکی جانب کمال تقوی و طہارت کا عام طور پر سب کے دلون مین ہو مین بھی تصدیق کرتی ہون اور یہ اسواسطے کہتی ہون کہ عزیز کو یہ معلوم ہو جاوے کہ مین نے درپردہ اسکی خیانت نہین کی یعنی کوئی امر واقع نہین ہوا جیسا کہ یوسفؑ کی طہارت و تصدیق براءت سے ظاہر ہو اور جو شخص خائن ہوتا ہو اسکے مکر کو سرسبزی نہین ہوتی ہو اور جو شخص اللہ تعالی کی امانت اور بندون کی امانت ادا کرتا ہو وہ دنیا و آخرت مین فلاح پاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ

یہ ہمارا دفتر ہے، بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک (الجاثیہ)

اُردو زبان میں قرآنِ پاک کی ضخیم ترین مستند تفسیر

مواہب الرحمٰن

مفسر

بحر العلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء — ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ

۳۲-اے شاہ عالم مارکیٹ - لاہور